بفیضانِ کرم

تاجدارِ اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں رضی اللہ عنہ

عرسِ اعلیٰ حضرت کے حسین موقع پر خوبصورت پیش رفت

ماہنامہ

پیغام رضا

اُجین کا

حضور مفتی اعظم نمبر

مدیرِ اعلیٰ

قاری محمد لیاقت رضا نوری

انجمن پیغام رضا ٹرسٹ

سنی چوک مسجد کمپلیکس ٹی کے روڈ بھداوتی شیموگہ

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

     /makhtarraza1011

فائل کی فراہمی کے لئے ہم حضرت علامہ
لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی کے شکر گزار ہیں
نوٹ: پی ڈی ایف فائل میں ابتدائی 16 رنگین صفحات
عدم دستیابی کے سبب شامل نہیں ہیں۔

Team www.muftiakhtarrazakhan.com

بفیض: تاجدارِ اہلِ سُنّت حضور مفتی اعظم محمد مصطفی رضا قادری نوری رضی اللہ عنہ

ماہ نامہ پیغامِ رضا اُجین کا
حضور مفتیِ اعظم ہند نمبر

مرتب

مولانا لیاقت رضا نوری

ناشر

نام کتاب	پیغامِ رضا اُجین کا حضور مفتی اعظم نمبر
مدیر اعلیٰ	محمد لیاقت رضا نوری
سن اشاعت:	بموقع عرسِ اعلیٰ حضرت ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۵ء
تعداد	1100
صفحات	164
قیمت	

اس شمارے میں

باب اوّل: اپنی بات

باب دوم: پیغامات

باب سوم: سوانحات

باب چہارم: نوریات

باب پنجم: فقہیات

باب ششم: خدمات

باب ہفتم: امتیازات

باب ہشتم: ادبیات

باب نہم: شخصیات

باب دہم: منظومات

باب اوّل

اپنی بات

قاری لیاقت رضا نوری

اپنی بات

ہماری زندگی کا اہم ترین مقصد پیغامِ رضا، افکارِ رضا اور انوارِ رضا کی بڑے پیمانے پر ترویج واشاعت ہے۔ اعلیٰ حضرت، مسلکِ اعلیٰ حضرت ہماری شناخت اور پہچان ہے۔ ہم مسلکِ اعلیٰ حضرت کو عین دین اسلام سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی تحقیقات، تالیفات اور تصنیفات ایک ہزار سے زائد ہیں، ان میں بہت ساری کتابیں ابھی الماریوں کی زینت ہیں۔ رحمت الٰہی سے امید ہے کہ یہ تمام کتابیں دیر یا سویر زیورِ اشاعت سے آراستہ ہوں گی اس لیے کہ ان کے ہاں دنیا نہیں تھی۔ انہوں نے جو کام کیا دین کی محبت میں کیا ہے۔ رضائے الٰہی کے لیے کیا ہے اور عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ڈوب کے کیا ہے۔ ان کی کسی بھی کتاب کو مسلکِ اعلیٰ حضرت سے الگ دیکھنا جہالت، نادانی اور تنگ نظری ہے اور امّتِ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فتنوں میں مبتلا کرنا ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت اعمال وعقائد کے مجموعے کا نام ہے، ہمارے اسلاف نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کی یہی تعریف کی ہے۔ اور انہوں نے اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت دیا ہے۔ اپنے اسلاف سے جڑے رہنے میں دارین کی سعادتیں ہیں۔ مسلمان جب بھی اپنے اسلاف کی پاکیزہ ڈگر سے ہٹا ہے سماج اور معاشرے میں انارکی پھیلی ہے اس لیے جو لوگ منصبِ افتاء وارشاد پہ جلوہ افروز ہیں، انھیں ایسی روش سے اجتناب کرنا چاہیے جو امّت کو فساد کے سمندر میں ڈھکیل دے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ کے خلفا، تلامذہ اور ان کے معتقدین کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان کے خلفا، تلامذہ اور معتقدین کا ہر فرد علم وعمل، فکر و تدبر اور شرافت ونجابت کے باب میں اپنی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کی کسی بھی حیثیت کو آج کے کسی بھی فرد میں چیلنج کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے مکتبِ علم وعرفان میں جسے تھوڑی دیر بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس کے مقدر کو ثریا کی بلندی رشک بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ ان کے مکتب علم وعرفان میں

جس نے بھی تربیت پائی اسے دنیا نے جنرل اور کرنل کے روپ میں دیکھا۔ ان کے مکتب میں بیٹھنے والوں سے دین و شریعت کا چہرہ کبھی داغدار نہیں ہوا ہے۔ وہ صرف پڑھاتے ہی نہیں تھے بلکہ سینے میں علوم و معارف کا سمندر انڈیل دیتے تھے۔ وہ پلاتے تھے اور خوب پلاتے تھے اور پینے والوں کو حدوں سے باہر بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے کنٹرولر بھی تھے، ان کی نگاہ پوری دنیا پہ تھی، دنیا کے پل پل بدلتے ہوئے حالات پہ تھی۔ دنیا کے کسی خطے سے کوئی اہم سوال اُٹھتا تو اس سوال کا جواب آپ دیتے۔ ہنگامی حالات میں علماء اور مفتیانِ کرام کی نگاہیں آپ کی سمت لگی رہتیں۔ آپ کی ذات پوری دنیا کے لیے قبلہ عقیدت بھی تھی اور قبلۂ حاجات بھی۔ پوری دنیا نے آپ کی فقاہت، عبقریت، جامعیت اور قیادت کو بسر و چشم قبول کیا۔ آپ اپنے عہد میں معیارِ حق، پیمانۂ حق اور علامتِ حق کے روپ میں دیکھے جاتے تھے۔ آپ کی کسی تحقیق کو کل کسی میں چیلنج کرنے کی طاقت تھی نہ آج طاقت ہے اور نہ آئندہ کل طاقت ہوگی۔ آپ کا تحقیقی و تصنیفی سرمایہ کل کا کل مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے۔ اس لیے جو لوگ تحقیقاتِ اعلیٰ حضرت کو تسلسل کے ساتھ نشانہ بنا رہے ہیں انھیں اپنے عمل پہ سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ اپنے ذاتی اور گروہی مفاد کے لیے شریعت کے چہرے کو داغدار کرنے کا حق کل کسی کو تھا، نہ آج کسی کو ہے اور نہ آئندہ کل کسی کو ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تربیت گاہ میں انسان ڈھلا کرتے تھے۔ آپ کی تربیت گاہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بھٹی تھی۔ اس بھٹی میں جو چند ساعتیں گذار کر نکلتا تھا، اس کا شمار کاملانِ زمانہ میں ہوتا تھا۔ اس سے آدمی اور آدمیت، انسان اور انسانیت سب شرفیاب ہوا کرتے تھے۔ اس کا وجود پوری انسانی آبادی کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہوا کرتا تھا۔ ان کی تربیت گاہ سے تربیت پا کر نکلنے والوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ اس فہرست میں جو چہرے نظر آتے ہیں ان کی حیات کا ہر ورق شریعت و طریقت کے نور سے روشن ہے آج ان کی ذات ہر بزم میں حوالوں کے کام آتی ہے۔ چند نمایاں چہرے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت سیّد شاہ احمد اشرف کچھوچھوی، حضرت سیّد شاہ محمد میاں محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی، صدرالافاضل حضرت سیّد شاہ نعیم الدین مرادآبادی، حضرت صدرالشریعہ امجد علی اعظمی، مبلغِ اسلام حضرت عبد العلیم صدیقی میرٹھی، حضرت احمد مختار صدیقی میرٹھی، ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین فاضل بہاری، حضرت سیّد شاہ سلیمان اشرف بہاری، قطب مدینہ حضرت ضیاء الدین مہاجر مدنی، برہانِ ملّت حضرت برہان الحق جبل پوری، حضرت مفتی سیّد دیدار علی الوری، حضرت مفتی محمد غلام جان ہزاروی، سیر بیشہ اہل سنّت مولانا ہدایت رسول رام پوری، حضرت مولانا مشتاق احمد کانپوری۔

مذکورہ شخصیات وہ شخصیات ہیں جنھوں نے اپنی حیات کا کچھ حصہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تربیت گاہ کو دیا ہے۔ چند ساعتوں کا حال یہ ہے کہ کسی کو دنیا نے صدر الافاضل کی شکل میں دیکھا، کوئی محدثِ اعظم بن کر دنیا میں متعارف ہوا، کوئی صدرالشریعہ بن کر آسمانِ علم پر چمکا، کوئی شیر بیشۂ اہل سنّت کے نام سے مشہور و متعارف ہوا اور کوئی برہانِ ملّت کے نام سے علمی دنیا میں جانا گیا۔ ساعتوں کے فیضان نے وقار و اعتبار، شہرت و عزت اور علم و کمال کی اس بلندی پر پہنچا دیا جہاں نگاہ اٹھا کر دیکھنے والوں کے سر سے ٹوپیاں گر جاتی ہیں۔ تربیت گاہ میں بیٹھنے پر اتنی برکتیں حاصل ہوسکتی ہیں تو گود میں پرورش پانے والوں کا حال و مقام کیا ہوگا؟

حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علّامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ کی گود میں پلے، بڑھے اور آپ کے خصوصی کرم کے سائے میں جوان ہوئے۔ ایسی صورت میں حضور مفتیٔ اعظم ہند کی علمیت، قابلیت اور رفعت و عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی کہ خدایا ہمیں ایک ایسا بچہ عطا فرما جو تیرے دین کی خوب خوب خدمت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت خود قطبِ وقت اور غوثِ زمانہ تھے، انھیں معلوم تھا کہ میرے لاڈلے کی روحانی امانتیں مارہرہ شریف میں رکھی ہوئی ہیں۔ خاتم الاکابر حضرت سیّد شاہ ابو الحسین احمد نوری علیہ الرحمہ ان امانتوں کے امین ہیں۔ ولادت کی شب اعلیٰ حضرت اور نوری

میاں کے درمیان مختلف علمی موضوعات پہ تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ جب شب کا زیادہ حصہ بیت گیا تو دونوں شخصیات آرام کے لیے اپنی اپنی قیام گاہ میں چلی گئیں۔ رات میں دونوں بزرگوں کو حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ولادت کی بشارت ہوئی۔ صبح کی نماز کے لیے دونوں مسجد میں حاضر ہوئے۔ مسجد کے زینے پہ دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور دونوں نے وہیں ایک دوسرے کو حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ولادت کی خبر دی۔ حضرت نوری میاں نے وہیں اعلیٰ حضرت کی اجازت سے حضور مفتیٔ اعظم ہند کو اپنی بیعت میں لیا اور کچھ روحانی امانتیں اعلیٰ حضرت کے سپرد کیں اور فرمایا کہ یہ بچہ مادرزاد ولی ہے اس کے ذریعہ کثیر خلق خدا ہدایت پائے گی، میں جلد ہی بریلی آکر اس بچہ کی بقیہ امانتیں اس کے سپرد کردوں گا۔

جب حضور مفتیٔ اعظم ہند کی عمر چھ ماہ کی ہوئی تو حضرت نوری میاں بریلی شریف تشریف فرما ہوئے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کو اپنی گود میں لیا اور اپنی شہادت کی انگلی حضور مفتیٔ اعظم ہند کے دہن مبارک میں ڈال دی، حضور مفتیٔ اعظم ہند انگلی کو اس طرح چوستے رہے جس طرح بچہ ماں کا دودھ چوستا ہے۔ حضرت نوری میاں نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کو خوب نوازا، کتنا نوازا یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ حضرت نوری میاں نے جس انداز میں حضور مفتیٔ اعظم ہند کو بیعت میں لیا، یہ خانقاہ برکاتیہ کی روایت نہیں تھی۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کو عظمتوں کی یہ سندات پالنے میں مل رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند کو کبھی کسی نے مجاہدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن رفعت و بلندی کا یہ عالم ہے کہ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور شرافت و نجابت کی بلند گردنیں آپ کے حضور ہر وقت خم رہا کرتی تھیں۔ شریعت و طریقت کے جو اسرار آپ کے سینے میں تھے آپ کے عہد میں کوئی دوسرا اس شرف کا حامل نہ تھا۔ آپ کا پورا وجود علم، عمل اور عشق سے عبارت تھا۔ آپ کے سامنے شریعت و طریقت کی دو نہریں تھیں، والد ماجد اعلیٰ حضرت اور پیر و مرشد حضرت سیّد شاہ ابو الحسین احمد نوری اور دونوں نہروں سے آپ خوب خوب سیراب ہوئے۔ آپ ابتدا ہی میں بے شمار علوم و فنون کے حامل اور شریعت و طریقت کے اسرار سے واقف ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سال آپ کو سند فراغت سے نوازا گیا، اسی سال رضاعت کے موضوع پہ فتویٰ دیا۔ فتویٰ نویسی کی کسی نے آپ کو تربیت نہیں دی تھی۔

اس کے باوجود فتویٰ حرف بحرف درست تھا، اعلیٰ حضرت نے فتویٰ دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا، انعام سے نوازا اور مسند افتاء پہ بٹھا دیا۔ آپ کی فتویٰ نویسی کی عمر قریب قریب ۷۲؍ سال پر محیط ہے۔ اس ۷۲؍ سالہ فتویٰ نویسی میں آپ کو کبھی اپنے کسی فتویٰ سے رجوع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ آپ علم، عمل اور عشق میں اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت کے مظہر تھے۔ جہاں پوری دنیا کے مفتیانِ کرام کا علم تھک کر بیٹھ جاتا وہاں سے آپ کے علم کی ابتدا ہوتی۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی شخصیت بے شمار خوبیوں اور کمالات کی جامع تھی، جہاں آپ علما و مشائخ کے مرجع تھے وہیں خلق خدا کا قبلۂ عقیدت بھی، بڑے بڑے اہل علم جب کسی علمی مسئلہ میں الجھ جاتے تو آپ سے رجوع ہوتے۔ آپ الجھے مسائل کا اس طرح حل پیش فرماتے جیسے کوئی الجھن ہی نہ تھی۔ علما آپ کی حیات کے اس رخ کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے۔ آپ کو کبھی کسی نے کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن جب کسی موضوع پہ گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ فقہ و افتاء کے سارے دبستان آپ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ آپ کی حیات کا کوئی باب ایسا نہیں ہے جس پہ کوئی انگلی رکھ سکے۔ چاند جب بادلوں میں چھپ جاتا ہے تو اس کی نورانیت متاثر ہوتی ہے، لیکن آپ شریعت و طریقت کے ایسے چاند تھے کہ کبھی آپ کا حسن متاثر نہیں ہوا۔ عمر کا کارواں جیسے جیسے آگے کی سمت بڑھتا رہا آپ کے حسن و دلکشی میں اضافہ ہوتا رہا۔ جب آپ کسی بزم میں جلوہ افروز ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ شمع جل رہی ہے اور چاروں سمت سے پروانے منڈلا رہے ہیں۔ آپ کو کبھی دنیا کی کوئی طاقت مرعوب نہ کر سکی۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا جو فریضہ آپ نے انجام دیا ہے آپ کے زمانے میں اس کی کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی۔ آپ کی حیات کی صحیح تصویر کھینچنے کے لیے لغت میں الفاظ نہیں ملتے اور جو الفاظ ملتے ہیں ان سے بھی بے بسی ٹپکتی ہے۔ وہ کمالات کے جامع تھے اور ان کی یہ جامعیت آج بھی مسلّم ہے۔ اگر کسی ادارے، کسی خانقاہ اور کسی زمین سے آپ کے خلاف کوئی آواز بلند ہوتی ہے تو سمجھ جایئے کہ وہ زمین رحمتِ الٰہی سے محروم ہو چکی ہے۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کو ہم نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ برسوں ان کی خدمت کی سعادتیں ملی ہیں اور ان کے علم و حکمت سے بھرپور کلام کی حلاوتوں سے مشامِ جاں معطر ہوتی

رہی ہیں۔ ہماری عمر جب بہت کم تھی تو درونِ خانہ و بیرونِ خانہ دونوں خدمتیں ہمارے حصے میں تھیں۔ اس طرح ہم نے حضور مفتئ اعظم ہند کی خلوتوں کو بھی دیکھا ہے اور جلوتوں کو بھی، عام طور پر لوگوں کی خلوت و جلوت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ چاہتے ہوئے بھی خلوت و جلوت میں یکسانیت نہیں لا پاتے۔قول و فعل کا معاملہ تو اور بھی افسوس ناک ہے، ہم نے حضور مفتئ اعظم ہند کو گھر کے اندر بھی دیکھا ہے، گھر کے باہر بھی، نجی محافل و مجالس میں بھی دیکھا ہے، علما و مشائخ کے بیچ بھی دیکھا ہے اور مریدوں کے ہجوم میں بھی دیکھا ہے، ہمیں آپ ہر جگہ یکساں نظر آئے۔ گھر کے اندر ہیں تو شریعت کا التزام، گھر کے باہر ہیں تو شریعت کا التزام، علما کی بھیڑ میں ہیں تو شریعت کا التزام اور مریدوں کے ہجوم میں ہیں تو شریعت کا التزام یعنی آپ کے ہاتھوں سے کہیں بھی کسی بھی حال میں شرعی اصولوں کا دامن چھوٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔فرائض و واجبات تو چھوڑ یئے سنن و مستحبات پہ عمل سے بھی کبھی لمحہ بھر کے لیے غافل نہیں دیکھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ شریعت کے سانچے میں ڈھلے ڈھلائے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی کتابِ حیات کا ہر ورق شریعت کے نور سے معمور تھا۔آپ خلق خدا کی شرعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اکثر سفر میں ہوتے، لیکن سفر میں بھی آپ کو شرعی اصولوں سے کبھی غافل نہیں دیکھا گیا۔ سفر میں جب نماز کا وقت آتا تو ٹرین سے اتر کر باجماعت نماز ادا فرماتے، کبھی کبھی نماز ادا کر رہے ہوتے اور گاڑی چلی جاتی۔ احباب و مریدین پریشان ہو جاتے لیکن آپ کے چہرے پہ ملال کی کوئی لکیر نہ ہوتی، دوسری گاڑی کے انتظار میں اسٹیشن پر بیٹھ جاتے، جیسے ہی آپ کا بستر لگتا لوگوں کی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی۔ پھر وہی حاجت روائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ایسا محسوس ہوتا کہ آپ نے حاجت مندوں ہی کے لیے گاڑی چھوڑی ہے۔آپ کی حیات کے کن کن گوشوں کو بیان کیا جائے، آپ کی حیات کا ہر گوشہ ایک مکمل کتاب کا متقاضی ہے۔

زیر نظر پیغامِ رضا کا حضور مفتئ اعظم ہند نمبر یہ ایک غلام کی طرف سے آقا کی بارگاہ میں عقیدت و خلوص کا ایک حقیر نذرانہ ہے۔ یہ نمبر عقیدت و محبت کا ایک حسین چمن ہے۔اس چمن کی آرائش و زیبائش میں اہل عقیدت کی پوری ایک ٹیم شامل ہے اور سب کے سب بے پناہ شکریے

کے مستحق ہیں۔ سب سے زیادہ شکریے کے حقدار اہل زبان و قلم ہیں کہ اگر ان کا تعاون نہ ہوتا تو چمن کے آباد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے صرف اور صرف آقائے نعمت حضور مفتیِٔ اعظم ہند کی محبت میں اپنا قیمتی وقت دیا ہے۔ ربِّ کائنات انھیں حضور مفتیِٔ اعظم ہند کے روحانی فیضان سے مالامال فرمائے آمین۔ علم و فن اور عقیدت و محبت کے اس گلشن کو سجانے میں جن دوسرے حضرات نے ہمارا ساتھ دیا ہے، ہم ان کا تفصیلی شکریہ بعد میں ادا کریں گے۔

حضور مفتیِٔ اعظم ہند کی شخصیت کا ہر باب سمندر جیسی وسعت رکھتا ہے اور اس نمبر کی حیثیت کوزے کی ہے اور سمندر کو کوزے میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک محاورہ ہے اور محاورہ بہت کم حقیقت کے لباس میں آتا ہے۔ اس کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے خواجہ غریب نواز کی طرح غلامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا پڑے گا۔ بہرحال اس مختصر سے نمبر میں حضور مفتیِٔ اعظم ہند کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پہ گفتگو کی گئی ہے لیکن اس گفتگو کی حیثیت اشارے کی ہے۔ جس طرح ایک سرسبز و شاداب گلشن میں مختلف اقسام کے پھول ہوتے ہیں، اگر پھولوں کے اسماء کی فہرست بنائی جائے تو چند صفحات میں تمام اسماء آجائیں گے اور اگر ہر پھول کے خواص، ان کی رنگت اور ان کے اثرات پہ گفتگو کی جائے تو دفاتر بھی ناکافی ہیں۔ حضور مفتیِٔ اعظم ہند کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے، ان کی حیات کی تمام جہتوں کو احاطۂ تحریر میں لانا دشوار ہی نہیں بہت دشوار ہے۔ آپ ایک انتہائی علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، آپ کے پردادا حضرت شاہ رضا علی خاں، آپ کے جدِّ امجد خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خاں، آپ کے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، آپ کے برادرِ اکبر حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں اور آپ کے مرشد گرامی خاتم الاکابر سیّد شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہم الرحمہ یہ وہ شخصیات ہیں جن کے دینی، ملّی اور علمی کارناموں کو سمیٹنے کے لیے درجنوں مجلدات بھی ناکافی ہیں۔ آپ کا خاندانی پس منظر بھی بڑی وسعت رکھتا ہے۔ آپ کے خاندانی شخصیات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ان کے اجمالی تعارف کے لیے بھی مجلدات چاہیے۔ خود آپ کی حیات کے درجنوں عناوین ہیں اور ہر عنوان علمی اور تحقیقی نوعیت لیے ہوا ہے۔ علمی اور فکری انحطاط کے اس دور میں آپ کی حیات سے وابستہ کسی بھی عنوان کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ ابھی حال ہی

میں آپ کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی نے اپنا ایک تحقیقی مقالہ علمی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ آپ کی حیات وخدمات پر اب تک جتنے کام ہوئے ہیں، فقہ وفتاویٰ کو چھوڑ کر ان میں اس کی نوعیت سب سے الگ ہے۔ پھر بھی یہ مقالہ آپ کے شعری مقام ومرتبہ کا پورے طور پر احاطہ نہیں کرتا۔ آپ کی شاعری کے حوالے سے ابھی بہت سارے گوشے تشنہ ہیں، آپ کی شاعری پہ عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ گفتگو کے لیے کئی مشاہد کی ضرورت ہے۔

حضور مفتیِ اعظم ہند کی زندگی سمتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کی کتابِ حیات کے جو عناوین ہیں ان میں آپ کی فتویٰ نویسی، تقویٰ شعاری اور خلق خدا کی حاجت روائی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مذکورہ عناوین پر بکثرت مقالات لکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی بھی مقالہ کو مکمل نہیں کہا جاسکتا، آپ کے فقہ وفتاویٰ پہ بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ان میں صرف ایک مقالہ مفتیِ اعظم، مفتیِ اعظم کیوں؟ خالص علمی نوعیت کا ہے لیکن اس کی بھی حیثیت ابتدائیہ کی ہے، اس کا اعتراف خود مقالہ نگار کو ہے۔ اگر صاحبِ مقالہ اس حوالے سے سنجیدہ ہوجائیں تو یہ مقالہ مکمل ہوسکتا ہے لیکن ان دنوں وہ فکری بے اعتدالی کے شکار ہیں۔ ہر روز ان کا کعبہ عقیدت بدلتا رہتا ہے۔ انہوں نے اپنے رویئے سے علمی دنیا کو مایوس کیا ہے۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے مرکز سے کٹ جانا اہل علم کا کبھی شیوہ نہیں رہا۔ انھیں معلوم ہے کہ آج جو رضا مخالف مشن چل رہا ہے، جماعت اہل سنّت پر اس کے کیا اثرات پڑ رہے ہیں اور آئندہ اس کے نتائج کیا ہوں گے، پہلے جن لوگوں پہ صلح کلّیت کا الزام لگ رہا تھا آج ان کی صلح کلّیت پہ پختہ یقین ہو چکا ہے۔ یہاں کسی کا نام و پتہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے اپنے اسلاف کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ جماعت کے حوالے سے حضور مفتیِ اعظم ہند کا انہوں نے درد بھی دیکھا ہے۔ اس لیے وہ خود پہ رحم کریں اور اپنے حال پہ نظرِ ثانی کریں، جماعت خانوں میں بٹ رہی ہے۔ جماعت اہل سنّت کے فروغ وترقی اور اس کو متحد رکھنے میں حضور مفتیِ اعظم ہند کی بے پناہ قربانیاں ہیں اس لیے جن لوگوں نے حضور مفتیِ اعظم ہند کی زیارت کی ہے۔ جنھیں ان کی محفلِ نور بار میں بیٹھنے کے مواقع ملے ہیں اور جنھوں نے ان کے دستِ مبارک پر جماعتی روایات سے وفاداری کا عہد و پیمان باندھا ہے آج کے حالات میں ان کی

ذمے داریاں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ آج بعض صاحبِ جبّہ و دستار جو کھیل، کھیل رہے ہیں اس کی چوٹ عوامی اعتماد پہ پڑ رہی ہے۔ جماعت اہل سنّت کی افرادی قوت دن بدن گھٹ رہی ہے۔ آج اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی اور حضور مفتئ اعظم ہند قادری برکاتی قدس سرہما کی تحقیقات پہ جو شبہات کی دھول ڈالنے کی کوششیں چل رہی ہیں اگر یہ دونوں شخصیات شبہات کی زد میں آجاتی ہیں تو پھر دین و شریعت کا کیا ہوگا؟ اس لیے اہل علم کا وہ طبقہ جو شریعت کے تقاضے اور اس کے مطالبات کو سمجھتا ہے اسے جماعتی واقعیت اور شفافیت سے الجھنے والوں کے خلاف بلا تاخیر میدان میں آجانا چاہیے۔ ورنہ نئی نسل تاریکیوں کے سمندر میں ڈوب جائے گی۔ اور اندھیرا اتنا گہرا ہو جائے گا کہ کسی کو اپنا وجود دکھائی نہ دے گا۔

حضور مفتئ اعظم ہند کی کتابِ حیات کا ہر ورق ہمارے سامنے کھلا ہوا ہے۔ انہوں نے جماعتی روایات اور عوامی اعتماد کو جو تحفظ فراہم کیا ہے، اس کی نظیر بمشکل پیش کی جاسکتی ہے۔ قدرت کی جانب سے انھیں ہر طرح کی سہولت میسر تھی پھر بھی دنیا نے انھیں کبھی آرام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ضعف و نقاہت کے باوجود وہ پورے ملک کی خاک چھانتے رہے تا کہ کوئی بھیڑیا امّت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنی ہوس کا نشانہ نہ بنا سکے۔ جب جماعت کے حوالے سے انھیں کوئی ناخوش گوار خبر ملتی تو آپ اس وقت تک بے چین رہتے جب تک حالات معمول پہ نہیں آجاتے۔ ان کے جینے کے انداز کو دیکھ کر صحابہ کے جینے کا انداز یاد آجاتا، ان کی ذات آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اقوال و افعال کی انتہائی خوبصورت تصویر تھی۔ انھیں قدرت نے بے شمار خوبیوں کا جامع بنایا تھا۔ زیر نظر نمبر میں ان کی حیات کے تمام گوشوں کو سمیٹا نہیں جاسکتا۔ ہاں اتنی بات پورے اعتماد و یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان کی ذات پہ اب تک جتنی کتابیں اور نمبرات آئے ہیں ان میں اس کی ممتاز حیثیت مسلم ہے۔ ذیل میں نمائندہ عناوین کی ایک فہرست ملاحظہ کریں۔

حضور مفتئ اعظم ہند اور دعوت و تبلیغ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

حضور مفتئ اعظم ہند اور ان کی تعلیمات ۔۔۔۔۔۔ غلام مصطفیٰ رضوی

حضور مفتئ اعظم ہند اور حیات و خدمات ۔۔۔۔۔ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ذات جماعت اہل سنّت کے لیے انعامِ الٰہی تھی۔ان کے شب و روز کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انسانی روپ میں کوئی فرشتہ زمین پہ اتر آیا ہے۔ان کی حرکت و عمل کو دیکھ کر ایک عام انسان حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتا تھا۔صرف عوام ہی کی مسیحائی ان کی عادت نہ تھی بلکہ جماعت علما بھی انھیں اپنا مسیحا سمجھتی تھی۔ جب کسی عالم کو حالات کے نشیب و فراز سے چبھن ہوتی تو وہ آپ کی بارگا میں حاضر ہوتا۔انھیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔آپ اس کی پیشانی پڑھتے اور اس کے درد کا علاج فرما دیتے۔حضور مفتیٔ اعظم ہند روحانیت کی کس منزل پہ فائز تھے۔ذیل کے واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ایک مریدہ تھیں ان کا بیٹا بخار کا شکار تھا جب بخار کی شدت میں اضافہ ہوتا تو غشی کے دورے شروع ہو جاتے۔ڈاکٹر اور حکیم سے بہت علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ دیکھنے میں نہیں آیا، مجبور ہو کر وہ اپنے بچے کو لے کر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں انھوں نے خبر دی اور اپنے آنے

کا مقصد بیان کیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اس وقت کچھ زیادہ ہی مصروف تھے۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جا کر اسے کہہ دو کہ ابھی میں بہت زیادہ مصروف ہوں، بعد میں آئے۔ وہ اپنے بچے کے تعلق سے بہت زیادہ فکرمند تھیں۔ اس لیے یہ کہتے ہوئے واپس ہوئیں کہ جب پیر ہی نہیں سنتا تو خدا کیا سنے گا۔ اعلیٰ حضرت کو خبر ہوئی کہ وہ یہ کہتے ہوئے واپس جا رہی ہیں۔ آپ نے واپس بلایا اور خادم سے فرمایا کہ جاؤ مصطفیٰ رضا کو بلا لاؤ۔ حکم ملتے ہی حضور مفتیٔ اعظم ہند والد ماجد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے فرمایا کہ جاؤ وضو کرو اور اپنی داڑھی کا غسالہ خاتون کو دے دو۔ اور اس سے کہہ دو کہ اس پانی کو بچے کو پلائے، ان شاء اللہ شفا مل جائے گی۔ اعلیٰ حضرت کے اس فرمان سے حاضرین کے چہرے پر تجسس کی لکیریں اُبھر آئیں۔ حاضرین کے تجسس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ مصطفیٰ رضا کے داڑھی کا غسالہ ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ (جہانِ مفتیٔ اعظم)

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضور صدر الافاضل حضرت علامہ سیّد نعیم الدین مرادآبادی اور حضور برہانِ ملّت حضرت علامہ برہان الحق جبل پوری نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں اس شرط کے ساتھ عریضہ پیش کیا کہ ذکرِ سلطانی کی تلقین فرما دیں لیکن محنت نہیں کریں گے۔ یہ ذکر بہت ہی کٹھن ذکر ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے قلب جاری ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے دونوں حضرات سے فرمایا کہ جائیں مصطفیٰ رضا کے بستر پہ سو جائیں، ان شاء اللہ قلب جاری ہو جائے گا۔ فرمان کے مطابق دونوں حضرات جا کر بستر پہ سو گئے۔ جب واپس آئے تو پوچھا کہ قلب کا کیا حال ہے تو دونوں نے عرض کیا کہ حضور قلب جاری ہو چکا ہے۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی کتابِ حیات میں اس طرح کے یا اس سے ملتے جلتے بے شمار واقعات موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ کی حیات کے کچھ حصے ضبطِ تحریر میں آ چکے ہیں لیکن آپ کی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ابھی سینوں میں محفوظ ہے۔ خود راقم الحروف کے سینے میں بہت سارے ادب ساز اور زندگی ساز واقعات محفوظ ہیں۔ اپنی تقریروں اور مجلسی گفتگو میں ان واقعات کا ذکر بھی ہوتا رہتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ فرصت کے

لمحات میسر آئیں تو انھیں سپر دِ قرطاس کر دیا جائے تا کہ آنے والی نسلیں بھی ان سے اپنی زندگی سنوار سکیں۔ اسلاف کی کتابِ حیات اخلاف کے لیے نمونہ ہوتی ہے۔ اسلاف کی زندگی کو پڑھنا بھی عبادت ہے اوران کی زندگی کے مطابق خود کو ڈھالنا بھی عبادت ہے۔آج ایک جماعت اسلاف بیزاری کے جذبے کو ہوا دے رہی ہے،نوجوان نسل اس جذبے سے متاثر ہورہی ہے۔اسلاف بیزاری زندگی اور بندگی دونوں کے لیے زہر ہلاہل ہے۔تاریخ کے سینے میں اس قوم کو جگہ نہیں ملتی جس کا رشتہ اپنے اسلاف سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ماضی کے آئینے ہی میں حال کی تعمیر ہوسکتی ہے۔ ہمارے پاس دین وشریعت کا جو پاکیزہ تصور ہے وہ اپنے اسلاف ہی سے ملا ہے۔زینہ بزینہ ہی ہماری رسائی مدینے تک ہوسکتی ہے۔ جولوگ اسلاف بیزاری کی تحریک چلا رہے ہیں وہ مدینے سے ہمارا رشتہ توڑ دینا چاہتے ہیں۔ابھی چند روز قبل کی بات ہے کچھ احباب نے بتایا کہ الٰہ آباد میں ایک ادارہ ہے جس کے بعض اساتذہ آقائے نعمت حضور مفتیٔ اعظم ہند کی شخصیت کو نشانہ بنارہے ہیں۔ہم نے جواب دیا کہ اللہ جب کسی سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اسے اپنے دوستوں سے الجھا دیتا ہے۔ جولوگ حضور مفتیٔ اعظم ہند کو نشانہ بنارہے ہیں درحقیقت وہ غوثِ اعظم کو نشانہ بنارہے ہیں اورغوثِ اعظم کو نشانہ بنانا آقائے دو عالم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے۔ ہم اہل سنّت و جماعت کا طریقہ ہے کہ ہم کسی کو چھیڑتے نہیں اور جب کوئی ہمیں چھیڑتا ہے تو ہم اسے چھوڑتے نہیں۔حیرت یہ ہے کہ جولوگ ایسا کررہے ہیں بنام اہلسنّت کررہے ہیں۔نہ جانے یہ کیسی سُنّیت ہے۔یہ ایک ترتیب شدہ پلان ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم کی تعلیمات اوران دونوں شخصیات کی محبت کا چراغ جب تک دلوں میں روشن رہے گا، ہم اپنی فکری آوارگی کا کھل کر مظاہرہ نہیں کرسکتے۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری مثبت رہنمائی کی ہے۔اس لیے ہم ان کی یادوں کے چراغ سے اپنے گھروں کو سجائے ہوئے ہیں۔ہم ان کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ جہاں ان کا ذکر ہوتا ہے رحمتیں وہاں اترتی ہیں آپ کی زندگی کی ہر سانس سے عشق رسالت کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ جہاں آپ کا نام کندہ ہوتا ہے بلائیں اسے دیکھ کر

واپس ہو جاتی ہیں۔ پیغامِ رضا اجین کا زیر نظر نمبر نئی نسل کو ان سے جوڑنے کی ایک مستحسن کوشش ہے۔ نمبر کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، دوسری جلد کی بھی تیاری جاری ہے۔ اپنی خواہش ہے کہ جب تک زندگی باقی ہے حضور مفتیٔ اعظم ہند کی بارگاہ میں ہر سال خراجِ عقیدت کی شکل میں ایک ضخیم نمبر پیش کریں۔ ہم اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہیں یہ فیصلہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ ہاں اتنی بات پورے وثوق واعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس میں جو مقالات شامل ہیں سب کی اپنی علمی اور تحقیقی حیثیت ہے۔ عقیدت کے زیر اثر کوئی بھی تحریر شامل نہیں کی گئی ہے۔ دعا ہے کہ عقیدت و محبت کا یہ چھوٹا سا نذرانہ حضور مفتیٔ اعظم ہند قبول فرمالیں۔ اس نمبر کو معیاری اور معلوماتی حیثیت دینے میں غلامانِ حضور مفتیٔ اعظم ہند اور غلامانِ حضور تاج الشریعہ کی ایک ٹیم کی مشترکہ محنت و جاں فشانی شامل ہے۔ یہاں سب کا تذکرہ تو بہت مشکل ہے۔ ہاں ان میں چند نمایاں چہرے ہیں۔ اگر ہم ان کا شکریہ نہ ادا کریں تو بڑی ناانصافی ہوگی۔ خصوصیت کے ساتھ محبوبِ ملت، محبوب العلماء حضرت مولانا مفتی محبوب عالم صاحب رضوی ان کی محبتیں، شفقتیں اور نوازشات کی عمر قریب قریب چالیس سال پر محیط ہے۔ آج میں جہاں کھڑا ہوں اس میں ان کی پُرخلوص دعائیں شامل ہیں۔ میں جب بھی شکستگی کا شکار ہوتا ہوں، یا آلام کی مجھ پہ یورش ہوتی ہے تو مفتی صاحب سائبانِ رحمت بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ ان کی عنایات ونوازشات کی بارش میں ہمیشہ نہاتا رہتا ہوں۔ اس نمبر کی ترتیب وتزئین میں ان کی پرخلوص دعائیں شامل ہیں۔

ہمارے امین بھائی رضوی اور محمد صدیق بھائی رضوی یہ دونوں ہمارے دست و بازو ہیں۔ فکر رضا اور پیغام رضا تحریک کے یہ دو اہم ستون ہیں۔ ان دونوں کی وجہ سے میں بہت ساری جاں فشانیوں سے بچ جاتا ہوں۔ ماہ نامہ پیغامِ رضا تسلسل کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اس تسلسل میں ان دونوں کا خونِ جگر شامل ہے۔ ان دونوں کے علاوہ میں اپنے تمام رضوی احباب کا شکر گذار ہوں۔ ربّ کائنات سب کو دارین کی سعادتوں، برکتوں سے مالامال فرمائے۔ آمین

خدا توفیق دے تو مجھ کو بس یہ کام کرنا ہے
زمانے بھر میں پیغامِ رضا کو عام کرنا ہے

☪☪☪☪

باب دوم

پیغامات

خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ

شہیر عرب وعجم، فقیہہ عصر، امام اہلسنّت، مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پوری دنیاے اسلام میں اپنے علم وعمل، زہد وتقویٰ، شانِ تفقہ، کارِتجدید غرضکہ درسِ نظامی کے جملہ فنون کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں جس شہرت کے مالک ہیں ان سے علمی دنیا بہت اچھی طرح واقف ہے۔ ان کی جلالتِ علم کا لوہا اپنے وغیر سبھی مانتے ہیں۔ حضور مفتیِ اعظم ہند کے علوے مرتبت اور رفعتِ شان کے لیے یہ نسبت ہی بہت کافی ہے لیکن تاجدارِ اہلسنّت کے محاسن وفضائل محض اضافی نہیں ہیں۔ یہ اس علمی خانوادے کے چشم وچراغ ہیں، خود علم جس آستانے کا پہرہ دار ہے۔ یہ پدرم سلطان بود والے درویشوں میں نہیں ہیں۔

ان کی زبان کا ایک ایک جملہ اور نوکِ قلم کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ ایک قانون ہے۔ فتویٰ نویسی اس خانوادے کے مزاج وسرشت میں ہے۔ تفقہ فی الدین ان کا آبائی ورثہ ہے جو سینہ بہ سینہ منتقل ہورہا ہے۔

یہ علمی وروحانی خانوادہ اس حدیث پاک کا آئینہ دار ہے:

من یرد اللہ خیراً یفقہ فی الدین۔

ولی کی پہچان یہ ہے کہ جسے دیکھ کر خدا یاد آئے۔ یہ ایک بہت ہی مشہور مقولہ ہے۔ تاجدارِ اہلسنّت اس مقولے کی منھ بولتی تصویر ہیں۔ علم ونور برستے ہوئے سادہ چہرے مہرے پر ایسی دلکشی وبانکپن ہے جس پر بناؤ سنگار کی ہزار ہا رعنائیاں قربان۔ اگر لاکھوں کے مجمع میں

بے نقاب ہوں تو اہلِ جمال کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ اگر بولنے پر آ جائیں تو فنِ خطابت دست بستہ آداب بجالائے۔

لکھنے پر آ جائیں تو اپنے وقت کا شہنشاہ قلم گھٹنے ٹیک دے۔ نکاتِ علمی بیان کرنے پر آ جائیں تو غزالی ورازی کی یاد تازہ ہو جائے۔ فنِ حدیث کو اپنا موضوع بنائیں تو بخاری و مسلم کی محفل سنور جائے۔ غرضکہ علمِ ظاہر کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر اور علمِ باطن کے کوہِ گراں ہیں۔ کشورِ علم کے شہنشاہ اور اقلیم روحانیت کے تاجدار ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور مفتیِ اعظم ہند نے اپنے بے شمار فضل و کمال کو اپنی ایک سادگی میں چھپا رکھا ہے۔ گدڑی میں لال ایک کہاوت ہے مگر تاجدارِ اہلسنّت اس کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ آج عرب و عجم کے لاکھہا لاکھ افراد محض آپ کی پرُ کشش روحانیت کے طفیل سلسلۂ عالیہ رضویہ سے منسلک ہیں۔ دُعا تعویذ کے لیے ہجوم خلائق کو دیکھ کر بعض نادانوں نے تعویذ والے پیر صاحب سمجھ رکھا اور بعض۔۔۔۔ایمی ٹیشن درویش اس کا غلط پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں۔

لیکن قدرت نے انھیں اپنی فیض رسانی کے لیے مرجع خلائق بنا رکھا ہے، کسی بھی جماعت کو ایسے صاحبِ علم واقبال مند شخصیت صدیوں بعد میسر آتی ہے۔ آج پوری دنیائے سنّیت میں ان کا کوئی معاصر نہیں۔ کروڑوں اہلسنّت کی زمامِ قیادت ان کے اور صرف ان کے ہاتھ میں ہے۔ پروردگارِ عالم حضرت گرامی کے ظلِّ عاطفت کو پوری دنیائے اسلام پر دراز فرمائے۔ آمین

عالمِ جلیل حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی اک نگاہ میں ہے

یہ روشن وتابناک دَور جسے عقل وخرد کا زمانہ کہا جاتا ہے، جہاں اس نے ذہن وفکر کو نئی روشنی اور جدید اُجالے دیے ہیں وہیں روح کے بعض گوشوں کو دبیز تاریکی اور گھنگھور اندھیرا بھی دیا۔ اتنی گہری تاریکی کہ نئی روشنی کے ذہن ومزاج کے لیے خدا کا وجود مشکوک ہوگیا۔ رسولوں کی بے غبار رسالت پر شکوک وشبہات کی گرد غبار ڈال دی گئی۔ اولیا اللہ کی کرامتیں عہدِ ماضی کے قصّے قرار دے دیے گئے۔

انسانیت کو اس تاریک ترین ماحول سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ قدم قدم پر روحانیت کی مشعلیں روشن کی جائیں، شمعیں جلائی جائیں اور چراغ راہِ منزل کا اُجالا کیا جائے۔ تاکہ عہدِ جدید کی مادّی تاریکیوں میں بھٹکنے والے لوگ اس شمع ہدایت کی روشنی میں اپنی منزل کا نشان تلاش کرسکیں۔

ختم نبوت کے بعد سے آج تک علما، صلحا اور اولیا کی جماعت نے دین کی اشاعت کے فرائض انجام دیئے ہیں اور اسی محترم جماعت نے کفر والحاد کے تاریک ترین دَور میں اسلام کی روشنی اور دین کا اُجالا پھیلایا ہے۔ سچ پوچھئے تو اس ملک میں اولیا اللہ اور ان کی کرامتوں نے اسلام کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔ راجستھان کی خشک پہاڑیوں کے دامن سے لے کر بنگال کی مرطوب سرزمین تک جہاں کہیں اسلام کو فروغ ہوا وہ انھیں اصحابِ کرامت بزرگوں کے طفیل اور صدقے میں ہوا۔ اولیا اللہ کی کرامتیں دِلوں کے سیاہ زخم پر

چلانے کا ایک تیز نشتر اور کفر کا سینہ چاک کرنے کا ایک خنجر ہیں۔ اگر اجمیر والے کی نعلین فضا میں پرواز کرنے والے کا تعاقب نہ کرتی تو شاید جے پال اس قدر جلد مسلمان نہ ہوتا۔ اولیا اللہ کی کرامتوں نے نہ جانے کتنے گمراہوں کو راہِ حق دکھایا۔ ہدایتوں سے ہمکنار کیا اور صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی اور دکھا رہی ہیں۔

عہدِ حاضر کی لائق صد تکریم ذات اور قدم قدم پر عقیدتوں کے پھول نچھاور کیے جانے والی شخصیت ہے آفتابِ شریعت، ماہتابِ طریقت تاجدارِ اہلسنّت حضور مفتیِ اعظم کی جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور حیات کی ایک ایک ساعت سرمایۂ سعادت اور دولتِ افتخار ہے۔ جن کی ساری عمر شریعت کا علم پھیلاتے اور طریقت کی راہ بتاتے گزری اور جن کی زندگی کا ایک ایک عمل شریعت کی میزان اور طریقت کی ترازو پر تولا ہوا ہے۔ اس دور میں خود ممدوح کی شخصیت مسلمانانِ ہند کی سرمدی سعادتوں کی ضمانت ہے۔ ربِّ قدیر حضرت کے سایۂ عاطفت اور ظلِّ ہمایونی کو ہم سب پر دراز سے دراز کرے۔ آمین

محدثِ کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھے عزیز القدر حضرت مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ محترم جناب حضرت مولانا قاری محمد لیاقت رضا نوری صاحب قبلہ (خلفیۂ حضور مفتی اعظمِ ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حضور سیدی و مرشدی مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ العزیز کے کوائف حیاتِ طیبہ پر علماء کرام کے تاثرات بغرض اعزاز جمع فرما رہے ہیں مجھے اس سے مسرت ہوئی۔

تاجدارِ اہلِ سنت حضور سیدنا مفتی اعظم اپنی فقیہانہ بصیرت اور زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار شخصیت کا لقب ہے روز پیدائشی آپ کے مرشدِ عظیم حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہٗ العزیز نے آپ کی ولایت کی بشارت دی اور حضور اعلیٰ حضرت بھی آپ کے عالمِ طفولیت میں آپ کو ولی شمار فرماتے تھے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرش بچھوایا اور دو سندیں رکھوائیں اور حضرت صدر الشریعہ اور حضور سیدی مفتیٔ اعظم رحمھما اللہ کو اپنے ہاتھ سے سند نشیں کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو حکم ملا ہے اس کے مطابق آپ دونوں کو میں قاضیٔ اسلام مقرر کرتا ہوں آپ دونوں کے فیصلوں کا حکم وہی ہوگا جو قاضی شرع کے فیصلہ کا حکم ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے اس جملہ سے حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ اور مقدمات کے تصنیفوں کی عظمت و مقبولیت پر پُرشکوہ شہادت مہیا ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ کا پیشتر حصہ کچھ کرم فرماؤں نے ضائع کردیا اور جو کچھ بچا ہے وہ بھی مفتی اعظم کی جلالت فقہی پر روشن دلیل ہے اور آپ کے فتاویٰ کا اندازِ بیاں فتاویٰ رضویہ سے گہری مشابہت رکھتا ہے، حضور مفتی اعظم کا اندازِ گفتگو نیز صورت وسیرت نشست وبرخواست شریعت کے آداب وسنن کی مراعات مشاہدہ کرے آپ پر اعلیٰ حضرت ہی کا شبہ ہونے لگتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضور مفتی اعظم کے فیوض برکات سے عامۃ المؤمنین کو مستفیض ومستفید بنائے۔ (آمین)

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ ۳۰؍شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

فقیر نوری سید شاہد علی حسنی رضوی جمالی کریمی غفرلہٗ

قاضی شرع و مفتی ضلع رامپور، یوپی

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

یہ جان کر بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ آپ کی ''انجمن پیغام رضا'' بھدراوتی کرناٹک کے تعاون سے ماہانہ ''پیغام رضا'' کا ''مفتی اعظم نمبر'' نکال رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ ایسا نمبر ہو جو آنکھوں کو نور، دل کو سرور اور روح کو جلا بخشے، اپنے تو اپنے غیروں کے بھی جگر کے پار ہو جائے، گھر گھر میں پہنچے، بلا تفریق پہنچے اور اپنی ضیا باریوں سے عقیدے اور عمل کی اصلاح کے ساتھ اصلاح حال یعنی ظاہر و باطن میں نکھار بھی پیدا کرے اور قبر و حشر و نشر سب کی بہتری کا سامان مہیا کرے۔ آپ اس کو ایسا دیدہ زیب بنائیں جو سیدنا حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ کی جلوہ سامانیوں کو اپنے پہلو میں لئے ہو، نور ہی نور بکھیرتا ہوا پورے ماحول کو نورانی بنا دے، اندھیروں میں پھنسے ہوئے بھی اس نورانی منظر کی تاب نہ لاکر سر تسلیم خم کر دیں اور راہِ ہدایت پر گامزن رہتے ہوئے مذہب اہلسنت اور مسلک رضا کے بے باک مبلغ و ناشر و ترجمان، عامل و داعی ہو جائیں، اپنی دنیا کو بھی سنواریں اور اپنی عقبیٰ کو بھی۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ؎

بادہ خواری کا سماں بندھنے تو دو ☆ شیخ دُردآشام ہو ہی جائے گا

آپ کا یہ اقدام نہایت قابل صد تحسین ولائق تقلید ہے کہ ''عرفان مفتی اعظم'' کو کسی ترمیم و تنسیخ کے بغیر اس عظیم الشان ''مفتی اعظم نمبر'' میں جگہ دے رہے ہیں۔ میں نہیں کہتا بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ ''عرفان مفتی اعظم'' کی عوام و خواص اہل سنت کو شدید ضرورت ہے۔ آپ اس

ضرورت کو پورا کر رہے ہیں لہذا قوم آپ کی یقیناً مشکور ہوگی۔ یہ کتاب فیضان مفتی اعظم کی روشن مثال ہے کہ بہت جلد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ورنہ مجھ جیسا عدیم الفرصت اس کو کہاں اس تیزی سے رقم کرتا۔ اس کتاب کے ذریعہ بظاہر تو کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا تھا مگر بہ باطن محبان رضا، وابستگان رضا اور خاندان رضا کو حقیقتوں سے آگاہ کرنا مقصود تھا۔ کچھ اہل علم وارباب دانش کے خطوط مجھے موصول ہوئے ان سے یہ پتا چلا کہ اصلاح حال کے لئے ''عرفان مفتی اعظم'' کی اشاعت بہت ضروری تھی۔ اب آپ نے اس کو شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

میری دعا ہے کہ یہ نورانی ''مفتی اعظم نمبر'' زیور طباعت سے مزین ہو کر جلد از جلد منظر عام پر آئے اور اپنی نورانیت سے دلوں کو نورانی بنائے اور قبول عام وخاص عطا فرمائے اور اس کی اشاعت کے غیب سے اسباب وذرائع اور وسائل پیدا فرما کر اشاعت کا سامان مہیا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین۔

چمن کے مالی اگر بنالیں چمن کے موافق شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن کی روٹھی بہار اب بھی

حضرت مولانا محمد احسن رضا
صاحب سجادہ آستانۂ عالیہ رضویہ، بریلی شریف

یہ سن کر بڑی مسرت و شادمانی ہوئی کہ خلیفۂ مفتیٔ اعظمِ ہند ناشرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت ،حضرت مولانا محمد لیاقت رضا نوری صاحب زید مجدہٗ میرے جد امجد امامِ اہل سنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۹۷/ویں عرسِ رضوی کے موقع پر ''ماہنامہ پیغامِ رضا'' ہندی اردو اخبار کی جانب سے ایک ضخیم اور خصوصی شمارہ بنام ''حضور مفتیٔ اعظم نمبر'' شائع کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا لیاقت رضا نوری صاحب ایک متحرک و فعال شخصیت کے مالک اور سچے مبلغِ مسلکِ اعلیٰ حضرت ہیں، آپ نے اجین، بھدراوتی اور کرناٹک و ایم پی کے بے شمار علاقوں میں امامِ اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے افکار و نظریات کی اشاعت میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۴ء میں انہوں (حضرت علامہ محبوب عالم صاحب رضوی) نے اجین کی سرزمین پر میرے دادا حضرت ریحانِ ملت علامہ ریحان رضا خاں رحمانی میاں علیہ الرحمہ کو بلا کر اجین اور اس کے مضافات میں ۱۴/دن مسلسل دورے کرائے جس کی برکت سے آج یہاں سنیت کی بہاریں نظر آ رہی ہیں۔

ہمارے جامعہ کے استاذ و مفتی رفیقِ گرامی مفتی محمد سلیم نوری زید مجدہٗ نے بتایا کہ عقائدِ اہلسنت کی ترویج و اشاعت، افکارِ اعلیٰ حضرت کی تبلیغ و ترسیل اور معمولاتِ اہلسنت کی نشر و اشاعت کے لئے حضرت ریحانِ ملت علیہ الرحمہ ہی نے ہندی و اردو زبان میں ایک ماہنامہ کی اشاعت کا اپنے مذکورہ دورہ میں مولانا لیاقت رضا صاحب قبلہ کو حکم دیا تھا جو درمیان میں مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا جس کی نشاۃ ثانیہ اب ۶/۵ سال قبل بھدراوتی سے ہوئی۔ ''پیغامِ رضا'' نام بھی حضرت ریحانِ ملت ہی کا تجویز کردہ ہے۔ اجین کی سرزمین پر

دارالعلوم رضویہ غریب نواز بھی مولانا محبوب عالم و مولانا لیاقت رضا نوری صاحبان نے قائم فرمایا اور اس کا سنگِ بنیاد بھی میرے دادا حضور ریحانِ ملت علیہ الرحمہ نے ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۴ء میں رکھا۔

اللہ تعالیٰ پیغامِ رضا، دارالعلوم رضویہ غریب نواز اور دیگر اداروں اور سنی رسالوں کو عروج و ارتقا عطا فرمائے۔ ضخیم نمبر ''حضور مفتیٔ اعظم نمبر'' کو قبولِ عام اور مولانا لیاقت رضا نوری صاحب کو جزائے خیر سے نوازے آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

حضرت محمد اقبال نوری، مراد آباد

پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا محمد لیاقت رضا نوری خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند بھی ہیں اور شیدائے مفتیٔ اعظم بھی، وہ ہمہ وقت مسلکِ اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں جد و جہد کرتے رہتے ہیں۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے سلسلہ میں انہوں نے دینی ادارے قائم کئے، جلسہ و جلوس کا انعقاد کیا، دینی کتابوں کو شائع کیا، (صد سالہ کنز الایمان کے موقع پر بارہ ہزار کنز الایمان چھپوائے اردو، ہندی، انگریزی میں فی الحال الامن والعلیٰ انگریزی میں چھپی)، ہیڈ بل، فولڈر اور کتابچہ شائع کیے۔ پیغامِ رضا کی اشاعت کی۔ غرض کہ وہ ہر طریقہ اپناتے ہیں کہ جس سے مسلکِ اعلیٰ حضرت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔ ہر سال عرسِ رضوی پر وہ پیغامِ رضا کا خصوصی ضمیمہ لاتے ہیں۔ اس بار سیدی و مولائی سرکار مفتیٔ اعظمِ ہند کی حیاتِ پاک کے درخشاں و تابندہ نقوش کو نئی آب و تاب کے ساتھ ''پیغامِ رضا کا حضور مفتیٔ اعظم نمبر'' شائع فرمارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عزوجل موصوف کو جزائے کثیر عطا فرمائے اور رضا کے دینی و مسلکی فیضان کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ الکریم

حضرت مولانا محمد زاہد رضا نوری

امام وخطیب تاڑ والی مسجد و قاضیٔ شہر سورت گجرات

بہت خوشی ہوئی جب مجھکو یہ معلوم ہوا کہ اہل سنت و جماعت یعنی مسلکِ اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان ماہنامہ پیغامِ رضا اجین سرکار مفتیٔ اعظمِ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۱۲۵/ ویں یومِ ولادت کی خوشی میں ''حضور مفتیٔ اعظم نمبر'' شائع کررہا ہے۔

حضور پیر طریقت ترجمانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت علامہ الحاج الشاہ قاری محمد لیاقت رضا نوری خلیفۂ سرکار مفتیٔ اعظمِ ہند کی ذات محتاجِ تعارف نہیں، پیر صاحب قبلہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے انقلابی و بیباک ترجمان ہیں۔ آپنے ملک بھر میں حضور اعلیٰ حضرت کی نسبت سے بہت سے ادارے کئے جو خدمتِ دین میں مصروفِ عمل ہیں ہمارے شہر سورت میں بھی حضرت کی سرپرستی میں کئی مدرسے چل رہے ہیں جب بھی آپ کا دورہ سورت میں ہوتا ہے احباب کو اک نئی توانائی اور خوشی ہوتی ہے آپ بغیر کسی لالچ اور طمع کے ہمارے درمیان تشریف لاتے ہیں۔اور سورت میں آپ کے بیان کو عوامِ اہلِ سنت بہت پسند کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے حضور غوثِ اعظم و حضور غریب نواز و حضور خواجہ دانا شہنشاہِ سورت، و حضور اعلیٰ حضرت کے وسیلے سے خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظمِ ہند علامہ الحاج الشاہ محمد لیاقت رضا نوری صاحب قبلہ کی عمر میں ترقی عطا فرمائے اور حضور مفتیٔ اعظم کی بارگاہِ کرامت میں جو عقیدت کا گلستاں بنام ''حضور مفتیٔ اعظم نمبر'' کی شکل میں پیش کیا ہے قبول فرمائے آمین ثم آمین

پیرزادہ سید ابوبکر احمد قادری

سجادہ نشین خانقاہِ غوثیہ قادریہ، نندور بار مہاراشٹر، برہانپور ایم پی

یہ اطلاع پا کر مجھ کو بہت خوشی ہوئی کہ پیر طریقت خلیفۂ سرکار حضور مفتیٔ اعظم حافظ و قاری علامہ مولانا لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی ماہنامہ پیغامِ رضا اجین کا ''حضور مفتیٔ اعظم نمبر'' شائع کررہے ہیں حضور کی پوری زندگی مسلکِ اعلیٰ حضرت کے لئے وقف ہے جسکا زندہ وجاوید ثبوت اجین کی سرزمین ہے جہاں حضرت نے دارالعلوم رضویہ غریب نواز کی بنیاد ڈالی یہ دارالعلوم تقریباً ۲۵ سال سے زیادہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت وترویج کررہا ہے جسمیں بارہا فقیر کا بھی جانا ہوا ہے اس سے قبل حضرت نے بھدراوتی کرناٹک میں کنزالایمان کی صدسالہ تقریب بھی منائی تھی فقیر کے نزدیک آپ اعلیٰ حضرت کے مشن کے صفحہ اوّل کے مجاہد ہیں۔ اجین جیسی وادیٔ سنگلاخ میں جہاں وہابیت بڑی سر اٹھائے تھی آپ اور بڑے حضرت محبوبِ ملت علامہ مفتی محبوب عالم صاحب قبلہ رضوی نے وہاں مسلکِ اعلیٰ حضرت کا پیغام لوگوں تک پہنچا کر لوگوں کے دین اور ایمان کو بچالیا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں صوفیٔ باصفا حضرت علامہ مولانا لیاقت رضا نوری صاحب کو عمر خضر عطا فرمائے آمین اور حضرت کا سایہ ہم پر تادیر قائم فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین

حضرت مولانا مفتی شعیب رضا نعیمی، بریلی شریف

یہ جان کر بے حد مسرّت ہوئی کہ آپ کی ادارت وقیادت میں ماہ نامہ ’’پیغامِ رضا‘‘ اُجین کا مفتی اعظم نمبر منظر عام پر آ رہا ہے۔اس نمبر کی جس ذاتِ عالی سے نسبت ہے وہ ذات آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔ان کی کتابِ حیات کا ہر ورق آفاقیت لیے ہوئے ہے۔ان کے زمانے میں بڑی بڑی شخصیات نظر آتی ہیں۔ان شخصیات میں حضور مفتی اعظم ہند ہر جہت سے جدا نظر آتے ہیں۔جس طرح ستاروں کے ہجوم میں چاند ہوتا ہے اس طرح علما و مشائخ کے درمیان حضور مفتی اعظم تھے۔عوام کی بات تو چھوڑیئے علما ان سے اقتباسِ نور کرتے تھے۔قدرت نے انھیں بے پناہ خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا۔علوم وفنون کی ہر شاخ پر انھیں بیٹھنے کا شرف حاصل تھا۔ان کے ایک اشارے پر رائے عامّہ بدل جاتی تھی۔ان کی ذات قبلۂ عقیدت بھی تھی اور قبلۂ حاجات بھی۔وہ حاجت مندوں کو ڈھونڈ تے تھے۔ان کے ہاتھوں میں ربّ نے شفا رکھ دی تھی۔جس مریض کے سر پر وہ ہاتھ پھیر دیتے تھے، اسے ہر غم سے نجات مل جاتی۔جس ویرانے میں وہ قدم رکھ دیتے وہاں بہاروں کے قافلے اُترنے لگتے۔ان کے دامنِ کرم میں جسے پناہ مل جاتی دارین کی سعادتوں سے وہ بہرہ ور ہو جاتا۔پیاسے اپنی پیاس بجھانے کے لیے چشموں کے پاس جاتے ہیں لیکن وہ ایسے چشمہ تھے کہ خود پیاسوں کے پاس پہنچ جاتے تھے۔مصائب وآلام کی تیز دھوپ میں جلنے والوں کے لیے وہ سائبانِ رحمت تھے۔ان کی بارگاہ میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہ تھی۔وہ سائل کو دیکھ کر اس کی ضرورت کو سمجھ جاتے تھے۔ان کی خوبیوں کو کہاں تک بیان کیا جائے۔ان کی ہر خوبی سمندر جیسی وسعت لیے ہوئے ہے۔آج وہ ہم میں بظاہر موجود نہیں ہیں لیکن ان کے فیض کا چشمہ جاری ہے۔ان کا بابِ کرم کھلا ہوا ہے۔جہاں ہر وقت اہلِ عقیدت کی بھیڑ جمع رہتی

ہے۔ ربّ کائنات ہمیں ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

حضور مفتی اعظم کی حیات و خدمات پر اب تک جتنے نمبرات آئے ہیں، ان میں زیر نظر نمبر کی جامعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مقالات کا انتخاب بھی عمدہ ہے۔ ترتیب بھی اطمینان بخش ہے اور دیدہ زیب بھی ہے۔ حضرت لیاقت ملت کا خلوص نمبر کے ورق ورق سے جھلکتا ہے۔ دعا ہے کہ یہ نمبر ہر طبقے میں قبولیت حاصل کرے۔ آمین

حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

شرق لکھنؤ غرب دھلی ہے ان دونوں کا دل بریلی ہے

سرزمین بریلی کو جہاں بھر میں تاج دارِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مجددِ اعظم مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شہرت ملی، ان کا نام اور کام اہلِ سنت کی آبرو ثابت ہوا۔ وہ خود کو، اپنے کام کو مثالی بنا گئے۔ سمتوں میں ان کا فیضان آج بھی پوری آب وتاب سے جاری ہے۔ ان شاء اللہ رہے گا۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کی یادیں اور یادگاریں ان کے حاشیہ نشینان اور فیض یافتگان نے بھی روز افزوں رکھیں۔ لیکن ان کی اولاد اس حوالے سے نمایاں رہی۔ حجۃ الاسلام اور مفتیِ اعظم کا رتبہ پانے والے ان کے دونوں فرزندانِ والا شان نے اپنی مبارک اور عظیم نسبت کا نہ صرف خود کو اہل ثابت کیا بلکہ اسے اپنے علم وعمل سے مثال بنادیا، نسبت ومرتبت کی یادگار مثال۔

مخدوم اہلِ سنت حضرت قبلہ مفتیِ اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری کو ''حضرت'' اور مفتی اعظم کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی متعدد خوبیوں کے باعث انہیں اہلِ مرتبت نے جانے کتنے عالی شان القاب وخطابات سے نوازا۔ ان کی ولادت پر ان کی پہلی پذیرائی ہی ولایت وسعادت کی نوید سنا کر ان کے مرشدِ گرامی نے فرمائی۔ بلاشبہ وہ مرجعِ عقیدت ومحبت ہوئے۔ ان کی زندگی زہد وتقویٰ سے عبارت رہی، مسندِ افتاء سے وہ اہلِ حق اہلِ سنّت و جماعت کا اعتبار وافتخار ثابت ہوئے۔ حزم واحتیاط کے مثالی خوگر، علم وعمل کے درخشاں گوہر،

کشف وبصیرت اور محبت وشفقت کے نورانی مظہر، جرأت وصداقت اور حق پر استقامت کے توانا پیکر۔ سبھی کے لیے ان کی ذات مرکز تھی اور ہر ایک کو ان پر اعتماد تھا۔ ان سے نسبت پر ان کے وابستگان کو ناز ہے۔

حضرت مولانا لیاقت رضا نوری زیدت مکارمہ اور ان کے فرزندان اپنی عقیدت و محبت کا ایک اظہار ماہنامہ ''پیغامِ رضا'' اُجین کے خاص شمارے کی اشاعت سے کر رہے ہیں، یہ محبتوں کا ایک گلدستہ ہے۔ رہی بات عقیدت کی تو عقیدت کے تقاضے کہاں پورے ہوتے ہیں۔ اللہ کریم جل شانہٗ اس کاوش پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اسے سب کے لیے نافع ومفید بنائے۔

حضرت مولانا انیس عالم سیوانی

آپ نے پیغامِ رضا اُجین کے مفتی اعظم ہند نمبر کے نکالنے کا مژدہ سنایا۔ یہ مژدہ سنتے ہی دل کی کھیتی ہری ہوگئی۔ اور دل کا آنگن ان کی یادوں کی خوشبو سے مہکنے لگا۔ ان کی ذات سے وابستہ کس پہلو کو بیان کیا جائے۔ ان کی حیات کا ہر پہلو چاند و سورج سے زیادہ روشن اور سمندر جیسی وسعت و گہرائی رکھتا ہے۔ وہ زمین پر قدرت کی ایک عظیم نشانی تھے۔ انھیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ آدمی خیالوں میں خود کو دیارِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پاتا تھا۔ ان کے بول اتنے میٹھے اور شیریں ہوتے تھے کہ ہر آدمی چاہتا تھا کہ وہ یونہی بولتے رہیں۔ ان کا ہر بول قرآن و احادیث کا استعارہ ہوتا تھا۔ جب دل رخشاں اور ذہن تاباں ہو تو زبان و قلم بھی نور اُگلتے ہیں اور ہر لفظ شب کی ظلمتوں میں نقیب سحر بن جاتا ہے۔ آج جب ہم ان کی دینی، ملّی اور علمی خدمات دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ فضیلتیں ان کا طواف کرتی تھیں۔ ان کا ہر بول ہزاروں کتابوں کا افشردہ وعصارہ ہوا کرتا تھا۔ علمی طور پر ان کی تحریریں ان کی فکری عظمتوں کی آئینہ دار اور عملی طور پر ان کے روز و شب ان کی رفعت کردار کا آئینہ ہیں۔ ان کی ذات اسلاف کی نشانی تھی۔ وہ علوم وفنون کے بحر بے کراں تھے۔ مایوسیوں کے ماحول میں وہ اُمید کی کرن تھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ سن کر بے راہ روی، بے اعتدالی اور فکری کجروی کا دَم نکل جاتا تھا۔ آج جماعتی حالات دیکھ کر شدّت سے ان کی یاد آتی ہے۔ وہ کہاں چلے گئے، کیوں چلے گئے؟ کیا انھیں جماعت کی ابتری نظر نہیں آتی۔ یہ باتیں بے خودی میں زبان سے نکلتی ہیں۔ کاش! ربّ کائنات ان کا کوئی بدل بھیج دے۔ جو آئے اور حکمت و تدبّر سے جماعتی حالات کو پھر اسی شاہراہ پر ڈال دے جس شاہراہ پر آپ چھوڑ کر

گئے ہیں۔

آپ پیغامِ رضا، افکارِ رضا کی ترویج وتشہیر کا جوفریضہ انجام دے رہے ہیں، وہ انتہائی قابلِ احترام ہے۔ ہماری نیک دعائیں اور پُرخلوص تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ربّ کعبہ غیب سے آپ کی اعانت فرمائے اور پیغامِ رضا کے مفتیِ اعظم نمبر کو اہلسنّت کے لیے سرمایۂ بصیرت بنائے۔ آمین

ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی
جامعہ امام اعظم ابو حنیفہ فرید آباد

یہ جان کر بے پناہ مسرّت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا عرس سراپا قدس کے موقع پر ماہ نامہ پیغامِ رضا اُجین مدھیہ پردیش کا حضور مفتی اعظم ہند نمبر منظر عام پر آرہا ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ نمبر حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عظمتوں کا روشن اشاریہ ہو۔ اہلِ علم پر یہ بات روشن ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کی حیات کا ہر باب سمند رصفت ہے۔ ان کا پورا وجود علم، عمل اور عشق کے نور سے معمور تھا۔ وہ جس راہ سے گذر جاتے پورا راستہ روشن ہو جاتا۔ وہ جہاں بیٹھ جاتے خوشیوں کی بارات اُترنے لگتی۔ ان کے عہد نے ان سے بڑا پابند شریعت نہیں دیکھا۔ ان کی شخصیت خالص علمی شخصیت تھی۔ ان کے دینی، ملّی اور علمی کارناموں کو اب تک صحیح انداز میں پیش نہیں کیا گیا ہے۔ ان کی قلمی نگارشات کا غالب حصہ ابھی زیورِ طباعت سے محروم ہے۔ وہ ہندوستان میں نائب رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تھے اور شبیہ غوثِ اعظم بھی تھے۔ ان کے عزم وحوصلے کے سامنے بڑی سے بڑی طاقت گھٹنے ٹیک دیتی تھی۔ وہ زمین پر آیت الٰہی اور معجزۂ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تھے۔ ان کے فیض کا دریا کل بھی جاری تھا، آج بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضور مفتی اعظم ہند کی ذات سے متعلق کئی اہم عنوانات ہیں جن پر علمی، تحقیقی اور اُصولی انداز میں کام ہونا چاہیے۔ لیکن آج کی دنیا خود میں اس قدر اُلجھ چکی ہے کہ اسے اپنے اسلاف کی یاد بہ مشکل آتی ہے۔ اور یاد آتی بھی ہے تو نیاز، فاتحہ اور عرس تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ کام بھی ہوں اور شریعت کے دائرے میں ہوں مگر سب سے اہم کام ان کی حیات کے علمی گوشوں کو اُجاگر کرنا ہے۔ یہ دقت طلب کام ہے لیکن اس کے اثرات میں

دیر پائی ہے۔ اس نمبر سے اہلِ علم وعقیدت کو تاب وتوانائی ملے گی۔ اوران کی حیات کے مخفی گوشوں کو اُجاگر کرنے کا جذبہ بیدار ہوگا۔ چراغ جلتا ہے تو روشنی پھیلتی ہے۔ آپ کا یہ کام تقلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ آپ ہمیشہ سلامت رہیں۔ آمین

حضرت مولانا مفتی شریف الرحمٰن رضوی
جنرل سکریٹری آل کرناٹکا سنی علماء بورڈ

یہ پیغامِ محبت ہے جہاں تک پہنچے

یہ نہایت ہی مسرت وشادمانی کا پیغام ہے کہ انجمن پیغامِ رضا ٹرسٹ بھدراوتی (کرناٹک)۔شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدارِ اہلِ سنت شبیہ غوثِ اعظم آقائی ومولائی حضور مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ العزیز کے ۱۲۵واں یومِ ولادت پر''ماہنامہ پیغامِ رضا اجین'' کا مفتیٔ اعظم نمبر نکال رہا ہے اس ضخیم مجلہ کے محرک محبِ مکرم فاضلِ گرامی، پیرِ طریقت صوفیٔ ملت ناشرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت مشفق ومخلص حضرت العلام مولانا حافظ وقاری محمد لیاقت رضا صاحب نوری قبلہ، خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند جن کی دوررس نگاہِ بصیرت نے آنے والے وقت میں کچھ بے بصارت لوگوں کے اذھان وقلوب کو پڑھنے اور پرکھنے کے بعد اس کام کیلئے اپنے کچھ مخلص مریدوں کو تربیت دلائی اور ماشاء اللہ ''مفتی اعظم ہند نمبر'' عن قریب اپنی تمامتر جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ بار ہورہا ہے، میں پیرِ طریقت مجاہدِ مسلکِ اعلیٰ حضرت صوفیٔ ملت حضرت محمد لیاقت رضا نوری صاحب قبلہ اور ان کے تمام مخلص مریدوں کو دل کی اتھا گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور اس نمبر کی اشاعت پر دعائے خیر کرتا ہوں۔

راقم الحروف کو کچھ ماہ قبل پیر طریقت نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ذات وشخصیت پر ایک مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا مگر عدیم الفرصتی اور جماعتی کاموں کی ذمے داری نے اس کام سے عہدہ برآں ہونے نہ دیا اور میں موصوف کی فرمائش کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا جس کا مجھے افسوس ہے، مگر اپنے مختصر پیغام کے ذریعہ اس کام میں شرکت کی سعادت سے بہرہ مند ہورہا ہوں گر قبول افتذ زہے عز وشرف۔انجمن پیغامِ رضا ٹرسٹ کے ذمہ داروں کو مفتی اعظم نمبر کی اشاعت پر دعا گو ہوں کہ اللہ کریم اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے طفیل ان کے اقبال میں مزید کرامت عطا فرمائے۔آمین

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلیم رضوی

مفتی اعظم ہند تحریکِ فکر رضا کے علم بردار

امام اہلِ سنّت، مجدِ دِ دین وملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے شہزادۂ والا تبار مجدد مائۃ حاضرہ تاجدارِ اہلِ سنّت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا المکرم ومرشدنا المعظم حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اپنے علم وتقویٰ اور فقہ وفتاویٰ کی بنیاد پر تمام عالمِ اسلام میں مشہور ومعروف ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند تحریک فکر رضا کے علم بردار ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں دین وسنّیت اور فروغِ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی جو خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔

اب تک سیّدی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ سے متعلق کافی کچھ لکھا گیا ہے، لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے وہ آپ کی عظیم شخصیت اور آپ کی بیش بہا خدمات کے مقابلے میں ناکافی ہے۔ کیوں کہ ابھی بھی آپ کی فکر وفن کے بہت سے گوشے تشنۂ تحریر ہیں۔ مثلاً علمِ تفسیر میں آپ کی ممارست اور علمِ حدیث میں آپ کی مہارت وغیرہ موضوعات پر تفصیلی مقالہ جات تحریر کرنے کی ضرورت ہے۔ صاحبانِ علم وقلم اور اربابِ دین ودانش کو اس طرف توجہ کرنا چاہیے۔

برادرِ طریقت، ناشرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت، خلیفۂ تاجدارِ اہلِ سنّت حضرت الحاج قاری لیاقت رضا صاحب نوری مدظلہٗ العالی کی زبانی یہ خبر سن کر بڑی مسرّت وشادمانی ہوئی کہ قاری صاحب قبلہ اپنے رسالہ ماہنامہ پیغامِ رضا (اُجین) کا عظیم وضخیم حضور مفتی اعظم ہند نمبر شائع کر رہے ہیں۔ جس میں ملک وبیرونِ ملک کے دانش ورانِ قوم وملک کے قیمتی مقالات، اہم

تحریرات اور بیش بہا معلومات کا وافر ذخیرہ جمع فرما کر مجھ جیسے کم علموں پر کرم فرمایا ہے۔

ربّ کریم اپنے محبوب رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل حضرت قاری صاحب قبلہ کے علم وعمل وعمر میں صحت وسلامتی کے ساتھ بیش از بیش برکتیں عطا فرمائے۔آمین بجاہِ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ وعلیہم اجمعین۔

گدائے مفتی اعظم ہند
محمد عبد العلیم رضوی

حضرت مولانا شبیر احمد رضوی

شیدائے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، فدائے تاجدارِ اہلسنت، مبلغ مسلکِ اعلیٰ حضرت پیر طریقت حضرت علامہ حافظ وقاری محمد لیاقت رضا نوری صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی آج کے اس دورِ قحط الرجال میں نمونۂ اسلاف ورہنمائے اخلاف ہے۔ امامِ اہل سنت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے افکار وتعلیمات کی روشنی میں دینِ متین کی تبلیغ واشاعت ہی آپکی زندگی کا متن ہے جس کی خاطر رات دن صبح شام تگ و دو ہی آپکا محبوب مشغلہ ہے۔۔۔ تقریر وتحریر، تنظیم وتحریک اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ رشد وہدایت کا سلسلہ مختلف خطوں میں پھیلا ہوا ہے۔

خصوصاً ریاستِ کرناٹک میں آپ کی سرپرستی ورہنمائی میں انجمن پیغامِ رضا ٹرسٹ بھدراوتی کے زیر اہتمام مسلک کا کام منظم طریقہ سے ہو رہا ہے۔ ابھی دو سال پہلے حضرت مولانا محمد کلیم رضا نوری کی مرتبہ کتاب ''مسلکِ اعلیٰ حضرت حقائق ومعارف'' کی اشاعت کے بعد شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتیٔ اعظمِ ہند رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں پر ملک وبیرون ملک کے مشاہیر علمائے اہل سنت کے فکر انگیز وقیع مضامین پر مشتمل کتاب شائع کرنے پر انجمن پیغامِ رضا ٹرسٹ بھدراوتی لائق صد مبارک باد ہے۔

حضرت مولانا مقصود عالم ضیائی، شیموگہ

جانشین بوحنیفہ مظہر احمد رضا۔۔۔ مفتیِ اعظم کے جیسا باخدا کوئی نہیں

نائب رحمۃ اللعالمین، تاج المحققین والمدققین، تاجدارِ اہلِ سنّت، آفتابِ ولایت، واقفِ اسرارِ شریعت، دانائے رُموزِ طریقت، قدوۃ الفقہا، زبدۃ العلما، راس المحدثین، امام المفسرین، متقیٔ اعظم، قطب عالم حضور مفتیِ اعظم اسلام حضرت علامہ الشاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری، برکاتی، نوری علیہ الرحمۃ والرضوان ایک آفاقی وہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کی حیات کا ہر گوشہ نور بار تھا۔ ولادتِ باسعادت کے ایک روز قبل ہی سید شاہ ابوالحسین احمد عرف نوری میاں علیہ الرحمہ نے فاضل بریلوی کے گوشِ گزار کردیا کہ آپ کے گلستانِ محبت میں جو گل کھلنے کو ہے وہ مادرزاد ولی ہے اور اسی وقت داخلِ سلسلہ بھی فرمالیا۔ نام ابوالبرکات آلِ رحمٰن محی الدین جیلانی تجویز فرمایا۔ اپنا جبّہ وعمامہ شریف فاضلِ بریلوی کو عطا کیا۔ جب بریلی تشریف لائے تو بچپن ہی میں اپنی خلافت واجازت سے بہرہ مند فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ بچہ مبلغ دین اسلام ہوگا۔ بہت سارے لوگ اس سے دین ودنیا کے فیوض و برکات حاصل کریں گے۔ ان دعاؤں کا اثر ونتیجہ لوگوں نے دیکھا کہ عرب وعجم نے آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے خوب خوب فیض حاصل کیا۔ روحانیت کے آفتاب اور شریعت کے مہتاب نے عالمِ کائنات کو اپنی نورانیت سے مستفیض ومستنیر فرما کر نور بار بنا دیا۔ مسندِ افتا کی زلف برہم سنوارنے میں مشغول ہوئے تو فقہی دنیا میں مفتیِ اعظم تسلیم کیے گئے۔ احیائے دین وسُنّت کے گلزار کی آبیاری کے لیے قدم اُٹھایا تو فلکِ رُشد وہدایت کے مطلع پر پندرھویں صدی کے آفتاب مجدد بن کر چمکے اور مجدد کی فہرست میں شمار کیے گئے۔ نزاعی مسئلہ کے پیچ وخم

کی گتھیاں سلجھانے کا ارادہ کرلیا تو قاضی القضاۃ فی الہند کے نام سے ملقب ہوئے۔ لوح وقلم کی سلطنت ہفت اقلیم پر براجمان ہوئے تو تقریباً ۴۰ رتصنیفات کا جواہر پارہ عطا کر دیا۔ جو دلائل و براہین کے بحرِ بیکراں کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔ جس نے وادیِ تبلیغ وارشاد کی خاک چھاننی شروع کر دی تو پانچ ہزار کفّار کو دامنِ اسلام سے وابستہ کر دیا اور چھ ہزار مرتدین کے ایمان وعقیدہ کو تحفظ بخش دیا۔ احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لیے میدانِ کارزار میں اُترے تو وقت کے وزیر اعظم کی پرواہ نہ کی۔ درس و تدریس کی مسندیں بچھائیں تو محافظانِ اسلام کا ایک عظیم لشکر تیار کر دیا۔ بیعت وارادت کی گل افشانیاں کی تو سینکڑوں کو روحانیت کا تاجدار بنا دیا۔ جب آپ کی زندگی کے لمحات کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو روشن ہو جاتا ہے کہ اس مردِ مجاہد نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی شمع فروزاں کی کہ جس کی ضیاؤں نے تیرہ و تاریک دنیا کو منور و مجلّی کر دیا۔ جس کے باعث عالمِ اسلام کے مسلم مقتدا مانے گئے۔ یقیناً آپ وقت کے امام اعظم تھے۔ دنیائے علم نے جن کو صداقت میں صدیق اعظم کا پَرتو کہا تو عدالت میں فاروقِ اعظم کا مظہر اتم مانا۔ سخاوت میں عثمان غنی کا عکسِ جمیل قرار دیا تو شجاعت میں حیدرِ کرّار کا جلوۂ زیبا تسلیم کیا۔ رازی، غزالی کی تصویر یقین کیا تو جنید و بایزید کے آئینے میں دیکھا۔ جس نے جماعت اہلسنّت کو درجنوں فقہا، محدثین، مفسّرین، مقررین، ادبا، مدرّسین، مفکّرین، محققین، مدبرین، ناقدین، اصحابِ جرح وتعدیل، پاسبانِ شریعت، نگہبانِ طریقت، ترجمانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت اور سلطانِ علم وفن عطا کیا۔ جنھوں نے ایمان و عقیدے کو جِلا بخشا اور اس کے استحکام کے لیے میرِ کارواں دیا۔ جس نے فکرِ رضا کو وہ تابناکیاں عطا کیں جس کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑسکتی۔ ان کو مظہرِ غوثِ اعظم، شبیہِ غوثِ اعظم، وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت، قائد دین وملت، مجددِ مائۃ حاضرہ آیات من آیات اللہ، معجزۃ من معجزات الرسول کہنا بجا و درست ہے۔ آپ کے عاشقانِ باوفا، غلامانِ سعادت مند، مریدانِ باکمال، شاگردانِ سعید، خلفائے جمیل پر لازم ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے کو حیطۂ تحریر میں لاکر عام وتام کریں اور شکر گزاری و نمک خواری کا حق ادا کریں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ بے شمار حضرات نے ان کی حیات و خدمات پر قلم اُٹھایا اور کثیر تصانیف منظرِ شہود پر لاکر عوام و خواص کو ان کی سیرت کے گوشے گوشے سے روشناس کرایا۔ انھیں میں ایک نام پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، قاطع نجدیت و وہابیت، حامیِ دین وسُنّیت، ترجمانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت خلیفۂ حضور مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ حافظ وقاری محمد لیاقت رضا قادری برکاتی رضوی نوری دامت برکاتہ القدسیہ کا ہے، جو ایک ضخیم مفتی اعظم نمبر نکال رہے ہیں۔ جس میں بڑے بڑے اصحابِ قلم کے مضامین شامل ہیں۔ اس سے قبل آپ نے ''مسلکِ اعلیٰ حضرت حقائق ومعارف'' کے نام سے چھ سو صفحات پر مشتمل کتاب شائع فرما کر عوام وخواص اہلِ سنّت کی آنکھوں کو نور بار بنایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصنیف ''الامن والعلیٰ'' کو انگریزی زبان میں چھپوا کر تقسیم کروایا۔ کنزالایمان چھپوا کر ہزاروں میں بانٹا۔ اس طرح بے شمار، ان گنت خدمات ہیں، جن کو دامنِ قرطاس پر ثبت کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے، جو یہاں نہیں۔ مفتی اعظم نمبر کی تزئین، ترتیب، تصحیح اور نظرِ ثانی کا کام وقت کے عظیم سلطانِ لوح وقلم، سلطنت ادب کے نیرِ اعظم، گلزارِ صحافت کے مشکبار ومعطر گلاب، نقد و نظر کے شہابِ ثاقب حضرت علامہ ومولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب پوکھریروی کا انتخاب اس لیے فرمایا کہ یہ نمبر ہر اعتبار سے لائق دید اور قابلِ تحسین ہوگا۔ اکابرین ملت کے حیاتِ طیبہ بالخصوص مفتیِ اعظم ہند کے سیرت پاکیزہ کو سپردِ قرطاس فرما کر منظر نامے پر لانا ایک اجمل واحسن اور عظیم کارنامہ ہے۔ ایک بے مثال، بے نظیر اور لائق تقلید عمل ہے۔ آبِ زر سے لکھے جانے والا ایک عمدہ فعل ہے۔ اللہ عزوجل اس مردِ مجاہد، بطلِ جلیل، صوفیِ باصفا، مہتابِ رضویت، آفتابِ نوریت کو صحت وسلامتی کی دولت لازوال سے بہرہ مند فرما کر اپنا مقبول ومنظور اور محبوب بنائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت سید نظام الدین شاہ قادری رضوی لیاقتی
صدر انجمن برکاتِ رضا، ہولے نرسی پور، کرناٹک

ہولے نرسی پور میں ۳۵/سال سے عرسِ حضور مفتی اعظم ہند

اور سرکار محمد لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی کے ناقابلِ فراموش تاریخی کارنامے

ریاست کرناٹک اولیاء صوفیاء کا مسکن رہی ہے۔ ان اولیاء اور صوفیاء نے اخلاق و مساوات، حق و صداقت اور عرفانِ شریعت و طریقت کی تعلیم دی ہے۔ اسی ریاست میں ضلع ہاسن کے تحصیل شہر ہولے نرسی پور میں کم از کم پینتیس ۳۵ سال قبل سرکار محمد لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی اپنے مقدس قدم رکھے تھے۔ اس شہر نے ریاست بھر میں سیاست کے اعتبار سے بڑا ہی نام کیا ہے۔ یہاں سے ایچ ڈی دیوے گوڑا وزیر اعظم بھی ہوئے ہیں۔ اسی طرح یہ شہر اولیاء اور مشائخ کرام کا گہوارہ رہا ہے۔ انھیں محبوبانِ خدا اور اولیاء میں دو نامی واسم گرامی اولادِ غوث اعظم حضرت سیدنا یاسین ولی یمنی قدس اللہ العزیز اور سیدنا چمن شاہ قادری قدس اللہ العزیز کا ہے۔ حضرت سیدنا یاسین ولی شہر تاڈپتری، آندھرا پردیش سے نقل مکانی فرما کر شہر ہولے نرسی پور تشریف لائے۔ آپ کی آمد سے نہ صرف شہر ہولے نرسی پور بلکہ پورا ضلع ہاسن روشن و تابناک ہوگیا۔ آپ کے روشن کیے ہوئے چراغ جس میں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور حضور غوثِ اعظم و حضور غریب نواز سے عشق کئی سالوں سے روشن تھا اور دور دراز کے شہروں تک یہ روشنی پہنچتی رہی بعد ازاں آپ دونوں کے پردہ ہونے کے بعد مگر چند وجوہات کے سبب وہابیوں اور دیوبندیوں نے پورے شہر کو منصوبہ بندی کے ساتھ خانقاہی نظام اور صوفیانہ افکار و نظریات سے ہٹا کر وہابی متشددانہ

افکار و نظریات کو لانے کی سازش رچی گئی۔ یہ وہ دَور تھا جب اہلسنّت و جماعت کا بول بالا تک نہیں تھا۔

مگر اولادِ غوثِ اعظم حضرت سید احمد محی الدین قادری عرف بھیا کو یہ قطعی منظور نہ تھا کہ وہابی اور زیادہ سربلند ہوں۔ اسی وقت کرناٹک کی سرزمین پر سرکار محمد لیاقت رضا نوری تشریف لائے۔ شہزادۂ غوث اعظم نے آپ کو شہر ہولے نرسی پور آنے کی دعوت کی۔ آپ کیسے منع کرتے ایک سیدزادے کی بات کو۔ آپ لبیک کہتے ہوئے اپنے قدم شہر ہولے نرسی پر رکھے۔ کم از کم پینتیس سال قبل آپ کے شہر آتے ہی دوسرے دن عرسِ حضور مفتی اعظم ہند منانے کی ٹھانی۔ لوگ پریشان ہوگئے اور عرض کرنے لگے: حضور! وہابی اگر روکے اور کوئی پریشانی جلسے کے دوران کریں، تب کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: دیکھو لوگو! آپ نہیں جانتے کہ جن کا عرس آپ کرنے جارہے ہو، وہ کتنے پاور والے ہیں۔ پورے کرناٹک والے مل کر بھی اس جلسے کو روک نہیں سکتے۔ اس دن سے آج تک پینتیس سال ہوگئے حضور سرکار مفتی اعظم کا عرس بے مثال طریقے سے ہوتا آرہا ہے۔

سرکار نے بند بڑے مکان کے عرس کو اس قدر جاری کیا کہ دشمن بھی اس عرس میں حصہ لینے لگے، جو تیس سال سے بند تھا۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس اور جلسہ کو جاری کیا۔ کم از کم بیس سال قبل پورے کرناٹک کے لیے ایک ریاستی کانفرنس شہر ہولے نرسی پور میں منعقد کی۔ جس میں پورے ہندوستان سے علماء کرام تشریف لائے اور شہر کو اہلسنّت کا مرکز قرار دیا گیا۔ شہر ہولے نرسی پور میں سرکار لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی کی سرپرستی میں حضور تاج الشریعہ اور ہندوستان کے مشہور و معروف اکابر علماء تشریف لائے اور سنیت کا پرچم بلند کیا۔

آپ نے سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ کے پیدائش کے موقع پر تمام اہلسنّت اور ہزاروں مریدین کو یہ پیغام دیا کہ اس دن کو میں ایک نیا نام دے رہا ہوں۔ تمام افراد کو یہ دن عید کے طور پر منانا ہوگا اور نام دیا عید سنّیہ۔ جو آگے چل کر پورے کرناٹک میں عید کے طور پر منائی جارہی ہے۔

آج ہولے نرسی پور کی گلی گلی میں حضور اعلیٰ حضرت کے مسلک اور حضور سرکار مفتی اعظم ہند کے بول بالے نظر آئیں گے۔ آپ نے تعلیم پر اتنا زور دیا کہ تین مدرسوں کا سنگ بنیاد رکھی، جو آج برکاتِ رضا، فیضانِ رضا اور لیاقت رضا مدرسہ کے نام سے پورے ضلع میں مشہور اور اعلیٰ حضرت کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ آج جو شہر ہولے نرسی پور سنیوں کا مرکز کہلاتا ہے، یہ یادگار اور صدا بہار تاریخی کارنامے سرکار محمد لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی کی بدولت ہے۔

زیرِ نظر مجلہ پیغامِ رضا کا مفتی اعظم نمبر بھی حضرت والا درجت کا تاریخی کارنامہ ہے۔ ربّ کائنات سے دعا ہے کہ یہ نمبر عوام اہلسنّت میں خوب خوب پذیرائی حاصل کرے۔

حضرت مولانا امین القادری رفاعی
حضرت اکبر شہید ٹیکرہ، سورت (گجرات)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مفتیِ اعظم

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے محبوبِ پاک، صاحبِ لولاک دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ پاک ترجمان سے نکلنے والے الفاظ، آپ کے مقدس افعال و اعمال کو تا قیامِ قیامت اپنے نیک بندوں کے ذریعے باقی رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان مقدس نفوس کے متعلق خود تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہیں۔ ان کی صحبت میں بیٹھنا، اُٹھنا گویا رسولِ پاک کی مجلس مبارک میں بیٹھنا اُٹھنا ہے۔ ان سے مصافحہ و معانقہ کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مصافحہ و معانقہ کرنے کا اجر حاصل ہوتا ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ان کے نورانی چہروں کی زیارت کرنے سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمالِ پُرنور کی زیارت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

ان مقدس نفوس کا ہر قول و عمل حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل و عمل کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ ان کے زبانِ پاک سے نکلے ہوئے الفاظ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھرپور اور ان کے افعال و کردار میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے افعال و کردار کی مقدس جھلک نظر آتی ہے۔ یہ نورانی جماعت ہر دور میں پائی گئی ہے اور صبح قیامت تک پائی جائے گی۔

اسی مقدس جماعت میں ایک متقی و پرہیزگار شخصیت جسے عالمِ اسلام تاجدارِ اہلِ سنّت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ان کا قول و عمل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس عمل و فعل کی تصویر

ہوتا تھا۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا بولنا، تقریر و نصیحت الغرض جملہ اعمال و افعال اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کے مطابق ہوتے تھے۔ اگر کبھی بھی کسی کو خلافِ شرع کوئی عمل کرتے دیکھا تو فوراً ٹوک دیا۔ پھر ایسے پُر اثر انداز سے نصیحت فرماتے کہ وہ شخص تازندگی خلافِ شرع افعال سے توبہ کرلیتا تھا۔

سرکار مفتی اعظم ہند نے اپنی پوری زندگی خدا کی رضا اور اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی میں گذار دی اور جب آپ کے وصال کا وقت آیا، غسل دینے والے نے آپ کو تختۂ غسل پر لٹا دیا کہ اچانک ہوا چلی اور مفتی اعظم ہند کے جسم پاک پر ڈالی گئی چادر اُٹھنے کے قریب تھی کہ بے پردگی ہوجاتی، فوراً سرکار مفتی اعظم ہند کے ہاتھ میں حرکت پیدا ہوئی اور دھیرے دھیرے ہاتھ اُٹھا جسے سب نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے مضبوطی کے ساتھ چادر کو پکڑ لیا اور اُس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کفن مبارک آپ کو زیب تن نہ کیا گیا۔

یہ تقویٰ شعار زندگی کا نتیجہ تھا جسے آپ نے صبح قیامت تک آنے والے اپنے تمام مریدین و متوسلین اور خلفا کو بتا دیا کہ اپنی زندگی میں ہمیشہ اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانِ عالی شان کو اپنے پیش نظر رکھنا۔ اُس کے مطابق زندگی گزارنا اور اُسی پر عمل کرتے ہوئے اپنی جان اللہ ربّ العزت کے حوالے فرما دینا۔

یہ چند سطریں لیاقت ملت، خلیفۂ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی کے حکم پر تحریر کردی ہیں کہ آقائے نعمت پیر و مرشد علیہ الرحمہ کی بارگاہِ عالی میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے والوں کی فہرست میں مجھ جیسے گنہ گار کا نام بھی شامل ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے سرکار مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات سے ہمیں مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت مولانا محتشم رضا خان، بریلی شریف

مجھے یہ جان کر بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ آپ پیغامِ رضا اُجین کا ''حضور مفتی اعظم ہند نمبر'' شائع کر رہے ہیں۔ یہ نیک اور اچھا کام ہے اور وقت کی ضرورت بھی ہے۔ ایک ایسے ماحول میں جب لوگ اور خاص طور پر نوجوان علما اپنے بزرگوں اور اسلاف سے بیزار دکھائی دے رہے ہیں۔۔۔ دیگر قومیں اپنے اپنے پُرکھوں اور ان کے نظریات سے استفادہ کر رہی ہیں اور ان کے کردار و عمل کو اپنانے میں لگی ہوئی ہیں مگر ہمارے یہاں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

یہ کس قدر وقت کا المیہ ہے کہ جو ہمارا محسن ہے، جس نے ہمارے ایمان و یقین اور جذبۂ ایثار و قربانی کی صیانت فرمائی اور عشق و محبت کی دولت سے مالا مال کیا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ہم دین کے شعور، اس کی تعلیمات سے آشنا نہ ہوتے۔ ایسی صورت میں ہم زندگی کے کس چوراہے پر کھڑے ہوتے۔۔۔ شاید اس کا اندازہ ہماری جماعت کے نوجوان علما کو نہیں ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند کی ذات وذات ہے جس نے اسلام و سنّیت، عشق و محبت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت اور فروغ و ارتقا کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔۔۔ جہاں جیسی ضرورت محسوس ہوئی اسی کے اعتبار سے آپ نے خدمات انجام دیں۔ مناظرہ کی ضرورت پڑتی تو آپ مناظر فراہم کرتے۔ دعوت و ارشاد کے لیے مبلغین روانہ فرماتے۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت علامہ و مولانا مفتی محمد سبطین رضا خاں نبیرۂ علامہ مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے ہی ایم پی بھیجا۔ انھوں نے کانکیر کو اپنی تبلیغ و اشاعت کا مرکز بنایا۔ حضرت امین شریعت نے مسلکِ اعلیٰ حضرت اور اسلام و سنیت کی ایسی خدمات انجام دیں

کہ اس علاقے کو آپ نے چمن زار بنا دیا اور خارستان کو لالہ زار کر دیا۔۔۔ اور جہاں ان کو جانے کی ضرورت پڑی آپ بنفس نفیس تشریف لے گئے۔۔۔ دین وسنیت کی خدمت اور تبلیغ واشاعت کی راہ کوئی آسان راہ نہیں ہوتی ہے۔ اس راہ میں کانٹے ہوتے ہیں۔ نشیب و فراز ہوتے ہیں اور قدم قدم پر خطرات ہوتے ہیں، مگر جو مردِ مجاہد ہوتا ہے اور جس کے دل میں دینی خدمت کا جذبہ ہوتا ہے، اس کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اُجالے ہوتے ہیں اور اس کے دامن میں خوشبوؤں کی بارات ہوتی ہے اور کامیابی اس کا نصیب ہوتی ہے۔۔۔ انھیں اوصاف وکمالات اور خوبیوں کے حامل تھے سرکار مفتی اعظم ہند۔

ایسی بزرگ شخصیت کا ذکر کرنا، تذکرہ لکھنا اور ان کے دینی، مذہبی، تبلیغی اور علمی فنی خدمات کو شائع کرنا یہ بڑا کام ہے۔ اس کے ذریعے تہذیب وتمدن کی صیانت ہوتی ہے۔ عقیدہ وایمان اور عشق وادب کی ترسیل ہوتی ہے۔ یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہمارے پاس جو سرمایہ ہے اسے اَوروں تک پہنچائیں۔ اور دنیا کو بتائیں کہ یہ وہ شخصیت ہے کہ جو اِن کے قریب رہتا ہے اور جن کے ہاتھوں میں ان کا دامن ہوتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور ان کی زندگی اُجالوں کی زندگی ہوتی ہے۔ نور اور نکہت بھری زندگی ہوتی ہے اور جو قوم اپنے محسن کو بھلا دیتی ہے اور اسلاف سے رُخ موڑ لیتی ہے۔۔۔ اگرچہ اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے، پھر بھی وہ مفلس ہوتی ہے، غریب اور نادار ہوتی ہے۔

آپ نے حضور مفتی اعظم ہند نمبر شائع کر کے پوری جماعت پر احسان کیا ہے۔ آپ کی یہ خدمت تاریخی خدمت ہے۔ اور بہت دنوں تک یاد کی جائے گی۔ ربّ کائنات آپ کے بازوؤں میں قوت وطاقت عطا فرمائے اور ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا محمد ہاشم نعیمی
پروفیسر معقولات جامعہ نعیمیہ مراد آباد

علم وفضل کے بحر بے کراں حضور مفتی اعظم ہند

جہان کائنات میں لمحوں میں چیزیں بدل جاتی ہیں، کائنات کی اس وسیع وعریض فضا میں تغیرات کا ہونا معمول کی بات ہے، ہر دم بدلتی اس دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں، آج جس کا نام ہے کل وہ بے نام ہوجاتا ہے، کل تک جس کے نام کے سکے چلتے تھے آج ان کے مرقدوں پر کوئی چراغ جلانے والا بھی نہیں ملتا مگر! اسی خاکدان گیتی میں کچھ بندگان خدا ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی جتنی روشن وتابناک رہی بعد وصال بھی ان کی تابانی میں سر مو فرق نہیں آیا، انہیں نابغہ روزگار شخصیتوں میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، امام العارفین، عارف باللہ حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خاں قادری علیہ الرحمہ کی شخصیت بڑی منفرد اور مثالی شان کی ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند اس ذات گرامی کا نام ہے جنہیں میں نے عہد طالب علمی سے دیکھا، اور میں اس بات پر تحدیث نعمت کا اظہار بھی کرتا ہوں کہ اس فقیر پر حضور مفتی اعظم ہند کی بڑی شفقتیں رہیں۔ جب مجھے ارباب جامعہ نعیمیہ نے معقولات کی خصوصی تعلیم کے لئے مظہر اسلام بریلی شریف میں بھیجا تب سے میں نے اس عظیم ہستی کے شب وروز کو بڑے قریب سے دیکھا، اس وقت سے اب تک قریب پچاس سال سے زیادہ عرصہ درس وتدریس میں گزر چکا ہے اور میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ ماضی قریب میں علم وفضل کے ساتھ ساتھ ایسی باعمل اور متبع سنیت شخصیت میری نگاہوں سے نہیں گزری۔

حضور مفتی اعظم ہند ایک علمی گھرانے کے چشم وچراغ تھے اس لئے علم کی قدردانی ان

کے مزاج کا لازمہ تھا۔ مظہر اسلام کے زمانہ طالب علمی میں، میں نے خوب دیکھا کہ حضور مفتی اعظم ہند علما کی کس طرح قدر کیا کرتے تھے، اور تو اور طلبا کے اوپر بھی اتنی شفقت کرتے تھے جیسے کوئی شفیق باپ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے۔

مجھے حد درجہ خوشی ہوئی جب عزیز القدر مولانا مفتی غلام مصطفی نعیمی مدیر اعلیٰ سوادِ اعظم دہلی نے یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ خلیفہ حضور مفتی اعظم ناشر مسلک اعلیٰ حضرت مولانا لیاقت رضا نوری صاحب اپنے مجلّے ''پیغام رضا'' کے شمارے کو مفتی اعظم کی حیات وخدمات پر مشتمل خصوصی شمارے کے طور پر نکالنا چاہتے ہیں، اللہ رب العزت حضرت مولانا لیاقت رضا صاحب اور ان کے جملہ رفقاء کار کی اس خدمت جلیلہ کو قبول فرمائے اور مفتی اعظم ہند کے فیضان سے پورے جہانِ سنیت کو فیض یاب فرمائے آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین۔

حضرت مولانا مفتی محمد سلیمان نعیمی برکاتی
استاذ فقہ وحدیث ونائب مفتی اعظم مراد آباد، یوپی

حضور مفتی اعظم ہند ایک ولی کامل ایک عارف حق

ماضی قریب میں جن عظیم ہستیوں نے اپنے علم وفضل اور اپنی باعمل زندگی کے جوانمٹ نقوش چھوڑے ہیں ان عظیم ہستیوں میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، ہم شبیہ غوث اعظم، ولی ابن ولی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ایک انفرادی شان کے مالک نظر آتے ہیں۔ سرکار مفتی اعظم ہند نے اپنی پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں گزاری، ان کا ایک ایک عمل سنت مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کی عملی تصویر نظر آتا ہے، اخلاق وکردار اور گفتار واطوار میں ان کی مکمل زندگی حضور ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیاری زندگی کی چلتی پھرتی تصویر نظر آتی ہے۔

یادگار صدر الافاضل جامعہ نعیمیہ سے حضور مفتی اعظم کو بے پناہ لگاؤ تھا اور آپ جامعہ کے اجلاس میں بحیثیت سرپرست تشریف لاتے تھے، دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضور مفتی اعظم ہند تشریف لاتے ایسا لگتا مانوں کوئی چاند نکل آیا ہو اور سارے ستارے اس کے جھرمٹ میں آ گئے ہوں، سبھی علما ومشائخ آپ کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے اور پھر پوری محفل ان کی بزرگانہ صورت سے منور وتابناک ہو جاتی، عالم یہ ہوتا تھا کہ کوئی بھی آپ کی محفل سے اُٹھنا نہیں چاہتا تھا۔

حضور مفتی اعظم ہند اپنے والد بزرگوار امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے مشن اور منہج فکر کے سچے امین تھے انہوں نے کبھی بھی کسی موڑ پر، بڑے بڑے سے سخت حالات میں بھی مذہب حقہ کی ترویج واشاعت اور تبلیغ سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

ایمرجنسی کے سخت دور میں جب کے ملک کے بڑے سیاسی لیڈران کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا اور نس بندی کے حق میں فتویٰ دینے کے لئے ارباب افتاء کو مجبور کیا گیا تو دیوبند کے دنیا پرست مولوی تو حکومت کے ڈنڈے سے مرعوب ہو کر اپنے سابقہ فتوے سے رجوع کر کے حکومت کے حق میں بولنے لگے مگر یہ اعلیٰ حضرت کے کچھار کا وہ بے باک شیر تھا جس نے بڑھاپے کی کمزور حالت کے باوجود مذہب اسلام کی حقانیت کو بانگ دہل بیان کیا اور حکومت کو بتا دیا ع

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

یہاں تک کہ حکومت نے جب اس مرد خدا کو فتویٰ بدل دینے کے لیے کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''یہاں فتویٰ نہیں بدلا جاتا، ہاں! اگر حکومت فتویٰ بدلنا چاہے تو ایسی حکومت کو بدل دیا جاتا ہے۔'' تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد اندرا گاندھی کی حکومت کو شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس مرد خدا کی یہ بات سچ ثابت ہوئی کہ جوان سے ٹکرائے وہ حکومت ہی بدل دی جاتی ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاں فولاد سے زیادہ مضبوط تھے اور شریعت کے نفاذ کے لئے اپنے ہوں یا غیر کسی سے سمجھوتہ نہیں کرتے تھے وہیں آپ روابط و معاملات میں حد درجہ شفیق اور ملنسار تھے، ان کی پوری زندگی دین وسنیت کے لئے ایک نعمت بے بہا تھی اور بعد وصال بھی ان کا فیضان جاری وساری ہے۔

فقیر اس موقع پر ''پیغام رضا اجّین'' کے ذمہ داران کو مبارک باد پیش کرتا ہے جو اس عظیم ہستی کی حیات وخدمات کو عام کرنے کے لئے ایک ضخیم نمبر شائع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم سے نوازے آمین بجاہ سید المرسلین

حضرت مولانا مفتی محبوب عالم رضوی

دارالعلوم رضویہ غریب نواز، اُجین، مدھیہ پردیش

حضور مفتی اعظم ہند کی میں نے زیارت کی ہے، ان کی صحبت میں بیٹھنے کی بھی مجھے سعادت حاصل ہے اور علم وحکمت سے بھرپور ان کی باتوں کو سننے کا مجھے شرف ملا ہے۔ جب آپ کسی بزم میں جلوہ افروز ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ انوار وتجلیاتِ الٰہی کی موسلا دھار بارش ہورہی ہے اور سارے حاضرین اس بارش میں نہا رہے ہیں۔ جس طرح پانی سے کپڑے اور جسم کی گندگی دور ہوتی ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی صحبت سے گناہوں کی گندگی دور ہوتی تھی۔ آپ اپنی محفل میں آنے والے ہر شخص کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ہر آنے والے کی ضرورتوں کا بھرپور خیال رکھتے تھے۔

آپ کا دربار دارالشفا تھا۔ ہر طرح کے مریض آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور شفایاب ہوکر لوٹتے۔ آپ کے ہاتھوں میں رب نے شفا رکھ دی تھی۔ آپ جسم وروح دونوں کے طبیب تھے۔ آپ جہاں بیٹھ جاتے انجمن آباد ہوجاتی۔ آپ کے دور میں آپ سے زیادہ محبوب خلائق کوئی دوسری شخصیت نہ تھی۔ ربّ کائنات نے آپ کو بے شمار خوبیوں کا جامع بنایا تھا۔ آپ عمل وعلم کی جس بلندی پر جلوہ افروز تھے، وہاں تک اچھے اچھوں کی رسائی نہ تھی۔ جب سائل ہر طرف سے مایوس ہوجاتا تب آپ کے حضور حاضر ہوتا اور آپ سائل کو ہر طرح سے مطمئن فرما دیتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تسخیری قوت عطا کی تھی۔ مخلوقِ خدا کے قلوب آپ کی طرف کھنچے جاتے تھے۔ جہاں آپ بیٹھ جاتے مخلوقِ خدا کا ہجوم اکٹھا ہوجاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی مخلوق ہے جو آپ کی آمد کی تشہیر پر متعین ہے۔ اگر کسی اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں ہیں، بغیر کسی تشہیر کے لوگ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیتے اور اپنی اپنی ضرورتیں آپ کے سامنے پیش کرتے۔ آپ سب کے سوال سنتے اور اس کی ضرورتیں پوری کرتے۔

جناب محمد زبیر قادری

ایڈیٹر افکارِ رضا، ممبئی

مجدد دِ اسلام اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت الشاہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجدید واحیائے دین کا عظیم فریضہ انجام دیا۔آپ کے وصال کو سو سال ہونے آئے اس کے باوجود آج ہم اعلیٰ حضرت کے فیوض و برکات اور فیضان سے خوشہ چینی کرتے ہوئے دین وسنّیت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔آپ کے پردہ فرمانے کے بعد یہی کام تاجدارِاہلِ سنّت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ذریعے جاری وساری رہا۔حضور مفتی اعظم ہند نے قوم وملت کے مسلّم پیشوا، مقتدا اور رہنما کی حیثیت سے ہمہ جہت خدمات انجام دیں۔اور اُمت کو اتحاد واتفاق کی رسّی سے باندھے رکھا۔

لیکن آج اہلِ سنّت و جماعت میں جو حالات درپیش ہیں کہ جماعت ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے۔۔۔مخالفین کی سرکوبی کرنے کی بجائے آپس میں ہی دست وگریباں ہیں۔ایسے میں بہت ضروری ہوجاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند کے افکار ونظریات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔حضور مفتی اعظم کی حیات ہم اہلِ سنّت و جماعت کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔آپ کی ذات ہر طبقے میں عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔آپ کی عالمانہ، عارفانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کا بھی ہر طبقہ اعتراف کرتا ہے۔

حالات کی سنگینی حضرت لیاقت ملت قاری لیاقت رضا نوری صاحب نے محسوس کی اور ضرورت محسوس کی کہ حضور مفتی اعظم کی حیات وخدمات، افکار ونظریات کو نئے انداز اور زاویوں سے اُجاگر کیا جائے۔اس گراں قدر خدمت پر آپ بھرپور تحسین ومبارک باد کے مستحق ہیں۔ربّ کریم اس خصوصی شمارے سے فیضانِ مفتی اعظم ہند کو عام وتام فرمائے۔
آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

باب سوم

سوانحات

☆ڈاکٹر محمد حسین مُشاہد رضوی، (مالیگاؤں، انڈیا)

حضور مفتیِ اعظم ہند: حیات و خدمات ایک جائزہ

حضور مفتیِ اعظم کا شجرۂ نسب۔ایک نظر میں

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ہندوستانی مسلمانوں کے ایک مذہبی رہِ نما گذرے ہیں۔آپ عالم اسلام کی مشہور شخصیت امام احمد رضا محدث بریلوی (م 1921ء) کے فرزند اصغر تھے۔آپ کا خانوادہ کئی صدی پیش تر سے اسلامی علوم وفنون کا مرکز ومحور رہا ہے۔آپ تقویٰ وطہارت میں بلندیِ کردار سے متصف تھے۔مرجعِ فتاویٰ تھے۔ملتِ اسلامیہ کے قائد ورہِ بر تھے۔ذیل میں آپ کا شجرۂ نسب پیش کیا جاتا ہے۔جس کی ابتدا حضرت سعید اللہ خان صاحب سے کی جارہی ہے جو عالی جاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے اور قندھار سے سلطان شاہ محمد شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔اعلا انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت وقت نے انھیں ''شش ہزاری'' کے منصب سے سرفراز کیا تھا۔لاہور کا ''شیش محل'' آپ ہی کی جاگیر تھی۔آپ کے صاحب زادے سعادت یار خاں صاحب ہیں جو سلطانِ وقت کے وزیر مالیات تھے ان کی امانت داری اور دیانت داری کو دیکھ کر سلطان محمد شاہ نے ضلع بدایوں کے کئی مواضعات انھیں عطا کیے جو آج بھی اس خاندان کے حصے میں ہیں۔سعادت یار خاں صاحب کے تین فرزند محمد معظم خاں صاحب، محمد اعظم خاں صاحب اور محمد مکرم خاں صاحب ہوئے۔ان میں محمد اعظم خاں صاحب بھی وزارتِ اعلا

کے عہدے پر فائز تھے، مگر کچھ عرصہ بعد سلطنت کی ذمہ داریوں سے سبک دوشی حاصل کر لی اور زہد و اتقا، ریاضت و روحانیت کی جانب مکمل طور پر مائل ہو گئے آپ ہی کی ذات والا مرتبت سے قندھار کے اس خانوادے میں علم و فضل اور زہد و اتقا کا بول بالا شروع ہوا۔ حضرت نوریؔ بریلوی، محمد اعظم خاں صاحب ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ محمد اعظم خاں صاحب کے یہاں چار بیٹیاں تولد ہوئیں اور ایک فرزند حافظ کاظم علی خاں ہوئے، جن کی آل میں تین صاحب زادیاں اور تین بیٹے امام العلماء رضا علی خاں صاحب، حکیم تقی علی خاں صاحب اور جعفر علی خاں صاحب تولد ہوئے۔ حافظ کاظم علی خاں صاحب کے بیٹوں میں امام العلماء رضا علی خاں صاحب کی اولاد میں مولانا نقی علی خاں صاحب اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ مولانا نقی علی خاں صاحب کے یہاں تین بیٹے امام احمد رضا، مولانا حسن رضا، محمد رضا اور تین صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا نقی علی خاں صاحب کے بڑے بیٹے امام احمد رضا خاں صاحب کے فرزندِ اصغر ہیں۔ حضرت نوریؔ بریلوی کے بڑے بھائی مولانا حامد رضا خاں صاحب اور پانچ بہنیں مصطفائی بیگم، کنیز حسن، کنیز حسنین، کنیز حسین اور مرتضائی بیگم ہیں۔ حضرت نوریؔ بریلوی کے یہاں ایک بیٹے انوار رضا خاں صاحب ہوئے جو کم سنی ہی میں انتقال فرما گئے علاوہ ازیں آپ کی چھ بیٹیاں ہوئیں، جن کے اسمائے گرامی نگار فاطمہ، انوار فاطمہ، برکاتی بیگم، رابعہ بیگم، ہاجرہ بیگم اور شاکرہ بیگم ہیں۔

حیاتِ حضور مفتیِ اعظم ہند

(1310ھ 1893ء تا 1402ھ/ 1981ء)

ولادت:

تحقیق و مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی دنیائے اسلام کے عظیم رہِ نما، قطبِ زمانہ، مرجع العلماء والخلائق، رہبرِ شریعت و طریقت، غزالی دوراں، رازیِ زماں، بافیض مدرس، پُرخلوص داعی، عظیم فقیہہ، مفسر، محدث، خطیب، مفکر،

دانش ور، تحریک آفریں قائد، مایۂ ناز مصنف و محقق اور بلند پایہ نعت گو شاعر اور گونا گوں خصوصیات کے مالک تھے۔ آپ عالمِ اسلام کی مشہور شخصیت امام احمد رضا بریلوی کے فرزندِ اصغر تھے۔ آپ کا خاندان علم و فضل، زہد و اتقا اور عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ آپ کی ولادت 22/ذی الحجہ 1310ھ بمطابق 7 جولائی 1893ء بروز جمعہ بہ وقتِ صبح صادق آپ کے چچا استاذِ زمن علامہ حسن رضا بریلوی کے دولت کدہ پر، واقع رضا نگر، محلہ سوداگران، بریلی، یو پی، (انڈیا) میں ہوئی۔ (2)

اسم گرامی:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کا پیدائشی اور اصل نام ''محمد'' ہے۔ آپ کا عقیقہ اسی نام پر ہوا۔ غیبی نام ''آلِ رحمن'' ہے۔ پیر و مرشد نے آپ کا پورا نام ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی'' تجویز فرمایا اور والد گرامی نے عرفی نام ''مصطفیٰ رضا'' رکھا۔ فنِ شاعری میں آپ اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ سید شاہ ابوالحسین نوریؔ میاں مارہروی نور اللہ مرقدہٗ (م 1324ء) کی نسبت سے اپنا تخلص ''نوریؔ'' فرماتے تھے۔ عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ ہر خاص و عام آپ کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ (3)

مشہور ترین لقب:

یوں تو آپ کو علم و فضل کی بنیاد پر بہت سارے القاب سے نوازا گیا، مگر جس لقب کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی وہ ہے ''مفتیِ اعظم''۔ اس کی تفصیل آگے پیش کی جائے گی۔

ولادت سے قبل بشارت:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی ولادت سے پہلے والد ماجد امام احمد رضا بریلوی اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی (م 1297ھ) کے مزارِ پاک کی زیارت اور سید المشائخ سید شاہ ابوالحسین نوریؔ مارہروی (م 1324ھ) سے ملاقات کے لیے مارہرہ مطہرہ تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر جو واقعات ہوئے اس کی الگ الگ روایتیں سامنے آئی ہیں، مگر ان میں فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمن رضوی کی وہ روایت

جسے آپ نے مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری سے بیان کیا، بہ ایں معنی قابلِ ترجیح ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے اس کو خود مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی زبانی سماعت کیا ہے۔ سید شاہد علی رضوی تحریر فرماتے ہیں :

''22/ذی الحجہ 1310ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذاکرات رہے۔ پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے۔ اسی شب عالمِ خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام 'آل الرحمن' بتایا گیا۔ خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بہ وقتِ ملاقات مبارک باد پیش کروں گا۔۔۔۔۔۔۔ فجر کی نماز کے لیے جب دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ہر ایک نے دوسرے کو مبارک باد پیش کی۔ فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہ نے امام احمد رضا سے ارشاد فرمایا:

'مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں۔ اگر اجازت دیں تو میں نومولود کو داخلِ سلسلہ کرلوں'...... امام احمد رضا قدس سرہ نے عرض کیا: 'حضور غلام زادہ ہے اسے داخلِ سلسلہ فرمالیا جائے'...... سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہ نے مصلا ہی پر بیٹھے بیٹھے مفتی اعظم کو غایبانہ داخلِ سلسلہ فرمالیا۔ حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

'میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہوجائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام 'آل الرحمن' بتایا گیا

ہے۔لہٰذا نومولود کا نام 'آل الرحمن' رکھیے۔ مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے۔وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہوکر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کردوں گا۔''

دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ پہنچی تو سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ نے نومولود کا نام 'ابوالبرکات محی الدین جیلانی' منتخب فرمایا۔۔۔۔۔۔امام احمد رضا قدس سرہ نے ساتویں روز ''محمد'' نام پر بیٹے کا عقیقہ کیا۔(4)

متذکرہ واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت جل شانہٗ کے نیک طینت اور پاک باز بندوں پر عنایاتِ الٰہیہ سے غیبی طور پر آیندہ پیش آنے والے امور منکشف ہوجاتے تھے۔مفتیِ اعظم قدس سرہ کی ولادت کی خبریں جن بندگانِ خدا نے دیں وہ اپنے عہد کے قطب اور مجدد ہیں۔انھیں نفوسِ قدسیہ کی بشارتوں کا یہ ثمرہ ہے کہ مفتیِ اعظم قدس سرہ کا نام آج دنیاے اسلام کے افق پر روشن و منور ہے۔

بیعت وخلافت:

6/ ماہ بعد جب 25 جمادی الثانی 1311ھ کو سید المشائخ سید شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی (م1324ھ) بریلی تشریف لائے تو مفتیِ اعظم قدس سرہ کو اپنی آغوش میں لے کر دعاوں سے نوازا اور چھ ماہ تین دن کی عمر میں ہی آپ کو داخلِ سلسلہ فرما کر تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا۔اور دورانِ بیعت ارشاد فرمایا کہ :

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے،اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے۔یہ فیض کا دریا بہائے گا۔''(5)

سید المشائخ نے حلقۂ بیعت میں لینے کے بعد قادری نسبت کا دریاے فیض بنا کر ابوالبرکات محی الدین جیلانی کو امام احمد رضا کی آغوش میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مبارک ہو آپ کو یہ، قرآنی آیت...... ''واجعل لی وزیرا من اھلی'' کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آ گئی ہے......'' آل الرحمن۔ محمد۔ ابولبرکات۔ محی الدین جیلانی۔ مصطفیٰ رضا'' (6)

بزرگوں کے اقوال سے یہ بات مذکور ہے کہ جب کسی شخص میں محاسن کی کثرت ہوتی ہے تو اس کا ہر کام تشنۂ توصیف ہوتا ہے؛ اور لوگ ایسی جامع الصفات شخصیت کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ مفتیِ اعظم حضرت نوریؔ بریلوی کے نام میں پہلی نسبت رحمن سے ہے، دوسری نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلمسے ہے، تیسری نسبت غوث اعظم علیہ الرحمہ سے ہے اور چوتھی والد گرامی امام احمد رضا بریلوی سے ہے۔ اگرچہ یہ اہتمام تو اکابر نے اپنی بالغ نظری سے کیا مگر دنیا نے اس منبعِ خیر و فلاح سے قریب ہو کر جب فیض حاصل کیا تو لوگ اپنے جذبۂ ستایش پر قابو نہ پا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ مختلف مبارک ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔

تعلیم کا آغاز:

جب مفتیِ اعظم قدس سرہ نے ہوش و خرد کی منزل میں قدم رکھا تو آپ کو زیورِ علم اور تہذیبِ اخلاق سے آراستہ کرنے کے لیے والدِ ماجد امام احمد رضا بریلوی کے قائم کردہ مدرسہ ''منظرِ اسلام'' میں داخل کرایا گیا۔ آپ نے مدرسہ کے مختلف اساتذہ سے کسبِ علم کیا مگر آپ کی تربیت میں سب سے زیادہ دخل آپ کے برادرِ اکبر مولانا حامد رضا خاں بریلوی (م 1362ھ/ 1943ء) کا رہا، انھوں نے اس ہیرے کو خوب خوب تراشا، ہر زاویے سے دیکھا پرکھا اور جب قوم کے رُو بہ رُو کیا تو بڑے بڑوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، بعد اس کے آپ نے اپنے والدِ گرامی امام احمد رضا بریلوی سے اکتسابِ فیض کیا۔ ابتدا ہی سے ذکاوت و نکتہ سنجی، جودتِ طبع، فکر و خیال کی بلندی، حصولِ علم میں کد و کاوش نمایاں رہی۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں برادرِ اکبر مولانا حامد رضا خاں بریلوی، مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری (م 1361ھ)، مولانا سید شاہ بشیر احمد علی گڑھی، مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری

(م 1342ھ) علیہم الرحمۃ کا شمار ہوتا ہے۔

تعلیم سے فراغت:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ نوریؔ بریلوی نے 1328ھ/1910ء میں بہ عمر اٹھارہ سال خداداد ذہانت، ذوقِ مطالعہ، لگن ومحنت اور اساتذۂ کرام کی شفقت ومحبت، والد گرامی امام احمد رضا بریلوی کی کامل توجہ اور مرشد گرامی حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی روحانی عنایات کے نتیجے میں جملہ علوم وفنون، منقولات ومعقولات پر عبور حاصل کیا اور دارالعلوم منظر اسلام بریلی سے فراغت پائی۔(7)

علوم وفنون:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصنیفات وتالیفات کے مطالعہ کے بعد یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ برِ صغیر ہند وپاک میں علومِ عقلیہ ونقلیہ کی جتنی مشہور سندیں ہیں۔آپ کا سلسلۂ تلمذ اُن سب کا جامع ہے۔ذیل میں ان علوم وفنون کی فہرست پیش کی جاتی ہے جو آپ نے ''بریلوی سلسلۂ تلمذ'' کے واسطے سے نہ صرف حاصل کیے بل کہ ان میں انھیں مہارتِ تامّہ وکاملہ بھی حاصل رہی۔(1)علم تفسیر (2)علم حدیث (3)اُصول حدیث (4)فقہ (جملہ مذاہب)(5)اصول فقہ (6) علم الفرائض (7)جدل (9) عقائد (10) کلام (11) نحو (12) صرف (13)معانی (14) بیان (15) بدیع (16)منطق (17)مناظرہ (18)فلسفہ (19)تکسیر (20)ہیئت (21)حساب (22) ہندسہ (23) قراءت (24) تجوید (25) تصوّف (26) سلوک (27) اخلاق (28)اسماء الرجال (29)سیَر (30) تاریخ (31)لغت (32)ادب (عربی، فارسی، اردو) (33)عروض وقوافی (34) توقیت (35)اوفاق (36)فنِ تاریخ و اعداد (37)جفر (38)ریاضی وغیرہ۔ (8)

علوم وفنون کی یہ کثرت مفتیِ اعظم حضرت نوریؔ بریلوی کے علوے مرتبت پر دلالت کرتی ہے۔ان علوم فنون کو آپ نے خالص اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) کی

رضا وخوشنودی اور دین و مذہب کی ترویج واشاعت کے لیے حاصل کیا۔ مذکورہ بالا علوم و فنون آپ نے جن سلاسل سے حاصل کیے اور امام احمد رضا بریلوی نے آپ کو جن 25 سلاسل اولیا وسلاسل قرآن وسلاسل حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی ان اسناد کے نقشے حضرت نوری بریلوی کی حیات وخدمات پر لکھی گئی کتب بالخصوص ''خلفاے مفتیِ اعظم'' میں شامل ہیں۔

خلافت واجازت :

تعلیم وتربیت سے فراغت کے بعد آپ کے والدِ ماجد امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے آپ کو جمیع اوراد ووظائف اور جملہ سلاسلِ طریقت کی خلافت واجازت عطا فرمائی۔

عقدِ مسنون:

امام احمد رضا بریلوی کے برادر اصغر مولانا محمد رضا صاحب کی اکلوتی صاحب زادی سے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کا عقدِ مسنون 1911ء میں ہوا۔ جن کو مخدومۂ اہلِ سنت کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، جو 16 جمادی الثانی 1405ھ/ 1985ء کو وصال کر گئیں۔

اولاد:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی اولاد میں ایک صاحب زادہ محمد انور رضا خاں تولد ہوئے افسوس! جو کم سنی ہی میں انتقال فرما گئے اور آپ کے یہاں چھ صاحب زادیاں پیدا ہوئیں، جن کو آپ نے نہایت شفقت ومحبت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی سیرتِ طیبہ کے مطابق تربیت دی اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے ہوئے اپنی صاحب زادیوں کو پارۂ جگر تصور کیا۔ اُن کی پرورش و پرداخت میں حقِ پدری ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نواسوں میں ہر کوئی ''ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است'' کے مصداق گلشنِ اسلام کا بے خزاں شگفتہ پھول تصور کیا جاتا ہے۔

حج وزیارت:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کو تین مرتبہ حجِ بیت اللہ شریف اور زیارتِ مواجہہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے پہلا حج 1364ھ/1945ء میں اور دوسرا حج 1366ھ/ 1948ء میں ادا کیا۔ ان دونوں حج و زیارت کے دوران پاسپورٹ میں فوٹو کی قید نہیں تھی۔ جب آپ نے تیسرا حج اپنی زوجۂ محترمہ کے ہم راہ 1391ھ/ 1971ء میں ادا کیا تو اس وقت پاسپورٹ میں فوٹو لازمی ہو گیا تھا لیکن آپ کا یہ حج اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے بغیر فوٹو کے حج کی سعادت حاصل کی۔ اس معاملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ تقویٰ وطہارت کی کس بلند منزل پر فائز تھے اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل میں آپ کتنے غیور تھے۔(9)

نقش سراپا:

جب آپ کے حسن و جمال اور نقش سراپا پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نقش ونگار پر جو خامہ فرسائی آپ کے شاگرد و خلیفہ جناب مفتی سید شاہد علی رام پوری نے کی ہے اُنھیں کے حوالے سے معمولی حذف واضافہ کے ساتھ دیگر مصنفین نے نقل کیا ہے۔ لٰہذا اسی روایت کو اعتبار کا درجہ حاصل ہے۔ ذیل میں آپ کا سراپا مفتی موصوف کی زبانی خاطر نشین ہو:

> ”رنگت سرخی مائل سفید، قد میانہ، بدن نحیف، سر بڑا گول اس پر عمامہ کی بہار، چہرہ گول روشن وتاب ناک نور برساتا ہوا جسے دیکھ کر خدا کی یاد آجائے، پیشانی کشادہ، بلند تقدس کا آثار لیے ہوئے، بھویں گنجان ہالہ لیے ہوئے، پلکیں گھنی بالکل سفید ہالہ نما، آنکھیں بڑی بڑی کالی چمک دار گہرائی و گیرائی لیے ہوئے، رخسار بھرے بھرے گداز روشن جلال و جمال کا آئینہ، ناک متوسط قدرے اٹھی ہوئی، مونچھ نہ بہت پست نہ اٹھی ہوئی، لب پتلے گلاب کی پتی کی طرح تبسم کے آثار لیے ہوئے، دنداں چھوٹے چھوٹے ہم وار موتیوں کی لڑی کی طرح

جب تبسم ریز ہوتے، کان متناسب قدرے درازی لیے ہوئے، گردن معتدل، سینہ فراخ کچھ روئیں لیے ہوئے، کمر خمیدہ مائل، ہاتھ لمبے لمبے جو سخاوت وفیاضی میں بے مثل، کلائیاں چوڑی روئیں دار، ہتھیلیاں بھری ہوئیں گداز، انگلیاں لمبی لمبی موزوں کشادہ، پاؤں متوسط، ایڑیاں گول موزوں۔''(10)

خصوصیات:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی حیات وخدمات کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ گونا گوں خصوصیات اور متنوع صفات کے حامل تھے ،آپ کی ہمہ جہت خوبیوں میں تین خوبیاں انتہائی نمایاں اور ممتاز ہیں :

(1) عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آپ کے خانوادے کا طرۂ امتیاز ہے۔

(2) تقویٰ ۔مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے عہد میں اور بعد بھی دور دور تک تقویٰ میں کوئی آپ کا مثیل ونظیر نہیں۔

(3) تفقہ فی الدین (دین کی سمجھ)۔یہ وہ امتیازی وصف ہے جس میں آپ اپنے معاصرین مفتیانِ کرام کے مقابلہ میں سب سے زیادہ نمایاں تھے۔اسی سبب سے آپ کو ''مفتیِ اعظم'' کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔

علاوہ ازیں آپ نے ہمیشہ آل رسول کا احترام کیا،غیر محرم عورتوں کو کبھی بھی بے پردہ نہیں دیکھا، نہ ہی کبھی غیر محرم عورتوں کو بے پردہ مرید کیا۔ بے شرع کو سخت فضیحت اور شریعت مطہرہ پر قائم رہنے کی نصیحت کی، آپ نے تاحیات نماز کی ادائیگی میں پاسداری اختیار کی، حتیٰ کہ نماز تہجد اور دیگر نوافل پر بھی مداومت کی، طہارت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ وضو سے رہتے ہوئے بھی ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرماتے، ڈاکٹروں کی ممانعت پر بھی آپ نے حالتِ بیماری میں وضو کیا، انگریزی اشیا، دوات، دوائیں اور دیگر کو کبھی بھی استعمال نہ کیا، آپ کی طبیعت میں مہمان نوازی کا جذبہ نہایت بلند تھا، گویا مہمان کو آپ خدا کی رحمت سمجھتے تھے اور ہر کس و ناکس سے شفقت ومحبت کا سلوک کرنا آپ کی منکسر المزاجی کو ظاہر کرتا ہے۔ غرض یہ کہ آپ

سراپا خلوص ومحبت تھے۔

وصال:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی تاعمر اہلِ اسلام کو اپنے علمی، روحانی اور عرفانی فیوض سے مالا مال فرماتے رہے۔ اللہ رب العزت کی مرضی و مشیت کے مطابق علم و فضل اور زہد و اتقا کا یہ روشن ستارہ 92 / برس کی عمر میں 14 / محرم الحرام 1402ھ بمطابق 12 نومبر 1981ء بروز جمعرات شب ایک بج کر چالیس منٹ پر غروب ہوگیا۔ جوں ہی ریڈیو کے ذریعہ آپ کے وصالِ پُرملال کی خبر اکنافِ عالم میں نشر ہوئی، پورے عالمِ اسلام میں رنج و غم کی فضا چھا گئی۔ سارا ماحول سوگوار ہوگیا۔ مختلف ممالک سے آپ کے عقیدت مند، مریدین و متوسلین جوق در جوق اپنے اس عظیم روحانی رہنما کے آخری دیدار کے لیے بریلی جمع ہونے لگے۔ 15 / محرم الحرام 1402ھ بروز جمعہ صبح تقریباً نو بجے آپ کے جسدِ خاکی کو غسل دیا گیا۔ صبح تقریباً دس بجے جنازۂ مبارک لاکھوں عشاق کی اشک بار آنکھوں سے خراجِ عقیدت و محبت وصول کرتا ہوا کلمۂ طیبہ اور درود و سلام کی پُرکیف و روحانی گونج میں کاشانۂ اقدس سے برآمد ہوا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب ہر دل تڑپ رہا تھا۔ ہر آنکھ برس رہی تھی۔ ہر فرد مغموم تھا گویا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جو اپنے اس عظیم محسن کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لیے بریلی میں امنڈ آیا تھا۔ تقریباً دو پہر سوا تین بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ جس کی امامت پیر طریقت مولانا سید مختار اشرفی الجیلانی الملقب بہ سرکار کلاں کچھوچھوی نے کی۔ اخباری رپورٹوں کے مطابق نمازِ جنازہ میں تقریباً پانچ لاکھ اور جلوسِ جنازہ میں تقریباً بیس لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ حکومتِ وقت کے وزرا اور بیرونِ ملک کے سفرا و مشاہیر بھی بریلی حاضر ہوئے۔ تقریباً ہر زبان کے ملکی و بین الاقوامی اخبارات و رسائل نے حضرت نوریؔ بریلوی کے وصالِ پُرملال پر تعزیتی پیغامات شائع کیے۔ (11)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے مریدین ہندوستان، پاکستان کے علاوہ حجازِ مقدس، مصر، عراق، برطانیہ، افریقہ، امریکہ، ترکی، افغانستان، بنگلہ دیش، وغیرہ ممالک

میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے علما، فضلا اور دانش وروں نے آپ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کے مریدین کی تعداد ایک کروڑ سے زائد ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ بیش تر جن بھی آپ سے بیعت تھے۔ آپ کی علمی وادبی اور سیاسی وتدریسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ اگلے صفحات پر آپ کی خدمات پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

علمی خدمات

علم اور علما کی قرآن وحدیث میں بہت فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ دراصل علم سیکھنے اور سکھانے کا عمل ہے۔ علما کو انبیاے کرام علیہم السلام کا وارث بتاتے ہوئے خوف وخشیتِ الٰہی میں ان کو دیگر بندوں پر ممتاز قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ انبیاے کرام کی بعثت و نبوت کا بنیادی مقصد اسلام کی ترویج واشاعت تھا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں اور رسولوں نے اللہ رب العزت کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچایا۔ نبیِ آخر الزماں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ رب العزت نے نبوت و رسالت کا خاتمہ فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کی تبلیغ واشاعت کی تمام تر ذمے داریاں علماے امت پر عائد ہوگئیں۔ اور جب بھی اہل اسلام کسی ناگفتہ بہ صورتِ حال سے دوچار ہوئے یا اسلام کے خلاف دشمنانِ اسلام نے سازشیں کیں تو علماے کرام کی مقدس جماعت نے ان کا جواں مردی سے مقابلہ کرتے ہوئے مذہبِ اسلام کی صحیح تصویر پیش کی۔

ایک سچا اور حق پسند عالمِ دین اپنے افکار ونظریات اور رجحانات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھتا ہے۔ اس کے اقوال واعمال اور عقائد کی اساس خلوص وللّٰہیت پر ہوتی ہے۔ اس کا دل ودماغ تجلیاتِ ربانی اور انوارِ محمدی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ کسی کی رؤ رعایت نہیں کرتا۔ اس معاملے میں اس کا طریقۂ کار اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اپنوں کے ساتھ ریشم کی طرح نرم وملائم اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ فولاد سے زیادہ سخت بن جاتا ہے گویا حق بات کہنے میں اپنوں اور بے گانوں میں کوئی تفریق مدِ نظر نہیں رکھتا۔ دوستوں کی بے جا طرف

داری سے گریز اور سچائی وصداقت کا برملا اظہار اس کا شعار ہوتا ہے۔ اس کی دوستی اور دشمنی دونوں اللہ کے لیے ہوتی ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی شخصیت ان اوصاف سے متصف تھی۔ علم وفضل اور زہد واتقا کے سبب آپ کو اپنے عہد کے علما میں ممتاز اور نمایاں مقام حاصل رہا۔ آپ نے تمام تر چیزوں کو دینی نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور جو چیز مذہب کی روشنی میں ہوتی تھی اس کو قبول کیا اور جو اس کے خلاف ہوتی تھی اس کو ٹھکرا دیا۔ آپ کی زندگی کے شب وروز کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی جملہ خدمات خواہ وہ علمی ہوں یا ادبی، سیاسی ہوں یا تدریسی ان تمام میں آپ نے مذہبِ اسلام کی ترویج واشاعت کو مقدم جانا اور اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کو پیشِ نگاہ رکھا۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی علمی، ادبی، سیاسی اور تدریسی خدمات کا دائرۂ کار وسیع وعریض ہے۔ اس موضوع پر اگر مفصّل قلم اٹھایا جائے تو ایک ضخیم مقالہ سپردِ قرطاس کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہاں آپ کی علمی، ادبی، سیاسی اور تدریسی خدمات کا جائزہ اختصاراً پیش کیا جا رہا ہے۔ آپ کے شاعرانہ کمالات کا جائزہ راقم نے اپنے تحقیقی مقالے ''مفتی اعظم کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ'' میں بالتفصیل لیا ہے۔ جس کے مطالعے سے قارئین مفتی اعظم کی نعتیہ شاعری کی خوبیوں اور محاسن کو سمجھ سکتے ہیں۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کو مختلف علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی۔ آپ کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ فقہ اور دیگر علوم وفنون سے متعلق آپ کی خدمات یقیناً لائقِ صد آفریں ہیں۔ چوں کہ علمِ فقہ میں آپ کی خدمات انتہائی وسیع تر ہیں اور اسی کو جملہ خدمات میں ممتاز حیثیت حاصل ہے کہ اسی کے سبب آپ کو ''مفتیِ اعظم'' جیسے مہتم بالشان لقب سے نوازا گیا۔ چناں چہ اوّلاً اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

علمِ فقہ

فقہ وافتا: افتا کے معنی ہیں فتویٰ دینا۔فتویٰ شرعی مسائل میں ماہر شریعت کے فیصلے کو کہتے ہیں۔اور علم فتویٰ کو علم فقہ بھی کہتے ہیں۔فقہ ایک نہایت عالی اور کامل فن ہے جو آغازِ اسلام ہی میں وجود میں آیا۔افتا چوں کہ نہایت اہم اور ذمہ داری کا کام ہے۔اس لیے ابتداے اسلام سے ہی اس کا ایک مخصوص محکمہ قائم تھا۔جس کا نام ''محکمۂ افتا'' تھا۔اس محکمہ میں اسلامی قوانین کے ماہرین جنھیں ''فقیہ'' کہا جاتا ہے۔تشنگانِ علومِ دینیہ کی طرف سے پوچھے گئے مسائل کے جوابات دیا کرتے تھے۔فقیہ کو عرف عام میں ''مفتی'' بھی کہا جاتا ہے۔

اُمتِ مسلمہ میں علماے دین کے دو طبقوں نے خاص طور پر اسلام کی خدمت نمایاں طور پر کی ہیں۔ایک محدثینِ کرام کا طبقہ جس نے احادیثِ نبوی کی روایات اور ان کے بیان وضبط کا اہتمام فرمایا اور اسناد وغیرہ پر گہری نظر رکھی۔دوسرا فقہا (مفتیان کرام) کا طبقہ جس نے قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی سے مسائل واحکام کا استنباط واستخراج کیا اور الفاظِ حدیث سے زیادہ معانیِ حدیث اور اس سلسلہ کے اصول وقواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی۔مفتیان کرام کا تعلق اسی دوسرے طبقہ سے ہے۔

خانوادۂ نوریؔ بریلوی میں افتا کی بنیاد

تیرہویں صدی ہجری میں مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے جدِ امجد امام العلماء مفتی رضا علی خاں بریلوی (م1282ھ/1865ء) نے 1246ھ/1831ء میں بریلی میں مسندِ افتا کی بنیاد رکھی اور 1282ھ/1865ء تک فتویٰ نویسی کا گراں قدر کام انجام دیا۔آپ کے بعد آپ کے فرزند مولانا نقی علی بریلوی نے 1297ھ تک اپنے والدِ ماجد کی جگہ فتویٰ نویسی کا کام بہ حسن وخوبی انجام دیا اور مولانا نقی علی بریلوی نے اپنے والدِ گرامی کی طرح اپنے تمام صاحب زادوں کو زیورِ علم سے آراستہ کیا اور ان میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی کو خصوصی طور پر علمِ فقہ سے بہرہ ور فرما کر فتویٰ نویسی کے لیے متعین کیا۔

1293ھ/1876ء کو مولانا نقی علی نے امام احمد رضا کو فتویٰ نویسی کی کُلی طور پر اجازت دی، امام احمد رضا بریلوی نے 1297ھ/1880ء سے 1340ھ/1921ء تک مسلسل فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں۔آپ پوری دنیا کے مسلمانوں کے مرجع تھے۔ایسا مانا جاتا ہے کہ آپ کے دارالافتاء میں برِّ اعظم ایشیاء، یورپ، امریکہ، افریقہ سے استفتا وارد ہوتے تھے اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو سوالات جمع ہو جایا کرتے تھے اور آپ تمام کا شافی وکافی جواب عنایت فرماتے تھے۔امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے بھی اپنے آبا واجداد کی طرح اپنے صاحب زادوں کو فتویٰ نویسی کی خصوصی تربیت دی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی اور مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی دونوں ہی اپنے وقت کے ممتاز فقیہ کہلائے۔آج بھی خانوادۂ رضویہ میں فتویٰ نویسی کا کام بہ حسن وخوبی انجام دیا جارہا ہے۔جانشینِ مفتیِ اعظم علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری برکاتی ازہری بریلوی زیبِ مسندِ افتا وارشاد ہیں۔

علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی فتویٰ نویسی کا آغاز

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ فتویٰ نویسی حضرت نوریؔ بریلوی کے خانوادے کا طرۂ امتیاز تھا۔آپ اس فن کے امام کہے جاتے ہیں۔آپ کے زمانے میں آپ جیسا تفقہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔آپ کی ذات مرجع علما وخواص رہی۔آپ کی اصابتِ رائے اور فکری گیرائی و گہرائی کی مثال ملنی مشکل ہے۔مختلف مسائل پر آپ کے فتاوے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔جس کے کچھ نمونے ’’فتاویٰ مصطفویہ‘‘ کی شکل میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ جو علوم و معارف کے گہر ہائے آب دار کہلاتے ہیں۔آپ کی فتویٰ نویسی کی ابتدا کے بارے میں مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری لکھتے ہیں :

> ’’مولانا ظفرالدین (بہاری) ومولانا سید عبدالرشید (عظیم آبادی) دارالافتاء میں کام کررہے تھے ایک دن آپ دارالافتاء پہنچے مولانا ظفرالدین فتویٰ لکھ رہے تھے، مراجع کے لیے اُٹھ کر فتاویٰ رضویہ الماری سے نکالنے لگے حضرت (نوریؔ بریلوی) نے فرمایا، نوعمری کا زمانہ تھا، میں نے کہا! فتاویٰ

رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو؟ مولانا نے فرمایا، اچھا! تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں، میں نے فوراً لکھ دیا، وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ یہ پہلا جواب تھا آپ کا یہ واقعہ 1328ھ کا ہے، اصلاح کے لیے اعلا حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ صحت جواب پر امام اہل سنت بہت خوش ہوئے اور ''صحیح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب'' لکھ کر دستخط ثبت فرمایا۔ اور ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن عرف مصطفیٰ رضا'' کی مہر مولانا یقین الدین سے بنوا کر عطا فرمائی۔'' (11)

بلا شبہ اسے فیضانِ نظر ہی کہا جا سکتا ہے کہ 18/ برس کی عمر میں بغیر کتاب کی مدد اور مشاہدے کے؛ فقط حافظے کی بنیاد پر قلم برداشتہ جواب لکھ دینا یقینا قابلِ تحسین ہے۔ چناں چہ یہ حُسنِ تربیت کا فیضان ہی تھا ورنہ مکتب کی کرامت میں یہ بات کہاں؟ اور یہ بھی عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے قلم سے جو پہلا فتویٰ صادر ہوا تو وہ بھی رضاعت ہی کا تھا اور جب ان کے فرزندِ سعید نے قلم اٹھایا تو پہلا مسئلہ جو قلم بند کیا وہ بھی مسئلۂ رضاعت ہی تھا۔ 18/سال سے فتویٰ نویسی کی ابتدا ہوئی تو پھر تا حیات یہ سلسلۂ خیر جاری رہا اور آپ کا یہی وہ نمایاں فن تھا، جس میں اس وقت برصغیر میں آپ کی نظیر نہیں۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے معاصر علماے کرام آپ کی علمی برتری اور تفوق کے قائل رہے۔ اختلاف کی صورت میں آپ کی جانب رجوع کیا جاتا، جس فتویٰ پر آپ کی مہرِ تصدیق ثبت ہوتی، اس میں کسی کو چوں چرا کی گنجایش نہیں رہتی، آپ کی راے سند اور قولِ فیصل کا درجہ رکھتی تھی۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے بعد اُمتِ مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہوئی۔ ان مسائل کو آپ نے جس تحقیقِ انیق سے واضح کرتے ہوئے ان کا حل پیش کیا وہ آپ کی اعلاترین اجتہادی صلاحیتوں اور فقہی بصیرتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں نشانِ خاطر ہوں :

(1) انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ

روزہ رہتے ہوئے انجکشن لگانے سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیانِ کرام کے سامنے آیا تو بیش تر حضرات متردّد رہے کچھ نے انجکشن لگوانے پر روزہ فاسد ہوجانے کا حکم دیا تو کچھ نے کہا گوشت میں انجکش لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، ہاں! رگ میں لگوانے سے روزہ فاسد ہوجائے گا کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ تک پہنچتی ہیں وغیرہ۔لیکن حضرت نوریؔ بریلوی نے کہا کہ:

''انجکشن گوشت میں لگوایا جائے یا رگ میں کسی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعے نہیں پہنچتی ہیں بل کہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا'' (12) ملخصاً

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فقہ کے ضابطے سے کہ ''اگر کوئی بیرونی چیز بغیر منفذ کے معدہ تک پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا''۔ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ اس کی وضاحت فرمائی نیز آپ نے اس میں طبی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا اور پھر فتویٰ صادر کیا، اور ملتِ اسلامیہ کی صحیح رہ نمائی فرمائی۔

(2) چاند پر انسان کا پہنچنا

جب چاند پر پہلا قدم رکھنے کے لیے روس اور امریکہ ایک دوسرے پر سبقت اور اوّلیت لے جانے کی جدو جہد اور تگ و دو میں مصروف تھے تو چاند کو خدائی کا درجہ دینے والو ں اور اس کی عبادت و پرستش کرنے والوں کے ساتھ ساتھ بعض مفتیانِ کرام بھی اسے روس اور امریکہ کا جنون اور بکواس قرار دے رہے تھے ان کا استدلال تھا کہ :

''چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہونے کا خیال اسلامی اصول کے خلاف ہے۔''

بیش تر علماے کرام گومگو کی کیفیت سے دوچار خاموش تھے لیکن مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے کہا کہ :

''جب چاند کی طرف نگاہ اُٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے دکھائی دیتا

ہے۔ صحابیِ رسول رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق سورج چانداور ستارے سبھی زمین وآسمان کے درمیان مسخّر ہیں جیسا کہ تفسیرِ مدارک میں ہے۔

عن ابن عباس ان الشمس و القمر و النجوم کلھا مسخرات بین السماء و الارض . . . الغرض مشاہدہ اورروایات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ چاندآسمان کے نیچے ہے اور جب چاندآسمان کے نیچے ہے تو چاند پر پہنچنے سے آسمان پر پہنچنا کہاں لازم آتا ہے کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے اور اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند پر پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔''(13)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے اس فتویٰ سے جہاں آپ کی مجتہدانہ صلاحیت وقابلیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں تفاسیر پر آپ کی وسعتِ نظری اور اسلامی اصولوں سے مکمل واقفیت وآگاہی کا اندازہ بھی لگتا ہے۔

(3) 29 ؍تاریخ کو ہوائی جہاز سے چاند دیکھے جانے کا مسئلہ

جنرل محمد ایوب خاں کے دورِ صدارت میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے علما کی شمولیت میں رویتِ ہلال کمیٹی قائم کی گئی اور سطحِ زمین سے چاند نہ دیکھے جانے کی صورت میں ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کی کوشش کرنا طے پایا۔ چوں کہ یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں موجود نہیں تھا اس لیے دنیاے اسلام کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام سے فتویٰ طلب کیا گیا تمام مفتیانِ کرام نے ہوائی جہاز سے 29 ؍کا چاند دیکھے جانے پر روزہ اور عید کرنا جائز قرار دیا مگر مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فرمایا:

''چاند سطحِ زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم ہے جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں قاضیِ شرع شرعی ثبوت پر روزہ وعید کا حکم دیں گے۔ سطحِ زمین یا وہ جگہ جو سطحِ زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے چاند دیکھا جائے تو معتبر

ہے، جہاز سے چاند دیکھا جانا معتبر نہیں۔ چاند نگاہوں سے پوشیدہ ہوجاتا ہے فنا نہیں ہوجاتا۔ اس لیے مزید بلندی پہ جایا جائے تو انتیس کے بجاے اٹھائیس کو بھی نظر آسکتا ہے اب اگر کوئی ہوائی جہاز سے اٹھائیس ہی کو چاند نظر آجائے تو روزہ وعید کا حکم دیا جائے گا؟''

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کا فتویٰ صادر فرمانا تھا کہ پاکستان کے تمام اخباروں نے جلی سُرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ حکومت نے 28/تاریخ کو ہوئی جہاز اڑا کر اس کی تصدیق کرنا چاہی تو واقعی کافی بلندی پر جانے سے چاند نظر آ گیا۔ جس سے آپ کے فتویٰ کی صداقت کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہوا اور حکومتِ پاکستان نے ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کی کوشش ترک کردی۔(14)

ان فتاوؤں کے علاوہ تصویر کھنچوانے کے جواز وعدم جواز، نیز لاؤڈ اسپیکر پر نماز ادا ہونے نہ ہونے سے متعلق اور دیگر سلگتے ہوئے مسائلِ جدیدہ میں آپ نے جس انداز سے تحقیق وتدقیق فرما کر مسئلہ کی صحیح صورت حال کو واضح کر کے حکم صادر فرمایا ہے ان سے آپ کی اعلا ترین اجتہادی صلاحیتوں، فقہی مہارتوں اور علمِ فقہ پر غیور مطالعے اور گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔

مفتیِ اعظم کا خطاب

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی اعلا فقہی بصیرت کو دیکھتے ہوئے، امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے ساتویں عرس منعقدہ 25/صفر المظفر 1347ھ اگست 1928ء کے عظیم الشان اجلاس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی (برادرِ اکبر) سمیت غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام، علماے عظام اور مشاہیر قوم کی موجودگی میں آپ کو ''مفتیِ اعظم'' کہا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام کے حکم سے منظور شدہ تجویزوں میں سے تجویز نمبر 3 میں آپ کو ''صدر العلما'' اور ''مفتیِ اعظم'' کا لفظ لکھا گیا۔(15)

اسی طرح آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ 27 تا 30/اپریل 1946ء بہ مقام بنارس کے تاریخ ساز اجلاس جس میں غیر منقسم ہندوستان کے پانچ سو مشائخِ عظام سات ہزار مفتیانِ

کرام اور علمائے نخام شریک تھے اس میں آپ کو بار بار ''مفتیِ اعظم'' کے لقب سے یاد کیا گیا اور اس کی مختلف تجویزوں میں ''مفتیِ اعظم'' لکھا گیا۔(16) تب سے حضرت نوریؔ بریلوی کو دنیاے اہل سنت عقیدت واحترام کے ساتھ ''مفتیِ اعظم'' کے معزز لقب سے یاد کرتی ہے ، یہاں تک کہ جب کوئی ''مفتیِ اعظم'' کہتا ہے تو اس سے شہزادۂ اعلاحضرت علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ہی مراد لیے جاتے ہیں۔

علمِ تفسیر

ایک کامیاب فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامیاب مفسر بھی ہو، آشناے رموزِ قرآنی اور مستند تفاسیر پر گہری نظر رکھتا ہو۔ کیوں کہ فتویٰ نویسی کے دوران مسائل کے استخراج اور استنباط اور استفتا کے جوابات میں بار بار قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کا سہارا لینا پڑتا ہے، مسئلہ کی مکمل توضیح وتشریح کے لیے قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر کرنا پڑتی ہے۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نہ صرف یہ کہ کامیاب مفتی تھے بل کہ علماے کرام اور مفتیانِ شرعِ متین کی کثیر جماعت نے آپ کو ''مفتیِ اعظم'' کے لقب سے نوازا تھا ؛ بہ ایں طور دیکھا جائے تو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کا مفسر ہونا یقینی ہے۔ چناں چہ آپ کی تصنیفات وتالیفات اور حواشی نیز فتاویٰ مصطفویہ کی مجلدات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ علوم قرآنیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے نیز مستند تفاسیر پر آپ کی گہری نظر تھی اور آپ نے تفسیری حواشی بھی تحریر کیے، تفسیرِ احمدی پر آپ کا حاشیہ رضوی دارالافتاء بریلی شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی علمِ تفسیر پر دقتِ نظر کا اجمالاً مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں سوال آیا :

> ''زید کا قول ہے کہ شراب تھوڑی پئیں کہ حدِ سکر کو نہ پہنچے امام شافعی کے نزدیک اس کا پینا جائز وحلال ہے یہ صحیح ہے یا نہیں اگر نہیں تو مع حوالۂ کتب جواب عنایت ہو۔''

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

''زید کا قول حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا ہے اوس پر پہلی آن میں اپنی اس افترا سے توبہ اور رجوع لازم اوس نے اوس جلیل الشان رکنِ دین امامِ مسلمین پر افترا کیا لاحول ولاقوۃ ...... الخ ...... شراب پیشاب کی طرح عین نجاست ہے''۔ اس کے بعد آیتِ کریمہ یا ایھاالذین اٰمنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب ...... الخ ...... کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: ''اور جس پلیدی محرم العین، جس کے دماغ میں عقل کا چراغ کچھ بھی روشنی دے رہا ہو وہ بھی یہ نہ کہے گا کہ کسی پلیدی کا کوئی قلیل حصہ حلال ہے کثیر حرام ہے بل کہ جو شَے عین نجاست ہو نجاست کا کوئی ذرہ یا کوئی قطرہ پڑ جانے سے پاک شَے ناپاک ہوگئی جب تک وہ ناپاک رہی اوس وقت تک کوئی صحیح دماغ والا انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا کثیر حرام، قلیل حلال ہے شراب حرامِ قطعی ہے اوس کی حرمت کتاب وسنت اور امامِ امت سب سے ثابت۔'' ملخصاً (17)

اس کے بعد تفسیراتِ احمدیہ ص 243 کی عبارت پیش کر کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا کہ زید کا قول حضرت امام پر نری تہمت ہے اس لیے اس پر توبہ لازم ہے۔

اس حوالے سے آپ کی علم قرآن اور تفسیر پر دقتِ نظر کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

ایک سوال ''ایسٹرن ٹائمز'' لاہور سے 1354ھ میں آیا:

''قرآن کریم اور احادیث مبارکہ وغیرہم سے یہ امر ثابت فرما دیجیے کہ تلوار رکھنا مسلم کے لیے ضروری ہے ایک انگریز اخبار نے چھاپا ہے کہ تلوار رکھنا مسلمانوں کا مذہبی شعار نہیں لفظ 'تلوار' صاف صاف آنا چاہیے۔''

اس کے جواب میں آیت کریمہ:

''واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط ...... الخ ...... اور آیت

کریمہ: ''یا ایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم۔۔۔ الخ......کو تحریر فرما کر اس کی روشنی میں واضح کیا کہ مسلمانوں کو حفظِ ما تقدم بہ نیتِ مغلوبیِ اعدائے دین تلوار رکھنا روا ہے، اور پھر اس کی توضیحِ مزید میں تفسیراتِ احمدیہ کے حوالے دے کر مسئلہ روشن وصاف کیا ہے۔'' (18)

اسی طرح ایک مسئلہ رائے بریلی سے 25؍محرم الحرام 1358ھ کو آیا جسے ملخصاً پیش کیا جارہا ہے......سوال یوں تھا کہ :

''جن عورتوں کو حیض ونفاس ہوتا ہے جب تک وہ پاک نہیں ہوتیں تب تک بعض بعض شخص ان کے ہاتھ کا کھانا اور ان کے ہاتھ کا چھوا پانی کھانے پینے سے اعتراض کرتے ہیں کیا ایسا ہی حکم شریعت میں ہے۔''

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے ارشاد فرمایا:

''جو لوگ ایسا کرتے ہیں ناجائز وگناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور مشرکین کی پیروی کرتے ہیں بہ حالتِ حیض ونفاس صرف شرم گاہ سے استمناع ناجائز ہے، مشرکین کی طرح ایسی عورت کو بھنگن سے بھی بدتر سمجھنا بہت ناپاک خیال''۔

اس کے بعد تفسیراتِ احمدیہ کی طویل عبارت نقل کرتے ہوئے مسئلہ کو واضح کیا ہے اور یوں ارشاد فرمایا ہے کہ :

''مسلمانوں پر لازم ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں انھیں سمجھائیں اور یہود ومجوس وہنود وعنود کی اس ناجائز موذی رسم کی پیروی سے روکیں اگر وہ جہالت پر جمیں اپنی ہٹ پر اَڑیں ضد پر رہیں ان سے برادرانہ تعلقات چھوڑیں یہاں تک کہ وہ توبہ کریں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (19)

یوں تو علمِ قرآن وتفسیر کے حوالے سے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی تصانیف اور فتاووں سے درجنوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہاں اختصاراً صرف تین ہی مثال پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر مدارک، معالم التنزیل، ابن کثیر،

نیشا پوری، خازن، کبیر، لباب التاویل، ابن جریر، بیضاوی، صاوی، روح البیان، جلالین، احمدیہ، عزیزی، مظہری وغیرہ کتبِ تفاسیر کے حوالے بہ کثرت ملتے ہیں اس سے آپ کی مستند تفاسیر پر ژرف نگاہی کا ثبوت ملتا ہے۔

علمِ حدیث

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کامیاب مفتی وفقیہ کے لیے جس طرح علومِ قرآنی کا ماہر ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح اسے محدث اور حدیث داں ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ محدث کے لیے مفتی اور فقیہ ہونا ضروری نہیں۔ اس بات کو اگر ذہن نشین رکھا جائے اور علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی المعروف بہ مفتیِ اعظم کی حدیث دانی اور فنِ حدیث میں آپ کے رسوخ اور تبحر کو نہ بھی بیان کیا جائے تب بھی یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح فقہ میں آپ کا مقام ومنصب انتہائی اعلا ہے اسی طرح فنِ حدیث میں بھی آپ کا مقام ومرتبہ بلند وبالا ہے۔

ایک کامیاب مفتی کو فتویٰ نویسی کے دوران سائلین کے جوابات کے دوران جہاں آیاتِ قرآنیہ اور تفاسیر کے حوالے دینے پڑتے ہیں وہیں اپنے موقف کی وضاحت و صراحت کے لیے قدم قدم پر احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کا سہارا بھی لینا ہوتا ہے۔

اس تناظر میں اگر مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصنیفات وتالیفات، حواشی اور فتاویٰ مصطفویہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ جہاں آپ اپنے عہد میں مفتیِ اعظم تھے وہیں محدثِ اعظم کے منصب پر فائز رہنے کے بھی حق دار ہیں۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصنیفات، تالیفات اور فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان میں احادیث وآثار کی ایک حسین وجمیل دنیا آباد ہے۔ چناں چہ آپ کی محدثانہ بصیرت پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے مشہور و معروف استاذِ حدیث مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری تحریر فرماتے ہیں :

”حضور مفتیِ اعظم کے بعض فتاوے دیکھ کر علمِ حدیث پر ان کی معلومات و

وسعتِ نظر کا اعتراف و اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح فقہ کی باریکیوں پر آپ کی نظر گہری تھی، اسی طرح علمِ حدیث کے آداب و اصول سے بھی آپ کلی طور پر واقف و آگاہ تھے۔'' (20)

اسی طرح مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی مسئلۂ اذانِ ثانی پر مشہورِ زمانہ تصنیف ''وقایۃ اہل السنۃ'' کا مکمل تجزیہ کرنے کے بعد ممتاز عالمِ دین رئیس القلم علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمۃ نے آپ کے محدثانہ مقام و منصب اور آپ کی فنِ حدیث میں گیرائی اور گہرائی پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے :

''فنِ حدیث میں حضور مفتیِ اعظم کے رسوخ و تبحر کو سمجھنے کے لیے وقایۃ اہل السنۃ کے اتنے اقتباسات ہی کافی ہیں، ورنہ اس دریاے ناپیدا کنار کے تلاطم کا تو یہ حال ہے کہ بحث کے جس نکتے پر قلم اٹھتا ہے مختلف سمتوں میں اتنی دور تک پھیل جاتا ہے کہ اس کا سمٹنا مشکل ہے۔ ابنِ اسحاق کی حدیث پر حضور مفتیِ اعظم نے فنِ حدیث کے ایسے ایسے علمی ذخائر اور نوادر کا انبار لگا دیا ہے کہ عقل حیران ہے کہ ہم کس کس رُخ سے اس جلوے کا تماشا دیکھیں اور اس چمکتے ہوئے نگار خانے میں کس کس گوہرِ تاب دار کی نشاندہی کریں......

حضور مفتیِ اعظم کو اب تک اپنے وقت کے عظیم فقیہِ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر کشورِ افتا کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن وقایۃ اہل السنۃ کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتیِ اعظم نہیں تھے بل کہ وہ اپنے دور میں فنِ حدیث کے امامِ اعظم تھے۔'' (21)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی فتویٰ نویسی میں طرزِ استدلال بھی اپنے اندر انفرادیت اور جامعیت کا درجہ رکھتا ہے۔ استدلال کے طور پر آپ پہلے آیاتِ قرآنیہ، پھر احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم، پھر کتبِ فقہ کی عبارات و نصوص، پھر اقوالِ ائمہ و

علما پیش کرتے ہیں۔ یقیناً ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جو علومِ اسلامیہ کا ماہر و فاضل ہو اور ان علوم وفنون پر جس کی فکر سلیم ہو اور غیور نظر ہو۔ فتاویٰ مصطفویہ اور آپ کی دوسری تصنیفات وتالیفات کے مطالعہ ومشاہدہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے درج ذیل کتبِ احادیث اور کتبِ شروحِ احادیث کو زیرِ مطالعہ رکھا ہے اور ان کتب کے حوالے آپ کی تحریرات میں بہ کثرت ملتے ہیں۔ مثلاً :

''بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، خصائصِ نسائی، مشکوٰۃ، مرقات شرحِ مشکوٰۃ، اشعۃ اللمعات، مسند امامِ اعظم، موطا امام محمد، موطا امام مالک، کتاب الآثار، کتاب الخراج، شرح معانی الآثار، مسند امام شافعی، مسند امام محمد، سنن دارمی، بیہقی، مسند امام احمد بن حنبل، کنز العمال، مقدمۂ اصولِ حدیث، مختار الاحادیث، حصن حصین، طبرانی، مستدرک، معجم الکبیر، جامع کبیر، جامع صغیر، کتاب الترغیب، خصائص کبریٰ، صحیح البہاری، عینی شرح بخاری، فتح الباری شرح بخاری، دارقطنی، شرح السنۃ وغیرہ''۔

چناں چہ جس فقیہ کے فتاویٰ اور تصانیف میں اس قدر کثرتِ تعداد کے ساتھ کتبِ احادیث کے حوالے ملتے ہوں وہ فقیہ ہونے ساتھ ساتھ بجا طور پر ایک باخبر حدیث داں اور محدث کہلانے کا واجب طور پر مستحق ہے۔ اسی طرح آپ کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' جو کہ 644/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں 375/مسائل ہیں مگر ان میں احادیث کی کل تعداد 357/تک ہے۔ اس میں دیگر مفتیان کے مقابلہ میں مسائل کی تعداد کی نسبت سے احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ نے ایک ایک سوال کے جواب کو دلائل و براہین سے مزین وآراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ آیاتِ قرآنیہ کے بعد کہیں 38/احادیث، کہیں 25/احادیث، کہیں 20/احادیث، کہیں 15/احادیث تو کہیں 10/10/احادیث بھی پیش فرمائی ہیں بل کہ بعض فتاوے تو ایسے بھی ہیں جن میں آپ نے درجنوں احادیث سے استدلال کیا ہے اس سے آپ کے محدثانہ مقام ومنصب اور علمِ حدیث میں وسعتِ نظر کا

اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آخر میں مثال کے طور پر ایک استفتا فتاویٰ مصطفویہ سے نقل کیا جاتا ہے جس میں مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی سے سوال کیا گیا کہ :

''زید کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں ہے اور یہ کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے؟''

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے اس سوال کے جواب میں دس آیاتِ قرآنیہ، دس احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم پیش فرمائیں، پھر کتبِ فقہ کی عبارات و اقوالِ ائمہ سے اسے مزین وآراستہ کیا :

قرآنِ عظیم کی آیات کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے ثبوت میں یہ احادیث پیش فرمائی ہیں :

(1) ان اللّٰہ قد رفع لی الدنیا و انا انظر الیھا و الی ماھو کائن فیھا الی یوم القیامة کانما انظر الی کفی ھذہ۔ (زرقانی علی المواہب اللدنیہ)

بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی یعنی میرے پیشِ نظر فرما دی اور جو کچھ اس میں روزِ قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے ہاتھ کی ہتھیلی کو۔

(2) اخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنة منازلھم و اھل النار منازلھم

(مشکوٰۃ، ص506، کتاب بدء الخلق و ذکر الدنیا، الفصل الاول)

ہمیں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔

(3) اللّٰہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا و مغاربھا

(مشکوٰۃ، ص512، فضل سید المرسلین، الفصل الاول)

اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق و مغارب کو ملاحظہ فرما لیا۔

(4)تجلی لی کل شئی وعرفت

(مشکوٰۃ،ص72، باب المساجد ومواضع الصلاۃ،الفصل الاول)

ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لیا۔

(5)علمت مافی السمٰوٰت والارض۔(مشکوٰۃ،ص70)

میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔

(6)قطرت فی حلقی قطرۃ فعلمت ما کان ومایکون

میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکا تو میں نے جان لیا ما کان وما یکون کو جو کچھ ہونے والا ہے سب کو۔

(7)مامن شئی کنت لم اراہ ال وقد رائیت فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار

(بخاری، ج1، ص18)

جو چیز میں نے نہیں دیکھی تھی انھیں میں نے اپنی اس جگہ پر دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت ودوزخ کو بھی دیکھا۔

(8) تجلی لی مابین السمآو الارض

آسمان وزمین کے درمیان کی ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی۔

(9) علمت مابین المشرق والمغرب

مشرق ومغرب کے درمیان سب کچھ میں نے جان لیا۔

(10) اخبرنا بما کان وبماھو کائن فاعلمنا احفظنا (مسلم،ج2،ص390)

جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلمنے ہمیں خبر دی تو ہم میں زیادہ علم والا وہ جسے زیادہ یاد رہا۔

الغرض آیات واحادیث ودیگر دلائلِ شرعیہ سے جواب واضح کرنے کے بعد مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”آیات واحادیث جن سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علمِ غیب کا

ثبوت ہے اور بھی ہیں مگر منکرین کے دس انکار کے مقابل دس آیات و احادیث پر بس کریں۔" (22)

فنِّ تاریخ گوئی

علمِ تفسیر، علمِ فقہ، علمِ حدیث، اصولِ حدیث وغیرہ علوم وفنون کی طرح مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی فنِ تاریخ گوئی میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے اوراس فن میں بھی مثالی حیثیت کے حامل تھے۔ آپ کی بیش تر تصانیف کے نام قریب قریب تاریخی ہیں۔ وجوبِ حج کے سلسلے میں آپ کی ایک کتاب ہے: "حجۃ واہرہ بوجوبِ الحجۃ الحاضرہ (1344ھ)" اس کا نام تاریخی ہے اس کا سنِ تصنیف 1344ھ ہے۔ اسی طرح "القول العجیب فی اجوبۃ التثویب" یہ بھی تاریخی نام ہے جو 1339ھ کی تصنیف ہے۔ دیوانِ نعت "سامانِ بخشش" کا نام بھی تاریخی ہے۔ آپ نے اس کا دوسرا نام "گلستانِ نعتِ نوری" رکھا، اس لیے کہ یہ دیوان 1347ھ سے 1354ھ کے درمیان مکمل ہوا دونوں سن کے حساب سے آپ نے اس کے دو نام رکھے "سامانِ بخشش عرف گلستانِ نوری"۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی تصانیف ہیں جن کے نام تاریخی ہیں۔ مریدین ومعتقدین کے یہاں جب بچہ پیدا ہوتا تو حضرت سے تاریخی نام دریافت کرتے آپ فوراً بتادیتے بعد میں جب اس نام کے تاریخی اعداد جوڑے جاتے تو وہ ایک دم صحیح اور تاریخی ہوتے۔

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد (م 1382ھ) کے وصال پر صوفی اقبال احمد نوری بریلوی نے ماہ نامہ "نوری کرن" کا خاص نمبر شائع کیا جس کے لیے انھوں نے حضرت سے تاریخِ وصال کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کل صبح بعد نمازِ فجر آنا۔ صوفی صاحب موصوف دوسرے دن بعد نمازِ فجر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت بیٹھک میں بیٹھے وظیفہ میں مشغول تھے انھیں اشارہ سے بیٹھنے کو کہا بعد فراغتِ وظیفہ ایک کاغذ لیا اور صرف بیس منٹ میں حسبِ ذیل لوحِ تاریخِ وصال لکھ کر عطا کردی۔

لوحِ تاریخِ وصال (1382ھ)

آہ میرا روشن چاند جاتا رہا(1382ھ)

غروبِ مہ صلحا (1382ھ)

فیضانِ تام(1382ھ)

فیضانِ اتم(1382ھ)

منبعِ کرم مقبولِ عصر امیر العلماء(1382ھ)

آئینۂ اسرارِ مقصود آفاقِ زین ودانش(1382ھ)

مشہورِ انام پیشوا چارہ سازِ بیکساں(1382ھ)

ہادیِ بُستان رہبرِ اسلام نور الہدیٰ(1382ھ)

مولٰینا الاوحد الاسدُ الاسعدُ الارشد بحرِ علم(1382ھ)

سعادت مآب مولوی سردار احمد صاحب(1382ھ)

ذکی ومحدثِ باکمال(1382ھ)

رضی عنہ مولاہ الصمد(1382ھ)۔

لوحِ تاریخِ وصال کے اس استخراج میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ ’’لوحِ تاریخِ وصال‘‘ کے اعداد بھی 1382ھ ہیں جو کہ محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کا سنِ وصال ہے۔اسی ’’نوری کرن‘‘ میں منظوم تاریخِ وصال بھی نوریؔ بریلوی نے مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی رقم فرمائی، یہ نظم 33/اشعار پر مشتمل ہے،جس کے تین اشعار جن میں تاریخِ وصال درج ہے خاطر نشین ہوں ؎

مر گیا فیضان جس کی موت سے
ہائے وہ ’’فیض انتما‘‘ جاتا رہا
1382ھ

’’یا مجیب اغفر لہٗ‘‘ تاریخ ہے1382ھ
کس برس وہ رہنما جاتا رہا

دیو کا سر کاٹ کر نوریؔ کہو

''چاند روشن علم کا جاتا رہا'' 1382ھ

تصنیفات وتالیفات اور حواشی

علمی خدمات کے ضمن میں تصنیفات وتالیفات اور حواشی کا ذکر بھی غیر ضروری نہ ہوگا۔ یوں تو بعض تصانیف ادبی خدمات کے زمرے میں بھی آتی ہیں۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے تمام قلمی جواہر پارے آپ کی علمیت وصلاحیت اور فقہی بصیرت وژرف نگاہی کے منہ بولتے نادر نمونے اور شاہ کار ہیں۔ آپ نے اپنی گونا گوں اور متنوع مصروفیات اور مشاغل کے باوجود تصنیف وتالیف اور حواشی کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ قلم میں مبدءِ فیاض نے بے پناہ قوت اور کشش ودیعت فرمائی تھی۔ زبان پُر اثر اور طاقت ور استعمال فرماتے۔ الفاظ اور روزمرہ محاورات کا برمحل استعمال کرتے۔ آپ کی تصنیف وتالیف اور حواشی سے متعلق مایۂ ناز ادیب مولانا افتخار احمد مصباحی رقم طراز ہیں :

''وہ (مولانا مصطفی رضا نوریؔ بریلوی) ایک عظیم محقق ومصنف بھی ہیں، ان کی تحریر میں ان کے والدِ جلیل امام احمد رضا قدس سرہ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔ تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔ فتاویٰ کے جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔ تصانیف میں امام غزالی کی تحقیق اور امام رازی کی تدقیق اور امام سیوطی کی تلاش وجستجو کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔'' (23)

اللہ جل شانہ نے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے قلم میں ایسی روانی دی تھی کہ مضامین کے سیلاب کو جو اُن کے دماغ میں امنڈتا تھا اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے تھے کتاب وسنّت کے خلاف اگر کسی طرف سے آواز اُٹھتی تو بے تابانہ تعاقب کرتے اور بلاخوفِ لومۃ لائم احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصنیفات وتالیفات اور حواشی جواب تک تحقیق میں آئیں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) اشد الباس علیٰ عابد الخناس (1328ھ)

(2) الکاوی فی العاوی والغاوی (1330ھ)

(3) القشم القاصم للداسم القاسم (1330ھ)

(4) نور الفرقان بین جند الالٰہ واحزاب الشیطان (1330ھ)

(5) وقعات السنان فی حلقۃ مسماۃ بسط البنان (1330ھ)

(6) الرمح الدیانی علیٰ راس الوسواس الشیطانی (1331ھ)

(7) وقایہ اہل سنۃ (1332ھ)۔

(8) الٰہی ضرب بہ اہل الحرب (1332ھ)

(9) ادخال السنان الیٰ الحنک الحلقی بسط البنان (1332ھ)

(10) نہایۃ السنان (1332ھ)

(11) صلیم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان (1332ھ)

(12) سیف القہار علیٰ عبد الغفار (1332ھ)

(13) نفی العار من معائب المولوی الغفار (1332ھ)

(14) النکتۃ علیٰ مراۃ کلکتہ (1332ھ)

(15) مقتلِ اکذب واجہل (1332ھ)

(16) مقتلِ کذب وکید (1332ھ)

(17) الموت الاحمر علیٰ کل الجنس اکفر (1337ھ)

(18) ملفوظات (چار حصے) (1338ھ)

(19) الطاری الداری لہفوات عبد الباری (تین حصے) (1339ھ)

(20) القول العجیب فی جواب التثویب (1339ھ)

(21) طرق الہدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارۃ والجہاد (1341ھ)

(22) حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ (1342ھ)

(23) القسورۃ علیٰ ادوار الحمر الکفرۃ (1343ھ)

(24) سامانِ بخشش عرف گلستان نعت نوری (1354ھ)

(25) فتاویٰ مصطفویہ

(26) شفاء العی فی جواب سوال بمبئی

(27) تنویر الحجہ باالتواء الحجہ

(28) وہابیہ کی تقیہ بازی

(29) مسائلِ سماع

(30) الحجۃ الباہرہ

(31) نور العرفان

(32) داڑھی کا مسئلہ

(33) ہشتاد و بید بند بر مکال دیو بند

(34) طرد الشیطان

(35) سل الحسام الہندی لنصرۃ سید نا خالد النقشبندی

(36) کانگریسیوں کا رد

(37) حواشی وتکمیلاتِ الاستمداد

(38) حاشیہ تفسیرِ احمدی (قلمی)

(39) حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ (قلمی)

ادبی خدمات

تحقیق و مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوریؔ بریلوی کی ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ وہ مختلف اصنافِ ادب کے ماہر، صاحبِ طرز ادیب، مایۂ ناز انشا پرداز اور قادر الکلام نعت گو شاعر تھے۔ آپ کی تصنیف و تالیف اور حواشی میں بیش تر کتب و رسائل کو جب پیشِ نظر رکھتے ہیں تو بہت سارے ادبی پہلو سامنے آتے ہیں۔

الملفوظ کی ترتیب وتدوین، الاستمداد کی شرح وتکمیلات، سامانِ بخشش اور مختلف کتب ورسائل سے آپ کی ادبیت آشکار ہے۔ آپ کی تصنیفات میں اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں کا کثرت سے استعمال ہے۔ حضرت نوری بریلوی کی شاعری سے متعلق تحقیقی جائزہ تو پیشِ نظر مقالے کا خاص موضوع ہے۔ یہاں صرف آپ کی نثر نگاری پر قدرے روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی تصانیف جہاں اپنے فن کے اعتبار سے معرکہ آرا کہلاتی ہیں۔ وہیں زبان وبیان اور اسلوبِ نگارش کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ آپ نے انشایئے، خاکے اور مضامین بھی لکھے۔ جس میں اعلیٰ درجہ کی نثر نگاری کی جھلک سامنے آئی ہے۔ مسجع ومقفا عبارتیں بھی لکھیں۔ سیدھے سادھے جملے بھی لکھے۔ مگر ان میں بھی بلا کی پرکاری اور دلفریبی انگڑائیاں لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بات میں بات پیدا کرنا، تشبیہ واستعارہ اور صنعتِ گل بوٹے کھلانا آپ کی نثر نگاری کا اعلا نمونہ ہے۔ محدثِ اعظم پاکستان کے وصال پر ''وہ میرا چاند تھا'' کے عنوان سے ماہ نامہ نوری کرن، بریلی کے محدثِ اعظم نمبر 1382ھ میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا جو نثر نگاری کا ایک عمدہ نمونہ ہے :

> ''وہ میرا چاند تھا؛ جو بڑھتا ہی رہا کبھی نہ گھٹا جو اپنی گفتار...... اپنی رفتار...... اپنے کردار سے فتنوں ...... فسادوں...... کفر و گمراہی کی گھٹا کو دفع کرتا رہا...... کبھی گھٹاوں میں نہ چھپا...... کتنی ہی دھولیں اڑیں ...... کتنا ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا...... وہ چمکتا جگمگاتا ہی رہا...... وہ میرے دین کا چاند تھا...... دین کا چاند بڑھتا ہی رہتا ہے آسمانِ دنیا کے چاند کی طرح بار بار گھٹتا اور اُترتا اور اتر کر غائب نہیں ہوتا...... وہ میرا چاند تھا؛ جس نے ملک میں بہت چاند روشن کیے۔''

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے علوم ومعارف کا ایک بڑا ذخیرہ ''الملفوظ'' ہے جو ان کے ارشادات اور کلماتِ طیبات پر مشتمل ہے۔ اس کو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی

نے چار حصوں میں جمع کیا، مکمل کتاب میں جابجا ادبی جواہر پارے نظر آتے ہیں، نثر اعلا ترین ہے، اس کا مقدمہ مسجع ومقفا نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ نشانِ خاطر کیجیے :

''یہاں جو دیکھا شریعت وطریقت کے باریک مسائل جن پر مدتوں غور و خوضِ کامل کے بعد ہماری کیا بساط بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہرگز نہ سمجھیں صاف لاعلمی کا دم بھریں وہ یہاں ایک فقرہ میں ایسے صاف فرمادیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے اور حقائق ونکاتِ مذہب وملّت جو ایک چیستاں اور معمّہ ہیں جن کا حل دشوار تر ہے وہ یہاں حل فرمادیے جائیں تو خیال گذرا کہ یہ جواہرِ عالیہ اور زواہرِ غالیہ یونہی بکھرے رہے اور انھیں سلکِ تحریر میں نہ لایا تو اندیشہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد ضائع ہو جائیں۔''(24)

اسی طرح الاستمداد کے مقدمہ کی یہ عبارت بھی کتنی شگفتہ، سلیس، اور رواں دواں ہے:

''فضول قصوں، ناولوں کی نظمیں، نثریں دیکھتے پڑھتے گھنٹوں گزریں یہ بھی ایک مزہ دار نظم ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زینت ہے، قیامت قریب ہے۔ اللہ حسیب ہے۔ اس کا ثواب عظیم اور عذاب شدید ہے، دین کو جھگڑا سمجھنا مسلمانوں کی شان سے بعید ہے، تنہا یا دو دو اطمینان سے۔ انصاف یا ایمان سے۔ دو تین بار سچے دل سے ایک ہی نگاہ دیکھ لیجیے مگر یہ کہ صاف بات میں نہ اینچ پینچ کی حاجت۔ نہ اللہ جل وعلا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی کی رعایت۔''(25)

علاوہ ازیں امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی کتاب 'دوام العیش فی الائمۃ من القریش' کے مقدمہ میں جو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے لکھا ہے اس میں ایسی ایسی عبارتیں ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد قاری یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ کسی مولوی کے جملے ہیں؟ اس کی زبان ہے یا کسی صاحبِ طرز ادیب یا قلم کار کی عبارتیں ہیں؟

''اگر چہ چہرۂ پُرنور، ماہتابِ صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرگیاں چھائیں، اور روے آفتابِ حق پر باطل کی سخت بھیانک اور خوف ناک تاریکیاں اور کالی کالی ڈراونی بدلیاں آئیں، مگر ہمارے قلوب بفضلہٖ تعالیٰ مطمئن تھے، ہم سمجھے ہوئے تھے یہ بھی کچھ روز کی ہَوا ہے، جو دم میں ہَوا ہے، آخر کار وہی ہُوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ وہ دن آہی گیا کہ وہ تیرگی دور اور تاریکی کافور ہوئی، نورِ حق کا جگمگاتا، چمکتا دمکتا پُرنور چہرۂ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتے نکلا اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ تھا جو اس کے حضور جم نہ سکا پتّا توڑ بھاگا، کب تک باطل حجابِ حق کو چھپائے تابہ کے جھوٹے نقابِ صدق کی آڑ کر سکے، آخر حق کی شعاعوں نے ان باطل پردوں کو خاکستر ہی کر دیا، جھوٹے نقابوں کو جلا ہی ڈالا اور دنیا کو اپنا جلوۂ جہاں تاب دکھا ہی دیا'' (26)

اس اقتباس میں ''چہرۂ پُرنور، ماہتابِ صدق، روے آفتابِ حق، نقابِ صدق، حجابِ حق'' وغیرہ جیسے تراکیب کے حُسن ''وحشت ناک، خوف ناک، جگمگاتا، چمکتا، دمکتا''، وغیرہ ہم آواز اور ہم وزن الفاظ نیز ''تیر گیاں، تاریکیاں، جگمگاتا، چمکتا، دمکتا'' وغیرہ مترادفات اور ''کالی کالی'' لفظ کے جوڑے وغیرہ کا سلیقہ مندانہ استعمال نے تحریر میں صوتی فضا بھر دی اور اسے جمال وجلال کا حسین امتزاج بنا دیا ہے۔ کچھ روز کی ہوا، اور پتہ توڑ بھاگا جیسے محاورات، ۔ہَوا، ہَوا اور ہُوا کا استعمال، ...... ذرا یہ جملہ دیکھیے:

''کچھ روز کی ہَوا ہے، جو دم میں ہَوا ہے، آخر کار وہی ہُوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ وہ دن آہی گیا''۔

''کی...... روز...... ہَوا...... ہُوا۔'' کی تکرار نے تحریر میں حُسن و لطافت پیدا کر دی ہے مزید یہ کہ تحریر میں استفہامیہ انداز بھی ہے، تشبیہات و استعارات کی جلوہ گری بھی۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی ایک مقفّا و مسجع تحریر دیکھیے اور اس میں لطیف طنز کا جلوہ بھی خاطر نشین کیجیے :

''یہ ہے آپ کی سندوں کا بھاگ...... یہ ہے آپ کے کمل کا باگ...... یہ ہے آپ کی کتابوں کی قطار...... یہ ہے آپ کی روایتوں کی پکار ع

شرم بادت از خدا

ورسول''(27)

مذکورہ تحریر میں شعری فضا کے اہتمام کے ساتھ فارسی مصرع نے حُسنِ تحریر کو اور بھی دوبالا کردیا ہے۔ یہ اقتباس نشانِ خاطر کیجیے:

''وہ بے چارے ہیبت کے مارے، خاموش روپوش اور یہ چاری لگائے جاتے ہیں۔ ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ مگر مکر و کید سے کب باز آتے ہیں''۔

عبارت مقفّا بھی ہے اور ترکیب بند بھی۔ آوازوں کے جوڑوں نے جملے میں آہنگ برپا کردیا ہے۔ ''خاموش، روپوش، بے چارے، ہیبت کے مارے'' لائقِ دید ہیں۔ ''چاری لگائے جاتے ہیں، ہر بار منہ کی کھاتے ہیں''۔ میں شعری ملاحت کا جلوہ دیدنی ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے تاعمر فتویٰ نویسی کی، قرآن و حدیث سے تحریروں کو آراستہ کیا اور اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور نظامِ اسلام کے نفاذ و اشاعت اور ترویج و تشہیر کی سعی بلیغ فرمائی، فقہ و فتویٰ اور دینی تحریرات میں فصاحت و استدلال لازمی جزو ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایجاز و اختصار اور متانت و سنجیدگی بھی ضروری ہے۔

ایک سائل نے سوال کیا کہ :

''اصول کو اہلِ منطق اور اہلِ فلسفہ وحدتِ نظری اور عوام الناس نظمِ کائنات کہتے ہیں، کیا اس طرح قائل نے نظمِ کائنات کو دائمی اور ابدی نہیں کہا؟''

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے اس کا جواب یوں دیا :

''قائل، نظمِ کائنات کو ابدی کہتا ہے نہ کائنات کو، کائنات کو نہ ابدی اور دائمی بتایا نہ اس کے کسی لفظ سے مترشح۔ نظمِ کائنات اس نے انھیں اصولوں کا نام رکھا جن پر نظامِ کائنات برقرار ہے۔ جن پر کائنات کا مدار ہے۔ رہا یہ کہ کن اصولوں کو وہ دائمی و مستحکم وابدی کہتا ہے یہ اس عبارتِ منقولہ میں نہیں وہ بھی منقول ہوتے تو ان کا حکم بتایا جاتا مگر ایسے اصول ہیں جنھیں ابدی کہہ سکتے ہیں مگر وہ بھی جواز کی بھی ہیں اور ابدی بھی ہمیشہ سے ہے اور ابدالآباد تک رہے گا۔ وہ اصل کیا ہے لا الٰہ الا اللہ جس پر نظامِ کائنات کا مدار ہے جب عالم میں کوئی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا جب ہی قیامت قائم ہوگی اور یہ نظامِ عالم درہم برہم اور عالم تہہ و بالا نیست ونابود ہوجائے گا۔ فنا کے گھاٹ اُتر جائے گا۔ تو اسے ابدی دائمی کہنے میں کیا حرج کہ قطعاً ابدی ودائمی ہے۔ اصول کے دائمی وابدی ہونے سے نظامِ عالم ابدی ودائمی نہ ہوجائیں گے!'' (28)

غور کریں اس قدر فلسفیانہ اور زبردست دینی مسئلہ کو کس قدر آسانی کے ساتھ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے سمجھایا ہے کہ قوتِ استدلال اور منطقیانہ اندازِ بیان دیدنی وشنیدنی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایجاز واختصار اور متانت وسنجیدگی کو بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

طنز ونشتریت بھی ادب کا اہم جز ہے اس سے فن پارے میں لذت و ملاحت پیدا ہوتی ہے اور یہ اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بھی ہے اور فسادات کو روکتا اور دور کرتا ہے۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فرقہاے باطلہ کے پیشواوں، بدعقیدوں، مشرکوں، ملحدوں، اشتراکیوں، غیروں کی چال وجال میں آکر اسلامی عقائد اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے والے اپنوں اور بے گانوں نیز بے عمل مسلمانوں وغیرہ پر طنز وتعریض اور تنقید کی نشتر زنی کی ہے اور اپنی تحریروں کو نمکین حُسن کا پیکر بنادیا ہے، چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے :

''نہ تم انھیں مسجدوں میں لے جاتے اور انھیں مسجد کے منبر پر مسلمانوں سے اونچا اٹھاتے، نہ تم ان کو واعظ بناتے، نہ تم ان کے فوٹو کھنچواتے، تصویر اترواتے، نہ تم یہ روزِ بد دیکھتے نہ اوروں کو دکھاتے۔ آج میدانِ ارتداد میں منشی رام، شردھانند کا وہ فوٹو جو جامع مسجد دہلی میں اس کے منبر پر بیٹھے ہونے اور لکچر دینے کا لیا گیا ہے، مسلمانوں کو دکھا دکھا کر مرتد کیا جارہا ہے۔ شرم، شرم، شرم۔'' (29)

اسلام میں خلافت وامامت کے لیے ''قُرشیت'' شرط ہے مگر مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس شرط کو نہیں مانتے تھے ان کے دادا مولانا عبدالرزاق صاحب نے بھی امامت و خلافت کے لیے ''قُرشیت'' کو لازمی قرار دیا اس پر مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی موصوف کو لکھتے ہیں طنز کا یہ لطیف مگر کاٹ دار انداز لائقِ دید ہے :

''اب فرمایئے! آپ حق پر ہیں یا آپ کے دادا اور وہ آپ کے جدِ اعلیٰ بحر العلوم دیکھیں تو آپ کیسے بات کے دھنی ہیں کہ اپنے بزرگوں پر بھی کوئی فتویٰ لگاتے ہیں یا نہیں یا یہ عنایت ہم غربا اور ائمہ وعلما پر ہے۔'' (30)

اسی طرح علما کی بارگاہ کے بے ادب و گستاخ افراد پر کس طرح طنز کے ہلکے ہلکے نشتر چلائے ہیں:

''اے مدعیانِ علم وتہذیب وادب علما کی شان میں گستاخ نہ بنو، انھیں اپنے پر قیاس نہ کرو۔'' (31)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے یہاں جملہ اقسامِ نثر کے تمام خوب صورت نمونے موجود ہیں۔ یہاں مزید ایک اقتباس خاطر نشین کیجیے:

''اللہ اللہ! اہل اللہ کی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اعلا نعمت ہے۔ سبحان اللہ! انھیں نفوسِ قدسیہ طاہرہ کے قدم کی برکت سے وہ عقدۂ لاینحل چٹکی بجاتے حل ہوجاتے ہیں جنھیں قیامت تک کبھی بھی ناخنِ تدبیر نہ کھول سکے

جس سے کیسا ہی کوئی عقیل، مدبّر ہو، حیران رہ جائے، کچھ نہ بول سکے، جسے میزانِ عقل میں تول نہ سکے، اللہ اکبر! ان کی سیرت، ان کی صورت، ان کی رفتار، ان کی گفتار، ان کی ہر روش، ان کی ہر ادا، ان کا ہر ہر کردار، اسرارِ پروردگار عز مجدہٗ کا ایک بہترین مرقع اور بولتی تصویر ہے کہ یہ انفاسِ نفیسہ مظہرِ ذاتِ عُلیا وصفاتِ قدسیہ ہوتے ہیں۔'' (32)

علاوہ ازیں اس طرح کی درجنوں نادر مثالیں مفتیِ اعظم حضرت نوریؔ بریلوی کے مکتوبات، تصنیفات، تالیفات، حواشی اور فتاواے مصطفویہ کے سیکڑوں صفحات پر جا بہ جا جلوہ افروز ہیں جن سے آپ کی اعلا ترین ادبیت آشکار ہوتی ہے۔

ذیل میں آپ کی مختلف تصنیفات و تالیفات سے بلا تبصرہ چند ادبی جواہر پارے پیش کیے جاتے ہیں جن میں اعلا ترین نثر کے نمونے، مسجع و مقفا جملے اور روزمرہ محاوارات کے استعمال ملتے ہیں ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے قلم نے تازگی وطرفگی کے گلہاے رنگارنگ کھلائے ہیں :

''حمد کی جان اس مالکِ عرش وفرش پر قربان۔ جس نے صدق وحق کو پسند کیا اور اسے عزت دی اور اس سے اپنی حمد فرمائی کہ فرمایا۔ من اصدق من اللہ قیل ا۔ اور فرمایا۔ و من اصدق من اللہ حدیثا ۔ اور ارشاد ہوا۔ و اللہ یقول الحق و یھدی السبیل ۔ اور کذب و باطل کو سخت مبغوض رکھا اور کذابوں پر لعنت بھیجی اور ان پر اپنا غضب اتارا کہ فرمایا۔ لعنت اللہ علیٰ الکاذبین ۔ حق کو باطل پر ہمیشہ غلبہ عطا فرمایا حق گو، راست بازوں کا منہ اجالا اور جھوٹے کذابوں، دروغ بافوں، ناپاکوں کا منہ کالا کیا جس نے ہمیں یہ پیارا پیارا روح افزا جاں فزا مژدہ سنایا۔ قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ تم فرمادو! حق آیا اور باطل بھاگا اور باطل تو بھاگنے ہی کو تھا اور ہزاروں صلاۃ و لاکھوں تسلیمات کروروں تحیات زاکیات کی

نچھاور اس کے مقدس رسول حبیب و محبوب، طالب و مطلوب، دانائے کل غیوب، صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا۔ **الصدق نجی و الکذاب یھلک** سچ نجات دیتا ہے اور کذب ہلاکت کرتا ہے پھر ان کی آل واصحاب پر جنھوں نے امتیازِ حق و باطل کے لیے جان توڑ کوششیں فرمائیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا۔"(33)

☆

"ہاں تکفیر کرنے والے ان کے نزدیک خطا کار ہیں۔ قصوروار ہیں۔ مجرم ہیں گنہ گار ہیں۔ ان کے خیال میں کفر کرنا کفر بکنا کچھ عیب نہیں کافر کہنا عیب ہے، جب تو کفر بکنے والوں کے طرف دار ہیں۔ اور تکفیر کرنے والوں سے بر سرِ پیکار ہیں۔ کوئی کہتا ہے صاحب ان کے یہاں کفر کی مشین ہے جس میں رات دن کفر کے فتوے ڈھلتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اجی ساری دنیا کافر ہے بس یہ مسلمان ہیں۔ یہ بھی کافر وہ بھی کافر سب کو کافر کیے ڈالتے ہیں کوئی کہتا ہے یہ سب کو کافر کہتے ہیں انھوں نے اسلام کا دائرہ تنگ کردیا ہے بڑے تنگ نظر ہیں، بہت تنگ خیال ہیں۔"(34)

☆

"یہ بے ادب و بے تہذیب، مدعیانِ تہذیب و ادب، علما پر بے تہذیبی کا الزام لگاتے ہیں اور بے ادبی کا منہ آتے ہیں۔ کہ یہ لوگ گالیاں سناتے ہیں۔ مخلوقِ خدا کو ناحق ستاتے ہیں۔ بہت سختیاں برتتے ہیں۔ نہایت شدتیں کرتے ہیں۔ ان کے اعتراض علما تک ہی نہیں رہتے بل کہ اللہ و رسول تک جاتے ہیں، علما ہی ان کی گندی گھنونی گالیوں سے ایذا نہیں پاتے ہیں بل کہ یہ کہہ کر اللہ و رسول تک ایذا پہنچاتے ہیں علما کیا فرماتے ہیں جنھیں یہ گالیاں بتاتے ہیں۔ بے تہذیبی ٹھہراتے ہیں۔ علما تو وہی کہتے

ہیں جو قرآن و حدیث انھیں سکھاتے ہیں۔ وہ اگر کافر کہتے ہیں تو اللہ و رسول نے کافر فرمایا۔‘‘(35)

☆

’’اگر اس قسم کی آیات و احادیث لکھوں تو دفتر درکار ہے۔اور مدِ نظر اختصار ہے۔ اور ہے یہ کہ ع

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

اور معاند کے لیے اوراقِ سماوات و ارض کے شواہد ناکافی ۔غرض اتنا تو بفضلہٖ تعالیٰ ہر ادنا عقل والے پر روشن ہوگیا کہ علماے کرام متخلق باخلاق اللہ المنان ہیں۔ ہر طرح اس کے اور اس کے رسول کے تابعِ فرمان ہیں۔اور یہ ان کے دشمن اعداے دین و مذہب ومتبع خطوٰتِ شیطان ہیں ۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اے عزیز! یہ مسئلہ بھی ایسا ہے جس کے لیے دلائلِ فقیہہ درکار ہیں۔اور اگر یہی اصرار ہے تو یہاں کب انکار ہے۔‘‘(36)

☆

’’کیا اب بھی جوازِ مزامیر کا بے سُرا راگ گائے جاؤ گے؟۔کیا اب بھی بے وقت کی راگنی الاپے جاؤ گے؟ حضور سلطان المشائخ کے فرمانِ ذی شان کے آگے سرِ تسلیم جھکاؤ۔اور اپنے غلط و باطل کہے پر پشیماں ہو اور شرماؤ۔کیا حضور نے مزامیر کو ناجائز، حرام، ممنوع ومعصیت نہ فرمایا؟ کیا حضور نے ان کا معصیت ہونا غیر صوفیہ کے ساتھ خاص فرمادیا؟ کیا خود صوفیہ کے لیے بار بار نہ فرمادیا کہ میں منع کرچکا ہوں؟ انھوں نے بُرا کیا۔ نامشروع کام کیا، معصیت کی، پھر یارب! اب وہ کون سے صوفی ہیں جو حضور سلطان المشائخ کے مریدوں سے بھی آگے ہیں اور ہوں بھی تو علی الاطلاق یہ کہنا کہ صوفیوں کے لیے مزامیر حلال ہیں کیوں کر برمحل ہوگا؟۔ولاحول ولاقوۃ الاباللہ

العلی العظیم۔(37)

☆

''جو حکم انسانی قوت و طاقتِ بشری، وسعت و استطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکمِ شریعتِ مطہرہ نہیں، جس حکم میں باقاعدہ اتلافِ جان و اہلاکِ نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں یوہیں جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہوسکتا اب یہی خود دیکھ لیں یہاں اس وقت حکمِ جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں فائدہ ہے یا مضرت؟ جانوں کی بلا وجہ ہلاکت یا حفاظت، فتنہ و فساد کی اشارت ہے یا اقامت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلّت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کرنے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا، اصلا خفا نہ ہوگا کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سخت نہیں؟ اور تکلیفِ فوق الوسعت نہیں؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے، جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گذرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے، تلوار کیوں کر تھامتے، مارتے، طمنچہ کیسے چلاتے ہیں، جنہوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے، لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے ہوں انھیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان کرانا اور ان کی جانیں مفت گنوانا عبث نہیں؟ کیا یہ فتنہ و فساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں مفت ضائع ہوں؟ اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا؟۔'' (38)

☆

''ہم کہتے ہیں اگر معاذ اللہ شریف سے بھی کوئی کفر بھی ہو گیا ہوتا۔ تو ان کے کفر کا جب کہ امن پر کوئی اثر نہ ہوتا حج کیوں ناروا ہوتا؟ اب جب کہ

بفضلہٖ تعالیٰ ان سے صدورِ کفر تو کفر، فسق بھی بہ طریقِ ثبوتِ شرعی ثابت نہیں اور امن موجود؛ جوازِ حج کیوں مفقود؟ اتنی سی عبارت میں اکاذیبِ مضمون نگار کا انبار؛ اور اس کے افتراءات کا طومار۔'' (39)

☆

''مضمون نگار صاحب یہ سمجھے کہ اتنی خیانتیں کر کے اب یہ عبارت ان کے مقصود کی موید ہوگئی۔ مگر خدا کا دھرا سر پر اُنھیں نصیبوں سے کیا خبر۔ عبارت اتنی کاٹ چھانٹ، لَوٹ پَوٹ پر بھی ان کے مقصود کے خلاف ہی ہے اور ان کی کج فہمی، ناسمجھی کا پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے، اس کا بیان ہم آگے کریں گے پہلے مضمون نگار کی چوریاں بتا دیں۔ سینہ زوریاں دکھا دیں۔'' (40)

☆

''تحریفیں بھی کیں، خیانتیں بھی کیں، مطلب خبط کرنے کو اوپر کی عبارت نیچے، نیچے کی اوپر بھی کی، یہ سب کچھ ہوا مگر للہ الحمد! وہ ستم زدہ عبارت وہی فرماتی رہی جو اس ستم سے پہلے فرما رہی تھی، یہ اپنی کج فہمی سے اسے اپنے حسبِ منشا بن جانا سمجھے اور اسے نقل کر لائے اور نہ جانا کہ اس میں اب بھی ان کے لیے زہرِ ہلاہل سمِ قاتل ملا ہوا ہے۔'' (41)

☆

''ہر مسلمان مظلوم کی حمایت کی جائے گی بلکہ ہر مظلوم انسان کی حالت دل دکھاتی اور خواہ نخواہ حمایت پر لاتی ہے پھر یہ کہ حمایت ہمدردی ہی سے ہوتی ہے سلطان کو سلطان مان کر حمایت کی تو ان کی ہم دردی ہے۔ انھیں معزول کیا یہ بھی ان کی ہم دردی ہے۔ کہ وہ اپنے ملک سنبھال نہ سکے لہٰذا انھیں گوشۂ عافیت میں بٹھایا اپنے آپ ملک کا انتظام کیا اگر ہم دردی نہ ہوتی یہ ترک اللہ

تعالیٰ انھیں اپنی ہزاروں نعمتوں سے نوازے اور ان کی تمام جائز مرادیں پوری فرمائے اپنے آپ کیوں زحمتیں گوارا کرتے کیوں مشقتیں اٹھاتے کس لیے مصیبتیں جھیلتے کاہے کو تکلیفیں برداشت کرتے سلطان کے ہم درد نہ ہوتے تو ان کا سارا ملک معاذ اللہ! سارا ملک غیروں کے قبضہ میں چلا جاتا ان کے کان پر جوں نہ رینگتی وہ خود ان کے ہاتھ میں پڑ جاتے انھیں خیال بھی نہ ہوتا کہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ وہ ہم درد تھے جب ہی تو انھیں درد ہوا ان کے ملک کی حمایت وحفاظت ان کی حمایت وحفاظت ہے۔" (42)

متذکرۂ بالا مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتیِ اعظم حضرت نوریؔ بریلوی قدس سرہ کی نثر اعلا پایے کی ہے۔ آپ کے قلم نے تازگی وطرفگی کے گلہاے رنگا رنگ کھلائے ہیں۔ آپ کی نثر میں مسجع ومقفا عبارتیں بھی ہیں، سیدھے سادھے جملے بھی۔ تشبیہات واستعارات بھی ہیں اور صنعتوں کے گل بوٹے بھی۔ روزمرہ محاورات کا استعمال بھی ہے، اور ایجاز واختصار اور متانت و سنجیدگی بھی۔ اور کہیں کہیں عبارت کی طنز ونشتریت نے آپ کی نثر کو اور بھی لطیف بنا دیا ہے۔ تصنیفاتِ نوریؔ کے مطالعہ کے بعد آپ کو مایۂ ناز ادیب اور بلند پایہ انشا پرداز قرار دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔

سیاسی خدمات

اسلام میں دین وسیاست جدا نہیں ہیں۔ علماے حق پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہونے کی بنا پر اسلامی سیاست کے وارث وجانشین بھی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر دور یا کسی بھی حکومت وریاست میں عہدہ کے حصول، جاہ وحشم کے لالچ، اپنے مطلب کی خاطر دنیاوی عزت وشہرت اور نام وری کے لیے سیاست میں ملوّث ہوتے رہیں۔ جیسا کہ آج کل سیاست داں دنیا بھر میں کرتے پھر رہے ہیں۔

مختلف ادوار اور حکومتوں میں مسلم سیاست کا طریقۂ کار بھی مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ مردِ مومن ہے تو حق وصداقت اور سچائی کا دامن نہیں چھوڑتا۔ دین وشریعت کے راستے سے

کبھی نہیں ہٹتا۔ وہ سیاست میں حصہ لیتا بھی ہے تو اپنی قوم کی فلاح و بہبود اور دین و شریعت کے تحفظ و بقا کی خاطر اور اگر وہ دین و مذہب سے دور رہ کر سیاست میں سرگرمِ عمل ہو تو وہ سیاست نہیں بل کہ چنگیزی کرتا ہے۔

فی زمانہ باطل پرستوں نے اسلامی سیاست کو دنیوی اور کفری سیاست میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ نام نہاد مسلم سیاست داں سیاست کا ڈھونگ رچا کر ایک طرف اسلام اور مسلم قوم کو بدنام کر رہے ہیں تو دوسری طرف موقع فراہم ہونے پر ان کے جان و مال، عزت و آبرو کی بربادی اور پامالی کا سامان بھی پیدا کر رہے ہیں۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے ان نام نہاد سیاست دانوں کی بساطِ سیاست الٹ کر رکھ دی، مطالعہ و تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی سیاسی خدمات، علمی خدمات ہی کی طرح وسعت رکھتی ہیں۔ سرِ دست یہاں آپ کی سیاسی خدمات پر مختصراً روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی اپنے وقت کے سیاسی بصیرت و بصارت کے حامل، دور اندیش، تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مُدن اور تدبیرِ منزل سے آشنا فرد کہلائے۔ سیاسی اور ملی معاملات میں اعتدال پسندی، تدبر و تحمل، سلامت روی اور مثبت غور و فکر میں آپ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آپ کے سیاسی افکار و نظریات کو سمجھنے کے لیے آپ کی درج ذیل تصانیف کا مطالعہ معلومات بخش ہوگا۔

(1) طرق الہدیٰ والارشاد الیٰ احکام الجہاد (1341ھ)

(2) فصل الخلافۃ یعنی سوراخ در سوراج (1341ھ)

(3) الطاری الداری لہفوات عبدالباری (1339ھ)

(4) مقدمہ ''دوام العیش فی ائمۃ من القریش'' (1334ھ)

(5) فتاویٰ مصطفویہ، 3/جلد کے مختلف فتاویٰ۔

شدّھی تحریک

تقسیمِ ہند سے پہلے شدھی تحریک نے جس طرح فتنہ انگیزی پھیلائی اور مسلمانوں پر

جس انداز سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ زبردستی مسلمانوں کا شدھی کرن کیا جاتا، اور روپیوں کا لالچ دے کران کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکائے جاتے۔ بوالہوس اور زر پرست انسان ان کے دامِ فریب میں آکر اپنے دین وایمان کا سودا کرڈالتے۔ یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ شہر شہر، قریہ قریہ اس کی وبا عام ہوگئی اورنوبت یہاں تک پہنچی کہ اہلِ ہنود بابانگِ دہل اعلان کرنے لگے کہ چار کروڑ مسلمانوں کو شاشتر اور ششتر (تلوار) کے ذریعہ شدھ کیا جائے گا۔ ساتھ ہی ایسے نعرے بھی لگاتے جسے سُن کر مسلمانوں کا خون کھول جاتا۔ اور اپنی تقریروں میں بارہا مسلمانوں کو کھٹمل، آبِ زم زم کو کیچڑ اور گندگی، وضو کو ڈھکوسلہ، رکوع کو اچک بلّی، اور سجدہ کو مُرغا بتا کر مسلمانوں کی دل آزاری کرنا ان کا شیوہ تھا۔

غرض یہ کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو جبراً مُرتد کیا جا رہا تھا، قتل وغارت گری اور خوں ریزی کا بازار گرم تھا یہ قتل عام اس لیے تھا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری......اس مذموم مقصد میں اہلِ ہنود اپنی گندی اور شاطرانہ سیاسی چالوں کے پیشِ نظر کامیاب ہورہے تھے۔ مگر وہ ذات مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تھی کہ بلند حوصلگی اور پختہ عزائم کے ساتھ جان و مال کی پروا کیے بغیر میدانِ عمل میں آکر میلوں بھوکے پیاسے چل کر تبلیغِ دین کی۔ مشرکوں کے دامِ فریب سے مسلمانوں کو بچانے کی سعیِ بلیغ فرمائی اور جو مسلمان دھوکہ میں آکر مرتد ہوگئے تھے انہیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دوبارہ مسلمان کیا۔ حضرت نوریؔ بریلوی اور ان کے رفقاے کار نے شدھی تحریک کے خلاف جس مجاہدانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا اس کے شواہد جماعت رضائے مصطفیٰ کی فائلوں میں اب بھی محفوظ ہیں۔ (ملخصاً 43)

ضبطِ ولادت (نس بندی)

ہندوستان میں ضبطِ ولادت کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں اس مسئلہ پر علما دو گروہوں میں منقسم ہوگئے تھے ایک گروہ مسئلہ اجتہادی کہہ کر اس کے جواز کے حق میں تھا

جس کی نمایندگی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب فرما رہے تھے اور دوسرا گروہ عدمِ جواز کے حق میں تھا جس کی زمامِ قیادت مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے ہاتھ میں تھی نس بندی کے اس رستا خیز عہد میں جب کہ حکومتِ ہند کی طرف سے 5/جون 1976ء کو ایمرجنسی نافذ کر دی گئی، حکومت کے خلاف زبان کھولنا انتہائی سنگین جرم تھا اس عہد میں ''میسا'' نامی قانون کے تحت گرفتاریاں بھی زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ لیکن حکومتِ وقت کے جبر و ظلم اور تشدد کی پروانہ کرتے ہوئے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے قلمی جہاد فرمایا اور ظالم و جابر حکمراں کے سامنے حق گوئی کا مظاہرہ کیا، جب آپ سے فیمیلی پلاننگ (نس بندی) کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

''کہ نس بندی حرام ہے، حرام ہے، حرام''۔

مذکورہ فتویٰ جناب ساجد علی خاں مہتمم دارالعلوم مظہرِ اسلام بریلی نے 3/رمضان المبارک 1396ھ/ 30/ستمبر 1976ء کو شائع کیا۔ اس کی اشاعت کے بعد فتوا میں تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا تو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فرمایا:

''ہمارے یہاں فتویٰ نہیں بدلا جاتا ہے ضرورت پڑی تو حکومت بدل دی جائے گی''۔

چناں چہ ہوا بھی ایسا ہی کہ الیکشن میں حکمراں پارٹی ''کانگریس'' کو بُری طرح شکستِ فاش اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور جنتا پارٹی کی حکومت بن گئی۔ (44)

تحریکِ جہاد

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے۔ لیکن یہ اسی وقت فرض ہوگا جب اس کی شرائط پائی جائیں۔ اس کی اہم شرائط میں سلطانِ اسلام اور طاقت وقوت کا موجود ہونا انتہائی ضروری ہے۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے بہ قول :

''مفلس پر اعانتِ مال نہیں، بے دست و پا پر اعانتِ اعمال نہیں، لہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد و قتال نہیں۔'' (45)

تحریکِ جہاد کا نعرہ مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی اوران کے ہم نواوں نے یہ باور کر کے لگایا تھا کہ ہم ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرائیں گے چاہے مال کے ذریعہ چاہے جان کے ذریعہ۔ مسلمان چوں کہ فطرتاً جذباتی ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے فوراً نعرۂ جہاد کو قبول کرلیا کیوں کہ کہا یوں گیا تھا کہ یہ جہاد انگریزوں کے خلاف ہے حال آں کہ اس کی حقیقت اس کے برعکس تھی مسٹر گاندھی بے دست و پا مسلمانوں کو در پردہ مفلس وقلاش بنانا چاہتے تھے اوران کے پاس جو مال ومتاع تھی وہ جہاد کی نذر ہوجائے تاکہ قومِ مسلم ایک قوت بن کر نہ ابھر سکے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی جہاد کے مخالف نہ تھے مگر ایسی بے سروسامانی، مفلسی اور تنگ دستی کی حالت دیکھ کر آپ نے مخالفتِ جہاد کی شرعی کوشش کی چوں کہ جہاد کی شرائط اس وقت ہندوستان میں نہیں پائی جاتی تھی آپ نے تحریر فرمایا :

’’جو حکم انسانی قوت وطاقتِ بشری، وسعت واستطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکمِ شریعتِ مطہرہ نہیں، جس حکم میں باقاعدہ اتلافِ جان واہلاکِ نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں، یوہیں جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہوسکتا اب یہی خود دیکھ لیں یہاں اس وقت حکمِ جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں فائدہ ہے یا مضرت ؟ جانوں کی بلاوجہ ہلاکت ہے یا حفاظت، فتنہ وفساد کی اشارت ہے یا اقامت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلّت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کرنے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہوجائے گا، اصلا خفا نہ ہوگا کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں؟ اور تکلیفِ فوق الوسعت نہیں؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے، جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گذرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے، تلوار کیوں کر تھامتے، مارتے، طمنچہ کیسے چلاتے

ہیں، جنھوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے، لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے ہوں انھیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان کرانا اور ان کی جانیں مفت گنوانا عبث نہیں؟ کیا یہ فتنہ وفساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں مفت ضائع ہوں؟ اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا؟'' (46)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی ہرگز ہرگز جذبۂ جہاد کو سرد کرنا نہیں چاہتے تھے انہوں نے ایک باخبر مفتی اور فقیہہ کی حیثیت سے شرعی حکم صادر فرمایا، اس میں نہ انگریزوں کی طرف داری مقصود تھی نہ ہی خوشامد؛ وہ تو ان کے سخت مخالف تھے ان کے دولت کدہ پر بڑے بڑے سربراہانِ مملکت آئے مگر آپ نے ملاقات تک نہ کی اور وہ خود ہی بغیر ملاقات کے واپس چلے گئے۔ آپ نے نام نہاد تحریکِ جہاد کا رد کرتے ہوئے شریعتِ مطہرہ کا واضح حکم یوں بیان کیا :

''یہاں کے نہتے بے سروپا جنگ سے ناواقف مسلمان، ان پر خود سلطانِ اسلام جس کے پاس سامانِ حرب بھی ہو اور باقاعدہ فوج بھی وہ اگر یہ سمجھے کہ کفار زائد ہیں یہ فوج وسامان انہیں کافی نہ ہوگا تو ایسی حالت میں اسے ان سے پہل ناجائز ہے۔'' (47)

واضح ہو کہ جس دور میں مسلمانوں کو جہاد کے لیے اکسایا جا رہا تھا، اس وقت جہاد کی شرائط عنقا تھیں۔ اور مسلمان مالی اور دیگر لحاظ سے انتہائی کمزور اور بے دست و پا تھے، جب کہ دشمن انتہائی طاقت ور اور ہتھیاروں سے لیس؛ زبردست کے مقابلے میں کمزور کو پیش کرنا خود کو موت کے منہ میں ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ مسٹر گاندھی کے مشوروں سے اس عہد کے بہت سارے مسلمان لیڈروں نے قرآن وحدیث کے حوالے سے ''جہاد جہاد'' کا نعرہ دیا تاکہ مسلمان قریب سے قریب تر ہو جائیں، ایک طرف گاندھی نے اخبارات میں شائع کرنا شروع کر دیا کہ میرا مذہب کشت وخون کو روا نہیں رکھتا ہم تو ''اہنسا کے پُجاری'' ہیں اور ''عدم

تشدد'' پر یقین رکھتے ہیں۔ تو دوسری طرف انگریزوں کو مرعوب کرنے بل کہ در پردہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے یہ پالیسی اختیار کی کہ مسلمان ہر لمحہ جہاد جہاد پکارتے رہیں۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی پس پردہ سازش سے نقاب اُٹھاتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

''اس وقت یہ جہاد بھی اسی دشمنِ اسلام و مسلمین گاندھیِ بددین کا حکم ہے۔ جیسے پہلے ہجرت سے نقصان پہنچائے، مسلمانوں کو خانماں برباد کرائے، ان کی بیش بہا جائدادیں اور اموال کوڑیوں میں بکوائے، سب کے کوڑے کرائے، غریب مسلمانوں میں اتنا روپیہ کہاں تھا، یوں اپنے ہندو بھائیوں کو دلوائے، یوہیں یہ مسئلہ جہاد نکال کر اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو جن کی روح بالکل فنا ہو چکی ہے کچھ یوہیں سی رمق باقی ہے یہ بھی کیوں رہ جائے بالکل تباہ کرائے۔''(48)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے ہر اس تحریک کا رد کیا جو اسلامی اصولوں اور بنیادوں سے ہٹ کر چلی، جس تحریک نے بہ نامِ اسلام اسلامی اصولوں سے کھلواڑ کیا اس کی بھی آپ نے سختی سے تردید فرمائی اور مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے تنبیہاً تحریر فرمایا:

''کاش اب بھی سنبھلو! اور ان گندم نما جو فروشوں سے بھاگو ان کی تو دلی خواہش ہے کہ تم مشقت میں پڑو۔ **قد بدت البغضا من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قد بینا الاٰیات ان کنتم تعقلون۔**''......''خدا کے لیے ہماری اس یاد دہانی سے فائدہ اٹھایئے اور خلقِ خدا کو راہِ راست پر لایئے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور اب آپ اپنا فرض ادا کیجیے۔''(49)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے دل میں اسلام کا درد اور مسلمانوں کے کامیاب مستقبل کی فکر تھی آپ کی سوچ مسلمانوں کے مستقبل کو تابناک اور روشن بنانے کی تھی، انہوں نے اپنی سیاسی بالغ نظری اور دور اندیشی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس دور میں چلنے والی سیاسی تحریکات کا صرف ظاہری خد و خال نہیں دیکھا بل کہ اس کا گہرائی سے مشاہدہ کرنے کے بعد

ملّتِ اسلامیہ کی صحیح رہِنمائی فرمائی۔

تحریکِ خلافت

1919ء میں خلافت کا مسئلہ پیش آیا تو اس وقت بھی آپ نے امتِ مسلمہ کی صحیح قیادت اور رہِنمائی کا فریضہ انجام دیا، امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی تصنیف 'دوام العیش فی ائمۃ من القریش 1334ھ' پر آپ نے ایک جامع، پُر مغز اور معلومات افزا مقدمہ تحریر فرمایا جو آپ کی اعلا ترین سیاسی بصیرت و بصارت کا منہ بولتا نمونہ ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے تحریکِ خلافت کے حامیوں سے تین سوالات کیے جو ترکی کے سلطان عبدالحمید کو خلیفۂ شرعی تسلیم کرانے پر اصرار کرتے تھے، ذرا ان سوالات کو ملاحظہ کیجیے اور مفتیِ اعظم حضرت نوریؔ بریلوی کی سیاسی سوجھ بوجھ اور بالغ نظری کے ساتھ ساتھ ان کے علم دین کا کمال بھی دیکھیے :

"(1) سلطان مراد کی معزولی کے بعد عبدالحمید خاں سلطانِ ترکی ہوئے اگر سلطان مراد کو خلیفہ تسلیم کیا جائے تو سلطان عبدالحمید پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

(2) غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید خاں کو معزول کیا اگر واقعی عبدالحمید خاں خلیفہ تھے تو مصطفیٰ کمال پاشا پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

(3) جب سلطان عبدالحمید خاں کی خلافت سے انکار کفر تھا تو جس نے اس کو معزول کیا اس پر تو اس سے بڑا فتویٰ لگنا چاہیے تھا مگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا پر فتویٰ لگانے کی بجائے ان کو مبارک بادی کے تار بھیجے گئے"۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے ارکانِ خلافت سے یوں سوال کیا :

"کیا ان کو باغی و کافر کہا جائے گا جس طرح شریفِ مکہ ملک الحجاز کو سلطان کی اطاعت سے سرتابی پر واجب القتل کا حکم لگایا جا چکا ہے۔"

آگے چل کر بڑے ناصحانہ انداز میں اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''انسان کو چاہیے کہ بات کہنے اور کرنے سے پہلے اس کے قال و انجام پر نظر رکھے، جس کا آخر حَسَن ہو اسے اختیار کرے ورنہ نہیں، تیرہ سو برس کے اجماعی اتفاقی مسئلہ میں اختلاف سوائے کشت و افتراقِ بین المسلمین اور کیا تھا؟ ترکوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا ہاں! اختلافِ مسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا''۔(50)

تحریکِ خلافت کے زمانہ میں جو سب سے عجیب بات دیکھی گئی وہ یہ تھی کہ جو حضرات خلافتِ اسلامیہ کی حفاظت کی جدوجہد کر رہے تھے، وہ اہلِ ہنود کی ہم نوائی کو احیاے خلافتِ اسلامیہ کے لیے مدد و معاون سمجھ رہے تھے اور جوش و جذبات میں اسلامی شعائر کو چھوڑ کر شعائرِ کفر اپنا رہے تھے۔ چناں چہ اس زمانے میں مسلمانوں نے اپنی پیشانی پر قشقہ بھی لگوایا، ہندو لیڈروں کی ارتھیوں پر کندھا بھی دیا، ہندو لیڈروں کو مساجد میں منبرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بٹھایا، اپنا ہادی، اپنا رہِ بر اور پیشوا بنایا، قرآنِ پاک کو مندروں میں لے جایا گیا وغیرہ۔

یہاں یہ امر ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ تحریکِ خلافت کا ظاہر یہی تھا کہ یہ سلطنتِ اسلامیہ اور خلیفۂ اسلام کی حفاظت و صیانت کے لیے چلائی جا رہی ہے۔ جب کہ اس کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ اس تحریک کے ہم نواوں نے غیر مسلموں کے ساتھ جو دیرینہ تعلقات اور مراسم روا رکھے تھے۔ اس کا شریعتِ مطہرہ ہرگز اجازت نہیں دیتی یہی وجہ ہے کہ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے نقصانات سے اہلِ اسلام کو آگاہ کیا۔ یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ ایک اسلامی تحریک کی مخالفت کر رہے تھے اور مسلمانانِ ترکی کی خیر خواہی کے جذبات کو سرد کر رہے تھے۔ ذیل کی تحریر چشم کشا اور سچائی کا اظہار کرتی ہوئی نظر آتی ہے:

''سلطنتِ اسلام تو سلطنتِ اسلام ہے۔ سلطان تو سلطان ہیں۔ ہر فردِ مسلم کی خیر خواہی لازم ہے...... **الدین النصح لکل مسلم** ...... ارشادِ

پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناطق ہے۔"(51)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ایک صاحبِ فکر ونظر، صاحبِ بصیرت و بصارت اور مدبر سیاست داں تھے۔ جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا گیا ہے کہ آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ میں مذہبی اثرات اس قدر نمایاں تھے کہ آپ نے دیگر ہم عصر بازی گرانِ سیاست کی طرح مذہب وملّت کا سودا نہیں کیا، بل کہ آپ نے ان سیاسی تحریکات کی زبردست مخالفت کی، جن سے مذہبی اصولوں اور شرعِ مطہرہ پر ضرب پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بعض ان تحریکات کا بھی تعاقب کیا جو بہ بظاہر مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے چلائی جارہی تھیں۔ مگر جب اس کا قال اور انجام بہ نظرِ غائر دیکھا گیا تو وہ پس پردہ مسلمانوں کو نقصان اور خسارے میں ڈال کر مفلس وقلاش اور بے دست وپا بنا رہی تھیں۔ یہ مفتیِ اعظم کی تاب ناک اور پاکیزہ سیاسی فکر تھی کہ آپ نے ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اپنے افکارِ عالیہ سے ملّتِ اسلامیہ کی حفاظت وصیانت کا فریضہ انجام دیا۔ چوں کہ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ شرعی اصول و ضابطے کا آئینہ دار تھا؛ اور اسی کے مطابق آپ کے شب وروز بسر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے سیاسی شعور اور افکار ونظریات کی بنیاد اسلامی افکار وخیالات سے مملو تھی۔

تدریسی خدمات

تحقیق کی روشنی میں یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی دنیاے اسلام کے عظیم روحانی پیشوا، مرجع العلماء، رہبرِ شریعت، پُرخلوص داعی، تحریک آفریں قائد، مایۂ ناز فقیہ ومحدث، بافیض مدرس اور بلند پایہ نعت گو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ نے درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیے۔ درسِ نظامی کی تکمیل وفراغت کے بعد 1328ھ/ 1910ء میں جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور تدریسی سلسلہ شروع کیا۔(52)

آپ کے تلامذہ اور خلفا کے تذکروں کے مطالعہ اور منظرِ اسلام اور مظہرِ اسلام کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دارالافتاء کے اہتمام وانصرام، فتویٰ نویسی کی زیادتی، تبلیغِ

دین کے اسفار، تصنیف و تالیف اور دیگر مصروفیات کے سبب کبھی کبھار صرف مخصوص طلبہ کو درس دیتے تھے۔ اور آپ کا سلسلۂ درس و تدریس تسلسل کے ساتھ جاری نہ تھا بل کہ آپ فرصت کے لمحات میں طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے 1328ھ/ 1910ء سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن یہ سلسلہ کس طرح اور کب تک جاری رہا؟ اس کی وضاحت وصراحت سے آپ کی حیات و خدمات پر تحقیق و ریسرچ کرنے والے محققین و اسکالرز اور تذکرہ نگاروں کی زبانیں خاموش ہیں۔ بہ ہر کیف! آپ نے اپنا تدریسی سلسلہ تسلسل سے نہ سہی کسی نہ کسی طور پر جاری رکھا۔ اس ضمن میں ذیل کا واقعہ پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔

1344ھ/ 1926ء میں آپ کے برادرِ اکبر حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا بریلوی انجمن حزب الاحناف لاہور کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے۔ دو روز لاہور میں قیام کے بعد بریلی واپس آئے۔ واپسی پر حصول تعلیم کی غرض سے مولانا ابو الفضل سردار احمد رضوی لائل پوری، حامد رضا صاحب کے ہمراہ بریلی آئے۔ آپ (علامہ حامد رضا صاحب) نے اپنی سرپرستی میں خصوصی عنایات کے ساتھ تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ اور اپنے دولت خانے پر قیام وطعام کا انتظام کیا۔ جامعہ رضویہ منظرِ اسلام بریلی میں کم و بیش تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس عرصے میں مولانا سردار احمد نے علامہ محمد حامد رضا بریلوی، مولانا شاہ محمد حسین کے ساتھ ساتھ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی سے درس نظامی کی کتابیں اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد حسین مدرس منظرِ اسلام سے پڑھیں، منیہ، کنز الدقائق اور شرح جامی تک کی کتابوں کا درس حضرت نوریؔ بریلوی سے حاصل کیا۔ چناں چہ حضرت نوریؔ بریلوی نے اس امر کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔ ذیل میں ملاحظہ ہو:

> ”جب میں ان (مولانا سردار احمد) کو دیکھتا۔ پڑھتے دیکھتا۔ مدرسہ میں قیام گاہ پر حتیٰ کہ مسجد میں آتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی، اگر جماعت میں تاخیر ہوتی تو بجائے دیگر اذکار و اوراد کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔

ان کے اس والہانہ تحصیلِ علم سے میں بہت متاثر ہوا۔ میرے پاس دوسرے پنجابی طالب علم مولوی نذیر احمد سلمہ پڑھتے تھے۔ ان سے دریافت کرنے پر آپ کی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر ان کے ذریعہ وہ (مولانا محمد سردار احمد) میرے پاس آنے جانے لگے۔ ان کے بہ اصرار درخواست اور مولوی نذیر احمد سلمہ کی سفارش پر میں نے منیہ، قدوری، کنز الدقائق اور شرح جامی تک پڑھایا۔"(53)

علاوہ ازیں مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی (متولد 1332ھ/1914ء متوفی 1393ھ/1973ء) نے بھی حضرت نوری بریلوی سے شرح جامی پڑھی اور 1352ھ/1929ء میں آپ سے سند حدیث حاصل کی۔ مولانا معین الدین شافعی قادری (متولد 1357ھ/1939ء) ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ لائل پور نے بھی مفتیِ اعظم سے میزان، نحو میر تک کی کتابیں مستقل سبقاً سبقاً پڑھیں اور 1950ء میں جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام بریلی سے سند فراغت حاصل کی۔ بعد میں آپ نے اجمیر مقدس میں آستانۂ عالیہ پر مولانا معین الدین شافعی کو دستار خلافت کے ساتھ "تاج العلم والفضل" کی سند بھی عطا کی۔ اور بعد ازاں عدیم الفرصتی کے سبب آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ موقوف کر دیا لیکن مدارسِ اسلامیہ کے ماہرینِ علوم وفنون، اساتذۂ کرام خصوصاً جامعہ رضویہ منظرِ اسلام اور جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام کے اساتذہ اور فارغ ہونے والے طلبہ آپ سے صحاحِ ستہ اور درسِ نظامی کی منتہی کتابوں کا درس لیتے اور شرف تلمذ حاصل کرتے رہے۔

مندرجہ بالا تحقیق سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ مفتیِ اعظم قدس سرہ نے 1328ھ/1910ء سے 1366ھ/1947ء تک درس و تدریس کا سلسلہ کسی نہ کسی طور جاری رکھا۔ بعد میں رضوی دارالافتاء کی کثرت، جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام کی ادارت وسرپرستی اور تبلیغی اسفار کے سبب تدریس کا سلسلہ موقوف ہوا، اور یہ بھی واضح ہوا کہ مدارسِ اسلامیہ کے اساتذہ وطلبہ آپ سے درس لیا کرتے تھے۔ چناں چہ مدارسِ اسلامیہ کی تعطیلِ کلاں ماہِ

شعبان المعظم اور ماہِ رمضان المبارک میں بعض مدارس کے اساتذہ و فارغ التحصیل طلبہ نیز زیرِ تعلیم طلبہ اپنے آپ کو حضرت نوریؔ بریلوی کے حلقۂ شاگردی میں شمار ہونے کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے بریلی حاضر ہوتے اور آپ سے صحاح ستّہ اور دیگر درسی کتابوں کا درس لیتے۔ اس ضمن میں علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی اپنا ذاتی واقعہ یوں بیان کرتے ہیں :

> ''علومِ اسلامیہ کی عربی درس گاہوں میں عموماً رمضان المبارک میں تعطیلِ کلاں ہوتی ہے۔ ان تعطیلات میں بریلی حاضر ہو کر فقیر ضیاء المصطفیٰ حضرت مفتی اعظم (نوریؔ بریلوی) رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے علمی استفادہ کرتا، ایک سال تعطیل کلاں میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے صحاح ستّہ میں ابو داؤد شریف وابن ماجہ شریف پڑھی۔ حضرت مفتی اعظم نے ان دونوں کتابوں کی اجازت بھی عطا فرمائی۔''(54)

مفتیِ اعظم قدس سرہ جب تبلیغِ دین اور اشاعتِ مذہب کی غرض سے دورے پر ہوتے تو کسی نا کسی جامعہ یا دارالعلوم میں آپ ضرور تشریف لے جاتے تو اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر ان جامعات کے اساتذہ بھی خود کو آپ کے حلقہ شاگردی میں شامل کرنے کے لیے التماس کر کے درس حدیث کی نورانی و عرفانی محفل آراستہ کرتے اور درس لیتے چناں چہ درسِ حدیث کی ایسی ہی ایک نورانی و عرفانی محفل کا تذکرہ قاضی عبدالرحیم رضوی بستوی نے یوں کیا ہے :

> ''حضرت مفتی اعظم (نوریؔ بریلوی) قدس سرہ ایک سال دارالعلوم فیض الرسول، براؤں کے سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت کے موقع پر براؤں تشریف لے گئے۔ ساتھ میں مَیں اور مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ بھی تھے۔ دارالعلوم فیض الرسول کے اساتذہ و منتظمین نے حضرت کا شان دار استقبال کیا۔ حضرت فیض الرسول پہنچے کئی روز قیام رہا۔ اسی موقع پر فیض الرسول کے اساتذہ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے درسِ حدیث لے کر

اجازتِ حدیث لینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مفتی اعظم کی اجازت سے درسِ حدیث کی ایک نورانی مجلس بڑے تزک واحتشام سے منعقد ہوئی۔ درسِ حدیث کی اس مجلس میں شرکا پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ عمامہ باندھ کر ہی شریک ہوں۔ چناں چہ سارے اساتذۂ فیض الرسول درسِ حدیث کی اس مجلس میں عمامہ باندھ کر شریک ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے بخاری شریف کی ایک حدیث کا درس دیا۔ درسِ بخاری سے فراغت کے بعد جمیع شرکاے درس کو حدیث مسلسل بالاولیہ، حدیث مصافحہ اور حدیثِ تمر کی عملاً اجازت عطا فرمائی۔ نیز النور والبہا میں درج شدہ جملہ اجازتیں عطا فرمائیں۔ بخاری شریف کے اس درس میں، مَیں، مفتی شریف الحق امجدی صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا جلال الدین صاحب، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا محمد حنیف صاحب بستوی اور مولانا قدرت اللہ وغیرہ شریک تھے۔''(55)

علاوہ ازیں آپ صحت کے زمانے میں عموماً بعدِ عشا رضوی دارالافتاء میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت علماے کرام اور مفتیانِ عظام آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ چناں چہ اس دوران مولانا محمد نعیم اللہ رضوی، صدرالمدرسین جامعہ منظرِ اسلام بریلی آپ سے استفادہ کرتے اور مشکل مقامات کو حل کرتے تھے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی اعلا تدریسی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ باوجود یہ کہ آپ نے اپنا تدریسی سلسلہ مسلسل جاری نہ رکھا، پھر بھی آپ کو اپنے عہد کے دیگر ممتاز اساتذہ میں نمایاں مقام حاصل رہا۔ علم وفضل کے اعتبار سے آپ بلند رُتبے پر فائز تھے۔ درسِ نظامی کے باریک باریک اُمور پر آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ اس مقام پر آپ کی تدریسی صلاحیتوں، مبلغِ علم کی بلندی اور درسِ نظامی پر کامل دست گاہ کے بارے میں مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

کے خیالات کو پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا :

''ایک بار جب کہ میں رضوی دارالافتاء میں بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کیوں کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی تھی۔ حدیثِ جبریل میں جہاں قیامت کے علم کو پانچ ان علوم میں بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا۔ علومِ خمسہ طلبہ کو سمجھا چکا تھا بمالہ وما علیہ۔ لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتی اعظم (نوریؔ بریلوی) علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا۔ میں نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور! اس حدیث میں پانچ علوم کے مخلوق کو علم ذاتی نہ ہونے کی تخصیص ہے، تو پانچ ہی کی تخصیص کیوں کی گئی حال آں کہ کسی چیز کا علمِ ذاتی مخلوق کو نہیں۔ حضرت مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا: آپ نے کہا ہے کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی۔ یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علمِ معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے، خاص کلمات کے ذریعہ نفی اور استثنا کے ذریعہ اور کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد فوراً حضرت مفتی اعظم نے فرمایا: یہ کہیے علوم خمسہ کی تخصیصِ بالذکر کی گئی۔ اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتی اعظم کے مبلغِ علم کی بلندی اور تعمقِ نظر و فکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازہ لگالیا کہ حضور مفتی اعظم کا درس نظامی پر گہرا مطالعہ ہے۔ اگرچہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں، مگر مدرسِ اعظم بھی ہیں۔ پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا۔

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

بے شک عالم کے کسی ذرّے کا بھی علم مخلوق کو بے عطاے الٰہی حاصل نہیں کہ علمِ ذاتی خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ۔ حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علمِ ذاتی مخلوق کو نہیں اوران پانچ کے سوا کا معاذ اللہ ذاتی مخلوق کو ہے۔ اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن، قائف، اور ساحر وغیرہ ان پانچ چیزوں کے علم کا دعوا کیا کرتے تھے اور وہ گمراہ تھے۔ وہ اس قابل نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انھیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے۔ جب انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے تو ان کے دعوے سے نکلتا تھا کہ انھیں ان چیزوں کا علم ذاتی ہے۔ تو قرآن وحدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بے بتائے جو یہ دعوا کر رہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے۔ ان علوم کو بھی وہی جانتے ہیں جنھیں اللہ بتائے۔ اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ ہے وجہ تخصیصِ بالذکر کی۔ یہ ایک حدیثِ خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاویٰ سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر وحدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔" (56)

مفتیِ اعظم حضرت نوری بریلوی کے درس نظامی کی انفرادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے جانشین تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری دام ظلہ العالی اپنی فتویٰ نویسی کی ابتدا بیان کرتے ہوئے راقم ہیں:

"جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دل چسپی کی بنا پر فتوے کا کام شروع کیا...... شروع شروع میں مفتی افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیان کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا...... اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ دکھایا کرتا تھا...... کچھ دنوں بعد اس کام میں میری دل چسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے

لگا...... حضرت کی توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔‘‘(57)

علاوہ ازیں آپ سے بیش تر حضرات نے فتویٰ نویسی کی تربیت بھی لی اور اپنے فتاویٰ پر اصلاح ونظر ثانی کے لیے آپ کی بارگاہ میں رہ کر مدتوں بعض علماے دین نے کسبِ فیض کیا۔ اس دوران کبھی کبھار اصلاحِ فتاویٰ کے ساتھ ساتھ درس وتدریسِ حدیث کا سلسلہ بھی چل نکلتا۔ فتویٰ نویسی سیکھنے کے دوران جب علما آپ کو فتاویٰ دکھاتے اور سناتے اس وقت مفتیِ اعظم تفسیر وحدیث اور فقہ واصول کی سیکڑوں کتابوں کے مطالب سمجھاتے اور ان کی زنبیلِ حیات میں علم وفن کے گہر ہاے آب دار کا اضافہ کرتے۔

مفتیِ اعظم قدس سرہ کے ہم عصر علما وفقہا، مفسرین ومحدثین اور متکلمین ومناظرین آپ سے علمی استفادہ کرتے اور شرعی مسائل میں آپ سے رجوع ہوتے۔ مزید یہ کہ پیچیدہ و لاینحل مسائل کے حل کے لیے آپ کے یہاں حاضر ہوتے تھے۔ آپ جب تک حیات رہے یہ سلسلہ جاری رہا۔ علما وطلبہ آتے گئے اور آپ کے علمی فیض سے مالا مال ہوتے گئے۔ اور جنھیں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا وہ اپنے آپ کو سعادت منداور خوش قسمت تصور کرتے ہیں۔

مفتیِ اعظم قدس سرہ کا طریقۂ تعلیم

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کا طریقۂ تعلیم اور درسِ افتا امتیازی شان کا حامل تھا۔ آپ درسِ افتا میں اس بات کا التزام فرماتے تھے کہ محض نفسِ حکم سے واقفیت نہ ہو بل کہ اس کے ما علیہ و مالہٗ کے تمام نشیب وفراز ذہن نشین ہو جائیں۔ پہلے آیات واحادیث سے استدلال کرتے، پھر اصولِ فقہ وحدیث سے اس کی تائید دکھاتے اور قواعدِ کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتبِ فقہ سے اس کی جزئیات پیش فرماتے، اور مزید اطمینان کے لیے فتاویٰ رضویہ یا امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد بیان کرتے۔ اگر مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو قول راجح کی تعیین دلائل سے کرتے اور اصولِ افتا کی روشنی میں ما علیہ الفتویٰ کی نشاندہی کرتے۔

پھر فتاویٰ رضویہ یا امام احمد رضا بریلوی کے ارشاد سے اس کی تائید پیش فرماتے۔مگر عموماً یہ سب زبانی ہوتا۔عام طور سے جواب بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے، ہاں! کسی عالم کا بھیجا ہوا استفتا ہوتا اور وہ ان تفصیلات کا خواست گار ہوتا تو پھر جواب میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات ارشاد فرماتے۔

مفتیِ اعظم قدس سرہ کے درسِ افتا اور اصلاحِ فتاویٰ سے متعلق آپ کے نائب شارح بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے :

''میں گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح وتصدیق ہے۔عالم یہ ہوتا کہ دن بھر بل کہ بعدِ مغرب بھی دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی ۔یہ حاجت مند خوش خبری لے کر نہیں آتے، سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔اتنے طویل عرصے تک اس غم آگیں ماحول سے فارغ ہونے کے بعد، عشا بعد پھر تشریف رکھتے اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا، میں گھسا پٹا نہیں بل کہ بہت سوچ سمجھ کر، جانچ تول کر مسئلہ لکھتا، مگر واہ رے! مفتی اعظم۔اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، لوچ ہے یا بے ربطی ہے، یا تعبیر غیر مناسب ہے، یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے، یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے فوراً اس پر تنبیہ فرمادیتے اور مناسب اصلاح۔تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار، جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے، مگر اس کو بدل کر لکھا جائے، یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔مگر ستّر سالہ مفتی اعظم کا علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرمادیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حدِ اضطرار کو پہنچ جائے، کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے جائیں۔ مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے مخاطب کی جراتِ رندانہ اور بڑھ جاتی کیا کیجیے گا؟ اگر جلال سے مرعوب ہوکر چپ رہتے تو جلال اور بڑھتا، بڑھتا رہتا یہاں تک کہ مخاطب کو عرض معروض کرنا ہی پڑتا۔ یہ جلال وہ جلال تھا کہ جو اس کا مورد بنا کندن ہوگیا...... یہ مجلس آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بارہا رات کے دو بج جاتے اور رمضان شریف میں تو سحری کا وقت روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔ کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا۔ مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتاء میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے۔ میں حیران رہ جاتا، یا اللہ! کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں؟ پیچیدہ سے پیچیدہ دقیق سے دقیق مسائل پر بداہتہً ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلہ علما انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہا کے متعدد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے، سب کے دلائل، وجوہِ ترجیح، اور قولِ مختار و مفتی بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہِ ترجیح سب ازبر۔ بابِ نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کی بہتّر (72) صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں، پہلی بار جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا، میں نے بیس (20) پچیس (25) شق قائم کرکے چار ورق فل اسکیپ کاغذ پر لکھا جب سنانے بیٹھا تو فرمایا :

’’یہ طول طویل شق در شق اور شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ خدا نا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنا لیں گے۔ آج ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو حکم یہ ہے۔‘‘

یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے ورق سے بھی کم پر مع تائیدات آ گیا۔ اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتویٰ لکھنا اور بات۔‘‘(58)

متذکرہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتیِ اعظم قدس سرہ کا طریقۂ تعلیم انتہائی عمدہ تھا۔ آپ نہایت شفقت و محبت سے اپنے طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ اور دقیق سے دقیق مسائل کو اس آسانی سے سمجھاتے کہ وہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتا۔ فتویٰ نویسی کی تربیت لینے والے علما سے آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ استفتا کے جواب میں جو صورت رائج ہو اس کے مطابق حکم واضح کریں اور جواب طول طویل دینے کی بجائے اجمالاً مگر جامع دیا جائے۔

مفتیِ اعظم قدس سرہ کی طلبہ سے شفقت و محبت

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی طلبہ سے مشفقانہ و مربیانہ اور محبت آمیز رویہ رکھتے تھے۔ آپ طلبہ پر نہایت مہربان تھے، انھیں شفقت و محبت سے نوازتے اور ہر طرح ان کی خدمت کرتے حتیٰ کہ غریب و نادار طلبہ کو خفیہ طور پر خرچ کے لیے رقوم بھی عنایت فرماتے۔ یوں ہی درس و تدریس کے ذریعہ ان کی خدمت کرتے، نہایت شفقت و محبت سے ان کو پڑھاتے، علمِ نافع حاصل ہونے کی دعائیں دیتے، کوئی طالب علم مسئلہ دریافت کرتا یا حدیث یا فقہ کی کتاب کے آغاز کے وقت تبرکاً پڑھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ نہایت شفقت سے جواب دے کر مطمئن فرماتے، جلسۂ دستارِ فضیلت کے موقع پر علما و طلبہ کے لیے خصوصی دعوت کا اہتمام فرماتے تھے۔ خوشی کے موقع پر کھانے پکوا کر طلبہ کو کھلاتے۔ بیش تر طلبہ ایسے تھے جو دونوں وقت آپ کے یہاں کھاتے تھے، بعض طلبہ کو ان

کے ذوقِ علمی کی بنا پر آپ خود اپنے مکان پر ٹھہراتے اور نہایت لطف و کرم سے قیام و طعام کا بندوبست فرماتے نیز ان کو اپنے علمی و روحانی فیضان سے مالا مال کرتے۔ غرض یہ کہ علما کی توقیر، طلبہ سے شفقت و محبت جو آج کل بڑی بڑی ہستیوں میں مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ وہ آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

آپ کا علمی رعب و دبدبہ اور روحانیت ساری دنیا پر واضح ہے، آپ عالمِ اسلام میں مسلمانوں کی توجہ کا مرکز تھے۔ اس کے باوجود اپنے شاگرد رشید مولانا سردار احمد رضوی لائل پوری کو کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں، آپ کے ایک مکتوب کا اقتباس نشانِ خاطر کرتے ہوئے اپنے شاگرد کے تئیں اُن کی والہانہ شفقت و محبت کا اندازہ کیجیے:

> ''آپ کے مدرسہ اور خدماتِ دینی کا حال ہر آنے والے سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔ ماشاء اللہ لاحول و لاقوۃ الا باللہ۔ مولا تعالیٰ آپ کے فیض کو اور زیادہ سے زیادہ کرے اور دارین کی نعمتوں، برکتوں سے آپ کو مالا مال کرے اور بہت بہت ترقیاں ہر قسم کی دینی و دنیوی نصیب فرمائے آپ کی خدماتِ دینی کو شرفِ قبول بخشے اور بیش از بیش توفیقِ خیر دے اور آپ کو اس فقیر حقیر گناہ گار، عصیاں کار کے لیے سرمایۂ نجات بنائے۔ آپ کی دینی خدمات سُن سُن کر دل باغ باغ ہے۔'' (59)

دورِ حاضر کے اساتذہ کے لیے مفتیِ اعظم قدس سرہ کا اپنے تلامذہ کے ساتھ یہ محبت آمیز رویہ ایک درس پیش کرتا ہے کہ اتنی عظیم اور بلند پایہ شخصیت جب اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ رکھتی تھی تو انھیں بھی چاہیے کہ آپ کے اس طرزِ عمل کو مشعلِ راہ بنائیں۔

مفتیِ اعظم قدس سرہ کے تلامذہ

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے شاگردوں اور آپ سے علمی و فقہی استفادہ کرنے والوں میں بڑے بڑے علما و فقہا، مدرسین و محققین، مفسرین و محدثین، متکلمین و مناظرین گزرے ہیں جن کی ہند و پاک اور دیگر ممالک میں ایک بڑی جماعت ہے۔ گو کہ

بعض اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے ہیں اور بقیہ جو بہ قید حیات ہیں وہ ہمہ وقت دین و مذہب اور حق وصداقت کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔آپ کے تلامذہ و مستفیدین عالم، عامل، مدرس، مقرر، مفسر ومحدث، مناظر ومتکلم، منطقی و فلسفی، محقق ومصنف، فقیہ وقاضی اور مفتی ہونے کا ساتھ ساتھ ملک وملت کے بہی خواہ، ہم درد اور بے لوث خادم ہیں۔

استاذ کی سیرت وکردار، علم وعمل کی پختگی اور قول وفعل کی یکسانیت اور ہم آہنگی کا اثر تلامذہ پر ضرور پڑتا ہے۔خصوصاً جب استاذ کی علمی وروحانی قوت اپنے معاصر علما ومشائخ سے بھی خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہو۔یہی وجہ ہے کہ مفتیِ اعظم کے تلامذہ ومستفیدین رسوخ فی العلم، استقامت فی الدین، مسلک سے والہانہ محبت، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مقاصدِ علم میں ایسے ممتاز ومنفرد ہیں کہ اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت نوری بریلوی خیرآبادی اور دہلوی سلسلۂ تدریس کے ساتھ ساتھ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مظہر بریلی سلسلۂ تدریس کے وارث وامین ہیں۔اس لیے آپ کے تلامذہ میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حسین تڑپ پیدا ہوگئی۔جس نے ان کی فکری واعتقادی زندگی میں اجتماعیت، روحانیت، عزمِ مصمم، یقیں محکم اور عمل پیہم کی بے کراں دولت جمع کر دی۔آپ کے مکتب اور فیضانِ نظر نے انھیں باطل فتنوں کے مقابلوں کی ہمت وجرات بخشی۔آپ کے فیض یافتہ علما، فقہا، مفسرین، محدثین، متکلمین ومناظرین، محققین ومقننین، مصنفین ومولفین، مقررین ومدرسین، مناطقہ وفلاسفہ، ادبا وشعرا، قاضیانِ عدالت اور مفتیانِ شریعت زمانے کے ہر چیلنج کا جواب دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، اور اپنے اندر ایسی توانائی اور قوت پاتے ہیں کہ جہاں ہوں وہاں ایک جہان آباد کر دیتے ہیں۔

تحقیق سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ منظرِ اسلام ومظہرِ اسلام کے جن طلبہ نے آپ سے درس لیا یا استفادہ کیا ان کا کوئی ریکارڈ نہ رکھا گیا اس لیے آپ کے تلامذہ ومستفیدین کا شمار ممکن نہیں رہا۔لیکن یہ حقیقت تو ظاہر ہے کہ آپ کے ان گنت تلامذہ ومستفیدین آسمانِ علم وفضل کے مہر وماہ بن کر چمکے اور ان کا علمی فیض ہند وپاک اور اس کی سرحدوں کے پار بھی فضاوں کو منور کر رہا ہے۔

مفتیِ اعظم قدس سرہ کے درسی تلامذہ

مفتیِ اعظم قدس سرہ کے بے شمار تلامذہ میں سے چند کے اسمائے گرامی ذیل میں ملاحظہ ہوں

1) محدثِ پاکستان مولانا سردار احمد رضوی، گورداس پوری، بانی جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، فیصل آباد، پاکستان

2) مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی، شیخ الحدیث والفقہ جامعہ نعیمیہ لاہور، پاکستان

3) مولانا مفتی حشمت علی خاں رضوی پیلی بھیتی، بانی دارالعلوم حشمت الرضا، پیلی بھیت

4) مولانا الحاج مبین الدین امروہوی، شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ، مرادآباد

5) مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی محدث بریلوی، صدرالمدرسین مرکزالدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی

6) شارح بخاری مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

7) مولانا محمد ریحان رضا خاں رضوی بریلوی، مہتمم جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی

8) مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری میاں، صدر مفتی مرکزی دارالافتا، و بانی مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی

9) مولانا محمد خالد علی خاں رضوی، مہتمم جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

10) محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ رضوی امجدی اعظمی، بانی وسربراہِ اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

11) مولانا مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی، شیخ الحدیث وصدرالمدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

12) مولانا سید عارف رضوی نان پاروی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی

13) مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی، صدرالمدرسین جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی

14) مبلغِ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی، بانی سُنّی رضوی سوسائٹی، ماریشش

15) مولانا محمد منظور احمد فیضی رضوی، بانی مدینۃ العلوم، بھاول پور، پاکستان
16) مولانا معین الدین شافعی قادری، ناظمِ اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان
17) مولانا غلام جیلانی گھوسوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
18) مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی، مرکزی دار الافتا، بریلی
19) فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی، بانی مرکزِ تربیتِ افتا اوجھا گنج، بستی
20) مولانا بدر الدین رضوی گورکھپوری، صدر مدرس مدرسہ غوثیہ، بڑھیا، بستی
21) مولانا محمد یونس نعیمی، صدر المدرسین دار العلوم فیض الرسول، براؤں، بستی
22) مولانا محمد حنیف قادری، مدرس دار العلوم فیض الرسول، براؤں، بستی
23) مولانا قدرت اللہ رضوی، مفتی دار العلوم فیض الرسول، براؤں، بستی
24) مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی، مدیرِ عام الادارۃ الحنفیہ، کشن گنج، بہار
25) مولانا لطف اللہ قریشی رضوی علی گڑھی، خطیب شاہی جامع مسجد و مفتی شہر متھرا
26) مولانا نذیر احمد رضوی پنجابی
27) مولانا محمد اسماعیل رضوی پورنوی
28) مولانا بلال احمد رضوی بہاری، مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
29) مولانا عبد الخالق نوری بہاری، مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
30) مولانا محمد ہاشم یوسفی بہاری، مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
31) مولانا عبد الحمید رضوی افریقی
32) مولانا احمد مقدم رضوی افریقی
33) مولانا محمد میاں رضوی بریلوی
34) قاری محمد امانت رسول پیلی بھیتی
35) مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری، شیخ الحدیث و ناظم الجامعۃ الاسلامیہ، رام پور۔

وغیرہ۔(60)

افتا کے تلامذہ

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے شاگردوں میں آپ سے فتویٰ نویسی میں استفادہ کرنے والے حضرات کی تعداد کثیر ہے۔ بل کہ اگر برِ صغیر کے مفتیانِ کرام کے اسما جمع کیے جائیں تو ان میں بیش تر حضرات آپ کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہوں گے۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے درسِ افتا کے چند تلامذہ کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں:

1) محدثِ پاکستان مولانا سردار احمد رضوی، گورداس پوری، بانی جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام فیصل آباد، پاکستان

2) مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد رضوی، شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور، پاکستان

3) مفتی سید افضل حسین رضوی مونگیری، شیخ الحدیث و مفتی جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان

4) مولانا الحاج مبین الدین امروہوی، شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ، مرادآباد

5) مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رضوی اعظمی، شیخ الحدیث و مفتی جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی

6) مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی محدث بریلوی، صدرالمدرسین مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی

7) شارح بخاری مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

8) مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری میاں، صدر مفتی مرکزی دارالافتا، و بانی مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی

9) محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ رضوی امجدی اعظمی، بانی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، اعظم گڑھ

10) مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی، مرکزی دارالافتا، بریلی

11)مولانا مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی، شیخ الحدیث وصدرالمدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

12)مفتی عبدالمنان اعظمی، شیخ الحدیث و مفتی شمس العلوم، گھوسی، اعظم گڑھ

13)مفتی رجب علی رضوی نان پاروی، بانی ومہتمم مدرسہ عزیز العلوم، نان پارہ، بہرائچ

14)مولانا محمد حبیب رضا خاں رضوی بریلوی، ناظم ادارہ سُنّی دنیا، بریلی

15)مولانا مفتی ابرار حسین صدیقی تلہری، مفتی جماعت رضائے مصطفیٰ ومدیرِ اعلیٰ ماہنامہ یادگارِ رضا، بریلی

16)مولانا غلام جیلانی گھوسوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام، بریلی

17)مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، شیخ المعقولات دارالعلوم

18)مولانا غلام یزدانی گھوسوی، صدرالمدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

19)مولانا غلام یٰسین رشیدی پورنوی

20)مولانا معین الدین خاں اعظمی مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

21)مفتی محمد طاہر حسین اشرفی، مفتی رضوی دارالافتا، بریلی

22)مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی، مدیرِ عام الادارۃ الحنفیہ، کشن گنج، بہار

23)مولانا محمد حسن منظر قدیری، فاضل جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی

24)مولانا عبدالحمید رضوی، دیناجپوری

25)مفتی محمد صالح رضوی مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

26)مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی، مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

27)مولانا مظفر حسین غازی پوری، کراچی، پاکستان

28)مفتی ریاض احمد سیوانی، نائب مفتی جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی

29)مفتی جلال الدین قادری، ٹانڈہ، فیض آباد

30)مفتی عبدالغفور بہاری، مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

31)مولانا محمد انور رضوی ٹانڈوی، مفتی رضوی دارالافتا، بریلی

32)مولانا رئیس الدین رضوی پورنوی، مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔وغیرہ(61)

حضرت نوریؔ بریلوی کی شہرت و مقبولیت صرف برِ صغیر ہندو پاک تک ہی محدود نہ تھی۔ بل کہ عالمِ اسلام کے جید علما و مشائخ آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔غایبانہ طور پر آپ کی دینی و ملی، علمی و فنی خدمات اور رفعت و عظمت کے معترف اور قدرداں تھے۔آپ کے وجودِ مسعود کو عالمِ اسلام کے لیے باعثِ برکت و رحمت اور ایک نعمتِ عظمیٰ تصور فرماتے تھے۔چناں چہ 1391ھ/ 1971ء میں جب آپ تیسری مرتبہ حج و زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو اس موقع پر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے سیکڑوں افراد آپ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔بڑے بڑے جید علماے اعلام، فضلاے کرام اور مفتیانِ عظام نے آپ کے سامنے زانوے ادب تہہ فرما کر شرفِ تلمذ حاصل کیا۔آپ سے اجازتِ حدیث لی اور خلافتیں حاصل کیں۔ان میں سے چند کے اسماے گرامی ملاحظہ ہوں :

1) مفتیِ حرم علامہ مولانا سید محمد مغربی مالکی مکی

2) شیخ العلما علامہ سید امین قطبی مکی

3) حضرت علامہ مولانا مفتی سید نور

4) استاذ العلما حضرت علامہ مولانا جعفر بن کثیر

5) حضرت علامہ مولانا عمر ہمدان مکی

6) حضرت علامہ مولانا سید عباس مالکی مکی

7) حضرت علامہ مولانا عبد المالک

8) حضرت علامہ مولانا موز اعرقی

9) حضرت علامہ مولانا ابراہیم مدنی

10) حضرت علامہ مولانا محمد فضل الرحمن مدنی

11) حضرت علامہ مولانا سید علوی مالکی وغیرہ (62)

تدریسی خدمات کے تحت جائزہ لیتے ہوئے اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ مفتیِ اعظم قدس سرہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد 1328ھ/ 1910ء سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن فتویٰ نویسی کی زیادتی اور دیگر مصروفیات کے سبب آپ کا تدریسی سلسلہ تسلسل سے جاری نہ رہ سکا۔ ویسے آپ کبھی کبھار مخصوص طلبہ کو پڑھاتے رہے۔ مدارس کے اساتذہ، فارغ التحصیل طلبہ اور زیرِ تعلیم طلبہ تعطیل کے دوران بریلی حاضر ہوکر آپ کے حلقۂ شاگردی میں داخل ہوتے۔ اسی طرح تبلیغی سفر کے دوران بھی بعض علما و مشائخ آپ سے درسِ حدیث لے کر حضرت نوریؔ بریلوی کے تلامذہ میں شامل ہوکر اپنے آپ کو سعادت مند تصور کرتے۔

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ آپ اعلا تدریسی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ درسِ نظامی کے باریک باریک اُمور پر گہری نظر تھی۔ طلبہ کو نہایت شفقت و محبت سے پڑھاتے۔ آپ کا طریقۂ تعلیم اور درسِ افتا امتیازی شان کا حامل تھا۔ آپ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو اس آسانی سے سمجھاتے کہ وہ طلبہ کے ذہن نشین جاتا۔ طلبہ پر نہایت مہربان تھے، انھیں شفقت و محبت سے نوازتے، انھیں وظائف دیتے اور علمِ نافع حاصل ہونے کی دعائیں دیتے تھے۔

آپ کی تدریسی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ آپ سے بالواسطہ یا بلا واسطہ علمی و فقہی استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت نہ صرف ہند و پاک بلکہ دیگر ممالک میں بھی موجود ہے۔ جو ہمہ وقت دین و مذہب کی حفاظت و صیانت میں مصروف ہے۔

حواشی

(1) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: مفتیِ اعظم نمبر، ستمبر، نومبر 1990ء، ص 14 / 15

]نوٹ: مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی تاریخ ولادت سے متعلق مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ’’تاریخ ولادت بعض سوانح نگاروں نے 25/ جمادی الاولیٰ 1310ھ لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے، خود حضرت مفتیِ اعظم ہند نے اپنی تاریخ ولادت 22/ ذی الحجہ 1310ھ بتائی ہے۔ خود حضرت مفتیِ اعظم ہند سے

یہ سننے والے آج بھی اتنے موجود ہیں کہ ان سب کو غلط نہیں کہا جا سکتا، ایک شہرت یہ ہے کہ مفتیِ اعظم کا تاریخی نام ''محمد'' ہے۔ اس طرح کہ سالِ ولادت 1892ء ہے، اور بہ حذفِ صدی 92 کا عدد آتا ہے۔ مگر قواعد اس کی تائید نہیں کرتے۔ سنہ ہجری وعیسوی میں تطابق کے جتنے قاعدے ہیں کسی قاعدے سے تطابق نہیں ہوتا۔ ہر قاعدے سے سالِ عیسوی 1893ء آتا ہے۔ نہ معلوم کیسے اسے شہرت ہوگئی۔ بہ ہر حال! 1892ء درست نہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ الملفوظ میں اعلاحضرت کا یہ ارشاد تو مذکور ہے کہ میرے بڑے بیٹے حامد رضا کا تاریخی نام ''محمد'' ہے، ان کا سالِ ولادت 1292ھ ہے ....مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر واقعتہً حضرت مفتیِ اعظم کا نام نامی ''محمد'' بھی تاریخی ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے خصوصاً جب کہ وہی جامعِ ملفوظات ہیں۔''[......(شریف الحق امجدی، مفتی: مقالہ مفتیِ اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں، مشمولہ: انوارِ مفتیِ اعظم، رضا اکیڈمی، ممبئ، اکتوبر 1992ء، ص 275)......(علاوہ ازیں کمپیوٹر سافٹ ویئر Hijri Gregorian Converter سے بھی 22/ ذی الحجہ 1310ھ کی عیسوی تاریخ 7/ جولائی 1893ء برآمد ہوتی ہے، مُشاہد)

(2) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ج 1 ص 20

(3) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ج 1 ص 22/ 23

(4) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ج 1 ص 25

(5) محمد جلال الدین قادری: محدث اعظم پاکستان، مکتبۂ نبویہ، لاہور، ج ا ص 67

(6) مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی: حیاتِ مفتیِ اعظم کی ایک جھلک، مطبوعہ بریلی، ص 6

(7) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ج 1 ص 31/ 32

(8) شریف الحق امجدی، مفتی: مقالہ مفتیِ اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں، مشمولہ: انوارِ مفتیِ اعظم، رضا اکیڈمی، ممبئ، اکتوبر 1992ء، ص 276

(9) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اوران کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ج 1 ص 17/ 18

(10) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: مفتیِ اعظم نمبر، بریلی، ستمبر تا نومبر 1990ء ص 49

(11) محمود احمد قادری، مولانا: تذکرۂ علمائے اہلِ سنّت، مکتبۂ نبویہ، لاہور، ص 223

(12) مطیع الرحمن رضوی، مفتی: مفتیِ اعظم مفتیِ اعظم کیوں؟، رضا دارالمطالعہ، بہار 2004ء، ص 18/ 19

(13) مطیع الرحمن رضوی، مفتی: مفتیِ اعظم مفتیِ اعظم کیوں؟، رضا دارالمطالعہ، بہار 2004ء، ص 20

(14) ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، 1983ء، ص 116/ 118

(15) دبدبۂ سکندری: رامپور، اگست 1928ء، شمارہ 9، جلد 6، ص 206

(16) ماہ نامہ المیزان: ممبئی، اپریل 1987ء، ص 120 / 122
(17) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: فتاویٰ مصطفویہ، مکتبہ رضا بریلی، ج 1، ص 207
(18) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: فتاویٰ مصطفویہ، مکتبہ رضا بریلی، ج 3، ص 194 / 195
(19) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: فتاویٰ مصطفویہ، مکتبہ رضا بریلی، ج 3، ص 13 / 14
(20) مفتیِ اعظم اور علمِ حدیث: مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری: مشمولہ جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 593 / 594
(21) مفتیِ اعظم کا محدثانہ منصب: علامہ ارشد القادری: مشمولہ: جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 568
(22) فتاویٰ مصطفویہ، مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، ص 32
(23) ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، 1983ء، ص
(24) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: الملفوظ، فیاض الحسن بک سیلر، کانپور، ص 20
(25) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: مقدمہ الاستمداد، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، ص 2 / 3
(26) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 34
(27) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: مقتلِ کذب و کید، مطبع بریلی، ص 12
(28) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: فتاویٰ مصطفویہ، اختر رضا بک ڈپو، بریلی، ج 1، ص 50
(29) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 23
(30) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: سوراخ در سوراج، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 76 / 77
(31) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، مطبع بریلی، ص 52
(32) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: الملفوظ، فیاض الحسن بک سیلر، کانپور، ص 18
(33) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 11
(34) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 18
(35) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 35 / 36
(36) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 43 / 44
(37) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: مسائلِ سماع، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 10 / 11
(38) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی ممبئی، ص 7 / 8
(39) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ص 19 / 20

(40)مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی ص29/30

(41)مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی ص32/33

(42)احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص38

(43)تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، تاریخِ جماعتِ رضائے مصطفیٰ: مولانا شہاب الدین رضوی، رضا اکیڈمی، ممبئی

(44)حجاز: مفتی اعظم نمبر، دہلی 1990ء، ص106

(45)احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص108

(46)مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص20/30

(47)مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص31

(48)مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص41

(49)مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص42/44

(50)احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص11

(51)مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص53/54

(52) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج1 ص40

(53)شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج1 ص42

(54)شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج1 ص44

(55) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج1 ص44/45

(56) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج1 ص46/47

(57)ماہ نامہ استقامت ڈائجسٹ، کان پور، مفتیِ اعظم نمبر، ملخصاً مئی 1983ء، ص191

(58)پندرہ روزہ رفاقت: مفتی اعظم نمبر، پٹنہ، جلد ۱، شمارہ 5، فروری 1982ء، ص9

(59)مکتوب حضرت نوریؔ بریلوی بنام محدث اعظم پاکستان محررہ 16 شوال 1374ھ

(60)شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج1 ص58/64

(61)شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج1 ص64/67

(62)عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: ضمیمہ: مفتی اعظم، مطبوعہ بریلی، چھٹا ایڈیشن، ص77

a a a a a

☆محمد اختر الاسلام علیمی

مفتی اعظم ہند کے رخ حیات کی جھلکیاں

تم نے ہر ذرے میں برپا کردیے طوفان شوق
اک تبسم اس قدر جلووں کی طغیانی کے ساتھ

سرکار مفتی اعظم ہند کیا تھے، اور کیا ہیں، یہ نہ ہم جان سکتے ہیں اور نہ ہماری فہم وادراک اسے حیطہ تحریر میں لاسکتی ہے، پھر بھی آج تک ان پر لکھنے والوں نے لکھا ہر ہر زاویے سے لکھا، زندگی کے تمام گوشوں پر قلم اٹھایا، اب بھی لکھتے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے، میں نے بھی اپنی سعادت سمجھ کر مرشد کی ذات ماہتاب صفت کی بلا خیز کرنوں کو حصار تحریر میں قید کرنا چاہا ہے، مفتی اعظم بلاشبہہ اس عہد کی ایک ایسی نادرالوجود ہستی کا نام ہے، جس کی ہر جان اسیر محبت، ہر روح سرشار عقیدت، ہر زبان مدح وثنا میں زمزمہ سنج، انہیں کی بزم گاہ ناز میں خوشبوے الفت وعقیدت اور التہاب جذبہ کے رنگ و بو سے معمور لفظوں کے گلاب اور آرزووں کے خوشنما دیپ لیے حاضر ہوں، میرے قلم کی مژگاں پر چمکتے کچھ موتی تھے، جنہیں تحریر کی لڑی میں پرودیا ہے۔ ورنہ میری کہاں بساط کہ میں ایک کامل ترین ہستی کی رونمائی کروں اور اس کی ذات نور صفت کو قید تحریر میں لاؤں،...... سینۂ قرطاس پر ابھرے یہ کوہسار عقیدت، جن کی آغوش سے نکلتے آبشار عرفاں کی اگر کچھ چھینٹیں اس سنگ بے مایہ پر بھی پڑگئیں تو پھر اس کی قسمت چمک اٹھے، انہی امید اور آرزووں سے بوجھل ہوکر

سطروں کے چند نقوش ابھر آئے ہیں۔ ع

مرے دل میں وہ یوں سمائے جاتے ہیں

ولادت بابشارت:

ماہِ طیبہ کی دودھیا چاندنی سے درخشانی کی بھیک مانگنے والے گدائے ناز کو جان جاناں کی بارگاہ سے وہ بھیک ملی کہ خود بھی چمکا اور اس کی نوری کرنوں نے کتنوں کو افق آ گہی کا خورشید تاباں بنادیا۔ اس کی قندیل عشق کی لو سے کتنے چراغ جلتے گئے، انہیں چراغوں میں ایک چراغ ضیا خیز، حضور مفتی اعظم ہند کی ذات بابرکات بھی ہے جسے ہم ماہتاب ولایت، آفتاب رشد وہدایت، بحر عشق ومعرفت، واقف اسرار حقیقت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، نائب غوث اعظم حضور پرنور مفتی اعظم ہند ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے جاں نواز نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

آپ کی ولادت ہندوستان کے مردم خیز شہر بریلی میں ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷ر جولائی ۱۸۹۲ء بوقت صبح بروز جمعہ ہوئی، ولادت کے وقت والد ماجد امام احمد رضا شہر بریلی سے دور اپنے مرشدان طریقت کی معرفت خیز نگری میں جلوہ کناں تھے، وہیں آپ کو خواب میں فرزند کے تولد کی بشارت ملتی ہے۔

''مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفا'' کے حوالے سے یہ بشارت بروایت فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب قبلہ دام ظلہ اور بقول ان کے،...... ''صحیح اور مکمل روایت جو خود میں نے سیدی حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے سنی ہے''...... وہ اس طرح ہے:

> ''۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذا کرات رہے پھر دونوں اپنی اپنی قیامگاہوں میں آرام فرما ہوئے، اسی شب عالم خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام آل الرحمن بتایا گیا، خواب سے بیداری پر دونوں

بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقت ملاقات مبارکباد پیش کروں گا۔ فجر کی نماز کے لیے دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو، مسجد کے دروازے ہی پر دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ایک نے دوسرے کو مبارکباد پیش کی،......فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے امام احمد رضا قدس سرہ سے ارشاد فرمایا: مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں اگر اجازت ہوتو میں نومولود کو داخل سلسلہ کرلوں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے عرض کیا حضور! وہ غلام زادہ ہے داخل سلسلہ فرمالیا جائے، سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ نے مصلے پر بیٹھے بیٹھے امام احمد رضا کے نورنظر لخت جگر آل الرحمن اور مستقبل کے مجدد و مفتی اعظم کو غائبانہ داخل سلسلہ فرمالیا، حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہّ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہوجائے تو اسے دیدیں مجھے خواب میں اس کا نام آل الرحمن بتایا گیا ہے، لہٰذا نومولود کا نام ''آل الرحمٰن'' رکھیے۔ مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے، وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے، میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہوکر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا۔''

۶/ماہ کے بعد جب آپ بریلی تشریف لاتے ہیں تو اس مولود سعید کو اپنی آغوش کشودہ رحمت میں لے کر خوب خوب دعاؤں سے نوازا اور ۶/ماہ ہی کی عمر میں داخل سلسلہ فرما کہ اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، کون جانتا تھا آگے چل کر یہ بچہ روحانیت کا تاجدار ہوگا، جس کے فیضان کی ندیاں، دلوں کی بے آب و گیاہ وادی میں لالہ زاری اور سرسبزی و شادابی کی کیفیت پیدا کردیں گی جس کے عرفان کا سورج دلوں کی سونی راتوں میں طلوع ہوکر اپنی سرخ کرنیں ہر چہار جانب بکھیر دے گا اور ذرے ذرے میں ایک طوفان شوق برپا

ہو جائے گا۔ لیکن ''ولی را ولی می شناسد'' کے بمصداق حضرت نوری میاں نے

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ سر بلندی

کا مشاہدہ فرما لیا تھا کیوں کہ وہ اس حدیث ''اتقوا بفراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ''
کے آئینہ تاباں تھے، انہوں نے اپنی فراست ایمانی سے بھانپ لیا کہ یہ ایک غیر معمولی بچہ
ہے ورنہ پھر ایک چھ ماہ کے بچے کو اجازت وخلافت جیسی عظیم امانت کا امین بنا دینا بظاہر ایک
کار لا حاصل اور بے سود ہے، لیکن یہ حضرت سید المشائخ کا فیضان نظر تھا کہ کلی کھلنے سے پہلے
ہی جان رہے تھے کہ اس کے کھلتے ہی ایک جہان معطر و تازہ ہو جائے گا، جس کی نکہتوں سے
دلوں کے کوچے مہک اٹھیں گے گویا ایک نوری نے اپنی فیض بخشیوں سے سرکار مفتیِ
اعظم کو نورٌ علیٰ نور بنا دیا، مرشد برحق کی نگاہ کیمیا اثر اور عظیم والد کی بے لوث تربیت رہی کہ
حضور مفتیِ اعظم کے اس دنیا میں آنے کے بعد شعور کی آنکھیں وا ہونے اور آغوش وصال سے
ہمکناری تک زندگی کا ہر ہر لمحہ بے داغ، آئینہ کی مانند صاف وشفاف اور ہیرے کی مانند جگمگا
تا رہا، خرد سالی سے لے کر شباب وشیب کی منزلیں طے کرتے گئے لیکن ناہموار راہوں کے
غبار سے دامن حیات نا آلودہ رہا یہ تھی حسن تربیت اور فیضان نظر کی کرامت جو ہر گام انہیں
سعادت وبشارت سے ہمکنار کرتی رہی۔

تعلیم وتربیت:

جب آپ پر شعور وآگہی کے در وا ہونے لگے اور آپ نے منزل ہوش وخرد میں قدم
رکھ لیا تو آپ کو زیور علم اور تہذیب واخلاق سے آراستہ وپیراستہ کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت
کے قائم کردہ مدرسہ ''منظر اسلام'' میں داخل کر دیا گیا، آپ نے مدرسہ کے مختلف اساتذہ سے
کسب علم کیا مگر آپ کی تربیت میں سب سے زیادہ دخل آپ کے برادر اکبر حضرت حجة
الاسلام علامہ شاہ حامد رضا بریلوی قدس سرہ کا رہا، انہوں نے اس ہیرے کو خوب خوب
تراشا ہر زاویے سے رولا اور نکھارا اور جب قوم کے سامنے پیش کیا تو بڑے بڑوں کی
آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، پھر آپ نے خصوصی طور پر اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت قدست

اسرار ہم کی بارگاہ فیض رسا سے جھولیاں بھر بھر کے اکتساب نور کیا، ابتداہی سے آپ کی ذکاوت ونکتہ سنجی، جودت طبع، فکر وخیال کی بلندی، حصول علم میں کدو کاوش نمایاں رہی، آپ کے اساتذہ میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا (برادر اکبر) مولانا رحم الٰہی مظفر نگری، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی رحمہم اللہ کا شمار ہوتا ہے۔

افتا نویسی میں مہارت:

یوں تو خانوادۂ اعلیٰ حضرت ہر طرح کے علوم وفنون کا گہوارہ رہا، فضل وشرف اور خاندانی نجابت میں آج بھی امتیاز حاصل ہے، خود اعلیٰ حضرت ۵۰ ر سے زائد علوم وفنون میں اپنی نظیر آپ تھے، جس پر آپ کی تصانیف کے پیش بہا ذخیرے شاہد عدل ہیں، لیکن ان تمام خوبیوں پر مستزاد سب سے عظیم صفت جو نمایاں رہی وہ ہے تفقہ فی الدین، اور اس میدان میں آپ نے جو خصوص وامتیاز حاصل کیا وہ کسی اور کو نہ حاصل ہوا، آپ کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کی ۱۲ ر ضخیم جلدیں بنام ''فتاویٰ رضویہ'' اس کی واضح دلیل ہیں، جس کی عظمت شان، بیان وگمان سے ماوراہ اور جسے بلا شبہہ فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو فتاویٰ عالمگیری کے بعد فقہ حنفی کے ذخائر میں دوسرا سب سے بڑا کارنامہ ہے، فتاویٰ رضویہ اعلیٰ حضرت کی فقہی مہارت کا منہ بولتا ثبوت اور بحر شریعت کی شناوری کا جیتا جاگتا شاہکار ہے، جس کا اعتراف اپنوں کے علاوہ بیگانوں نے بھی کیا، اور یہ تو حدیث شریف میں ہے، مَنْ یُرِدِ اللّٰہِ بِہٖ خَیرًا یُّفَقِّہُ فِی الدِّینْ ۝ ''اللہ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے تفقہ فی الدین سے نوازتا ہے'' پھر وہ خانوادہ جس کے فضل وشرف کا طوطی چہار دانگ عالم میں بول رہا ہو، وہ اس خیر عظیم سے بھلا کیسے محروم رہتا، فتویٰ نویسی تو اس خاندان کا طرہ امتیاز تھا اور الحمدللہ آج بھی ہے، یہی وہ نمایاں وصف تھا جس نے لوگوں کو مفتی اعظم کہنے پر مجبور کردیا، بلا شبہہ آپ اس فن کے امام کہے جاسکتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں آپ جیسا تفقہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا، آپ کی ذات مرجع علماء وخواص رہی، آپ کی اصابت رائے اور فکری گیرائی کی مثال ملنی مشکل ہے، مختلف مسائل پر آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں ہیں، جس کے

کچھ نمونے ''فتاویٰ مصطفویہ'' اوّل و دوم کی شکل میں منظر عام پر آچکے ہیں، جو یقیناً علوم و معارف کے دُرشاہوار ہیں۔(ابھی حال ہی میں آپ کے فتاویٰ کی سات جلدیں منظرِ عام پر آئی ہیں، مزید جلدوں کے آنے کی توقع ہے) آپ کی فتویٰ نویسی کی ابتدا کے بارے میں حضرت مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری رقم طراز ہیں:

> مولانا ظفر الدین (بہاری) و مولانا سید عبد الرشید (عظیم آبادی) دار الافتا (بریلی) میں کام کررہے تھے ایک دن آپ دارالافتا میں پہنچے، مولانا ظفر الدین فتویٰ لکھ رہے تھے، مراجع کے لیے اٹھ کر فتاویٰ رضویہ الماری سے نکالنے لگے، حضرت (مفتی اعظم ہند) نے فرمایا، نوعمری کا زمانہ تھا، میں نے کہا، فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو، مولانا نے فرمایا، اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں، میں نے فوراً لکھ دیا، وہ رضاعت کا مسئلہ تھا،...... یہ پہلا جواب تھا آپ کا یہ واقعہ ۱۳۲۸ھ کا ہے، اصلاح کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، صحت جواب پر امام اہلسنت بہت خوش ہوئے اور ''صحیح الجواب بعون اللہ العزیز الوھاب'' لکھ کر دستخط ثبت فرمایا، اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفیٰ رضا کی مہر مولانا یقین الدین سے بنوا کر عطا فرمائی۔

(تذکرہ علماے اہلسنت مطبوعہ کانپور بحوالہ استقامت مفتی اعظم نمبر ص ۳۰۷-۳۰۸)

کہتے ہیں کہ ؎

این سعادت بزور باز ونیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تو بلاشک یہ فیضان نظر ہی تھا کہ ۱۸ رسال کی عمر میں بغیر کتاب کی مدد اور مشاہدے کے فقط حافظے کی بنا پر قلم برداشتہ مسئلہ رضاعت پر جواب لکھ دیا یہ فیضان حسن تربیت ہی تھا ورنہ مکتب کی کرامت میں یہ تاب کہاں؟ اور یہ بھی عجیب حسن اتفاق کہ امام احمد رضا قدس سرہ

کے قلم گل رقم سے جب پہلا فتویٰ صادر ہوتا ہے تو وہ بھی رضاعت ہی کا تھا اور جب ان کے آئینہ جمال و کمال سیدی مفتیِ اعظم نے قلم اٹھایا تو پہلا مسئلہ جو سپرد قلم ہوا وہ بھی مسئلہ رضاعت ہی تھا ۱۸/ سال کی عمر سے جو فتویٰ نویسی کی ابتدا ہوتی ہے تو پھر تا عمر اس کا سلسلہ باقی رہا، اور آپ کا یہی وہ نمایاں فن تھا، جس میں اس وقت برصغیر میں آپ کی نظیر پیش کرنی مشکل تھی۔

آپ کے معاصرین آپ کی علمی برتری کے قائل رہے، اختلاف کی صورت میں آپ کی جانب رجوع کیا جاتا، جس فتویٰ پر آپ کی مہر تصدیق ثبت ہوتی، پھر اس میں کسی کو چوں چرا کی گنجائش نہیں رہتی، آپ کی رائے سند اور قول فیصل کا درجہ رکھتی تھی، لاؤڈ اسپیکر پر جب نماز کے مسئلہ میں معاصر علما کے مابین اختلاف ہوا تو آپ نے بلا خوف لومۃ لائم، مائیک پر نماز کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا، تمام علماے کرام نے اس پر تصدیق فرمائی ایک دو عالم نے مخالفت کی جو شاذ کا درجہ رکھتے ہیں اور کالعدم کا۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بایں الفاظ تصدیق فرمائی، **ھذا قول العالم المطاع و ما علینا الا الاتباع** (یہ قول ایسے عالم کا ہے، جس کی اتباع کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں) کلام کی عظمت اس کے کہنے والے سے پہچانی جاتی ہے، بادشاہ کی باتیں بھی بادشاہ ہوا کرتی ہیں، یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو پھر اس پر کلام کرنے کی کوئی گنجائش رہتی، مگر اس جملے کا قائل اپنے وقت کا عظیم محدث، جلیل القدر عالم و خطیب اور بیشمار خوبیوں کا حامل شخص ہے،......

بایں ہمہ علم و فضل آپ کی ذات گونا گوں صفات کی حامل تھی جہاں آپ علم کے کوہِ گراں تھے وہیں آپ میدان عمل کے شاہسوار، زہد و پارسائی کے تاجور اور تقویٰ شعاری و عفت مآبی کے عظیم پیکر تھے، اللہ عزوجل نے اتباع شریعت کا جو جذبہ کامل آپ کو عطا فرمایا تھا وہ آپ کے بعد دیکھنے کو نہیں ملا، حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم القدسیہ فرماتے ہیں۔ ؎

متقی بن کر دکھاے اس زمانے میں کوئی ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

یہ ایک شعری مبالغہ نہیں کہ جسے صرف رواروی میں پڑھ لیا جائے بلکہ آپ کی حیات ذی شان کا مشاہدہ کرنے والوں اور آپ کی بارگاہ کے حاضر باشوں کا صحیح تجزیہ ہے، جن میں ایسی ایسی شخصیتیں ہیں جن کا ایک وزن ہے، جنکی باتیں رد نہیں کی جاسکتیں۔

رخصت کے ہوتے ہوئے عزیمت پر عمل فی زمانہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے مگر حضور مفتیِ اعظم کی ذات اس امر میں بھی تابندہ و درخشندہ ہے، آپ کی شان عزیمت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا یٰسین اختر صاحب قلم طراز ہیں، ''حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت دوبار آپ کو تقسیم ہند سے قبل حاصل ہوئی تیسری بار ۱۹۷۱ء/ ۱۳۹۱ھ میں اس شان سے عازم حرمین شریفین ہوئے کہ باوجودیکہ بہت سے علمائے کرام کے نزدیک حج کے لیے فوٹو جائز ہے مگر آپ کی عزیمت کی بنیاد پر بین الاقوامی رائج الوقت عمل کے خلاف بلا فوٹو پاسپورٹ حاصل ہوا، اور سفر حج کے درمیان جہاز میں کوئی ٹیکہ وغیرہ بھی نہ لگوا کر احتیاط و تقویٰ کی اس دور میں ایک روشن مثال قائم کی'' ...... (تین برگزیدہ شخصیتیں ص ۱۱، مطبوعہ رضوی کتاب گھر، دہلی)

یہ تھی سرکار مفتیِ اعظم کے عزیمت پر عمل کی ادنیٰ مثال، سرکار مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا مجھ پر جو حج فرض تھا میں نے اسے ادا کرلیا، اب میں ایک نفل حج کے لیے فوٹو نہ کھنچواؤں گا، افسوس کہ جس رسول محترم کی شریعت میں تصویر کشی حرام ہو اسی عظیم ہستی کے حضور ایک ناجائز کام کا ارتکاب کرکے جاؤں یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، چنانچہ جب ایک سچے عاشق نے اپنے محبوب کے حکم پر عمل کی ایک حسین مثال پیش کی تو اس بارگاہ سے بھی ایک ایسی نادر مثال سامنے آئی کہ خلاف توقع بظاہر ناممکن، بغیر فوٹو کھنچوائے اپنی بارگاہ میں اذن حضوری عطا فرمادیا، سچ ہے تاجدار کائنات کے در پر جبہ سائی کرنے والوں کو یہی مقام و انعام ملا کرتے ہیں کہ سان وگمان کا جہاں گزر نہیں، اور یہی وہ عاشقان پاک باز ہیں کہ سارا زمانہ جن کی گدائی کرتا پھرتا اور ہر سر، جن کا سودائی نظر آتا ہے۔

اتباع شریعت کی پاسداری:

شریعت میں مداہنت جائز نہیں، دنیاوی مفاد کی خاطر دین میں بے جا مداخلت

علمائے کرام نے نہ کل برداشت کی تھی اور نہ آج، لیکن تاریخ کا تاریک ترین پہلو بھی ہمیشہ سے یہی رہا کہ حکومت کے زیر سایہ نت نئے فتنے پیدا ہوتے رہے جو امارت وحکومت کی پشت پناہی میں پروان چڑھتے رہے، اہالیان حکومت نے طاقت کے بل بوتے انہیں منوانا چاہا، لیکن جہاں کچھ تعداد ان سرپھروں کی رہی، وہیں بہت سے ایسے علمائے حق بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی حقانیت کی تلوار سے ان کی مخالفت کی اور **أفضلُ الجِهادِ کلمةُ حقٍ عند سلطانٍ جائرٍ** کا عملی پیکر بن کر باطل سے نبرد آزمائی کی جس کی پاداش میں انہیں طرح طرح کی صعوبات، قید و بند، جبر واستبداد کی منزلوں سے بھی گزرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود ان کے پائے استقلال میں ہلکی سی بھی لغزش نہیں آئی، بلکہ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جس جرأت وجوانمردی کا مظاہرہ انہوں نے کیا، وہ ہماری روشن ترین تاریخ رہی ہے۔

۱۹۷۶ء کا زمانہ تھا، ملک میں ایمرجنسی کا دور دورہ تھا، حکومت ہند نے مسلم پرسنل لا میں بے جامداخلت کرتے ہوئے جبری نسبندی کا قانون لاگو کر دیا، اور بعض علما نے جو حکومت کے سکوں پر پل رہے تھے اس کے جواز کا فتویٰ دے کر ملک کے گوشے گوشے میں، میڈیا کے ذرائع کے بل بوتے پھیلانا شروع کر دیا، ایسے وقت میں جب کہ شریعت اسلامیہ کی کھلی پامالی ہورہی تھی ملی وقار کی دھجیاں بکھیری جارہی تھیں، مسلمانان ہند آپسی خلفشار اور تناؤ کے شکار ہو گئے تھے اس فتنہ خیز ماحول میں ایک ذات تھی جس کی جانب جاکر نگاہیں ٹک جاتیں وہ ذات تھی مفتیِ اعظم کی، آپ نے ایسے نازک ماحول میں بھی جس بیبا کی کا مظاہرہ کیا اسے تاریخ فراموش نہیں کرسکتی، حکومت کا دباؤ اور زنداں کی زنجیریں نہ ان کے پائے استقلال میں لچک پیدا کرسکیں اور نہ ہی کوئی ان کی زبان روک سکا، آپ نے نہایت جرأت کے ساتھ فتویٰ صادر فرمادیا کہ ''نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے'' آپ کا یہ فتویٰ صادر ہونا تھا کہ ایوان حکومت میں ایک زلزلہ پیدا ہو گیا، آپ نے اس فتویٰ کو سائیکلو اسٹائیل کرا کے پورے ہندوستان میں پھیلا دیا حکومت آپ کے فتویٰ کے خلاف بے بس ہو گئی اور اپنی سابقہ روایت کے مطابق مفتی اعظم کے خلاف وارنٹ جاری کر دیا مگر بروقت ایک

صوبائی وزیر نے مرکزی حکومت کو آگاہ کر دیا کہ اگر ایسا کیا گیا تو پھر ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، اور ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمان حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر یہ طوفان تھمنا مشکل ہو جائے گا۔ اس طرح مفتیِ اعظم کی گرفتاری کا منصوبہ ناکام رہ گیا،......

الغرض مفتیِ اعظم کی ذات ہر جہت سے ہمہ صفت موصوف نظر آتی ہے جہاں وہ علم وفن کے گنج گراں مایہ تھے وہیں ان کی زندگی کا ہر گوشہ شریعت اسلامی کی پاسداری کا اعلیٰ نمونہ تھا، آپ کی ایمانی جرأت کسی بھی قسم کی مصلحت کوشی اور چشم پوشی سے مبرا تھی، خلاف شرع کام دیکھ کر فوراً اس کے ازالے کی کوشش فرماتے، کوئی بے داڑھی والا مسلمان اگر سامنے آجاتا تو اسے داڑھی رکھنے کی تلقین فرماتے، یوں ہی اگر کوئی کھلے سر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو اسے سر پر ٹوپی رکھنے کی تاکید فرماتے، دینی محافل اور جلسے وغیرہ میں اگر کسی خطیب و شاعر سے کوئی خلاف شرع بات صادر ہوتی تو بر ملا اسے ٹوکتے اور غلطی کا ازالہ فرماتے، توبہ کراتے، اگر کبھی کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر آجاتی تو شدت کے ساتھ اس سے پردہ کراتے، یوں ہی کسی کو ستر عورت کھولے دیکھتے تو اس فعل سے منع فرماتے یا اگر کوئی کام الٹے ہاتھ سے کرتا تو اس کو اس سے روکتے اور اسلامی نظام اخلاق سے اسے آگاہ فرماتے اگر چہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، کہ اسلام کی دعوت کائنات کے ہر فرد کے لیے ہے چاہے وہ قبول کرے یا نہ کرے۔

وصال پر ملال:

شب پنجشنبہ ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء ار بج کر چالیس منٹ پر یہ مہر درخشاں افق مرگ کی پہنائیوں میں گم ہو گیا، موت کی خبر کیا تھی؟ ایک صاعقہ تھی جس نے سنا دم بخود رہ گیا، آنکھیں اشکبار ہو اٹھیں، دلوں میں حزن و یاس کا موسم طاری ہو گیا، میڈیا کے ذرائع لمحوں میں یہ خبر عالم آشکار کر گئے، پھر کیا تھا، لاکھوں سوگواروں کے قافلے سرزمین عشق بریلی کی جانب نکل پڑے، جس سے جس طرح بن پڑا، اس نے رخت سفر باندھ لیا۔

دوسرے روز، بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۳؍بج کر ۲۰؍منٹ پر اسلامیہ کالج کے وسیع گراؤنڈ میں نماز جنازہ ہوئی، جنازہ میں اتنا کثیر ازدحام تھا کہ چشمان فلک نے کسی کے جنازہ میں کبھی اتنا انبوہ کثیر شاید ہی دیکھا ہو آپ کو آپ کے والد ماجد کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں انوار و تجلیات کے قافلے بشارتوں کے ہمراہ اتر رہے تھے، ......

نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

''امام اہلسنت کا کار تجدید ۱۴؍برس کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ اوائل عمر میں جو داغ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصے تک پروان چڑھتی رہی۔ اللہ اکبر! نہ پوچھیے اس مرد حق بین کی مجاہدانہ تاریخ کہ زمینِ ہند پر نہ معلوم کتنے صاحب کمال آسمان بن کر چھائے تھے مگر شیر حق کی ایک گرج نے زمین ہند کی کایا پلٹ دی......''

علامہ مشتاق احمد نظامی

(امام احمد رضا کی شان تجدید، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی، ص۸)

a a a a a

باب چہارم

نوریات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی کتاب **الاستمداد** پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفی رضا خاں قدس سرہٗ کا حاشیہ

تکمیلات

بحمد اللہ تعالیٰ ...... یہ وہ مضامینِ جلیلہ ہیں جنھیں دیکھ کر ہر منصف ذی عقل مسلمان وہابیت پر نفرین کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ امام الوہابیہ پر عرب وعجم کے علمائے کرام نے ہمیشہ ردّ فرمائے مگر بفضلہٖ تعالیٰ یہاں جو مذکور ہوگا اکثر تازہ رد ہیں کہ اب تک نظر سے نہ گذرے ہوں گے۔ ایسے اکثر رد لفظ **'اقول'** سے شروع کیے جائیں گے **'ذٰلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمونO رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صلٰحا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمینO** یہ شرح کے وہ مضامین ہیں کہ حواشی پر گنجائش نہ ہونے سے ذیل میں لکھے گئے نیز سلیم طبیعتیں دو حرف بیان سے سمجھ لیتی ہیں، ان کے لیے اسی قدر باذنہٖ تعالیٰ بس تھا اور وہابیہ اگر شک ڈالیں تو بفضلہٖ تعالیٰ یہ تفصیل موجود و باللہ التوفیق ہر تکمیل سے پہلے وہ شعر مع ہندسۂ اقوال لکھ دیا ہے جس کی یہ تکمیل ہے کہ فہم میں آسانی ہو۔

ڈیڑھ سو اقوال امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صاحب

۱ے شہ کو رسل کو ملک کو جو مانے اس کو خدا سے چھڑاتے یہ ہیں

تکمیل ۱: اقول یہی نہیں کہ انبیا و ملائکہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماننا امام الوہابیہ نے صرف خبط ہی ٹھہرایا ہو بلکہ اُسے ہر حرام سے بدتر حرام کیا۔ صفحہ '۵۹' پر کہا آدمی کتنا ہی گناہوں میں ڈوب جائے اور محض بے حیا ہی بن جائے اور پرایا مال کھا جانے میں کچھ قصور نہ کرے اور کچھ بھلائی برائی میں امتیاز نہ کرے تو بھی شرک کرنے اور اللہ کے سوا اور کسی کو ماننے سے بہتر ہے۔ یعنی شراب پینا، چوری کرنا، ڈاکا ڈالنا، حرام کھانا، حرام کرنا، حرام

کرانا یہ سب باتیں حرام ضرور ہیں مگر انبیا و ملائکہ و محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماننا ان سب سے بدتر ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مسلمانو! کیا اسلام اسی کا نام ہے۔

۳؎ حق سے چھوٹا اُن سے اعظم نہ بیچ میں اور مناتے یہ ہیں
وہ سب رکھے چمار سے بدتر ٹھاکر کس کو بناتے یہ ہیں

تکمیل ۲: اقول، اس نے اللہ عزوجل کو بڑے سے برا اور تمام مخلوقات کو ذلیل سے ذلیل بتایا تو یہاں چار ہوئے ایک اللہ کہ بڑے سے بڑا ہے، دوسرا وہ بڑا کہ ذلیل نہیں اور اللہ سے چھوٹا ہے، تیسرا ایک ذلیل، چوتھا تمام مخلوقات کہ اُس ذلیل سے ذلیل ہے تو اللہ اور مخلوق کے درمیان دو اور ہوئے ایک بڑا کہ خدا سے بڑائی میں کم ہے دوسرا ذلیل کہ مخلوق سے ذلت میں کم ہے اور اگر یوں مانے کہ وہ ایک ہی ہے جو اللہ سے کم بڑا اور مخلوق سے کم ذلیل ہے جب بھی بیچ میں تیسرا ماننے سے چارہ نہیں۔ یہ اگر صفاتِ الٰہی کو کہا کہ نہ خالق ہیں نہ مخلوق تو اللہ کی صفتیں ذلیل ٹھہرائیں اور یہ کفر ہے اور اگر غیر صفات کو کہا تو ذات و صفات کے سوا ایک اور کو مانا کہ اللہ کا مخلوق نہیں یہ بھی کفر ہے۔ شاید ہندوؤں کے بتوں کو کہا کہ انھیں وہ ٹھاکر کہتے ہیں اور یہ تمام مخلوقات کو چمار کہتا ہے اور ٹھاکر چمار سے بڑا ہوتا ہے اور باھمن سے ذلیل وہ باھمن اس کا معبود ہوا۔

۴؎ لا واللہ وہ شانِ خدا ہے ذرّے سے جس کو گراتے یہ ہیں
رب کا مقابل سمجھے رسل کو اپنا شرک بھلاتے یہ ہیں
ان کی عزت حق سے جدا ہے دونوں کی تول کراتے یہ ہیں

تکمیل ۳: وہاں چمار سے بھی ذلیل کہا یہاں ذرّہ ناچیز سے بھی کمتر یعنی چوہڑے چمار سے بھی بدتر کہ وہ پھر انسان ہیں اور انسان کو عزت بخشی ہے ''ولقد کرمنا بنی آدم'' اور اپنی گالی کا پردہ یہ رکھا کہ ہم نے تو اللہ کی شان کے روبرو کہا ہے۔ **اقول ما قدروا اللہ حق قدرہٖ** ظالموں نے اللہ ہی کی شان کی قدر نہ کی۔ اللہ عزوجل ایک قوم کا حال بیان فرماتا ہے ''**یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رُسلہ**'' اللہ اور اُس کے رسولوں میں جدائی ڈالنی

چاہتے ہیں، فرماتا ہے "اولئك هم الكفرون حقا"، یہی حقیقی کافر ہیں اللہ اور اُس کے رسولوں میں یہ جدائی ڈالنا ہے کہ ان کی عزت، ان کی عظمت اللہ کی عزت و عظمت سے جدا ہے۔ حاش للہ انبیا کی شان اللہ ہی کی شان ہے۔ انبیا کی عزت اللہ ہی کی عزت ہے، انبیا کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہے۔ دیکھو ائمہ دین نے فرمایا ہے کہ غیر خدا کے لیے تواضع حرام ہے پھر

☆ حواشی ☆

[1] بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ غضب سے اُسی کی پناہ پھر اُس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ جب وہ کسی سے اُس کا دین لیتا ہے عقل وحیا پہلے چھین لیتا ہے دیوبندیوں وہابیوں پر یہ قاہر ردمدت سے بار بار شائع ہورہا ہے مگر سب خواب عدم میں ہیں وہ تو فرما ہی دیا تھا کہ دم ہے فلاں فلاں وغیرہم کسی دیوبندی یا وہابی مقلد یا غیر مقلدین بے دینوں میں دم کہاں اور دم نہیں تو جواب کیسا ع کچھ ایسا سوئے ہیں سونے والے کہ حشر تک جاگنا قسم ہے۔ سوتا کبھی جاگے بھی مردہ کیا کروٹ لے۔ مگر شیر پنجاب لامذہبی مسٹر ای اے اچ ثناء اللہ امرتسری کو پھر پھری آئی ہرچہ اہلِ حدیث ۱۶ مئی ۱۹ء میں فتاوی مبارکہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ کے رسالہ باب العقائد والکلام کا مضمون ہدایت مشحون (جس میں عام وہابیہ کی ۶۴ ضلالتیں خباثتیں اور ان کے ساتھ دیوبندیہ کی ۸۲ اور ان کے ساتھ غیر مقلدوں کی پوری سو مع سند وحوالہ مذکور ہیں جن میں یہ قاہر رد بھی ہے، نقل کر کے اپنا اور اپنے عینی بھائیوں کا دکھڑا رو یا جواب ناممکن تھا مگر قسموں کی ڈھال بنائی کہ ہم خدا کو اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ ہم پر دیوبندیوں وہابیوں پر سراسر بہتان ہے جھوٹ ہے افترا ہے سبحٰن اللہ اُس رسالہ مبارکہ میں سو دلیلوں سے یہی تو ثابت فرمایا تھا کہ تم خدا کو جانتے ہی نہیں جو خدا ہے اُسے تم مانتے نہیں اور جسے مانتے ہو اللہ عزوجل اُس سے برتر و متعالی ہے پھر خدا جانے کس خدا کو گواہ کر کے یہ صریح جھوٹا حلف بک رہے ہو اللہ عزوجل پہلے ہی فرما چکا ہے یشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام۔ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ کرتا ہے۔ اور وہ سب جھگڑالووں سے بڑھ کر ڈھیٹ ہے اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ فلھم عذاب مھین۔ اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر اللہ کی راہ سے روکا اُن کے لیے خواری کا عذاب ہے۔ بات صاف تھی حوالے موجود تھے۔ اللہ بھلا کرے حامی سُنّت ماحی بدعت حاجی منشی محمد لعل خاں صاحب سلمہ کا اُنہوں نے مبارک رسالہ یک گز وسہ فاختہ بیمناک ملقب بلقب ایڈیٹر اے اچ اور اُس کے حلفی پیچ ہیچ در ہیچ کے رد میں شائع فرمایا اور آنکھوں سے معذور ایڈیٹر کو آلتاب مشعلوں سے دکھایا سو کے سو قاہر ردِ وہابیہ دیوبندیہ کی عبارات بحوالہ صفحہ نقل فرما کر ثابت کر دیے اور ان کے سوا مسٹر کے اسی پرچے سے اُن کے پندرہ کفر اور گنا دیے اور بتا دیا کہ تمہیں اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ پر ہرگز ایمان نہیں اور ساتھ ہی وہ جو مسٹر مدت سے تعریف اہلِ سُنّت میں جھولتے اور ہر ایک پر منہ آ کر پھولتے تھے اُس کا خاتمہ کر دیا اسلام کی تعریف ان سے پوچھی کہ اسلام کے مدعی ہو پہلے یہ تو بتاؤ اسلام کسے کہتے ہیں اُس کی ایسی تعریف دکھاؤ جس پر ویسے اعتراض نہ ہو سکیں جو تم تعریف اہلِ سُنّت پر بگھارتے ہو اور ساتھ ہی لکھ دیا کہ ہم کہے دیتے ہیں نہ دکھا سکو گے پھر کس منہ سے مسلمانی کے مدعی ہو نیز ثابت کر دیا کہ تمہارے انہیں اعتراضوں سے اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام و ایمان کی جو تعریفیں فرمائیں سب غلط ٹھہرتی ہیں نیز اسی پر ایک قاہر سوال کیا کہ دیکھو اللہ و رسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسولوں کو ماننا رکن ایمان بتایا اور تمہارا امام تفویت الایمان میں کہتا ہے اللہ کے سوا کسی کو نہ مان اوروں کو ماننا محض خبط ہے اب فرمایئے اللہ و رسول نے محض خبط کو رکن ایمان بنایا یا اسمٰعیل دہلوی رکن ایمان کو محض خبط کہہ کر کافر ہوا بینوا توجروا بینوا توجروا بینوا توجروا غرض وہ مختصر مبارک رسالہ قابل دید ہے کلکتہ زکریا اسٹریٹ نمبر ۲۲ حاجی صاحب موصوف سے مل سکتا ہے۔ مسٹر کا پرچہ ۱۵ شعبان کا تھا اور یہ مبارک جواب ۲۷ شعبان کو مسٹر کی منچلی نچلی طبیعت نے بہ ہزار مصیبت دو مہینے تو جھیلے چپ رہی سوچتی ہوگی کہ نہ راہ رفتن نہ روئے ماندن جواب دے تو کیا دے روشن آفتاب کو مکرانے کی بڑی آڑ جھوٹا حلف تھا اس یک گز وسہ فاختہ نے اُس کی ڈھال بھی چھلنی کر دی نہ دے تو ڈھٹائی بے حیائی کا دھرم بھرشٹ ہوتا ہے (بقیہ اگلے صفحے پر)

علما وغیرہم معظمانِ دین کے لیے تواضع کا حکم دیا ہے۔ اگر ان کی عزت اللہ ہی کی عزت نہ ہوتی تو ان کے لیے تواضع حرام ہوتی قال اللہ تعالیٰ "فان العزۃ للہ جمیعا" ساری عزت اللہ کے لیے ہے اور فرماتا ہے "وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین" عزت تو

آخر تیسرے مہینے یہی سوجھی کہ کچھ نہ کچھ بک دو رسول کو ماننا تو محض خبط ٹھہر ہی چکا ہے۔ اور اللہ بھی خیال ہی خیال ہے جو چوریاں کرے، شرابیں پیئے۔ ایسے کا کیا خوف تو جو کچھ ہے ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحی و ما نحن بمبعوثین بس یہی دنیا کی زندگی ہے اسی میں مرنا جینا اُٹھنا نہ ہوگا تو دنیا میں سکوت کی روسیاہی کیوں لیں لہٰذا ۴ ذی القعدہ کو اس مبارک رسالے پر دیز کی حیا ہوتی تو اب کوئی جواب دیا جاتا کچھ اپنی اور اپنے سارے طائفہ کی گمراہی بنائی جاتی مگر نا ممکن واقع کیونکر ہوجائے اور جھوٹے حلف کی ڈھال پہلے پاش پاش ہوچکی ہے لہٰذا اب کی اپنا اور دیوبندیوں سب کا کافر دہریہ ہونا صاف کھلے لفظوں میں قبول دیا اور جنھوں نے رسالہ مبارکہ یک گز وسہ فاختہ یا وہ ارشاد جلیل باب العقائد والکلام نہ دیکھا ہو اُن پر دن دہاڑے اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلی کہ ہم تو ایسا ماننے والوں کو کافر دہریہ کہہ رہے ہیں بھلا ہم ایسا مانتے۔ حالانکہ ہر دیکھنے والا دیکھ رہا ہے کہ یقیناً تمھیں ایسا مانتے ہو اور یقیناً تمھیں وہ ہو جسے خود کافر دہریہ کہہ رہے ہو یہ چال بھی تھانوی صاحب سے سیکھی اُنہوں نے سالہا سال قاہر ضربوں کے صدمے جھیل کر بسط البنان میں یہی ڈھرا پکڑا کہ کھلے لفظوں میں اپنا کافر ہونا قبول دیا بلکہ جتنا حکم علمائے کرام حرمین شریفین نے اُن پر لگایا تھا اُس پر بھی اضافہ کیا جس کا بیان اُن کے اقوال میں آتا ہے۔ پھر بھی اُنہوں نے اپنی بگڑی بنانے کو دم توڑنے کی کچھ حرکت مذبوحی تو کی جس پر ۱۲۲ قاہر ضربیں وقعات السنان اور ۲۹۲ سر شکن رد ادخال السنان میں ہوئے مسٹر ای اے اچ بیچارے کچھ نہ بول سکے صرف اپنے کفر و دہریت کے اقرار و اعلان پر قناعت کی اس مضمون میں اہلِ حدیث کے تقریباً سات کالم سیاہ کیے ہیں۔ ڈھائی کالم میں تو رسالہ مبارکہ کا کلام نقل کیا ہے باقی سارا رونا لٹریچر کا رویا ہے کہ طرزِ تحریر خراب ہے اور اس رونے میں بھی اپنے معدوم ایمان کو پھر رو بیٹھے فرمائے ہیں واللہ ہمیں آپ کے اختلاف عقائد کی اتنی شکایت نہیں نہ کفری اعتقادات سے اتنی نفرت جتنی آپ کے لٹریچر (طرزِ تحریر سے) مسلمانو! طرزِ تحریر کی شکایت یہی تو ہے کہ ان کے نزدیک ان کو سخت سست الفاظ کہے اب مسٹر ایڈیٹر اسلامی عقائد کو کفری اعتقادات کہہ کر حلف سے کہتے ہیں کہ اُن کو کفر سے اتنی نفرت نہیں جتنی درشت کلامی سے۔ مسلمانو! کیا یہ مسلمان کی شان ہے کہ اُسے کفر سے نفرت کم ہو مسلمانو! کفر کیا ہے اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاذ اللہ تکذیب۔ کیا یہ مسلمان کی شان ہے کہ اللہ و رسول کو جھوٹا کہنا اپنے برا کہنے سے ہلکا جانے خیر یہ تو ان کی اندرونی حالت ہے جو خود کھول دی کہ کفر سے نفرت کم ہے (کم نفی مطلق پر بھی بولتے ہیں) دل میں اللہ و رسول سے زیادہ اپنی قدر ہے (کبھی نفی محض پر بھی موجود کو تفضیل دیتے ہیں اہلِ جنت کو خیر مستقر فرمایا حالانکہ مستقر جہنم میں اصلاً خیر نہیں) یعنی نہ کفر سے صاحب ایڈیٹر کو اصلاً نفرت نہ دل میں اللہ و رسول کی اصلاً قدر و منزلت یہ ضرور سچ ہے۔ رہی شکایت طرزِ تحریر وہ ابھی ابھی بہت سہل دفع ہوتی ہے اولاً مسٹر کے جواب کو ذکر کریں وہی اس شکایت کو دفع کردے گا غرض یہ تمام کالم مسٹر نے ان مہملات میں سیاہ کیے کہ کسی طرح ٹکا دے کر خریدار اخبار یہ جانیں تو کہ مسٹر شیر پنجاب نری نرا شیر قالین نہیں جواب کے نام صرف یہ گنتی کے حرف ہیں کہ بس اس پر ہمارا آپ کا فیصلہ ہے کہ آپ ہماری کسی معتبر کتاب سے یہ حوالہ دکھا دیں بس سارے جواب کی ترکی اتنی ہی ہے جس کا حاصل وہی کانوں پر ہاتھ دھرنا جیسی اوپر سے ہوتی آئی ہے قال اللہ تعالیٰ **یحلفون باللہ ما قالوا و لقد قالوا کلمۃ الکفر و کفروا بعد اسلامھم** حلف اُٹھاتے ہیں کہ اُنہوں نے نہ کہا اور بیشک بیشک کفر کا بول کہا اور مسلمان کہلا کر کافر ہولیے۔ نہیں نہیں مجھی کو سہو ہوا جواب کی ایک سطر یہ ہے ایک اور ہے وہ اس سے بھی مزے کی ہے مسٹر نے اس کے متصل رسالہ مبارکہ کا ایک اور اعتراض نقل کیا کہ "وہابی ایسے کو خدا مانتے ہیں جو لواطت جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا حتی کہ مخنث کی طرح خود مفعول بننا کوئی خباثت کوئی فضیحت اُس کی شان کے خلاف نہیں وہ کھانے کا منہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردمی و زنی کی دونوں علامتیں بالفعل رکھتا ہے۔" مسٹر نے اس کا نام مکرر حوالہ رکھا اور جواب میں فرمایا ہم اعلان کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ و عم نوالہ کی نسبت ایسا بدعقیدہ رکھنے والا کافر بلکہ دہریہ ہے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں ہی کے لیے ہے۔ اگر ان کی عزت عزتِ الٰہی سے جدا ہوتی تو عزت کے حصے ہوجاتے۔ ساری عزت اللہ کے لیے نہ ہوتی تو اس نے اللہ ہی کی شان کو چمار سے بدتر اور ذرّۂ ناچیز سے کمتر کہا۔ اقول، ساری علت وہی فرق ڈالنا ہے کہ اس نے انبیا واولیا کو خدا کے مقابل ایک مستقل ہستی سمجھا ہے۔ وہاں کہا اللہ کی شان کے آگے یہاں کہا اس

ساتوں کالم میں صرف یہ دو سطریں جواب کی ہیں اور بس جواب ہوگیا یعنی عقل وحیا وایمان ودین سب کو۔ اب ہمیں یہاں مسٹر سے چند ضروری سوال ہیں **سوال اوّل** بہت ادب سے گزارش کہ آپ کے امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صاحب کی یک روزی اور آپ کے ہم نوا دیوبندیوں کے سرغنہ مولوی محمود حسن دیوبندی صاحب کی تحریر نظام الملک (جن کو آپ اس پرچے میں بھی ''حامیان سُنّت وناصرانِ ملت ماحیانِ بدعت'' لکھ رہے ہیں) کیا آپ کے یہاں کی معتبر کتابیں نہیں۔ سارے وہابیہ تو کیا آپ کے ہم زبان ہوں گے آپ ہی اپنی تحریر پر قائم رہ کر ابوالوفا بنے ہو اپنی اُسی وفا کا جی رکھ کر لکھ تو جایئے کہ ہاں ہاں اسمٰعیل دہلوی واہلِ دیوبند کافر دہریے ہیں کیا آپ ابھی ابھی اعلان نہ کرچکے پھرنا ارتداد ہے۔ **سوال دوم** مسلمانو! اس صریح خیانت اور دن دہاڑے تحریف کو دیکھئے رسالہ یک گزوسہ فاختہ صفحہ ۵ اور اُس کی اصل مبارک صفحہ ۷۴۵ مطبوعہ موجود ہیں اُن میں یوں تھا لواطت کا مرتکب ہونا خود مفعول بننا کوئی خباثت اُس کی شان کے خلاف نہیں یعنی وہابی دھرم میں یہ ناپاکیاں اُس پر ممکن ہیں اُس کا یہ بنالیا لواطت کا مرتکب ہوتا خود مفعول بنتا یعنی یہ واقع ہوتی ہیں تاکہ ناواقف کو چھل سکیں کہ دیکھو ان کا وقوع ماننا ہماری کسی معتبر کتاب میں نہیں۔ کیوں مسٹر کیا یہ ابوالوفائی کیوں مسٹر یہ دیدے کی صفائی۔ **سوال سوم** شاید جاہلوں کو یوں دھوکے دیں کہ ان وہابی کتابوں میں وہ مذہب سہی جس سے یہ سب ناپاکیاں یقیناً ثابت ہیں مگر خاص لواطت مفعولیت ان الفاظ سے تو اقرار نہیں۔ کیا ہر عاقل نہیں جانتا کہ یہ کید ضعیف میں سے ہے جب وہابی کتابوں میں اُس ملعون مذہب کی صریح تصریح ہے جس سے یہ سب یقیناً ثابت تو مان کر مکرنا کھلی ڈِھٹائی پکی بے حیائی ہے یا نہیں انہیں لفظوں کو آپ لٹریچر کا نقص کہتے ہیں سبحٰن اللہ اللہ ورسول کو برا کہیے اُس پر مسلمان پیچھا لیں تو ڈھیٹ بنیے پھر کوئی ڈھٹائی کا نام نہ لے ورنہ سڑیل لٹریچر ہے۔ **سوال چہارم** بہت اچھا ڈھٹائی نہیں آپ کے یہاں یہی ابوالوفائی ہے اپنی اُسی وفا کا صدقہ یہ تو بتادیجیے کہ اگر زید کسی کو ولد الحرام لکھے تو کیا نہ کہا جائے گا کہ اس نے اُس کی ماں کو زانیہ کہا اس پر وہ روئے پیٹے ہائے وائے مچائے کہ مجھ پر جھوٹ بہتان افترا ہے میری کسی معتبر کتاب میں یہ لفظ دکھا تو دو کہ اُس کی ماں زانیہ ہے مَیں نے تو یہ کہا کہ وہ ولد الحرام ہے تو کیا وہ عیار مکار خبیث کذاب فریبی دغاباز نہ ہوگا۔

سوال پنجم جگ بیتی سے کیا کام آپ اپنی بیتی لیجیے آپ نے اپنے ترک اسلام صفحہ ۴۴ پر دیانند کی عبارت نقل کی کیا پرمیشور رحم میں نہ تھا اور اُس پر اعتراض جمایا کہ ایشور حیض کا خون تو نہ کھاتا ہوگا مَیں بھولا پاخانے سے تو ضرور آلودہ ہوتا ہوگا (چیرز) یہ ہے مسٹری لٹریچر۔ خیر اس سے کیا غرض یہ دیکھیے کہ پاخانے سے آلودہ ہونا حیض کا خون کھانا آپ کے سوامی کی عبارت میں کہاں تھا پھر آپ نے کیونکر افترائی بہتانی جھوٹ اعتراض جما کر سُنّت نصارٰی کی تقلید سے تالیاں پیٹیں۔ نہیں نہیں اعتراض بیشک ٹھیک ہے اور جیسا وہ آپ کے سوامی پر ٹھیک ہے یہ آپ پر ٹھیک اُترا یا نہیں۔ **سوال ششم** جانے دو وہ بات جس پر یہاں آپ سارا نچوڑ رکھ رہے ہیں یعنی آپ کے معبود کا چوری کرسکنا آپ کے حامی سُنّت، ناصر ملت، ماحی بدعت نے نظام الملک میں اس کے تو خاص لفظ کی تصریح کی ہے کہ جہل ظلم چوری شراب خوری سے معارضہ کم فہمی۔ یہ کلیہ ہے کہ جو مقدور العبد ہے مقدور اللہ ہے پھر جیتی نگلنا کس کا کام ہے؟ **سوال ہفتم** یہ بھی جانے دیجیے گنتے گنتے بھول گئے پھر سرے سے گن لیجیے دھرم دھرم سے بول چلیے (۱) آپ کے دھرم میں آپ کا معبود ہاں ہاں وہی جسے آپ اپنے خیال میں اللہ جل شانہ وعم نوالہ لکھ رہے ہیں چوری کرسکتا ہے یا نہیں کہو۔ ہاں ضرور کرسکتا ہے ورنہ انسان سے قدرت میں گھٹ رہے گا (بقیہ اگلے صفحے پر)

کے روبرو، آگے اور روبرو مقابل ہی کو کہتے ہیں۔ گنگوہی صاحب نے اسی ملعون قول کا چاک سلانے کو اپنے فتاویٰ حصّہ اوّل صفحہ ۸۷

میں اس لفظ کی تصریح کی کہ فخر عالم حق تعالیٰ کے مقابلہ میں یہ ان شرک پرستوں کا کھلا شرک ہے۔ انھوں نے دو مستقل عزتیں رکھیں ایک اللہ کی دوسری انبیا اولیا کی اور ان کا

(وہ دیکھو اپنے امام الطائف کی یکروزی صفحہ ۱۴۵) ورنہ ہر مقدور العبد مقدور اللہ نہ رہے گا (وہ دیکھو اپنے حامی سُنّت ناصر ملت کی تحریر نظام الملک) ورنہ آپ کے نزدیک علی کل شیءٍ قدیر۔ نہ رہے گا (وہ دیکھو سب کذابیوں کی کج فہمی) (۲) جب وہ چوری کرسکتا ہے تو اپنی ملک چرائے گا یا پرائی۔ کہو کہو کہ پرائی۔ اپنی ملک لینا چوری نہیں ہوسکتا۔ (۳) جب وہ پرائی ملک چرائے گا تو اُس کے سوا اور بھی مالک مستقل ہوئے یا نہیں۔ کہو ہوئے اور بیشک ہوئے۔ (۴) کیا بندہ خدا کے مقابل کسی چیز کا مالک مستقل ہوسکتا ہے کہ وہ شیئے خاص اس کی ملک ہو خدا کی نہ ہو۔ کہو کہو ہر گز نہیں۔ (۵) جب بندہ خدا کے مقابل مالک مستقل نہیں ہوسکتا اور تمہارے معبود کے سوا ضرور اور بھی مالک مستقل ہے جس کا نمبر ۳ میں اقرار کرچکے ہو۔ کہو کہو جلد کہو کہ ہاں مانا اور ضرور مانا۔ (۶) بندہ کروروں کی چوری کرسکتا ہے خدا ایک ہی کی کرسکے زیادہ پر قادر نہ ہو تو یکروزی و پرچہ نظام الملک اور تم سب اصحاب عقیدۂ کذب کے نزدیک بندے سے کروروں درجے قدرت میں گرا ہوا رہے گا یا نہیں کہو ضرور رہے گا اور یہ جائز نہیں۔ (۷) جب یہ جائز نہیں تو تم پر کروروں خدا ماننا واجب ہوا یا نہیں۔ کہو کہو اور جلد کہو کہ بیشک بیشک اور یقینا یہی وہابی و دیوبندی دھرم ہے کہ خداؤں کی گنتی کروروں سے بھی سوا ہے۔ کہیے پھر جھوٹ بہتان افترا کا رونا مکاری کا رونا تھا یا نہیں؟ اُف اُف اُف تف تف تف۔ سوال ہشتم اب فرمایئے آپ خود اپنے افترا ہاں ہاں اسی پرچے سے اپنے جلی لکھے ہوئے اعلان سے کافر دہریے ہوئے یا نہیں۔ کہو کہو اور جلد کہو کہ ہوئے ہوئے بے شک ہوئے اور ہیں پھر کسی لٹریچر کی کیا شکایت کافر دہریہ کہنے سے زیادہ سخت اور کیا ہے جس کا گلہ ہے۔ کافر دہریہ شرعاً سخت لفظ کا مستحق ہے یا تعظیم تکریم کا۔ اور اگر پھر پلٹا کھاؤ کہ نہیں نہیں ہم ایسے نہیں تو یہی عرض ہے ان ثبوتوں اور خود اپنے اقرار و اعلان سے عہدہ برآ ہو جایئے۔ اُس وقت ہم آپ کی مان لیں گے کہ ہمارا اس وجہ سے آپ کو کافر کہنا غلط تھا ہم یہ لفظ فوراً واپس لیں گے مگر لٹریچر کی شکایت اب بھی بے معنی ہوگی شرعاً فقط کافر ہی سخت لفظ کا مستحق نہیں بلکہ ہر گمراہ بد دین اپنی گمراہیاں ضلالتیں جن کا مختصر بیان چابک لیث و پیکان جاں گداز و باب العقائد والکلام و یک گز و دو فاختہ و یک گز و سہ فاختہ وغیرہا رسائل میں ہے سب سے نکل کر اپنے آپ کو سُنّی مسلمان بنالیجیے اُس وقت ہم اپنے سب الفاظ واپس لیں گے اور آپ کی بڑی مدح شائع کریں گے کیوں یہ صلاح مانیے گا یا نہیں۔ سوال نہم مسٹر آپ نے تو پرچۂ ۵ شعبان ۱۶ مئی میں یہ حلف اُٹھایا اور خدا کو گواہ کر کے کہا تھا کہ یہ سراسر بہتان ہے جھوٹ ہے افترا ہے اب سو میں سے صرف ایک پر فیصلہ کیسا کہ بس اس پر ہمارا آپ کا فیصلہ ہے کہ آپ ہماری کسی معتبر کتاب سے یہ حوالہ دکھا دیں اور دیکھیے رسالہ یک گز و سہ فاختہ میں صاف متنبہ کر دیا تھا کہ بفرض باطل اگر ان پوری سو ضربوں میں بعض خالی بھی جائیں (حالانکہ وہ یقیناً سب جگر دوز و عدو سوز ہیں) جب بھی مسٹر اپنے منہ خدا کے منکر خدا سے کافر ہیں کہ وہ سراسر جھوٹ بہتان افترا کہہ چکے ہیں تو اگر اُن کو خدا پر ایمان کا ادعا ہے تو ہر ضرب کی نسبت جھوٹ بہتان افترا ہونے کا ثبوت دیں ورنہ اپنی ہی پڑھی آیت اپنے اوپر خود بھی الٹ لیں جس کا آپ ہی ترجمہ کیا ہے کہ افترا اور بہتان وہی کرتے ہیں جن کو خدا پر ایمان نہیں ہوتا طرّہ یہ کہ اپنے اسی پرچہ ۴ ذی القعدہ میں یک گز کی یہ عبارت بکف چراغی کے لیے نقل بھی کی ہے۔ یہ پھر بس ایک پر فیصلہ (ڈھٹائی بے حیائی پر آپ لٹریچر روئیں گے) کمال ابوالوفائی ہے یا نہیں ع وفا کے باپ بنے ہو وفا کا دھیان رہے۔ سوال دہم اُن سو ضربوں کا تو یہ جواب ہوا کہ اپنے منہ اپنے آپ اور اپنے حامیان سُنّت دیوبندیہ اور سارے کے سارے وہابیہ کو کافر دہریہ قبول دیا پھر (۱) وہ جو یک گز و سہ فاختہ نے ۱۵ کفر آپ ہی کی تحریر سے آپ پر بڑھائے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

باہم یوں موازنہ کیا کہ اس کے مقابل یہ چمار اور ذرّہ سے بھی بدتر ہے حالانکہ یہ اُسی کے ظل ہیں، اُسی کی عزت ان میں تجلی فرما ہے پھر ناپ تول کیسی۔ اگر بلا تشبیہ آئینے میں بادشاہ کے عکس کی اُس کے مقابل تذلیل کیجیے کہ یہ تو اُس کے سامنے نہایت ہی ذلیل و ناپاک سؤر سے بھی بدتر ہے تو یہ بادشاہ ہی کی توہین ہوگی کہ اُس عکس میں بادشاہ ہی کی خوبی جلوہ گر ہے۔ اسی لیے انبیا و اولیا سے مدد مانگنا شرک بتاتے ہیں کہ وہ ان کے نزدیک خدا سے جدا ہستی ہیں جیسے مشرکوں کے بت۔ حالانکہ اُن سے مانگنا بعینہٖ خدا سے مانگنا ہے۔

ے کفر کے کام تو آتے یہ ہیں ان کا نام دھرا ناکارے

تکمیل ۴: یہ ناپاک عبارت بھی اُسی دعویٰ صفحہ ۱۱ کے ثبوت میں لکھی کہ انبیا اولیا کو پکارنا شرک ہے۔ یہاں محبوبانِ خدا کو عاجز ناکارے کہا ہی تھا اور یہ کہ وہ کچھ فائدہ نقصان نہیں پہنچا سکتے یعنی بیل اور سانپ سے بھی گئے گزرے۔ سانپ نقصان دیتا اور بیل فائدہ پہنچاتا ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ ولھم فیھا منافع و مشارب۔** **اقول** ساتھ لگے اللہ پر بھی عنایت کہ اُسے شخص کہا ایسے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارے لوگوں کو صفحہ ۶۳ پر کہا اللہ وہ شخص ہے۔ شخص اُبھرے ہوئے جسم کو کہتے ہیں اور اللہ عزوجل جسم و جسمانیات سے پاک مگر جب اس کے نزدیک اُسے جہت و مکان سے پاک ماننا گمراہی ہے جیسا کہ عن قریب آتا ہے تو آپ ہی

(۲) وہ جو آپ کو تعریف اسلام سے عاجز بتایا وہ جو ثابت کر دیا کہ کس منہ سے ادعائے مسلمانی تم ابھی اسلام کو جانتے ہی نہیں۔ (۳) وہ جو ثابت کیا کہ مولوی امام الدین صاحب ساکن کوٹلی سلمہ کی تعریف اہلِ سُنّت پر آپ کا اعتراض بعینہ اُس تعریف اسلام پر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کی۔ (۴) نیز اُس تعریف ایمان پر جو حضور اقدس نے ارشاد فرمائی۔ (۵) بلکہ خود اللہ عزوجل پر جو اُس نے مؤمن کی تعریف کی۔ (۶) وہ جو قاہر سوال تھا کہ اللہ و رسول نے محض خبط کو رکن ایمان کیا یا اسمٰعیل اور سارے وہابی دیوبندی اور تم سب کافر۔ (۷) وہ جو دکھایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار جتنا جانتے تھے کہ ہمیں جیسے آدمی ہیں اُنہیں کے مقلد تم ہوئے۔ (۸) وہ جو طویلے کا لتیاؤ ثابت کیا تھا کہ تم نے جناب تھانوی صاحب کو کافر مشرک کہہ دیا اس جرم پر کہ اُنہوں نے تمام عالم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بندہ مانا۔ وغیرہ وغیرہ ان تمام قاہر تپانچوں کو مسٹری ہوشیاری اس پرچہ میں یوں چھپاتی ہے کہ رسالہ مذکورہ میں اور بھی بہت گھنونی باتیں ہیں جن کو نقل کر کے ہم اپنے ناظرین کو ملول کرنا نہیں چاہتے اللہ رے اغماض۔ یہ صریح مکاری اور اپنے عجز و گریز کی نہایت شرمناک طریقے سے پردہ داری ہے یا نہیں غرض ے عیار ہو بیباک ہو جو آج ہو تم ہو۔ بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے۔ مسلمانو دیکھا یہ ہے شیر قالین پنجاب کی شیری و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و الہ و صحبہ و ابنہ و حزبہ اجمعین أمین و الحمدللہ رب العلمین ۱۱۲ ع غفرلہ)

اُسے جسم ٹھہرایا۔

۸، ۹؎ ان کے منہ میں خاک ہو کس کر — مٹی میں مر کے ملاتے یہ ہیں
پھر اس کفر کی تہمت شہ پر — رکھ کر خاک اُڑاتے یہ ہیں

تکمیل ۵: مر کر مٹی میں ملنا یہ کہ جسم گل کر خاک ہو اور خاک میں خاک مل جائے یہ صریح توہین اور کلمۂ کفر ہے۔ فقہائے کرام نے اس پر حجاج کی تکفیر کی جس کا بیان کوکبہ شہابیہ میں ہے، مسلمانوں کا ایمان وہ ہے جو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیا" (زاد ابن ماجہ) فنبی اللہ حی یرزق" بے شک اللہ عزوجل نے پیغمبروں کا جسم کھانا حرام فرمایا ہے۔ نبی اللہ زندہ ہیں، رزق دیے جاتے ہیں۔ گنگوہی صاحب نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیٹھ دے کر یہاں جو اپنے امام کی حمایت بحمیت جاہلیت کی ہے اُس کی خبر گیری اُن کے اقوال میں آتی ہے۔

۱۲ تا ۱۶؎ فوق رسالت شہ میں نہیں کچھ — جملہ خصائص ڈھاتے یہ ہیں
اسرا رؤیت ختم نبوت — سب کو عدم میں سلاتے یہ ہیں

تکمیل ۶: مولیٰ عزوجل نے ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لاکھوں فضائلِ عالیہ خاصہ عطا فرمائے کہ کسی نبی و رسول نے نہ پائے از انجملہ فوق سماوات معراج ہونا، اس زندگی میں دیدارِ الٰہی ہونا، خاتم النبیین ہونا، ظاہر ہے کہ یہ فضائل فقط رسول کہنے میں نہیں آسکتے ورنہ رسول تو سب ہیں، سبھی میں ہوتے لیکن امام الوہابیہ کے نزدیک حضور کی جتنی خوبیاں، جتنے کمال ہیں سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں تو صاف کہہ دیا کہ حضور میں کوئی خوبی، کوئی کمال ایسا نہیں جو سب رسولوں میں نہ ہو۔ یہ معراج و دیدار و ختم نبوت و شفاعت کبریٰ و افضلیت مطلقہ وغیرہا تمام خصائص حضور سے صریح انکار اور کھلا کفر ہوا۔

۱۹ تا ۲۱؎ واقف ہیں احکام سے باقی — سارے فضل گماتے یہ ہیں
کل اعجاز تمام محاسن — سب پر لا کھنچواتے یہ ہیں

تکمیل ۷: اقول جب امام الوہابیہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف اتنی بڑائی مانی کہ اللہ کی راہ بتانے اور بھلے بُرے کاموں سے واقف ہیں تو باقی جملہ فضائل اور ظاہر و باطن کے تمام محاسن جمیع معجزات ان سب سے تو کفر ہوا ہی رسالت کی بھی خیر نہ رہی۔ ظاہر ہے کہ راہ بتانا اور واقف ہونا رسول کے ساتھ خاص نہیں، بس ایک عالم ہادی کی شان رہ گئی جو وہابیہ خود امام الوہابیہ کے لیے مانتے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ بتاتا اور بھلے برے کاموں سے واقف تھا۔ **اقول** بلکہ یہ خود راہ پر ہونے کو بھی مستلزم نہیں بہتیرے ہیں کہ بھلے بُرے سے واقف ہیں اور اَوروں کو راہ بتاتے اور خود عمل نہیں کرتے۔ قال اللہ تعالیٰ ''**اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون**'' کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور اپنے آپ کو بھولتے ہو اور تم کتاب پڑھتے ہو کیا تمہیں عقل نہیں۔ امام الوہابیہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بس اتنا مرتبہ رکھا۔

۲۲ے یہ بہتان بھی شہ پر رکھا کتنا حق کو ستاتے یہ ہیں

تکمیل ۸: وہاں یعنی کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معنوی افترا تھا یہاں حضور پر صریح افترا ہو گیا۔ **اقول اولاً** وہاں بڑائی کا ذکر تھا یہاں مطلق امتیاز کا اسی میں حصر ہو گیا۔ع

قدم فسق پیشتر بہتر ثانیاً: وہاں تک ہدایت باقی تھی یہاں وہ بھی اُڑ کر نری احکام دانی رہ گئی کہ حضور نے فرمایا مجھے صرف اتنا امتیاز ہے کہ میں احکام جانتا ہوں لوگ غافل۔ غرض ؎

چندانکہ رخش حسن نہد بر سر حسن ایں دہلو یک کفر نہد بر سر کفر

۲۳ے معجزۂ امّیت شہ سے پیر کا جہل ملاتے یہ ہیں

تکمیل ۹: شفا شریف امام قاضی عیاض ص ۳۳۷ میں ہے کہ ایک جوان نیک مشہور سے کسی نے کہا چپ کہ تو اُمّی ہے۔ اس کی زبان سے نکلا کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمّی نہ تھے۔ **فکفرہ الناس** اس پر علما نے اسے کافر کہا اور وہ ڈرا، پشیمان ہوا۔ امام ابوالحسن قابسی نے فرمایا کافر کہنا تو ٹھیک نہیں، ہاں یہ اس کی خطا ہے **کون النبی امیا آیۃ لہ و کون ھذا امیا نقیصۃ فیہ و جہالۃ** اُمّی ہونا حضور کے لیے معجزہ ہے اور اس کا ناخواندہ ہونا اس میں عیب و جہالت

ہے، سزا کا مستحق تھا اب کہ نادم ہوا چھوڑ دیا جائے۔

۲۴؎ شہ کے حکم پہ چلنے میں بھی شرک کی ہنڈی پٹاتے یہ ہیں

تکمیل ۱۰: دہلوی نے جس بات کو شرک کہا یعنی نبی کے حکم پر چلنا جو وہ برتنے کہیں برتنا، جس سے منع فرمائیں باز رہنا، قرآن عظیم نے بعینہٖ اسی بات کا حکم دیا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ''وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہُ فانتھوا'' رسول جو کچھ تمھیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ یہ قرآن مجید میں شرک مانا بلکہ حضور اور تمام رسولوں کی رسالت سے انکار ہوا۔ رسول بھیجے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ اُن کے حکم پر چلیں جو برتنا فرمائیں برتیں، جس سے منع فرمائیں دور رہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ'' ہم نے تمام رسول اسی لیے بھیجے کہ ان کا حکم مانا جائے، اللہ کی پروانگی سے۔

۲۵؎ ورد کلمۂ طیب پر بھی شرک کا مونھ پھیلاتے یہ ہیں

تکمیل ۱۱: اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس میں اللہ کا نام بھی تو جپنا ہے کہ شرک تو دوسرے کے ملانے ہی کو کہتے ہیں نہ یہ کہ خاص دوسرے ہی کے لیے ہو۔ تفویت الایمان ص ۱۷ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کوئی کچھ میرے واسطے کرے اور غیر کو بھی اُس میں شریک کردے تو میں اپنا حصہ بھی نہیں لیتا سارے کو چھوڑ دیتا ہوں اور اس سے بیزار ہو جاتا ہوں۔

۲۶؎ دم میں کروروں ہمسر شہ ہوں ایسی مشین دھراتے یہ ہیں

تکمیل ۱۲: یہ حضور کے ان تمام فضائل سے کفر ہے جن میں شرکت ناممکن جیسے افضل مخلوقات و خاتم النبیین وسید المرسلین واوّل مخلوق واوّل شافع واوّل مشفع کہ حضور میں یہ فضائل ہوتے تو دوسرا حضور کے برابر ایک بھی نہ ہوسکتا کہ ان میں کوئی فضل دو کو ملنا محال نہ کہ ایک آن میں کروروں تو ضرور ہے کہ اس کے نزدیک حضور کے یہ سب فضائل باطل۔

۲۷؎ معجزے سے بہتیرے جادو اکمل و اقویٰ گاتے یہ ہیں

تکمیل ۱۳: **اقول** جب امام الوہابیہ کے دھرم میں معجزے سے کامل وقوی تر عجائب جادوگر دکھا

سکتے ہیں پھر معجزے سے نبوت پر یقین کا کیا ذریعہ، یہ فرق کہ نبی بے آلات دکھاتا ہے اور ساحر آلات سے کیا کام دے گا کہ آلات ساحر پر اطلاع کیا ضرور اور جب وہاں بے اطلاع آلات اس سے بڑھ کر دیکھیں تو یہ ساحر پر کیوں نہ ایمان لائیں گے اور اگر باوصف جہل آلات اسے ساحر کہیں تو نبی کو کیوں نہ کہیں گے جیسے ان کے بھائی کہا ہی کرتے۔

۲۸ ساحر قادر لیکن شہ کو پتھر محض بناتے یہ ہیں

تکمیل ۱۴: اقول ظاہر ہے کہ سحر حرام ہے اور حرام وحلال افعال اختیاریہ ہیں، جو کام انسان کی قدرت ہی میں نہ ہو جیسے نبض کی حرکت وہ حرام نہیں ہوسکتا تو سحر پر ضرور ساحر کو قدرتِ عطائیہ ہے۔ جیسے کھانے پینے وغیرہ تمام افعال اختیاریہ پر لیکن امام الوہابیہ نبی کو معجزہ میں عاجز محض بتاتا ہے کہ جو خدا کی دی ہوئی قدرت مانے اسے بھی بے شک کافر مشرک کہتا ہے۔ یہ قرآن عظیم کی صریح تکذیب ہے اسے تو بعد کو ذکر کروں گا پہلے اس کفریہ دہلوی پر گنگوہی رجسٹری کو ذکر کروں یہاں گنگوہی صاحب کے سائل نے شرح مواقف کی عبارت بھی نقل کی تھی جس میں تصریح ہے کہ معجزہ کا قدرت نبی سے ہونا ہی اصح ہے بلکہ بعض جو غیر مقدور کہتے ہیں خود اس قدرت نبی کو معجزہ کہتے ہیں۔ یہ قدرت ضرور نبی کی قدرت سے نہیں بلکہ بعطائے الٰہی ہے تو فعل خارق عادت بالاتفاق قدرتِ نبی سے ہوا یعنی اہلِ سُنّت کے دونوں فریق یا کم از کم اصح قول والے اسمٰعیل کے نزدیک بے شک کافر مشرک ہیں۔ سائل نے اسی کے مثل شرح مقاصد کی عبارت بتائی اسمٰعیل کو کتب عقائد سے جو یہ خلاف ہے اس کی نسبت سوال تھا۔ اب **اولاً** گنگوہی صاحب اسمٰعیل کا دامن کیا چھوڑیں اہلِ سُنّت لاکھ کافر ٹھہریں فرماتے ہیں مولوی اسمٰعیل کا کہنا حق ہے حاشا یقینا باطل ہے اہلِ حق کے نزدیک جیسے بعض معجزے محض فعل الٰہی سے ہیں بکثرت نبی کے فعل نبی کی قدرت عطائیہ سے ہیں۔

عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **ابرئ الاکمہ والابرص** مادر زاد اندھے اور برص والے کو میں اچھا کردیتا ہوں اور فرمایا **واحی الموتیٰ باذن اللّٰہ** میں مُردے جِلا دیتا ہوں اللہ کے حکم سے اور فرمایا "**وانبئکم بما تأکلون وما تدخرون فی بیوتکم**" میں

تمہیں بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو، دیکھو یہ مسیح کے افعال ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام تم ان سب آیتوں کے منکر ہو اور تمہارے نزدیک یہ چار شرک مسیح و قرآن دونوں کے ہیں۔

ثانیاً: زور زبان یہ کہ سب ان کے موافق ہیں عبارت مواقف و مقاصد بھی ان کے موافق ہے بجا ہے یہ فرمائیں کہ قدرت نبی سے ہونا ہی اصح ہے وہ کہے جو ایسا مانے یقیناً کافر ہے بھلا اس سے بڑھ کر موافقت اور کیا ہوگی۔

ثالثاً: پھر ایک مہمل تقریر گڑھی جس کا حاصل یہ ہے کہ معجزہ میں نبی مثل قلم ہوتا ہے جیسے کتابت میں قلم بے اختیار محض ہے یوں ہی معجزہ میں نبی۔ فرق اتنا ہے کہ قلم بے عقل ہے اسے کتابت کی خبر بھی نہیں اور نبی اتنا جانتا ہے کہ معجزہ ہو رہا ہے اسی جاننے کو نبی کی قدرت کہا ہے سو اس کا اثبات شرح مواقف و مقاصد میں ہے۔ بجا ہے موت کے وقت آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آپ مر رہے ہیں تو آپ کی موت آپ کی قدرت سے واقع ہوئی اس جاننے کو قدرت کہیں گے۔

رابعاً: پھر کہا مولوی اسمٰعیل اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ قدرت دے کر فارغ ہونا مثل قدرت دیگر افعال کے کہ جب چاہیں کرلیا کریں اس کا انکار ہے وہ صراحۃً مطلق قدرت کا سلب کرتا ہے۔ آپ خود نبی کو نرا قلم بنا رہے ہیں نہ یہ کہ قدرت وقت پر دی جاتی ہے نہ ایسی کہ جب چاہیں کرلیں۔

خامساً: یہ اور نیا شگوفہ ہوا کہ افعالِ عادیہ میں اللہ تعالیٰ بندوں کو قدرت دے کر فارغ ہو گیا یعنی بندہ اب اپنی قدرت سے جو چاہو کرتے رہو میں الگ ہوں، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**، یہ کھلا معتزلی پن ہے۔

سادساً: اپنا ہی فتاویٰ حصہ اوّل صفحہ ۲۱ دیکھئے۔

سوال: مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہست قدرت اولیا را ازالہ　　تیر جستہ باز گرداند ز راہ

اس کے مصداق اولیا ہیں یا نہیں؟

الجواب: کرامتِ اولیا حق ہے جب حق تعالیٰ چاہے اولیا سے کرا دیوے یہی مطلب شعر کا ہے۔ یہاں تو آپ قدرتِ اولیا پر ایمان لے آئے اور کرامت کو ان کا فعل مان لیا کرا دیوے تو کرنے والے اولیا ہوئے اور کرا دینے والا اللہ عزوجل اب وہ اسمٰعیلی فتوے دیکھیے کہ بے شک مشرک و کافر۔ یہ طویلے میں لتیاؤ کیوں۔ اسے شرک و کفر کی چڑھی ہے آپ لاکھ اسے امام مانیں وہ آپ کو بغیر کافر بنائے کب چھوڑتا ہے۔

سابعاً: یک نشد دو شد اور بھاری کافر مشرک آئے قاسم نانوتی صاحب تحذیر الناس صفحہ ۸ میں فرماتے ہیں معجزہ خاص ہر نبی کو مثل پروانہ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے گہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔ کہیے قبضہ و قدرت میں کتنا فرق ہے۔

ثامناً: آپ تو اس کے منکر تھے کہ جب چاہیں کر لیا کریں۔ نانوتوی صاحب فرماتے ہیں۔ ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے طویلے کی کوئی اینٹ بھی سلامت رکھیے گا۔

تاسعاً: رب عزوجل نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا "**فاضرب لھم طریقاً فی البحر یبساً**" اے موسیٰ تم ان کے لیے دریا میں سوکھا راستہ نکال دو کہ بنی اسرائیل پار ہو جائیں۔

عاشراً: فرماتا ہے '**واترک البحر رھوا انھم جند مغرقون**' اے موسیٰ تم دریا کو یوہیں کھلا چھوڑ دینا پار اُتر کر پانی ملا نہ دینا کہ فرعونی اس میں اُتریں اس کے بعد پانی ملے اور وہ ڈوبیں۔

اب اپنی اور اسمٰعیل کی خبریں کہیے وہ تو اس کا منکر تھا کہ نبی کو اظہارِ معجزہ کا حکم دے اور یہاں اللہ تعالیٰ نبی کو حکم ہی دے رہا ہے۔ آپ دونوں نے دونوں آیتوں کی تکذیب کی دریا میں خشک راستہ نکال دینا اور پھر پانی کو پار اُترنے کے بعد بھی رُکا رکھنا اگر موسیٰ کو اس کی قدرت نہ دی تھی تو ان کے حکم انھیں کیوں کر فرمائے تمہارے نزدیک قرآن کے دو شرک ہوئے۔

۲۹ شہ کی وجاہت شہ کی محبت زہر کہاں نہیں کھاتے یہ ہیں

تکمیل ۱۵: مسلمانوں کے ایمان میں انبیا وحضور سید الانبیا علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثنا ضرور شفیع ہیں اور ضرور بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے عظیم وجاہت ہے اور ضرور اُن کی وجاہت کے سبب اُن کی سفارش قبول ہے جو وہاں وجاہت نہیں رکھتا اُس کا کیا مونھ کہ کسی کی سفارش کرسکے۔ اُن کی وجاہت کا انکار کفر اور اُس کے سبب اُن کی شفاعت کا قبول نہ ماننا ضلال، باقی دھوکا دینے کو جو وجاہت کے معنی میں دباؤ کی پچّر لگائی کہ امیر سے دب کر سفارش مان لیتا ہے یہ محض عیاری ہے۔ وجاہت کے معنی میں لغۃً عرفاً شرعاً کہیں اس کا پتا نہیں۔ **اقول** خود صدیق حسن بھوپالی نے تفویت الایمان کے خلاصہ مسمی بہ انفکاک میں وہ دباؤ کی قید نہ رکھی اور صفحہ ۲۰ پر صاف کہا شفاعت وجاہت جس طرح کوئی بادشاہ کسی امیر کی آبرو کے سبب سے اس کی سفارش قبول کرلیتا ہے۔ یہ شفاعت اللہ پاک کی جناب میں ہرگز نہیں ہوسکتی جو کوئی کسی نبی کو اس طرح کا شفیع سمجھے وہ اصلی مشرک ہے۔ اللہ عزوجل عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو فرماتا ہے، 'وجیھاً فی الدنیا والاخرۃ' دنیا وآخرت دونوں میں وجاہت والا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو فرماتا ہے وکان عنداللّٰہ وجیھا۔ اللہ کے یہاں وجاہت والا ہے۔ بیضاوی وارشاد العقل ورغائب الفرقان ومدارک التنزیل وغیرہا میں ہے۔ الوجاھۃ فی الدنیا النبوۃ وفی الآخرۃ الشفاعۃ دنیا میں وجاہت یہ کہ نبی ہیں آخرت میں یہ کہ شفاعت کریں گے مگر امام الوہابیہ تو ان کو ناکارے لوگ، چوہڑے چمار، چمار سے بھی ذلیل، ذرّہ ناچیز سے کم تر کہتا ہے یہ ان کے لیے وجاہت کیونکر مانے۔

۳۰ شعر مذکور

تکمیل ۱۶: مسلمانوں کے ایمان میں انبیا وحضور سید الانبیا علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والثنا ضرور محبوب ہیں ان کے غلام تک محبوب ہیں 'قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ' اے محبوب تم فرمادو کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرے غلام ہوجاؤ اللہ کے محبوب ہوجاؤگے اور ضرور ان کی محبوبیت کے سبب ان کی سفارش قبول ہے۔

اقول: حدیث کا ارشاد دیکھیے کہ جب حضور شفاعت کا سجدہ کریں گے ارشاد ہوگا **یا محمد ارفع راسک وقل تطاع** اے محمد اپنا سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو کہ تمہاری اطاعت کی جائے گی، آنکھوں کا اندھا اطاعت کے لفظ کو دیکھے یہ کمالِ محبوبیت کے سبب قبولِ شفاعت نہیں تو اور کیا ہے ان کی محبوبیت کا انکار کفر اور اس کے سبب ان کی شفاعت کا قبول نہ ماننا ضلال باقی دھوکا دینے کو لاچاری کی قید بڑھانی کہ محبت سے لاچار ہو کر تقصیر معاف کردے وہی بے ایمانی ہے۔

اقول: دنیوی بادشاہوں کے یہاں بھی وجاہت ومحبت دبنے اور لاچاری کو مستلزم نہیں اگرچہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے گمراہ نے **اولاً** اس واحد قہار کو ان پر قیاس کیا۔ **ثانیاً** ان سے بھی گھٹا کر وہاں یہ حصر بڑھا لیا کہ اس کے یہاں وجاہت یا محبت کے باعث شفاعت قبول ہوئی تو دباؤ یا لاچاری ہی سے ہوگی۔ **ثالثاً** عن قریب آتا ہے کہ اس کے دھرم میں اس کے معبود کا دبنا لاچار ہونا سب کچھ روا ہے پھر کس منہ سے ایسا ماننے پر یہ مشرک بگھارتا ہے۔

۱۳؎ اصل شفاعت شہ سے ہیں کافر نام کو لفظ دکھاتے یہ ہیں

تکمیل ۱۷: مسلمانوں کو دھوکے دینے کے لیے شفاعت بالاذن کا ماننا ظاہر کیا **شفاعة بالوجاهة و بالمحبة** اس کے مقابل نہیں بلکہ وہی شفاعت بالاذن ہے مگر اس نے اس کے وہ معنی گڑھے کہ شفاعت کا خالی لفظ رہ گیا حقیقت اڑ گئی تا کہ انکار تو منھ بھر کر ہو اور جاہلوں کے چھلنے کو ہو جائے کہ ہم منکر نہیں اس میں یہ قیدیں بڑھائیں صفحہ ۳۸ (۱) وہ ہمیشہ کا چور نہیں (۲) چوری کو اس نے پیشہ نہیں ٹھہرایا نفس کی شامت سے قصور ہو گیا (۳) سو اس پر شرمندہ ہے (۴) اور رات دن ڈرتا ہے۔ مسلمانو! گنہگار کی شفاعت میں کلام ہے وہ جس سے نادراً ایک آدھ گناہ ہو گیا اور عمر بھر کے اعمال اچھے پھر اس اتفاقی گناہ پر بھی شرمندہ اور رات دن ڈرتا ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث صحیح میں فرماتے ہیں **الندم توبة** شرمندہ ہونا توبہ ہے اور جب وہ رات دن ڈر رہا ہے۔ ضرور تائب ہوا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث صحیح میں فرماتے ہیں ''**التائب من الذنب کمن لا ذنب له**'' جس نے گناہ

سے توبہ کی وہ بے گناہ کے مثل ہے ایسا شخص گنہگار ہوگا یا اعلیٰ درجے کے متقیوں میں شمار ہوگا اور لمن خاف مقام ربہ جنتٰن دوہری جنتوں کا سزاوار ہوگا۔ اس نے تو یہ کہی اور خود حضور شافع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح سنیے فرماتے ہیں ''اُترونھا للمؤمنین المتقین لا ولکنھاللمذنبین المتلوثین الخطائین'' کیا میری شفاعت ستھرے مؤمنوں کے لیے خیال کرتے ہو۔نہیں بلکہ وہ گنہگاروں آلودہ روزگاروں سخت خطا کاروں کے لیے ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے ابوموسیٰ اشعری اور امام احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے بہ سند جید عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

اقول: مسند ابوداؤد وطیالسی میں امام جعفر صادق سے ہے وہ امام باقر سے راوی وہ حضرت جابر بن عبداللہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم ''قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعتی لاھل الکبائر من اُمتی قال فقال لی جابر من لم یکن من اھل الکبائر فما لہ وللشفاعۃ'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے ہے۔امام باقر فرماتے ہیں حضرت جابر نے یہ حدیث مجھ سے بیان کرکے فرمایا جو کبیرہ گناہوں والا نہیں اسے شفاعت سے کیا علاقہ۔ دیکھو جس کے لیے فرضی شفاعت کا یہ شخص مقر ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وائمہ دین صاف فرماتے ہیں کہ اس کے لیے نہیں اور جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت بتاتے ہیں یہ شخص صاف منکر ہوا کہ ان کے لیے نہیں تو فرضی کے اقرار کا نام لیا اور واقعی سے صاف انکار کر گیا پھر فریب یہ کہ ہم کیا شفاعت کے منکر ہیں۔ قاتلھم اللّٰہ انی یؤفکون۔مطلب بھی سمجھے غرض یہ ہے کہ عام مسلمانوں کا تعلق قلبی ان کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قطع کرے وہ ان سے ناامید ہو بیٹھیں اور سمجھ لیں کہ وہ ہمارے کچھ کام نہ آئیں گے مگر الحمدللہ مسلمان اس کے بڑے کے دھوکے میں تو آئے نہیں اس کے چھلنے سے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن معاذ اللہ چھوڑ دیں گے حاشا۔

۳۲؎ اس میں بھی تخصیص ان کی نہیں کچھ مہمل گول گڑھاتے یہ ہیں

تکمیل ۱۸: اہلِ حق کے ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت کے لیے متعین ہیں بے ان کے کوئی دروازہ نہیں کھول سکتا بلکہ اَوروں کی شفاعت حضور کے سامنے ہے اور بارگاہِ عزت میں شفیع حضور، **انا صاحب شفاعتهم ولا فخر**، دہلوی نے جو مسلمانوں کا جی رکھنے دھوکا دینے کو جھوٹی ناشدنی شفاعت کا اقرار کیا اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت نہ رکھی حضور کا نام پاک تک نہ لیا بلکہ جس کو چاہے گا بنادے گا۔ یہ ان متواتر حدیثوں کی تکذیب ہے جن میں بالخصوص حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفاعت کے لیے متعین ہونا مذکور ہے ازانجملہ حدیث صحیحین ''**اعطیت خمساً لم يعطهن احد من الانبياء قبلی (الی قوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم) واعطيت الشفاعة**'' مجھے پانچ چیزیں عطا ہوئیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملیں ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت کا منصب عطا ہوا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مطلب بھی سمجھے وہ جو لاکھوں میں دو ایک ان سخت شرطوں کے نکلیں جن کے لیے شفاعت کا اس نے زبانی جھوٹا اقرار کیا ہے۔ اب انھیں کہتا ہے کہ تم اپنے محمد سے لو نہ لگاؤ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) شفاعت میں کچھ ان کا اجارہ نہیں خدا جسے چاہے گا شفیع بنادے گا۔

بیٹی تک کے نہ کام آئیں گے ۳۳ بے قدری یہ مناتے یہ ہیں

تکمیل ۱۹: یہاں دل کی کھول دی شفاعت کی پوری آخری بول دی جب صاحبزادی تک کے کام نہ آئیں گے تو دوسرے کا کیا منھ ہے کہ ان سے کچھ امید رکھے واقعی جب نا کارے لوگ کہہ دیا پھر کام آنا کیا معنی۔

اقول: اور یہ اس کا اللہ و رسول پر افترا ہے کہ حضور نے فرمایا میں آپ کو ڈرتا ہوں دوسرے کو کیا بچا سکوں اور اللہ نے اس فرمانے کا حضور کو حکم دیا ہرگز نہ آیت میں ہے نہ حضور نے فرمایا۔ وہ عظیم الشان حدیثیں ہر مسلمان کے گوش زد ہیں کہ سب انبیا نفسی نفسی فرمائیں گے اور حضور انا لھا میں ہوں شفاعت کے لیے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اقول: اور آیت میں خیانت کی اس کے متصل جو استثنا فرمایا **الا بلٰغاً من اللّٰہ و رسٰلته** اسے

ہضم کرلیا۔

۳۴؎ سب کے برابر عاجز و ناداں کار جہاں میں بتاتے یہ ہیں

تکمیل ۲۰: اس ضلالت کے رد کتاب الامن والعلیٰ و کتاب سلطنۃ المصطفیٰ میں دیکھیے جن میں روشن ثبوت ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں زمین و آسمان اور دونوں جہان میں حضور کا تصرف جاری ہے ہر نعمت حضور ہی کے ہاتھ سے ملتی ہے اور جو کچھ شرح نعت شریف میں ابھی گذرا مسلمان کے سمجھ لینے کو بس ہے کہ حضور اقدس انور خلیفہ اعظم رب اکبر جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم و وسیع اختیارات کی نسبت ائمہ دین کا کیا ایمان اور گستاخ بد دین کا کیا بہتان۔ لیکن جو مصطفی کو نہ مانے ان کا ماننا محض خبط اور ہر حرام سے بدتر جانے وہ ائمہ کو کیا مانے، اچھا قرآن کا تو نام لیتے ہیں سر دست اسی کی تین آیتیں سنیے۔

آیت ۱: **أغنٰھم اللّٰہ و رسولہ من فضلہ**، ان کو غنی کر دیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔

آیت ۲: **ولو انھم رضوا ما اٰتھم اللّٰہ رسولہ وقالوا حسبنا اللّٰہ سیؤتینا اللّٰہ من فضلہ و رسولہ**۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو انھیں اللہ اور اللہ کے رسول نے عطا بخشی اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب ہمیں دیتے ہیں اللہ و رسول اپنے فضل سے۔

آیت ۳: عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد **ابرئ الاکمہ و الابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ**، میں اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے اور برص والے کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے۔

اقول: کیا محتاج [۱] اور وہ جنھوں نے اُسے غنی کر دیا، حاجت [۲] والے اور وہ جس سے لو لگائے رہنے کا اُنھیں حکم ہے کہ اب ہمیں وہ عطا فرمائیں گے۔ مادر زاد [۳] اندھا اور وہ جو اُسے انکھیارا کر دیتے ہیں۔ برص والا [۴] اور وہ جو اسے شفا دیتے ہیں۔ مردہ [۵] اور وہ جو اُسے زندہ کر دیتے ہیں۔ یہ سب یکساں عاجز ہیں اور بے اختیار۔ اور اگر نرے عاجز بے

اختیار بھی یہ کام کر سکتے ہیں (اگر چہ ایسا نہ کہے گا مگر مجنوں) تو اولاً محتاج و مریض و اموات خود ہی کیوں نہ غنی و تندرست و زندہ ہو جاتے یہ بھی تو آخر ان کے برابر ہی کے ہیں۔ ثانیاً تم خود بھی تو ان کے برابر کے ہو کہ بندوں سے باہر نہیں انھوں نے مردے جلائے تم ایک بال تو اُکھیڑ کر جما دو۔ اور اگر کہو کہ ان کو یہ اختیار اللہ نے دیئے تو **اقول اولاً** تمہارا امام یہ شاخشانہ مانتا ہی نہیں وہ دیکھو تفویت الایمان صفحہ ۱۱ ''خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہے۔'' **ثانیاً** جب اللہ نے انھیں اختیار دیا اوروں کو نہ دیا تو دیئے بے دیئے برابر کیسے ہو گئے۔ اللہ کا دینا بھی معاذ اللہ محض بے کار گیا کوئی اندھے سے اندھا بھی بادشاہ مالک خزائن اور ایک بھیک منگے کو نہ کہے گا کہ دونوں یکساں بے زر ہیں اور نادار اگر چہ ان کے پیٹ سے وہ بھی نہ لایا۔ بات یہ ہے کہ وہابی ایمان کی دولت سے خالی اور دل کا مادر زاد اندھا ہے اسے نہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کی دولت عطا کی نہ مسیح علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے انکھیارا کیا پھر وہ کیونکر ان کے اختیارات پر ایمان لائے اندھا جب پتیائے کہ دو آنکھیں پائے۔

۳۵ شعر مذکور

تکمیل ۲۱: غنیمت ہے کہ سب کے برابر ہی نادان کہا گنگوہی نے تو اس وسعتِ علم میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لاکھوں درجے ابلیس ملعون سے گھٹا رکھا ہے۔ جیسا کہ عن قریب بیان عقائد گنگوہیہ میں آتا ہے۔ اس ضلالت کے قاہر رد کتاب **انباء المصطفیٰ** و کتاب **جلیل الدولۃ المکیہ** و کتاب **خالص الاعتقاد** میں دیکھیے جن میں روشن ثبوت ہیں کہ روزِ اوّل سے روزِ آخر تک کے ذرّے ذرّے کا علم حضور کو عطا ہوا۔ تمام جہان حضور کے پیش نظر ہے۔ دلوں کے خطروں سے آگاہ ہیں۔ سر دست یہی چار آیتیں سنیے:

آیت ۱: عٰلم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا ہ الا من ارتضی من رسول۔ اللہ غیب کا جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسول کے۔

آیت ۲: وعلمنٰہ من لدنا علما ہم نے خضر کو اپنے خاص غیب کا علم دیا۔

آیت ۳: وماھو علی الغیب بضنین۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔

آیت ۴: وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ اللہ اس لیے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کر دے ہاں اللہ اپنے رسولوں میں سے چن لیتا ہے جسے چاہے۔ دیکھو اللہ عزوجل تو رسولوں اور عام لوگوں میں علم غیب کا فرق فرماتا ہے اور یہ کہتا ہے سب یکساں نادان **اقول** قرآن نے بتایا کہ فرق کے لیے اپنی ذات سے ہونا ضرور نہیں، نہ دیئے بے دیئے یکساں ہوسکیں۔ کیا ایک جاہل اجہل کہ الف کے نام بے نہ جانے اور صدیق اکبر برابر کے جاہل ٹھہریں گے کہ صدیق کا علم بھی ذاتی نہیں۔ غرض ہر جگہ اس شخص کو دو کام ہیں۔ قرآن کی تکذیب اور رسولوں کی توہین **واللّٰہ لا یھدی القوم الظلمین۔**

۳۶ نائب اکبر قادرِ کل کو پتھر کا ٹھہراتے یہ ہیں

تکمیل ۲۲: اقول اللہ عزوجل آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے فرشتوں سے فرماتا ہے **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** بے شک میں زمین میں نائب مقرر کرنے والا ہوں اور فرماتا ہے **یٰداؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض** اے داؤد بے شک ہم نے تمہیں زمین میں نائب مقرر کیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قدرت والے کا نائب کام کریگا۔ اس کی طاقت اسے دی جائے گی جسے نہ کسی کام میں دخل نہ اس کی طاقت وہ پتھر ہوگا اور پتھر پتھر ہی کا نائب ہوسکتا ہے نہ کہ قادر کا۔ تو یہ صرف انبیا کی نہیں بلکہ ان کے رب کی توہین ہے۔

۳۷ پتھر سے بھی بدتر لاشئے محض پہ ٹھیکا کھاتے یہ ہیں

تکمیل ۲۳: اقول اولا: امام الوہابیہ نے تمام اُمتِ مرحومہ کو مشرک ٹھہرایا۔ مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے کہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفع کی اُمید نہ رکھتا ہو۔ **ثانیاً** شاہ ولی اللہ پکے مشرک ہوئے جن کے اقوال شرح نعت مبارک میں گزرے۔ **ثالثاً** اس نے تو یہ کہا لیکن قرآن کریم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لو لگی رکھنے کا حکم دیا کہ اب ہمیں اپنے کرم سے عطا فرماتے ہیں۔ آیت نمبر ۴ ۳ میں گزری اس کے نزدیک یہ قرآن عظیم

کا شرک ہے۔قرآن تو شرک سے پاک ہے۔یہی مشرک ہے جس کا بیان نمبر ۶ میں ہوا۔اس کا معلم نجدی خبیث تو یہی کہتا تھا کہ میری لکڑی محمد سے زیادہ فائدے کی ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جس سے یہ نکل سکتا کہ کچھ فائدہ ان سے بھی ہے۔اگرچہ ایک لکڑی کے فائدے سے کم مگر اس نے اصلا لگی نہ رکھی۔مطلقاً ان سے نفع کی امید شرک کردی۔کوئی دھوکا باز بے ایمان یہاں یہ کہے گا کہ بالذات بے عطائے خدا نفع رسانی کی نفی مراد ہے۔**اقول** مگر اللہ دغا بازوں کو راہ نہیں دیتا۔اولاً اُمید کے لیے بے عطائے الٰہی نافع ہونے کی کیا ضرورت ایک محتاج جہاں سے تنخواہ پائے گا اس کی امید رکھے گا۔ثانیاً وہ بددین تو صاف کہہ چکا کہ ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہ دی، نہ فائدہ پہنچانے کی نہ نقصان کردینے کی۔تفویت الایمان صفحہ ۷۔تو صراحۃً عطائی کا منکر ہی اور یہ کھلا کفر ہے۔

۳۸ جن کا چاہا خدا کا چاہا ان کا چاہا مٹاتے یہ ہیں

تکمیل ۲۴: امام الوہابیہ نے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چاہنے کو یوں معطل محض کیا۔اب احادیث سنیے صحیحین میں ہے اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سے عرض کرتی ہیں **ما اری ربک الا یسارع فی ھواک** میں حضور کے رب کو حضور کی خواہش میں جلدی ہی کرتا دیکھتی ہوں۔یعنی جو حضور چاہتے ہیں جلد وہی کردیتا ہے۔**اقول** ابن عدی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ابوطالب نے سرکار میں عرض کی **ان ربک لیطیعک** بے شک حضور کا رب حضور کی اطاعت کرتا ہے۔فرمایا **وانت یا عماہ لو اطعتہ لیطیعک** اے چچا اگر تم اس کی اطاعت کرو تو وہ تمہارا چاہا نہ ڈالے۔حاکم مستدرک میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی جب حضور روزِ قیامت سجدۂ شفاعت کریں گے۔ارشاد ہوگا **یا محمد ارفع رأسک وقل تطاع** اے محمد اپنا سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری اطاعت کی جائے گی۔بہجۃ الاسرار شریف میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ربّ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا **لا یکون فی الآخرۃ الا ما ترید** آخرت میں وہی ہوگا جو تم چاہو۔امام قسطلانی کا ارشاد شرح نعت مبارک میں گزرا کہ عالم میں کوئی حکم نافذ

نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے۔ حضور جو چاہیں اس کا خلاف نہیں ہوتا۔ نہ تمام عالم میں کوئی ان کے چاہے کو پھیرنے والا۔ شرح شفاء امام قاضی عیاض سے گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم میں تنہا حاکم ہیں اور جہاں بھر میں کسی کے محکوم نہیں۔ یہ ہیں مسلمانوں کے اعتقاد۔

۳۹ کیا ہر بار نبی و ولی سے شیطان بھوت ملاتے یہ ہیں

تکمیل ۲۵: تقویت الایمان صفحہ ۹۔ اس بات میں اولیا انبیا جن شیطان بھوت میں کچھ فرق نہیں۔ ایضاً خواہ انبیا اولیا سے کرے خواہ بھوت پری سے صفحہ ۱۱ خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا خواہ بھوت پری سے ایضاً کسی انبیا اولیا بھوت کی یہ شان نہیں۔ صفحہ ۱۲ جو کوئی کسی پیر پیغمبر بھوت پری کو صفحہ ۱۳ کسی انبیا اولیا بھوت پری کی صفحہ ۲۵ جو کوئی کسی نبی ولی نجومی رمّال برہمن اشٹی بھوت پری کو ایسا جانے صفحہ ۴۳ پیغمبر کو پکاریئے، پری کو مانیے، نجومی رمّال سے پوچھیے صفحہ ۵۰ کسی کی قبر یا چلّہ یا تھان پر دور سے قصد کرنا صفحہ ۵۱ نام کا کردی ولی نبی بھوت پری کا صفحہ ۶۱ عورتوں کا تصور باندھتے ہیں۔ کوئی حضرت بی بی کا نام ٹھہرالیتا ہے، کوئی بی بی آسیہ، کوئی لال پری، سیاہ پری، سیتلا مسانی کالی صفحہ ۶۴ کوئی نام رکھتا ہے نبی بخش، علی بخش، سیتلا بخش، گنگا بخش۔

۴۰ جو آیات بتوں میں ہیں ان کو محبوبوں پہ جماتے یہ ہیں

تکمیل ۲۶: پکارنا، مدد مانگنا وغیرہ اُمور متعلقہ بہ انبیا و اولیا و خود حضور سید الانبیا علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والسلام کے شرک بنانے کو وہ آیتیں لایا جو بتوں میں اُتری مثلاً آیت ۱، صفحہ ۷ **یعبدون من دون اللّٰہ ما لا ینفعھم و لا یضرھم و یقولون ھٰؤلاء شفعاؤنا عنداللّٰہ قل اتنبئون اللّٰہ بما لا یعلم فی السمٰوٰت و لا فی الارض سبحٰنہ وتعٰلی عما یشرکون** اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں فائدہ پہنچا سکے، نہ نقصان اور کہتے ہیں یہ اللہ کے یہاں ہمارے شفیع ہیں۔ اے محبوب تم فرمادو کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں۔ پاکی و بلندی ہے اللہ کو ان کے شرک سے **اقول** یہ آیت

کریمہ ولید و عاص وغیرہما مشرکین مکہ کے بارے میں اُتری جس میں دو ارشاد ہیں (۱) یہ کہ بت کو پوجتے ہیں جو بے جان، بے حس ہے۔ کسی طرح کا نفع نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا (۲) یہ کہ اسے اللہ کے یہاں اپنا شفیع مانتے ہیں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ اس کے سارے ملک میں کوئی بت اس قابل نہیں کہ شفاعت کر سکے۔ اس شخص نے **ایک** تو پوجنے کا پکارنا بنایا، دوم مرجع ضمیر **یعبدون** بت پرستوں سے توڑ کر عام لوگوں کو بتایا۔ **سوم ما** سے مراد غیر ذوی العقول بت تھے اسے عام کر لیا کہ یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہ دی۔ یہ تین تحریفیں کیں تاکہ آیت میں بتوں کے ساتھ انبیا و اولیا اور بت پرستوں کے ساتھ ان سے مدد مانگنے والے مسلمانوں کو ملالے کہ پکارنا تو ان کا بھی ہوتا ہے تو مطلب یہ ٹھہرا کہ انبیا و اولیا بتوں کی طرح ہیں۔ اصلاً کچھ نفع نقصان پہنچانے کے قابل نہیں۔ نہ اپنی ذات سے نہ خدا کے دیے سے کہ اللہ نے کچھ قدرت ہی نہ دی۔ یہ صریح کفر ہے حالانکہ **اولاً** ہر سمجھ وال بچہ تک جانتا کہ آدمی بلکہ جانور بھی نفع نقصان دیتا ہے۔ تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو فرعون کو مالک نفع و ضرر لکھا مگر اس کے نزدیک انبیا اس سے بھی گئے گزرے۔ **ثانیاً** اللہ عزوجل فرماتا ہے: **یزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ** یہ نبی مسلمانوں کو پاک کرتے ہیں انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔ یہ کچھ نفع پہنچانا نہ ہوا۔ **چہارم** یہ تحریفات و تعمیمات کر کے دوسرے ارشاد کو بھی اس میں ملا لیا کہ اور یہ جو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں سو یہ بات اللہ نے تو نہیں بتائی۔ آیت نے تو بتوں کی شفاعت کی نفی فرمائی تھی یہاں جن جن کو پکارنا ہوتا ہے کہ ان میں انبیا و اولیا بھی داخل سب کی شفاعت باطل ہوگئی۔ یہ کھلا کلمۂ کفر ہے۔ **پنجم** آیہ کریمہ کے ارشاد دوم میں دوسرا پلٹا لیا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمانوں زمین میں کوئی ایسا سفارشی نہیں کہ اس کو مانے اور اس کو پکارے تو کچھ فائدہ یا نقصان پہنچے۔ **اولاً** اللہ عزوجل پر صریح افترا آیت میں دو سلب کلی تھے ارشاد اوّل میں بتوں کے نفع و ضرر کا دوم میں بتوں کی شفاعت کا۔ یہ سلب کلی کہ کوئی ایسا سفارشی نہیں کہاں تھا۔ **ثانیاً** اس کی تحریفوں پر بھی صرف ان سے سلب نکلے گا جن کو پکاریں سلب کلی

کس گھر سے لائے گا۔ ثالثاً آیت میں چوتھی تحریف یہ کی کہ اس کے دونوں سلب کلی کہ جدا جدا دو حکم تھے ان میں اوّل کو دوم کی قید بنالیا۔ اللہ عزوجل نے تو مطلقاً ان کے فائدہ ونقصان کی نفی فرمائی پھر مطلقاً ان کی شفاعت کی کہ جس چیز کو پوجتے ہیں اس میں نفع نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں نہ وہ شفیع۔ اس نے یہ بنالیا کہ وہ ایسے شفیع نہیں کہ ان کے پکارنے سے کچھ فائدہ پہنچے تو بتوں کی مطلقاً شفاعت سے انکار نہ ہوا۔ رابعاً نہ ان کی مطلق نفع رسانی سے بلکہ حاصل یہ ہوا کہ ان کا پکارنا مفید نہیں اگرچہ وہ بے پکارے کتنے ہی بڑے شفیع اور کیسے ہی عظیم نفع رساں ہوں۔ خامساً فائدے کے ساتھ ساتھ نقصان ملالیا۔ کیا کوئی کسی کو اپنے نقصان کے لیے پکارتا ہے۔ یہ معنی آیت کی تخریب ہوئی۔ یہ مراد ہوتی تو آیت میں صرف **لا ینفعھم** ہوتا و **لا یضرھم** نہ فرمایا جاتا۔ سادساً پھر کہا انبیا و اولیا کی سفارش جو ہے سوا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس نے آیت میں تعمیمیں کیں اس سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ انبیا و اولیا داخل ہو گئے مگر بحال تعمیم بھی بت اس سے خارج تو نہ ہوئے۔ آیۂ کریمہ نے ان کی شفاعت کی مطلق نفی فرمائی تھی اس نے یہ پیوند لگالیا کہ وہ شفاعت جو خدا کے اختیار میں نہ ہو تو بتوں کی شفاعت بالاذن کی نفی نہ ہوئی۔ سابعاً خدا کے اختیار میں ہونے سے ماننے اور پکارنے کا نفع کیسے سلب ہو گیا۔ کیا نفع جبھی ملتا ہے کہ خدا کے اختیار سے باہر ہو۔ غرض سارا کام قرآن کی تحریف اور انبیا کی توہین ہے۔ مسلمانو! دیکھا ایک ہی آیت سے استدلال میں کتنی بے ایمانیاں کی ہیں۔ اس پر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ و احادیث سے ہیں فتاویٰ حصّہ اوّل صفحہ ۱۲۲۔ کتاب اللہ و احادیث سے ایسے استدلال تو آریہ بھی کرتے ہیں کہ تحریفیں کر کے مطلب کو بالکل کایا پلٹ کر دیا تو ان کی کتاب کو بھی کہہ دینا کہ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔ آیت ۲ صفحہ ۲۸ **و من اضل ممن یدعوا من دون اللّٰہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون**۔ اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو پکارے جو قیامت تک جواب نہ دے۔ نہ انھیں ان کے پکارنے کی خبر۔ یہ آیت اپنے کھلے لفظوں سے بتوں کے حق میں ہے کہ وہ نہ بات سنیں، نہ جواب دے

سکیں۔ بزعم خود انبیا و اولیا پر جمانے کے لیے یہ پیوند لگا لیا کہ دور دور سے پکارتے ہیں۔ آیت تو مطلقاً نفی فرما رہی تھی کہ پکارنے ہی سے غافل اور جواب کے ہی نا قابل ہیں تو اس میں دور سے پکارنا کہاں تھا۔ آیت ۳، صفحہ ۳۵ **ولا تدع من دون اللّٰہ مالا ینفعک ولا یضرک** نہ پوج اللہ کے سوا اس بے عقل چیز کو جو تجھے نہ کچھ نفع دے سکے، نہ نقصان۔ اس کا حال ابھی گزرا کہ آدمی کیا جانور تک نفع نقصان پہنچا تا ہے تو آیت خاص بتوں میں ہے مگر اس نے اپنے مطلب کی سند بنا کر انبیا کو ناکارے لوگ ٹھہرا دیا جس کی عبارت نمبر ۷ میں ہے آیت ۴ صفحہ ۶۰ **ان یدعون من دونہ الا اناثا** یہ تو اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر عورتوں کو۔ یہ بتوں میں بھی خاص عرب کے بتوں میں ہے۔ مشرکین عرب ان کے زنانے نام رکھتے۔ لات، مناۃ، عزیٰ اور ہر قبیلہ کے بت کو انثی ابن فلاں کہتے۔ فلاں قبیلے کی مادہ یا ان کی دیبی یہ عام کیونکر ہو سکتا ہے کیا اس کے نزدیک مسیح و عزیر علیہما الصلاۃ والسلام بلکہ اس کے ملعون دھرم میں تمام انبیا و اولیا مادہ ہیں جو حصر صادق آئے کہ وہ تو صرف مادہ ہی کو پکارتے ہیں۔ حضرت بی بی، بی بی آسیہ ان میں گنائیں کیا انہیں ماننے والے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و امیر المؤمنین علی و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نہیں مانتے جو اس حکم میں داخل ہوں۔ صفحہ ۶۱ نہیں پکارتے مگر عورتوں کو۔ آیۂ کریمہ میں حصر تھا فائدے میں اسے اُڑا دیا کہ اپنے خیال میں عورتوں کا تصور باندھتے ہیں۔ حضرت بی بی، بی بی آسیہ، سیتلا مسانی کالی یہ تو یہاں کے بت پرستوں میں بھی نہیں کہ کالی وغیرہ کے سوا مہادیو وغیرہ کو بھی پوجتے ہیں بالجملہ اس کی تمام سعی یہ رہی کہ جیسے بنے اللہ کے محبوبوں کو بت اور بھوت اور شیطان سے ملائے اور ان کی محبت و تعظیم پر سچے مسلمانوں کو کافر مشرک ابوجہل کے برابر بنائے لہٰذا چھانٹ چھانٹ کر بتوں، بت پرستوں کی آیتیں انبیا و غلامانِ انبیا پر ڈھالتا ہے۔ یہ ملعون کام خارجیوں لعینوں سے سیکھا ہے۔ صحیح بخاری شریف، باب قتال الخوارج والملحدین میں ہے **کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یرٰھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی اٰیت نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المسلمین**۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کو تمام مخلوق

سے بدتر جانتے تھے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے بارے میں اُتریں مسلمانوں پر ڈھالیں۔ کہیے اس حدیث صحیح بخاری کی شہادت سے دہلوی صاحب بدترین خلائق سے ہوئے یانہیں۔

۴۱ شانِ جلال حبیب حق کو سلب حواس بناتے یہ ہیں

تکمیل ۲۷: ایک اعرابی کی زبان سے انجانی میں جو یہ لفظ نکلا کہ ہم اللہ کو حضور کی جناب میں شفیع لاتے ہیں اور اس پر شانِ جلال طاری ہوئی اور فرمایا افسوس تجھ پر۔ اللہ کی شان اس سے بڑی ہے کہ اسے کسی کے سامنے شفیع بنائیں۔ بے ادب بدحواس اسے یوں بیان کرتا ہے کہ مارے دہشت کے بےحواس ہوگئے۔

۴۲ حمد کرے حق مدح نبی سے قدح سے قدر بڑھاتے یہ ہیں

تکمیل ۲۸: قرآن عظیم اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و تعظیم سے رب عزوجل کی حمد کرتا ہے۔ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ **ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین O واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم** اللہ وہ ہے جس نے بے پڑھوں میں انہیں میں سے ایک عظمت والے رسول بھیجے کہ ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتے اور وہ رسول انہیں پاک کرتے اور انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بےشک وہ ان سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور یہ رسول ان میں کے اوروں کو پاک کریں گے اور علم عطا فرمائیں گے جو ابھی نہیں آئے ہیں اور اللہ ہی عزت وحکمت والا ہے۔ اس رسول کی غلامی ملنی اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ **تبٰرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرا** بڑی برکت والا ہے وہ جس نے قرآن اُتارا اپنے بندے پر کہ وہ سارے جہان کو ڈر سنانے والے ہوں **سبحٰن**

الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیٰتنا انہ ھو السمیع البصیر پاکی ہے اسے جو رات میں لے گیا اپنے بندے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حرمت والی مسجد سے بیت المقدس تک جس کے گرد ہم نے برکت رکھی کہ انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سنتے دیکھتے ہیں کہ ان کا سا سننا دیکھنا کسی کو نہ ملا۔ مسلمان اس طریقۂ حمد الٰہی کو دیکھیں جوان کے رب کا ہے اور تفویت الایمان کی روش دیکھیں صفحہ ۱۶ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ ایضاً ذلیل سے ذلیل جیسے ایک چمار صفحہ ۲۲ پھر کسی چوہڑے چمار کا کیا ذکر صفحہ ۳۰ سب بڑے چھوٹے برابر عاجز بے اختیار بے خبر نادان صفحہ ۳۵ ناکارے لوگ صفحہ ۵۲ مختار اللہ ہے محمد کسی چیز کا مختار نہیں۔ صفحہ ۴۷ اللہ کی شان بہت بڑی ہے سب انبیا اس کے روبرو ایک ذرّہ ناچیز سے کمتر۔ گنگوہی صاحب فتاویٰ حصہ اوّل، صفحہ ۸۶ میں اس کا عذر لکھتے ہیں اس عبارت سے مراد حق تعالیٰ کی بے نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے یعنی اس کی بے نہایت بڑائی کا بیان کرنا خود اسے نہ آیا کہ قرآن کریم میں اپنے محبوب کی عظمتوں سے اپنی عظمت ظاہر فرمائی بلکہ اس کی بے نہایت بڑائی یوں ظاہر ہوگی کہ اس کے محبوبوں کی بے نہایت برائی کرو، ذرۂ ناچیز سے کمتر کہو، بھنگی چمار سے ذلیل کہو۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

۴۳ رب دیتا ہے رسل کو تسلط بے قابو ٹھہراتے یہ ہیں

تکمیل ۲۹: کسی کو کسی کے قابو میں نہ دینا تو امام الوہابیہ کا صریح جھوٹ ہے وہ بھی اللہ عزوجل پر ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، بیل، بکری وغیرہا جانور آدمی کے قابو میں دیے ہیں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ وذللنٰھا لھم فمنھا رکوبھم ومنھا یأکلون ہم نے چوپایوں کو انسان کے لیے مسخر فرمادیا تو کسی پر سوار ہوتے ہیں اور کسی کا گوشت کھاتے ہیں۔ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ رعیت بادشاہ کے قابو میں دی ہے۔ محکوم حاکم کے، اولاد ماں باپ کے، عورت شوہر کے۔ قال تعالیٰ الرجال قوامون علی النساء شاید خاص انبیا کے قابو سے انکار ہو کہ اس کے

حملے انہیں پر ہیں۔ تو سنیے اللہ عزوجل فرماتا ہے **ولکن اللّٰہ یسلط رسلہ علیٰ من یشاء و اللّٰہ علیٰ کل شیٔ قدیر** اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ **اقول** تتمۂ آیت میں رسولوں کی وسعت قابو کا ایما ہے۔ قابو دینے والا اتنی ہی چیز پر قابو دے سکتا ہے جو خود اس کے قابو میں ہے اور اللہ کی نہ قدرت محدود، نہ مشیت تو وہ تمام زمین و آسمان کی سلطنت رسولوں کے قبضہ میں دے سکتا ہے۔ خیر یہ تو ایمانی نگاہوں کے لیے ہے۔ اتنا تو بدیہی کہ اللہ تعالیٰ بعض اشخاص کو رسولوں کے قابو میں دیتا ہے پھر امام الوہابیہ کا کہنا کہ کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا یہ آیتوں کی تکذیب ہوا یا نہیں۔

۴۴ شہ کے حضور قیام ادب کو شرک بھون میں بٹھاتے یہ ہیں

تکمیل ۳۰: امام الوہابیہ نے پہلی عبارت میں تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو شرک کہا حالانکہ اختیار شرح مختار ولباب المناسک ومسلک متقسط وفتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے: **یقف کما یقف فی الصلاۃ** روضۂ انور کے حضور اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے منسک ومسلک کے لفظ یہ ہیں **قام تجاہ الوجہ الشریف خاضعا خاشعا واضعا یمینہ علیٰ شمالہ** چہرۂ انور کے مقابل کھڑا ہو خشوع وخضوع کے ساتھ، داہنا ہاتھ بائیں پر باندھے ہوئے۔ دوسری عبارت میں ہاتھ باندھنے کی قید بھی اُڑا دی۔ نرا ادب سے کھڑا رہنا ہی شرک ہو گیا۔

۴۶ طیبہ کے جنگل کے ادب پر کیا زنجیریں تڑاتے یہ ہیں
خود فرمان ﷺ رسول اللہ پر حکم شرک چڑھاتے یہ ہیں
ان کی بات تو وحیِ خدا ہے کس پر شرک جھکاتے یہ ہیں
ان ھو الا وحی یوحیٰ دیکھو کہاں چھلکاتے یہ ہیں

تکمیل ۳۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **ان ابرھیم حرم مکۃ و انی حرمت المدینۃ ما بین لا بتیھا لا یقطع عضاھھا و لا یصاد صیدھا** بے شک ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینے کی دونوں سنگستان کے بیچ میں جتنی

زمین ہے اس سب کو حرم کر دیا اس کی ببولیں نہ کاٹی جائیں اور اس کا وحشی جانور شکار نہ کیا جائے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی روایت میں ہے کہ فرمایا لا یختلی خلاھا اس کی گھاس نہ چھیلی جائے اور اس مضمون کی حدیثیں صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بکثرت ہیں جن میں سے چوبیس حدیثیں ہم نے الامن والعلیٰ میں ذکر کیں۔ یہ اس کے نزدیک معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرک ہوا۔ پر وہ تو شرک کے مٹانے والے ہیں۔ یہ خود ہی مشرک ہے پھر ان کی بات تو وحیِ خدا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم نے فرمایا تو یہ شرک کہاں پہنچا غرض

ع می تراو از لبش آنچہ درآوند وبست

دل میں شرک ہی شرک بھرا ہے سب پہ وہی چھلکاتے یہ ہیں

OOOO

۷۴۔ سن کے تبرک آبِ مدینہ شرک میں ڈوبے جاتے یہ ہیں

تکمیل ۳۲: سنن نسائی شریف میں ہے طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضور کا بقیہ وضو مانگا۔ حضور نے پانی منگا کر وضو فرمایا اور اس میں کلّی ڈالی پھر ان کے برتن میں کر دیا اور ارشاد فرمایا جب اپنے شہر میں پہنچو **فاکسروا بیعتکم وانضحوا مکانھا بھذا الماء واتخذوھا مسجدا** اپنا گرجا توڑو اور اس زمین پر یہ پانی چھڑکو اور وہاں مسجد بناؤ۔ انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے عرض کی شہر دور ہے اور گرمی سخت ہے وہاں تک جاتے جاتے پانی خشک ہو جائے گا۔ فرمایا **مدوہ من الماء فانہ لا یزدہ الا طیبا** اس میں اور پانی ملاتے رہنا کہ پاکیزگی ہی بڑھے گی۔ مدینہ طیبہ کے حوالی میں جانب غرب کے سنگستان میں ایک کنواں ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلّی فرمائی تھی جب سے برابر اہلِ مدینہ اس سے تبرک کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام اس کا پانی زمزم شریف کی طرح دور دور لے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا نام ہی زمزم شریف ہو گیا ہے۔ امام سید نور الدین علی سمہودی مدنی قدس سرہ خلاصۃ الوفا شریف میں فرماتے ہیں **بئر اھاب بصق**

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فیھا وھی بالحرۃ الغریبۃ معروفۃ الیوم بزمزم وقد قال المطری لم یزل اھل المدینۃ قدیما وخلفا یتبرکون بھا وینقل الی الافاق من مائھا کما ینقل من زمزم یسمونھا ایضاً زمزم لبرکتھا یعنی چاہ اہاب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلّی فرمائی وہ پچھان کی پتھریلی زمین میں ہے آج زمزم کے نام سے مشہور ہے اور بے شک مطری نے کہا کہ ہمیشہ اہلِ مدینہ سلف سے خلف تک اس سے تبرک کرتے ہیں۔ دور دور شہروں کو زمزم کی طرح اس کا پانی مسلمان لے جاتے ہیں۔ اس کی برکت کے سبب اسے بھی زمزم کہتے ہیں۔

۴۸ ان کو سفر طیبہ کا سقر ہے اس پر ادب کیا گاتے یہ ہیں

تکمیل ۳۳: اقول اولاً پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر سے امام الوہابیہ کا جلنا بجا ہے۔ بھوت تو اس کے گنگوہی کا خدا ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔ اس کے مکان کا دور سے قصد کرنا کیوں کر شرک کہتا ہے عجب کہ گنگوہی صاحب بھی اپنے خدا شیطان کو بھلا کر تصدیق کرتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک سب مسائل اس کے صحیح ہیں۔ حصہ اوّل صفحہ ۶۴۔ **ثانیاً** غضب یہ کہ ان کے فتاوے حصہ اوّل صفحہ ۶، ۷ میں ہے۔ سوال! جو حج کو جائے اور مدینہ منورہ نہ جائے کہ کوئی فرض واجب نہیں۔ ایک کارِ خیر ہے ناحق میں ایسے راستہ خوف ناک میں جاؤں اور روپیہ بھی صرف ہوگا۔ اس سے کیا فائدہ تو یہ کچھ گنہگار ہوگا یا نہیں۔ **الجواب** مدینے نہ جانا اس وہم سے کمی محبت فخر عالم علیہ السلام کا نشان ہے۔ ایسے وہم سے کوئی دنیا کا کام ترک نہیں ہوتا۔ **زیارت** ترک کرنا کیوں ہوا۔ ہاں واجب نہیں بعض کے نزدیک بہر حال رفع یدین و آمین بجہر سے زیادہ موجب ثواب و برکت کا ہے۔ اس کو تو باوجود فساد و خوف آبرو کے بھی ترک نہ کریں اور **زیارت** کو احتمال وہم سے بھی ترک کر دیویں کونسا حصہ کمالِ ایمان کا ہے اور روپیہ خیرات میں صرف ہونا سعادت ہے۔ مکہ سے مدینہ تک پچاس روپیے کا صرف ہے جس نے پچاس روپے کا خیال کیا اور حضور کے **مرقد مبارک** کا خیال نہ کیا اس کا ایمان و محبت لاریب ناقص ہے۔ گو گنہگار نہ ہو مگر اصل جبلت میں ہی کمی ایمان کی

ہے۔ یہ سوال دوسرے فشن کے وہابی غیر مقلد کے بارے میں تھا۔ گنگوہی صاحب مسلمانوں کو محبت حضور جتانے کے لیے اس پر گرج بیٹھے اور آگے پیچھے کا ہوش نہ رہا کہ وہ تفویت الایمانی شرک کے بھاری پہاڑ سر پر ٹوٹے خاص بقصد زیارتِ اقدس مرقد منور بارہ منزل سے سفر کو نہ صرف جائز بلکہ دینی کام بتاتے ہیں۔ **ایک شرک** موجب ثواب کہتے ہیں۔ **دو شرک** موجب برکت۔ **تین شرک** اس کے ترک میں کمالِ ایمان کا کوئی حصہ نہیں مانتے، **چار شرک**۔ اسے خیر کہا **پانچ شرک**۔ اس میں روپیہ اُٹھانا سعادت جانا۔ **چھ شرک** اس کے ترک پر ایمان ناقص جانا۔ **سات شرک** محبت حضور ناقص مانی۔ **آٹھ شرک** اسے پیدائشی کم ایمانی کہا۔ **نو شرک** یہ شرک کا نولکھا ہار آپ کے گلے میں پڑ گیا اور ہاں آپ کا دسواں تو رہ ہی گیا کہ ہاں واجب نہیں بعض کے نزدیک جس سے ظاہر کہ وہ قول ضعیف ہے اور راجح وجوب ہے یا کم از کم مذہب اسلام میں اس کے وجوب کا بھی قول ہے۔ **دس شرک تلک عشرة کاملة** اور آپ مقر ہیں کہ بندے کے نزدیک سب مسائل اس کے صحیح ہیں تو آپ اقراری دہ چند مشرک ہیں مبارک باد۔ یہ تو تفویت الایمانی نمبر تھے اب اسلامی نگاہ سے دیکھیے کہ جھوٹی بناوٹی محبت حضور کا پردہ کھلے وہ مردک مردود۔ اس سے کیا فائدہ کہتا بلکہ صاف لفظ ناحق کہہ رہا ہے اور اس پر حکم ضلالت درکنار گنگوہی صاحب اسے گنہگار بھی نہیں کہتے کہ گو گنہگار نہ ہو۔

ع حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو

۴۹ ان کو سفر طیبہ کا سقر ہے اس پر ادب کیا گاتے یہ ہیں
پھکڑ چھکڑ ورنہ مشرک کیا تہذیب جگاتے یہ ہیں

تکمیل ۳۴: تف اس مذہب پر جس میں بے ہودگیاں جزوِ ایمان ہوں، جو نہ کرے مشرک ہو وہ تو خدا نے خیر کر لی کہ یہ لکھتے وقت امام الطائفہ کو آیۂ کریمہ **فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج** پوری یاد نہ آئی ورنہ راہِ مدینہ میں فسق و فجور کرتے چلنا بھی فرض کر دیتا۔ ایسا کہ جو نہ کرے اس پر شرک ثابت ہے مگر خدا را یہ احکام محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جانے ہی میں ہیں۔ دیو بند و گنگوہ و نانوتہ و تھانہ بھون کیا مکہ مکرمہ ہیں ان کے راستے

میں گنگوہی، نانوتوی، تھانوی کیا کیا نامعقول بے ہودہ باتیں، کون کون سے فسق و فجور کرتے چلے اور چلتے ہیں تو سارے کے سارے مشرک ہوئے۔

۵۰ شہ کا خیال نماز میں آنا درجوں خر سے گراتے یہ ہیں

تکمیل ۳۵: اللہ اللہ ان وہابیوں اور دیوبندیوں کے ادعائی مسلمانی یہ کچھ سنیں اور پھر وہ امام اور یہ بدستور اس کے غلام لبئس المولیٰ و لبئس العشیر۔

۵۱ و ۵۲ سورۂ فاتحہ اور تشہد شرک اندھن میں دھنساتے یہ ہیں

تکمیل ۳۶: اقول سورۂ فاتحہ میں الصراط المستقیم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ انعمت علیھم کے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور تشہد میں تو بالخصوص حضور سے خطاب وندا وعرض سلام وشہادت رسالت ہے اور وہ کہہ چکا کہ ان کا خیال تعظیم کے ساتھ آئے گا اور نماز میں تعظیم غیر کا ملحوظ ہونا خواہی نخواہی شرک کی طرف لے جائے گا تو حاصل یہ کہ نماز پڑھنا خواہی نخواہی مشرک ہونا ہے۔ صحابہ سے آج تک جتنے نمازی ہوئے سب مشرک اور شریعت شرک کا حکم دینے والی بلکہ شرک کو واجب کرنے والی الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین۔

۵۷ منصب فہم نکات قرآن ہر گیدی کو دلاتے یہ ہیں
تا ۶۰ بے سمجھائے نہ سمجھے صحابہ اپنی ٹانگ اڑاتے یہ ہیں
حق کے بیاں کی نبی کو حاجت پیٹ سے خواندے آتے یہ ہیں
قرآن ہر شئے کا ہے تبیاں صفر نبی کو بناتے یہ ہیں
معطیِ علم ہیں سرور عالم اُن سے الگ کتراتے یہ ہیں
حق نے یُعَلِّمُھُمْ فرمایا خود فہمید مناتے یہ ہیں
فی الامّیّن یاد ہے ان کو وہ تعلیم بھلاتے یہ ہیں
بعض کتاب پہ نام کو ایماں بعض سے کفر دکھاتے یہ ہیں

تکمیل (۳۷): تفویت الایمان کی ان عبارتوں میں کہ زیر قول ۵۷ تا ۶۰ منقول ہوئیں ہر

جاہل ہر نام شخص کو یہ تعلیم ہو رہی ہے کہ مولویوں کی نہ سنو بلکہ کلام اللہ کو خود سمجھو اور اس کے ذریعہ سے مولویوں یعنی ائمہ مجتہدین کے اقوال کو پرکھو اگر تمہیں مطابق لگیں مانو ورنہ پھینک دو حالانکہ **اولاً** صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی زبان میں قرآن اترا بار ہا بغیر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سمجھائے نہ سمجھے حدیثوں میں اس کے وقائع بکثرت ہیں خود اللہ عزوجل فرماتا ہے **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو ساتھ ہی فرمایا **وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم** اے محبوب ہم نے قرآن تمہاری طرف اُتارا اس لیے کہ اس میں سے جتنی باتیں عام سے متعلق ہیں تم انہیں اپنے بیان سے سمجھا دو **اقول** تو جاہلوں کو عالموں کی طرف بھیجا اور عالموں کو رسول کی طرف اور رسول کو قرآن کی طرف۔ جو اس سلسلے کو توڑے گمراہ بددین ہے **ثانیاً اقول** خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کے بیان کی حاجت تھی یہاں ہر گیدی بے وساطت ائمہ بلکہ ائمہ کے قول پرکھنے کو خود سمجھ رہا ہے قال تعالیٰ **"فاذا قرأناہ فاتبع قرأنہ ثم ان علینا بیانہ"** جب ہم قرآن پڑھیں اُس وقت غور سے سنو کہ لفظوں کو اُسی طرح محفوظ کرلو پھر اُس کے معانی کا بیان ہمارے ذمے ہے اور اگر یہ معنے ہوں کہ تمہاری زبان پاک سے اُس کی توضیح کرا دینی ہم پر ہے تو احتیاج صحابہ میں تو کلام نہیں۔ **ثالثاً اقول** قرآن عظیم تو ہر شے کا روشن بیان ہے قال اللہ تعالیٰ **"ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء"** اُس میں ہر شے کی تفصیل ہے **'وکل شیء فصّلنہ تفصیلا'** اس میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی **'ما فرطنا فی الکتٰب من شیٔ'** اگر اسے دین واحکام ہی کے ساتھ تخصیص کرو اور ٹھہرایہ کہ اُس کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہر جاہل بے وساطت علما سمجھ سکتا ہے تو تمام احکام وعلوم دین صرف قرآن سے آ جائیں گے۔ اب دین وشریعت میں نبی کی کیا حاجت رہی۔ اگر کہیے خود نہیں بلکہ نبی کے بیان سے تو **اقول** جس طرح تو نے آیت **'ھو الذی بعث فی الامّیّن'** پڑھ کر کہا صفحہ ۴ جو کوئی یہ آیت سُن کر کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوا عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا، اُس نے اس آیت کا انکار کیا۔ یوہیں پہلی آیت **ولقد انزلنا الیک اٰیٰت بینٰت** جس کا نتیجہ تو نے یہ نکالا

کہ باتیں کھلی اُن کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں پڑھ کر کہا جائے گا کہ جو کوئی یہ آیت سُن کر کہنے لگے کہ قرآن میں کھلی باتیں نہیں ان کا سمجھنا مشکل ہے بے نبی کے سمجھائے سمجھ میں نہ آئیں گی اس نے اس آیت کا انکار کیا۔ تو ضرور ماننا پڑے گا کہ نبی کے بیان کی بھی حاجت نہیں **اقول** اب وہ جو فریب دہی کو جا بجا رسول کا نام اور رسول کا سکھانا شامل کیا تھا کھل گیا کہ محض جھوٹ تھا تو حضور سے بھی الگ کترایا اور ان کی تعلیم کو بھی صفر بنایا ایک ہی آیت کافی 'الامّیّن' لیا کہ ان پڑھوں میں کتاب لائے تو آن پڑھ سمجھ لیں گے اور اسی کے 'یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰب' سے کفر کیا کہ نبی کا علم عطا فرمانا بے کار کر دیا۔

(۶۱) جب تو مقلد مجتہدیں کو نصرانیت اڑھاتے یہ ہیں

تکمیل (۳۸): ہر مذہب میں بعض قول ایسے ہیں کہ ظواہر کتاب وسنت سے ان کے خلاف پر استدلال ہوتا ہے اور اس کے علما باتباع امام مذہب ان میں تاویل کرتے ہیں یہاں حضرت شیخ مجدد کی دھوم دھامی عبارت الفضل الموہبی صفحہ ۲۰ والکوکبۃ الشہابیہ صفحہ ۴۹ وغیرہما میں ہم بار بار پیش کر چکے اور پچیس سال کامل سے آج تک بفضلہٖ تعالیٰ لاجواب ہے اور بعونہٖ تعالیٰ ہمیشہ لاجواب رہے گی جس سے ثابت کہ اسمٰعیل دہلوی کے دھرم میں حضرت شیخ مجدد معاذ اللہ سخت کٹر مشرک نصرانی تھے اب اگر اسے نہ مانئے تو اسمٰعیل کے پکے گمراہ بددین ہونے کا اقرار کیجیے اور مانئے تو شاہ عبد العزیز وشاہ ولی اللہ صاحبان مشرک نصرانی کو پیر طریقت وامام ربانی مان کر مشرک نصرانی اور انہیں اور انہیں تینوں کو شیخ وامام وہادی انام مان کر اسمٰعیل مشرک ونصرانی اور ان تینوں اور اس چوتھے کو ایسا ہی مان کر سارے وہابی مشرک ونصرانی کہیے مفر کدھر 'کذالک العذاب ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون'

(۶۲) سا بھی ہنپھی کے سکّے کھوٹے جھنجھی اپنی بھناتے یہ ہیں

تکمیل (۳۹): ظاہر ہے کہ ان میں اکثر وہ نرے کودن جاہل ہیں جو اردو بھی نہیں پڑھ سکتے انہیں بھی یہی برابر پٹّی پڑھائی جاتی ہے کہ مثلاً حنفی مذہب کا فلاں مسئلہ خلاف حدیث ہے اس پر عمل نہ کرو حدیث پر چلو اب وہ کاٹھ کا اُلّو حدیث کیا جانے اور مخالفت کیا سمجھے ضرور ان

کے اعتبار پر بے دلیل مانے گا یہی تقلید ہے تو حاصل یہ ہوا کہ ابوحنیفہ وشافعی کی تقلید شرک و بدعت ہے ہماری تقلید کرو کہ عین سُنّت ہے۔

(۶۳) روئے زمیں پر کافر ہیں سب ایسی باؤ چلاتے یہ ہیں

تکمیل (۴۰): اقول یہ تو سن چکے کہ جناب امام الطائفہ صاحب کے اس قول میں دو کفر ہیں ایک ساری اُمت مرحومہ کو کافر کہنا دوسرا اپنے منہ آپ کافر ہونا بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان تو مسلمان ہیں کسی کفر فروش کے کافر کہے کافر نہ ہوں گے مگر اقرار وآزار وان کے دونوں کفر اٹل ہیں تو یہ ڈبل کافر ہوئے اور اسی قول سے جناب گنگوہی صاحب ڈیڑھ ڈبل کافران کے دو کفر تو وہی اسمٰعیل والے کہ بندہ کے نزدیک سب مسائل اس کے صحیح ہیں اور تیسرا کفر اس جیسے بھاری اقراری کافر کو امام ماننا اور جناب تھانوی صاحب دو ڈبل کافران کا چوتھا کفر گنگوہی صاحب کو امام جاننا اور سارے کے سارے دیوبندی ڈھائی ڈبل کافران کا پانچوں کفر تھانوی صاحب کو حکیم الامۃ بھانا۔ اس ایک ہی قول اسمٰعیلی نے کتنے کفر اُ گائے، اُس نے بار بار کہہ دیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ مانو اوروں کو ماننا محض خبط ہے آپ سب صاحبوں نے نبی کے بارے میں تو اُس کی یہ وصیت مانی مگر اپنوں کے حق میں مہمل جانی انہیں مانا اور اپنے آپ کو کفر در کفر چوگنے پچگنے کفر میں سانا۔

(۶۴تا۷۸) شاہ و ملک جبرئیل و قرآں سب پر شرک گھماتے یہ ہیں
تورات و انجیل و زبور اب ان سے شرک جناتے یہ ہیں
غیب پہ کشتی خضر و موسیٰ شرک بھنور میں پھنساتے یہ ہیں
سجدۂ یعقوب و یوسف کو چاہ شرک جھنکاتے یہ ہیں
ابرئی الاکمہ والابرص پر سولی سے دھمکاتے یہ ہیں
احی الموتی سن کے تو مرکر شرک گڑھے میں سماتے یہ ہیں
نام پسر پر آدم و حوا دونوں کا دین کھپاتے یہ ہیں

تکمیل (۴۱): اسمٰعیلی شرک امور عامہ سے ہے کہ جملہ موجودات بشر و ملک وامت وانبیا بندہ

وخدا سب کو شامل اُس کا احاطہ بعید و مشکل۔ نمونہ چاہو تو ان فصلوں سے حاصل۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

(۱) نمبر ۴۶ تکمیل ۱۳ میں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے جنگل کے ادب کے جو حکم فرمائے اس نے صاف کہہ دیا یہ سب شرک ہیں۔

(۲) صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: 'انه کان فقیرا افاغناه اللہ و رسوله' وہ محتاج تھا اُسے اللہ و رسول نے غنی کر دیا تفویت الایمان صفحہ ۱۱۔ روزی کی کشائش کرنی اللہ ہی کی شان ہے کسی انبیا بھوت کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے وہ مشرک ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے اُن کو ایسی قدرت بخشی ہر طرح شرک ہے صفحہ ۲۹ و ۳۰۔ اس بات کی اُن میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے اُن کو عالم میں تصرف کی کچھ قدرت دی ہو کہ غنی کر دیں۔

(۳) صحیحین میں ہے عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے گناہ بخش دیجیے۔

(۴) ہم پر سکینہ اُتاریئے۔

(۵) ہمیں جہاد میں ثابت قدم رکھیے۔

(۶) صحیح مسلم میں اتنا اور ہے ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں پر نہ فرمایا کہ ارے کیا شرک بول رہے ہو نہ یہ تفویت الایمانی احکام سنائے صفحہ ۵۲ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں صفحہ ۴۳ میں آپ ہی ڈر رہا ہوں سو دوسرے کو کیا بچا سکوں صفحہ ۴۶ اللہ کے یہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے صفحہ ۳۵ کسی کام میں نہ بالفعل دخل ہے نہ اس کی طاقت صفحہ ۴۹ نفع نقصان کی امید اسی سے چاہیے اور سے شرک ہے صفحہ ۳۵ کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے عاجز ناکارے بلکہ اُلٹی ان شرکوں پر اور رجسٹری فرما دی کہ ان کو شہادت کی دعا دی۔

(۷) اور بڑھ کر یہ کہ حضور کی دعائے شہادت پر امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے عرض کی یارسول اللہ کاش ہمیں حضور نے ان سے نفع لینے دیا ہوتا شرح صحیح بخاری للعلامۃ القسطلانی میں ہے یعنی ابھی حضور انہیں زندہ رکھتے۔ حضور نے اتنے بڑے بول پر بھی اعتراض نہ فرمایا۔ اصل حدیث اور ان پانچ کا بیان الامن والعلیٰ میں شروع صفحہ ۸۵ سے وسط صفحہ ۸۹ تک دیکھیے۔

(۸) ابن عساکر کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے صحابہ کے بارے میں میرا لحاظ رکھے 'فانا احفظہ یوم القیامۃ' میں روزِ قیامت اس کا حافظ ونگہبان ہوں گا۔

(۹) ابن عدی وابن عساکر کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "انی احید عن امتی نار جھنم" میں اپنی اُمت سے دوزخ کی آگ دفع فرماؤں گا۔

(۱۰) ابن عساکر وابونعیم وغیرہما نے امیر المؤمنین علی سے امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں حدیث روایت کی "کان ختن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم علی ابنتیہ ضمن لہ بیتا فی الجنۃ" حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو شاہزادیاں اُنہیں منسوب ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے لیے جنت کی ضمانت فرمائی۔

(۱۱) طبرانی وابن عساکر کی حدیث ہے عثمان غنی نے عرض کی یارسول اللہ اگر میں یہ چشمہ خرید کر مسلمانوں کے لیے کردوں 'أتجعل لی عیناً فی الجنۃ' کیا اس کے بدلے حضور مجھے جنت میں چشمہ عطا فرمائیں گے 'قال نعم فرمایا ہاں۔

(۱۲) ابونعیم کی حدیث ہے حضور مالک جنت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا 'لک الجنۃ علیّ یا طلحۃ غداً' اے طلحہ کل تمہیں جنت دینا میرے ذمہ پر ہے۔

(۱۳) طبرانی وابونعیم وابن عساکر وغیرہم کی حدیث ہے حضور نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا 'امّا امر اٰخرتک فانا لھا ضامن' تمہاری آخرت کے معاملہ کا میں

ذمہ دار ہوں ان چھ حدیثوں میں یہ دخل، یہ طاقتیں اور وہ بھی اللہ کے یہاں کے معاملے میں کھلے اسمٰعیلی شرک ہیں۔

(۱۴) امام احمد و امام طحاوی کی حدیث ہے اعشے مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی ''یامالک الناس'' اے تمام آدمیوں کے مالک۔

تفویت الایمان صفحہ ۳۰۔ شرک سے بہت دور بھاگیے نہ اللہ کے سوا کسی کو حاکم سمجھیے کہ کسی چیز میں کچھ تصرف کرسکتا ہے نہ کسی کو اپنا مالک ٹھہرائیے کہ اپنی حاجت اُس کے پاس لے جائیے۔

(۱۵) ابن شاذان کی حدیث میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر فرمایا ''یا حمزة یا کاشف الکربات یا حمزة یا ذاب عن وجه رسول اللّٰه'' اے حمزہ اے سختیاں دفع کرنے والے، اے حمزہ اے رسول اللہ کے چہرے سے دشمنوں کو دور کرنے والے۔ کاشف الکربات و دافع البلا و مشکل کشا ایک ہی بات ہے، یہ کتنا بھاری اسمٰعیلی شرک ہے۔

تمام ملائکہ و آدم علیہم الصلاۃ والسلام پر اسمٰعیلی شرک کا فتویٰ

قرآن عظیم فرماتا ہے 'فسجد الملائکة کلهم اجمعون' تمام جمیع کل ملائکہ نے اللہ کے حکم سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کیا۔ تفویت الایمان صفحہ ۹۲ جو کسی پیغمبر کو سجدہ کرے اس پر شرک ثابت ہے ہر طرح شرک ہے تو اللہ نے حکم دیا ملائکہ نے سجدہ کیا آدم نے قبول کیا سب پر شرک ثابت۔ اور یہ حیلہ نہیں چل سکتا کہ پہلے جائز تھا۔ یہی تو کہا جاتا ہے کہ خدا نے شرک جائز کیا زمانہ بدلنے سے شرک نہیں بدل سکتا کہ خدا کا شریک اب تو نہیں ہاں کبھی اگلے زمانے میں ہوسکتا ہو اور جب ہر زمانے میں ناممکن تو جو آج شرک ہے قطعاً ہمیشہ سے شرک تھا اور اسی کو خدا نے جائز کیا اور معاذ اللہ انبیا و ملائکہ مرتکب ہوئے خود گنگوہی صاحب کی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۴ میں ہے شرک بہر حال شرک ہی ہے خواہ نہی سے قبل ہو یا بعد۔

جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام پر اسمٰعیلی شرک کا فتویٰ

قرآن عظیم فرماتا ہے جبرئیل امین نے حضرت مریم سے کہا ''انما انا رسول ربک

لا ھب لک غلاما زکیا'' مَیں تو تمہارے رب کا رسول ہوں کہ مَیں تم کو ستھرا بیٹا دوں تو مسیح علیہ الصلاۃ والسلام رسول بخش ہوئے۔ تفویت الایمان صفحہ ۵، ۶ کوئی نام عبد النبی رکھتا ہے کوئی علی بخش غرض جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں وہ سب یہ نام کے مسلمان اولیا انبیا اور فرشتوں سے کر گزرتے ہیں اور دعوٰی مسلمانی کا کیے جاتے ہیں سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعوٰی۔ شرک میں گرفتار ہیں۔

''قرآن کریم پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے''

اللہ عزوجل پر اسمٰعیلی دس حکم شرک اوپر گزرے ایک نمبر ۲۴ چھ نمبر ۲۸۔ ایک ایک ۷۳، ۶۳، ۶۴ میں اور دو نمبر ۶۹ و ۷۱ میں آتے ہیں بارہ ہوئے۔

(۱۳) اغنهم الله و رسوله من فضله' انہیں غنی کر دیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔

(۱۴) فالمدبرات امرا، قسم ان فرشتوں کی کہ کام کی تدبیر کرتے ہیں، اور خود فرماتا ہے ''ومن یدبر الامر فسیقولون الله'' اے نبی ان کافروں سے پوچھو وہ کون ہے کہ کام کی تدبیر کرتا ہے اب کہہ دیں گے کہ اللہ، تو یہ اللہ کی ایسی خاص صفت ہوئی کہ مشرکین تک اس کا اختصاص جانتے تھے پھر خود ہی اسے فرشتوں کے لیے ثابت فرمایا۔ تفویت الایمان صفحہ ۸۔ اللہ نے کسی کو عالم میں تصرف کی قدرت نہیں دی۔ صفحہ ۳۳ جو کوئی کسی مخلوق کو عالم میں تصرف ثابت کرے اس پر شرک ثابت ہے۔

(۱۵) وما ھو علی الغیب بضنین O' یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں جسے خود علم نہ ہو دوسرے کو کیا بتائے گا تو آیۂ کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے غیب کا علم ثابت فرما رہی ہے اور حضور کے بتائے سے حضور کے غلاموں کو۔ معالم التنزیل و تفسیر خازن میں اس آیت کے تحت میں ہے ''یقول انه صلی الله تعالیٰ علیه و سلم یاتیه علم الغیب فلا یبخل به علیکم بل یعلّمکم'' یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے نبی کو علم غیب آتا ہے وہ تمہیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو بھی اس کا علم دیتے ہیں۔ تفویت الایمان صفحہ ۳۲

جوکوئی کہے کہ پیغمبر خدا غیب کی بات جانتے تھے وہ بڑا جھوٹا ہے بلکہ غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں صفحہ ۳۱ کسی انبیا اولیا کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ حضرت پیغمبر کی بھی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے۔ صفحہ ۸۷ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر صفحہ ۳۰ ان باتوں میں سب بڑے چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان، فتاویٰ گنگوہی حصہ ۳ صفحہ ۷، اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو شرک صریح ہے۔ ایضاً صفحہ ۴۲ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے قطعاً مشرک وکافر ہے۔

توریت مقدس پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں توریت مقدس کے سفر چہارم میں ہے ''ان ھاجرۃ تلد ویکون من ولدھا من یدہ فوق الجمیع و ید الجمیع مبسوطۃ الیہ بالخشوع'' بے شک ہاجرہ کے اولاد ہوگی اور اُس کی اولاد میں وہ ہوگا جس کا ہاتھ سب سے بلند و بالا ہے اور سب کے ہاتھ اُس کی طرف پھیلے ہیں عاجزی اور گڑگڑانے میں۔ یہ مرجع حاجات عالم وحاجت روائے تمام جہاں ہونا اور تمام عالم کا اُن سے اپنی اپنی مرادوں کی بھیک مانگنا گڑگڑا گڑگڑا کر اُن کی طرف ہاتھ پھیلانا کتنے بڑے بھاری شرک ہیں جن میں نہ صرف توریت بلکہ شاہ صاحب بھی شریک ہیں بلکہ خبر صادق توریت مقدس سے تمام مسلمان، بلکہ یہاں سے تو یہ نکلتا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف عاجزی سے گڑگڑا کر ہاتھ نہ پھیلائے وہ بحکم توریت اس جمیع یعنی جماعت مسلمین سے باہر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

توریت وانجیل شریف پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

بیہقی وابونعیم دلائل النبوۃ میں کعب احبار سے راوی کہ توریت مقدس میں ہے اور حاکم بافادۂ تصحیح اور ابن سعد، بیہقی وابونعیم ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ انجیل پاک میں ہے محمد رسول اللہ اعطی المفاتیح، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول

ہیں انہیں سب کنجیاں عطا ہوئیں۔ احادیث سے ان کنجیوں کی تفصیل الامن والعلیٰ میں صفحہ ۵۶ سے صفحہ ۶۵ تک دیکھیے۔ خزانوں کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، دنیا کی کنجیاں، نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، جنت کی کنجیاں، نار کی کنجیاں، ہر شئے کی کنجیاں۔ اب امام الوہابیہ کا اقرار اُس کی اور اُن کی جان کا آزار سنیے تفویت الایمان صفحہ ۲۴ جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے جب چاہے کھولے، جب چاہے نہ کھولے تو انجیل و توریت واحادیث سے ثابت ہوا کہ تمام دنیا وآخرت کا اختیار ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے جب تو اُن کے رب عزوجل نے اُن سے فرمایا ''لا یکون فی الآخرۃ الا ما ترید'' آخرت میں وہی ہوگا جو تم چاہو گے، اب یاد کرے اپنے وہ کفری بول جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں کسی کام میں نہ بالفعل اُن کو دخل ہے نہ اُس کی طاقت رکھتے ہیں یہ تیرے طور پر معاذ اللہ توریت وانجیل کے کتنے بھاری شرک ہیں تف تف

وہی نورِ رب وہی ظلِ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں اُن کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
بخدا خدا کا یہی ہے دَر نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

زبورمقدس پر اسمٰعیلی شرک کا فتویٰ

شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا زبور شریف میں ہے ''امتلات الارض من تحمید احمد و تقدیسہ ملک الارض و رقاب الامم'' زمین بھر گئی احمد کی حمد اور اس کی پاکی بولنے سے احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام اُمتوں کی گردنوں کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب تو زبور شریف وشاہ عبدالعزیز صاحب پر اسمٰعیلی شرک کا پانی سر سے تیر گیا، موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور۔

موسیٰ وخضر علیہما الصلاۃ والسلام پر اسمٰعیلی شرک کا فتویٰ

تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے خضر نے موسیٰ علیہما

الصلاۃ والسلام سے کہا ''**لم تحط من الغیب بما اعلم**'' جو علم غیب مجھے ہے آپ کا علم اسے محیط نہیں۔ ابن عباس نے فرمایا ''**وکان رجلا یعلم علم الغیب**'' خضر علم غیب جانتے تھے قرآن عظیم میں فرمایا ''**وعلمناہ من لدنا علما**۔'' تفسیر بیضاوی میں ہے ''**وھو علم الغیب**'' یعنی رب عزوجل اس آیۂ کریمہ میں یہ فرماتا ہے کہ ہم نے خضر کو علم غیب دیا، قرآن و خضر پر تو اسمٰعیلی شرک کا حکم ظاہر ہے موسیٰ پر یوں کہ اسے سنا اور قبول کیا ورنہ کشتی کا تختہ توڑ دینے اور بے اُجرت دیوار سیدھی کر دینے پر انکار فرمایا تھا اسمٰعیلی خاص شرک کی بول پر یوں چپ رہتے۔

یعقوب و یوسف علیہما الصلاۃ والسلام پر اسمٰعیلی شرک کا فتویٰ

قرآن کریم میں ہے ''**وخروا لہ سجداً**'' یعقوب اور ان کی بی بی اور گیارہ بیٹے سب یوسف کے لیے سجدے میں گرے علیہم الصلاۃ والسلام اور تفویت الایمان کی عبارت فصل ۲ میں گزری کہ یہ ہر طرح شرک ہے۔

عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

قرآن حکیم میں ہے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ''**ابرئ الاکمہ والابرص و اُحی الموتی باذن اللہ**'' مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میں تندرست کر دیتا ہوں اور مردے میں جلاتا ہوں اللہ کے اذن سے، تفویت الایمان صفحہ ۱۱ جلانا اور تندرست کرنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے کسی انبیا کی بھوت کی یہ شان نہیں جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے وہ مشرک ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے افسوس کہ مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے باذن اللہ کہنے نے بھی کام نہ دیا کیونکہ ہر طرح شرک ہے اسمٰعیل کے رسالۂ منصب امامت اور فتوائے گنگوہی صفحہ ۲۴ میں ہے عالم وجود میں بندۂ مقبول سے تصرفات ماننا اگرچہ بحکم خدا مانے محض کفر ہے اور اسمٰعیل کا یہ لفظ کہ اپنی خواہش سے مارنا جلانا الخ...... اس کے یہ معنی نہیں کہ بے ارادۂ خدا اپنے مستقل ارادے سے کہ یوں تو بہ عطائے الٰہی جلانا وغیرہ شرک نہ رہے گا اور وہ کہہ چکا ہر طرح شرک ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کا فعل

ارادی سمجھے تو مطلقاً مشرک، بلکہ وہ نرے پتھر ہیں جس کو نہ کچھ اختیار نہ فعل اس کا فعل دیکھو رسالہ منصب امامت میں اس کی اور فتاوے میں گنگوہی صاحب کی عبارت اور دونوں کی اور صاف تصریحیں کہ نمبر ۲۸ میں گزریں وہیں حضرت مسیح پر اسمٰعیلی چوتھا شرک بھی بیان ہوا۔

آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام پر اسمٰعیلی شرک کا فتویٰ

جامع ترمذی شریف وغیرہ کی حدیث ہے کہ آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا حارث کا بندہ۔ اور نمبر ۶۳ میں تفویت الایمان کی عبارت گزری کہ عبدالنبی نام رکھنا بھی شرک ہے اور ایسے شخص کا دعوائے مسلمانی جھوٹا عبدالحارث تو عبدالحارث۔

(۸۰ تا ۸۸)

عبد عزیز و ولی اللہ کو — شرک کی دلی دکھاتے یہ ہیں
شیخ مجدد صاحب پر تو — سب سے سوا غراتے یہ ہیں
آپ پہ ڈھالیں باپ پہ ڈھالیں — کون ہے جس کو بچاتے یہ ہیں
حاجی امداد اللہ کو بھی — شرک مدد پہنچاتے یہ ہیں
تھانوی قاسم گنگوہی کو — شرک کے تھان بندھاتے یہ ہیں
قد یصدق خود اور یہ تینوں — چار پہ سچ ڈھلکاتے یہ ہیں
شرک فقہی کفر کلامی — باہم بانٹتے کھاتے یہ ہیں

تکمیل ۴۲: اسمٰعیلی ان شرکوں کی بوچھار ایک ایک بڑے پر بڑی بھر مار اس کا شمار اور بھی دشوار، بعض کا بطور نمونہ اظہار۔

شاہ عبدالعزیز صاحب پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

شاہ صاحب کے دو شرک نمبر ۶۸ میں گزرے کہ توریت وزبور کی ان آیتوں پر ایمان لائے جن میں محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام عالم کا اپنی مُرادوں کی بھیک مانگنا، گڑگڑا، گڑگڑا کر ان کی طرف ہاتھ پھیلانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مالکِ کُل ہونا ہے۔

(۳) شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں بعض اولیا کو بعد انتقال بھی دنیا میں تصرف کرنا عطا ہوتا ہے۔ (۴) وہ اس حال میں بھی دنیا کی طرف متوجہ ہیں۔ (۵) فیض دیتے ہیں۔ (۶) حاجت مندان سے اپنی حاجتیں مانگتے اور پاتے ہیں۔ (۷) وہ مشکلیں حل فرماتے ہیں۔ (۸) تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں تمام اُمت مولیٰ علی اوران کی اولاد کرام کو پوجتی ہے۔ (۹) جس طرح پیروں کی پرستش کرتی ہے۔ (۱۰) عالم کے کاروبار کو ان کے ارادے سے وابستہ مانتی ہے۔ (۱۱) ان کے نام کی نذر کا معمول ہے۔ (۱۲) سب اولیا کے ساتھ یہی معاملہ ہے ان پر تفویت الایمان کے احکام شرک اوپر گزرے ایک چوٹی کا یہاں بھی سن لیجیے صفحہ ۸، ۹ پیغمبر خدا کے وقت کے کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہ جانتے تھے مگر یہی پکارنا اور نذر نیاز کرنی اوران کو اپنا سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اسے اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے شاہ صاحب تو ابوجہل کے برابر مشرک ہوئے ہی مگر وہ تو ساری اُمت کو اسی بلا میں مبتلا بتاتے ہیں تو ساری اُمت ابوجہل کے برابر مشرک ہے جبھی کہا تھا کہ پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا کہ دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا۔

شاہ ولی اللہ صاحب پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

شاہ ولی اللہ کی کتاب انتباہ سے ظاہر کہ وہ خود اوران کے بارہ ۱۲ اساتذۂ حدیث و پیرانِ سلسلہ اس نادِعلی کی سندیں لیتے اجازتیں دیتے وظیفہ کرتے:

نادعلیاً مظہر العجائب تجدہ عونالک فی النوائب کل ھم وغم سینجلی

بولایتک یاعلی یاعلی یاعلی

علی کو پکار جن سے عجیب عجیب کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں تو انہیں مصیبتوں میں مددگار پائے گا ہر غم و پریشانی اب دور ہوتی ہے آپ کی ولایت سے یاعلی یاعلی یاعلی۔ یہ فرمائشی تین شرک ہیں۔

(۴، ۵) اسی انتباہ میں کشفِ قبور کے لیے فرماتے ہیں جب مقبرہ میں جائے دوگانہ ان ولی کی

روح کے واسطے ادا کرے پھر فاتحہ پڑھ کر سات دفعہ طواف کرے پھر مزار کی پائنتی جا کر رخسارہ رکھے تفویت الایمان صفحہ ۱۲ طواف کرنا ایک پتھر کو بوسہ دینا اس کی دیوار سے اپنا منہ ملنا یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے بتائے ہیں جو کسی پیغمبر یا بھوت کو کرے اس پر شرک ثابت ہے۔

حضرت شیخ مجدد صاحب پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

حضرت شیخ مجدد کے مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۳۰ صفحہ ۴۶ میں ہے۔(۱) تصورِ شیخ کا ایسا غلبہ کہ نمازوں میں صورت شیخ کو سجدہ معلوم ہو اور ہر چند یہ خیال ہٹانا چاہے نہ ہٹے یہ دولت ہزاروں میں ایک کو ملتی ہے جو سعادت مند ہو۔(۲) ہر حال میں شیخ کو اپنے اور خدا کے بیچ میں رکھو۔(۳) نماز وغیر نماز میں ہر وقت شیخ کی طرف متوجہ رہو اوّل وسوم پر تفویت الایمانی احکام اوپر معلوم دوم پر کہتا ہے صفحہ ۴۲ یہ نہیں سمجھتا کہ پیر و پیغمبر تو اس سے دور ہیں اور اللہ نہایت نزدیک، سو یہ ایسا ہے کہ ایک رعیتی بادشاہ کے پاس ہے بادشاہ اسی کی سنے کو متوجہ پھر وہ کسی امیر وزیر کو دور سے پکارے کہ میری طرف سے فلانی بات عرض کر دے سو وہ اندھا ہے یا دیوانہ یہ خطاب چھنٹ رہے ہیں ان کو جنہیں اپنا پیر طریقت و سردار سلسلہ کہتا ہے۔ (۴،۵) مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۳۱۲ صفحہ ۴۴۸، ۴۴۹ اشارۂ سبابہ میں حدیثیں بہت سی آئی ہیں اور فقہی روایتیں بھی ہیں مگر فتویٰ کراہت پر ہے ہم مقلدوں کو نہیں پہنچتا کہ حدیثوں پر عمل کر کے اشارے کی جرأت کریں اشارہ نہ کرنا ہمارے اگلے علما کی راہ ورسم ہے تفویت الایمان صفحہ ۴۲ کسی کی راہ ورسم کو ماننا اور اسی کے حکم کو اپنی سند سمجھنا انہیں باتوں میں ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کی ٹھہرائی ہیں پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے اس پر شرک ثابت ہے ایضاً جو کوئی حدیث کے مقابل قول کی سند پکڑے شرک ہے۔

خود اپنی ذات اور اپنے پیر پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

حضرت شیخ مجدد و شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحبان کے ۲۲ شرک کہ بطور نمونہ

گزرے سب اس کے اوراس کے پیر کے شرک ہیں کہ یہ انہیں کے سلسلہ میں داخل، انہیں کے غلام، انہیں پیرومرشدوامام وولی جاننے والے اور جومشرک کوایسا مانے خودمشرک ہے پھر اسمٰعیل کا زعم ہے کہ صراطِ مستقیم اس کے پیر کا بیان اور خود اس کی تحریر ہے اس میں جا بجا تفویت الایمانی شرک برساتی کیڑوں کی طرح گجگجا رہے ہیں تو یہ اوراس کے نزدیک اس کا پیر دونوں اپنے مستقل شرکوں سے بھی مشرک مثلاً (۲۳) صراطِ المستقیم صفحہ ۳۶۔ اکابراولیا ملائکہ کی طرح جہان کے کاموں کی تدبیر اوران کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ (۲۴) صفحہ ٦٦ بادشاہوں کو بادشاہی، امیروں کوامیری ملنے میں مولاعلی کی ہمت کودخل ہے۔ (۲۵) صفحہ ۱۱۲ ان کواختیار مطلق ملتا ہے کہ عالم میں جو چاہیں تصرف کریں۔(۲۶) صہ یہ اولیا کہہ سکتے ہیں کہ عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔(۲۷) صفحہ ۱۵۴ اللہ تعالیٰ تمام مہم کام انجام دینے کے لیے ان کو اپنا نائب کرتا ہے۔(۲۸) صفحہ ۳۴ عالم کے ہست نیست اورشریعت کے کن مکن کی تدبیران کے توسط سے ہوتی ہے۔(۲۹ تا ۳۵) اُسی کے صفحہ ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۵۸، ۱۷۶۔ میں جا بجا کشف کوصحیح مانااوروہ بھی ایسا کہ اولیا کوزمین کے دوردراز مقامات ظاہرہوتے ہیں بلکہ آسمانوں کے مکان فرشتے روحیں ان کے مقام، جنت دوزخ، قبروں کے اندرکا حال آنے والے واقعات کھل جاتے ہیں عرش فرش سب میں ان کی رسائی ہوتی ہے لوح محفوظ پر اطلاع پاتے ہیں وہ اپنے اختیار سے زمین و آسمان میں جہاں کا چاہیں حال دریافت کرلیں اوران سب باتوں کے حاصل کرنے کے طریقے خودہی اس شخص اوراس کے پیر نے بتائے کہ یوں کروتو یہ رتبے مل جائیں گے، یہ کشف یہ اختیار ہاتھ آئیں گے، اصل عبارتیں کوکبۂ شہابیہ میں دیکھیے اس پر تفویت الایمان کی چار عبارتیں نمبر ٦۵ میں سن چکے۔(۵) صفحہ ۳۲ جو کچھ اللہ بندوں سے کرے گا دنیا خواہ قبرخواہ آخرت میں اس کی حقیقت کسی کونہیں معلوم نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔(٦) صفحہ ۷۰ شرک سب عبادتوں کا نور کھودیتا ہے کشف کا دعویٰ کرنے والے اس میں داخل ہیں۔

۳۵ شرک امام الوہابیہ اوراس کے پیر میں مشترک ہوئے اوراسمٰعیل کا ایک خاص حقیقی

شرک نمبر ۶ میں گزرا تو اسمٰعیل کے ۳۶ شرک ہوئے اور گننا ہی کیا وہاں عمر بھر یہی کمایا۔ ع

ما علی مثلہ یعد الخطاء۔

حاجی امداد اللہ صاحب پر اسمٰعیلی شرک کا فتویٰ

حاجی امداد اللہ صاحب کا رسالہ نفحۂ مکیہ ترجمہ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵ عباد اللہ کو عباد رسول کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ'' مرجع ضمیر متکلم کا آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی اللہ عزوجل حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تم سب کو اپنا بندہ کہو اور ان سے یوں ارشاد فرماؤ کہ اے میرے گنہگار بندہ میرے رب کی رحمت سے نا امید نہ ہو، کتنا بڑا بھاری اسمٰعیلی شرک ہے وہ تو ایک شخص کا نام عبد النبی رکھنے پر جھوٹا مسلمان اور سچا مشرک کہہ رہا تھا یہاں تمام جہان عبد النبی و بندۂ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے الحمد للہ ہے یوں ہی ولو کرہ الکافرون۔ پڑے برا مانیں کافر، طرفہ یہ کہ جناب اشرفعلی تھانوی صاحب اسمٰعیلی چمر توحید کو بھول شرک پر پھول، سونے میں سہاگہ عبارت مذکور، پر یوں حاشیہ چڑھاتے ہیں قرینہ بھی اسی معنی کا ہے۔ آگے فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا تو فرماتا من رحمتی تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی اے تو واہ رے تیرا قرینہ یہ قرینہ ہے یا مادر شرک کا فرزند نرینہ۔

اشرف علی تھانوی صاحب پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

تھانوی صاحب کا ایک بھاری شرک ابھی گزرا اور ایک نمبر ۴۹ میں اور اسمٰعیل کے ۳۶ شرک بھی بحکم امامت ان پر سوار اور اسی علت سے گنگوہی صاحب کے گیارہ مستقل شرک کے بھی زیر بار تو تھانوی صاحب ۵۱ شرک میں گرفتار۔

قاسم نانوتوی صاحب پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

نانوتوی صاحب کا ایک شرک نمبر ۲۸ دوسرا نمبر ۴۹ میں گزرا اور بعلت امامت اسمٰعیلی چھتیس بھی ان پر جلوہ زا تو نانوتوی صاحب کے ۳۸ شرک ہوئے۔

رشید احمد گنگوہی صاحب پر اسمٰعیلی شرک کے فتوے

گنگوہی صاحب کے دو شرک نمبر ۲۸، ۴۹ میں گزرے اور ۱۰ نمبر ۴۸ میں۔ اسی علت سے اسمٰعیلی ۳۶ مل کر ۴۸ ہوئے اور دو حقیقی شرک ان کے ذاتی اقوال میں آتے ہیں تو گنگوہی صاحب کے ۵۰ شرک ہوئے اور حاشا یہ صرف نمونہ ہیں ورنہ ان صاحبوں کے شرک وکفر کا شمار سخت دشوار۔

(۹۹،۱۰۰) مورچھل اس کی قبر پہ جھلتے نم گیرہ تنواتے یہ ہیں

تکمیل ۴۳۔ اقول اللہ عزوجل پر وہابیہ کے افترا نئے نہیں، ہاں اچنبا ان دو عبارتوں کا ہے جو امام الوہابیہ نے گڑھیں اور دوسرے کے لیے ان کے کرنے کو عبادتِ الٰہی میں اس کا شریک کر دیتا کہا قبر پر مورچھل جھلنا اور قبر پر شامیانہ کھڑا کرانا **اولاً** ذرا پوچھیے تو کہ آج تک کوئی مسلمان یا نہ سہی تم خود ان عبادتوں سے کبھی مشرف ہوئے ہو۔

ثانیاً۔ قبر جانے دو صرف مورچھل جھلنا شامیانہ تاننا کہاں کی عبادت ہے اور اللہ عزوجل نے ان کا کب حکم دیا ہے شاید تمہارے پیر کی وحی میں اترا ہو۔

ثالثاً۔ کیا قبریں ہی خدا کی شریک نہیں زمین اور زندہ آدمی شریک ہو سکتے ہیں تو مورچھل جسے جھلا جائے اور شامیانہ جس مکان یا میدان میں تانا جائے شرک لازم تو دنیا بھر مشرک ٹھہری اور تم خود اور گنگوہی، نانوتوی، تھانوی، دیوبندی سارے کے سارے کہ اپنے مدرسے کے جلسے میں ضرور شامیانہ تنواتے ہوں گے اور گرمی میں مورچھل نصیب نہیں تو پنکھا تو جھلواتے ہوں اور جھلوانے ہی پر کیا ہے عبادت کا فعل خود اپنے لیے کرنا کب شریک نہیں اب بتاؤ تم میں کون مشرک نہیں۔

(۱۰۳) جو اک پیڑ کے پتے گن دے اس کو خدائی تھماتے یہ ہیں

تکمیل ۴۴: اقول جب کسی درخت کے پتے جاننا خاص اللہ ہی کی شان ٹھہری جس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں تو اگر کوئی محنت کر کے گن دے تو وہ خدا ہو گیا کیونکہ غیب خاص بخدا کی طرف کسی حیلہ سے مخلوق کو راہ ناممکن لیکن اس نے جان لیا تو یہ ضرور اسمٰعیل کا خدا ہے۔ ایک

بہی (امرود) کے پتے جان لینا کچھ دشوار نہیں اور کیلا ہو یا ڈھاک کے تین پات جب تو خداؤں کی گنتی ہی نہ رہے گی، اصل بات یہ ہے کہ محبوبانِ خدا خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے جلن ہے ان کا نام آیا اور شرک نے منہ پھیلایا۔

(۱۰۴تا۱۰۶) حق سے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر پیر کو باتیں کراتے یہ ہیں
یوں گھل مل کے کلام حقیقی یارانہ گنٹھواتے یہ ہیں
لیکن شاہ ورسل کے حق میں قاہر محض بتاتے یہ ہیں

تکمیل ۴۵: اقول مسلمانو! وہی خدا کہ اپنے پیر سے جس کے یہ یارانے لکھے رسولوں کے حق میں ایسا قہار محض بنا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے خلیل جلیل علیہ الصلاۃ والتسلیم کی نسبت فرماتا ہے ''**یجادلنا فی قوم لوط**'' ہم سے جھگڑنے لگا قوم لوط کے حق میں۔ زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی بشارت دی عرض کی اے میرے رب میرے بیٹا کہاں سے آئے گا مَیں بوڑھا اور بی بی بانجھ۔ فرمایا ہمارا یوں ہی ارشاد ہے، عرض کی تو اس کی مجھے کوئی نشانی دے ابونعیم کی حدیث میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں نے ایک آواز سنی جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام سے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ عرض کی موسیٰ۔ میں نے فرمایا کس سے بات کر رہے ہیں؟ عرض کی اپنے رب سے۔ مَیں نے فرمایا '**ایرفع صوته علی ربه**' کیا اپنے رب پر چلّاتے ہیں؟ عرض کی '**ان اللّٰہ تعالیٰ قد عرف له حدته**' ان کا رب جانتا ہے کہ مزاج کے تیز ہیں۔ مسند الفردوس کی حدیث میں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہے جب رب عزوجل نے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ تمہیں اتنا دوں گا کہ تم راضی ہو جاؤ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: '**اذن لا ارضی و واحد من امتی فی النار**' تو مَیں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہوا۔ نیز یہ حدیث ابونعیم نے حلیہ میں، علی مرتضیٰ اور خطیب نے تلخیص المتشابہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے وقفاً روایت کی، زرقانی میں فرمایا '**مرفوع حکما اذ لا مدخل للرای فیه**' مسلمانو یہ ہیں

اللہ کی بارگاہ میں محبوبوں کی عزتیں، عظمتیں، وجاہتیں بے نہایت حمد اس کے وجہ کریم کو اور بے شمار درود وسلام اس کے محبوبوں پر اور کری لعنت ان کی توہین کرنے والوں پر **والعیاذ باللہ تعالیٰ۔**

(۱۰۷) کذب الٰہی ممکن کہہ کر دین ویقین سب ڈھاتے یہ ہیں

تکمیل ۴۶: وہابیہ کا یہ مسئلہ طشت از بام ہے اس کے رد بہت رسائل میں ہو چکے اور بفضلہٖ تعالیٰ سبحن السبوح نے تو ان کے منہ میں پتھر دے دیا مسلمانوں کے سمجھ لینے کو اتنا ہی بہت ہے کہ جب خدا کا جھوٹ بولنا بھی ممکن ہوا تو اب اس کی کس بات کا اعتبار رہا۔ **اقول** اب تمہارے نزدیک کیوں کر ثابت ہوا کہ قرآن میں جھوٹ نہ بولا کیا اس پر کوئی افسر ہے جس نے روک لیا یا اس کا ڈر کیا، یا اس نے خود کہا ہے کہ میرا سب کلام سچا ہے میں نے نہ جھوٹ بولا، نہ بولوں کہا کرے جب جھوٹ بول سکتا ہے تو کیا معلوم کہ پہلا جھوٹ یہی کہا ہو، یا نبی نے کہہ دیا ہے کہ خدا کا سب کلام سچا ہے سبحان اللہ جس کے خدا کا سچا ہونا واجب نہیں جھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔ اس نبی کا سچا ہونا کیوں واجب ہوگیا۔ کیا نبی خدا سے بھی بڑھ کر ہے۔ غرض اب نہ قرآن رہا نہ دین نہ ایمان بچا نہ یقین۔ وہابیہ وامام الوہابیہ کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ایک ہی لفظ میں تمام دین وایمان ونبی وقرآن سب پر پانی پھیر دیا۔

(۱۰۹) بالفعل ان کا خدا عیبی ہے پھر امکان تو گاتے یہ ہیں

تکمیل ۴۷: اقول اولاً یہ سخت عیب خدا کو لگایا۔ **ثانیاً** صاف کہا کہ خدا کاذب تو ہوسکتا تھا مصلحت کے لیے صدق لیا تو صدق الٰہی اختیاری ہوا اور ہر اختیاری مخلوق ہے اور ہر مخلوق حادث تو صدق الٰہی حادث ومخلوق ہوا یہ کفر ہے۔ **ثالثاً** وہ تو صفت کمال اسی کو مانتا ہے جس کی ضد ممکن ہو اور آلودگی سے بچنے کے لیے اس سے احتراز ہو تو تمام صفاتِ الٰہیہ حادث ومخلوق ہوئیں۔ یہ اس سے بڑھ کر کفر ہے اس کا مفصل بیان سبحن السبوح میں دیکھیے۔

(۱۱۰ تا ۱۳۲)

سوئے اونگھے بہکے بھولے کیا کیا گت بنواتے یہ ہیں

غفلت ظلم تھکن محتاجی کون سا نقص براتے یہ ہیں
کام کو اس پر مشکل مانیں خلق سے اس کو ہراتے یہ ہیں
کھائے بھی پھر کیوں نہیں اس کو موہن بھوگ چڑھاتے یہ ہیں
اف ان کے امکان کی خواری بھیک تک اس کو منگاتے یہ ہیں
جوڑ اور جورو ماں باپ اس کے بچے اس کو جناتے یہ ہیں
اس کا شریک اورخواری میں یاور سب کی کھیپ بھراتے یہ ہیں
ذلت و عجز و خوف کا کیا غم موت تک اس کو چکھاتے یہ ہیں

تکمیل ۴۸: **اقول** قرآن عظیم سے ان کی آیتیں سنئے (۱۱۰،۱۱۱) 'لا تاخذہ سنۃ ولا نوم' اللہ کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ (۱۱۲، ۱۱۳) 'لا یضل ربی ولا ینسی۔' میرا رب نہ بہکے نہ بھولے۔ (۱۱۴) 'وما اللہ بغافل عما تعملون۔' اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ (۱۱۵) 'ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ' اللہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ (۱۱۶) 'وما مسنا من لغوب' آسمان وزمین بنانے سے ہمیں کوئی تھکن نہ پہنچی۔ (۱۱۷) 'فان اللہ غنی عن العالمین۔' اللہ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔ (۱۱۸) 'وما ذالک علی اللہ بعزیز۔' یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ (۱۱۹) 'وما نحن بمسبوقین۔' ہم سے کوئی آگے نہیں نکل سکتا۔ (۱۲۰) 'وھو یطعم ولا یطعم' اللہ کھلاتا ہے اور کھاتا نہیں۔ (۱۲۱) 'لا نسئلک رزقاً۔' ہم تجھ سے کچھ کھانے کو نہیں مانگتے۔ (۱۲۲) 'ولم یکن لہ کفوا احد۔' اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔ (۱۲۳) 'لم تکن لہ صاحبۃ۔' اس کے کوئی جورو نہیں۔ (۱۲۴، ۱۲۵) 'لم یولد۔' وہ کسی سے پیدا نہ ہوا۔ (۱۲۶) 'لم یلد۔' اس نے کسی کو نہ جنا۔ (۱۲۷) 'لا شریک لہ' اس کا کوئی شریک نہیں (۱۲۸، ۱۲۹) 'ولم یکن لہ ولی من الذل' دنیا کے بادشاہ کو کبھی ذلت پہنچتی اور اس خواری میں مددگار کی حاجت پڑتی ہے اللہ ایسا نہیں۔ (۱۳۰) 'لن نعجز اللہ فی الارض ولن نعجزہ ھربا' ہم ہرگز زمین میں اللہ کو عاجز نہ کریں گے نہ بھاگ کر اس کے قابو سے نکل سکیں۔ (۱۳۱) 'ولا یخاف عقبھا' اللہ کو ان کے پیچھا کرنے کا کچھ ڈر نہیں۔ (۱۳۲)

'وتو کل علی الحی الذی لا یموت' بھروسا کراس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔

(۱۴۳ تا جتنے عیب بشر کر سکتا اپنے خدا کو لگاتے یہ ہیں

۱۵۰) اچھلے کودے کلائیں کھائے سب کھیل اس کو کھلاتے یہ ہیں

دبکے پھولے سمٹے پھیلے اس کو ربڑ کا بناتے یہ ہیں

مرد بھی عورت بھی خنثیٰ بھی کیا کیا سوانگ رچاتے یہ ہیں

اپنے خدا کو محفل محفل کوڑی ناچ نچاتے یہ ہیں

چاروں سمت اک آن میں مونھ ہو ناچ اس کا یہ دکھاتے یہ ہیں

چومکھے برہما اور کانہا کے آگے سیس نواتے یہ ہیں

دیو کے آگے گھنٹی بجا کر بم اس سے بلواتے یہ ہیں

لنگ جلتھری کی ڈنڈوتیں پوجا پاٹ کراتے یہ ہیں

کتکی اشنان اور بیساکھی ڈبکی اس کو کھلاتے یہ ہیں

زانی مزنی اچکا ڈاکو سارے جھولے جھلاتے یہ ہیں

کون سی خواری باقی چھوڑی سب اس سے کرواتے یہ ہیں

تکمیل ۴۹: ان افعال پر انسانی وحیوانی قدرتیں محتاجِ بیان نہیں ڈبکنا پھولنا بلّے میں دیکھو، سمٹنا پھیلنا سانپ میں۔ مرد وعورت اپنے اپنے مخصوص اعضا سے مخصوص کام کرتے ہیں وہ ان میں جس کا کام نہ کر سکے قدرت میں اس سے گھٹے تو ضرور ہے کہ وہ عورت کے لیے مرد اور مرد کے لیے عورت ہو سکے اور جب دونوں وصف ہیں تو آپ ہی خنثیٰ مشکل ہوا۔ چار فاحشہ اگر ایک محفل میں رقص کرتی ہوں ہر ایک ایک طرف نوجوان فرض کیجیے اس میں اگر ان کا معبود ایک ہی طرف کو منہ کر کے ناچ سکے تو تین فاحشہ سے قدرت میں گھٹے ناچار واجب کہ ایک آن میں چاروں طرف منہ ہو ہندو برہما کو چومکھا مانتے اور کنہیا کو نچکیا جانتے ہیں تفویت الایمانی معبود وہابیہ نے دونوں وصف لیے، یہاں تک ڈیڑھ سو قول خود امام الطائفہ وہابیہ کے تھے آگے مریدوں کی طراریاں ہیں۔ مریدین دو بھانت ہو گئے غیر مقلدین جن میں اب

تازہ سر برآوردہ امرتسر کا ایک ایڈیٹر اخبار ہے وہ علمی مادہ اتنا ہی رکھتا ہے جتنا آج کل کی ایک اردو ایڈیٹری کو درکار ہے مع ہٰذا دوسری قسم کے بالائے طاق، خود اسی کے ہم مشرب غیر مقلد اس کی گمراہی و بد دینی کے معتقد اور کتاب چابک لیث نے ثابت کر دیا کہ وہ در پردۂ نام اسلام آریہ کا ایک غلام اور باہم جنگ زرگری کام۔ ہاں قابلِ ذکر دیوبندی حضرات ہیں جو حنفی بلکہ چشتی نقشبندی تک بن کر مسلمانوں کو بہکاتے ہیں۔ پھر غیر مقلدوں کا رد دیابنہ کو شامل نہیں کہ یہ کہنے کو ان سے جدا ہیں اور دیابنہ پر رد غیر مقلدوں پر رد ہے کہ وہ ان پر جی سے فدا ہیں خود امرتسری کو اپنے اور ان کے ملۃ واحدہ ہونے کا اقرار ہے اور ان کے حامیٔ سُنّت ناصر ملت ہونے کا اظہار ہے لہٰذا ان کی خبر گیری اصل کار ہے و باللہ التوفیق، ابتداً قول اذناب دیوبند مثل مدرس اوّل مدرسہ دیوبند محمود حسن صاحب وغیرہ کو ذکر کیا ہے اگرچہ وہ بھی در پردہ ساختہ پرداختہ ان کے اصول ہی کا ہے پھر ان کے اقانیم ثلاثہ عالی جناب رشید احمد گنگوہی صاحب و جناب قاسم نانوتوی صاحب و خلف الکل جناب اشرفعلی تھانوی صاحب کی باری ہے اور نگاہ انصاف سے دیکھنے والے کے لیے مژدۂ توفیق باری ہے۔ وھو المعین و بہ استعین۔

بیس اضافۂ دیوبندیان

(۱۵۸) کھِل عیبی پوچ خدا کو پوجتے اور پجواتے یہ ہیں

تکمیل ۵۰: اقول آدمی کا شراب پینا یہی ہے کہ باہر سے اپنے جوف میں مونھ کی راہ سے شراب داخل کرے اور ان کا عقیدہ ہے کہ خدا بھی ایسی شراب خواری کرسکتا ہے کہ بندہ جو کچھ کرے، خدا اپنے لیے کرسکتا ہے۔ اب اگر ان کا خدا جوف دار کھکل نہ ہوا تو شراب کاہے میں داخل کرے گا، مونھ کا چھید نہ ہوا تو شراب کاہے سے پیے گا۔ تف ہے ایسے جھوٹے معبود اور اُس کے عابدان مردود پر۔ اب معلوم نہیں کہ وہ تند شراب ان کے خدا کی طاقت بڑھا کر پیٹ ہی میں پڑی گن لایا کرے گی یا اُس کا فضلہ مونھ کی راہ قے ہوجائے گا یا کوئی اور سوراخ بھی ہے جس سے باہر آئے گا۔ دیوبندی صاحبوں سے اس کا فتویٰ مطلوب ہے۔

(۱۶۰) لاکھوں کروروں خدا کے پجاری پھر توحید مناتے یہ ہیں

تکمیل ۵۱: یہ تصریح اگر چہ چھاپی ان بزرگوار خلیفۂ اعظم گنگوہی صاحب نے مگر اس کے قائل سارے کے سارے دیوبندی اور سب وہابی ہیں کہ یہی اُن کے امام الطائفہ اسمٰعیل کی دلیل ذلیل کا حکم ہے کہ خدا اس پر قادر نہ ہو تو آدمی سے قدرت میں گھٹ رہے۔

دم ہے محمود حسن صاحب، خلیل احمد صاحب، تھانوی صاحب وغیرہم کسی دیوبندی یا وہابی مقلد یا غیر مقلد میں کہ اسمٰعیلی دلیل بنانے اُس پر سے یہ بھاری کفر اُٹھانے کو اس کا جواب لا سکے اپنے کروروں خداؤں میں سے ایک بھی گھٹا سکے۔ **کذلک العذاب والعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔**

۱۶۱؎ سب خبریں قرآن کی جھوٹی پڑنی روا ٹھہراتے یہ ہیں
اب تو الوہیت بھی سدھاری ڈھول سے کھال گنواتے یہ ہیں

تکمیل ۵۲: گنگوہی صاحب نے جس طرح براہینِ قاطعہ انبیٹھی کے نام سے تصنیف کی جس کا پردہ خود اُن کے محرر نے کھول دیا۔ فتاویٰ گنگوہی حصہ ۲، صفحہ ۱۲ از محمد یحییٰ حضرت کی کتاب براہینِ قاطعہ میں یہ بحث مدلل ہے پھر مرثیہ گنگوہی کے آخر میں اسے صراحۃً تالیفاتِ گنگوہی میں گنا۔ یوں ہی تنزیہ الرحمن کے رد کرنے کو یہ رسالہ تقدیس القدیر ایک اور شخص کے نام سے شائع کیا۔ یہ شدید کفر اُس میں ہے **اولاً** صاف تصریح کہ یہ کلام اللہ کہ ہم پڑھتے ہیں اس کا جملہ جملہ جھوٹا ہوسکتا ہے۔ مسلمان جانتے ہیں کہ اُس کے کسی ایک جملے کو بھی ایسا سمجھنا قطعی کفر ہے۔ **واقول ثانیاً** جھوٹ وہی بات ہوسکتی ہے جو فی نفسہٖ جھوٹ ہو، سچی بات کبھی جھوٹ نہیں ہوسکتی تو فقط جواز نہیں بلکہ قرآن کا جملہ جملہ فی الحقیقت جھوٹ ہوا۔ **واقول ثالثاً** جواز ہی دیکھیے تو اس کے جملوں میں ھو اللہ بھی ہے یعنی وہ اللہ ہے اس کا کذب بھی ممکن ہوا یعنی جائز ہے کہ وہ اللہ نہ ہو اور جس کا اللہ نہ ہونا جائز اُس کا اللہ نہ ہونا واجب کہ اللہ کا اللہ نہ ہونا ہرگز جائز نہیں ہوسکتا تو ثابت ہوا کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک اللہ اللہ نہیں اور قرآن کریم معاذ اللہ بالفعل جھوٹا ہے اور کیا کفر کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہے گنگوہی دھرم۔

۱۶۴ؔ رب کا غضب ہو وحی سے پہلے کس کو ضال بتاتے یہ ہیں

۱۶۵ؔ بلکہ کہا ایمان سے خالی لعنت ہو کیا گاتے یہ ہیں

تکمیل ۵۳: جن آیتوں کا دھوکا دے کر گنگوہی صاحب نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ شدید گالیاں دیں اُن کے معانی کی تحقیق شفا شریف امام قاضی عیاض ومواہب شریفہ امام احمد قسطلانی ومدارج شیخ محقق وتفاسیر علمائے معتمدین میں دیکھیے یہاں اتنا کافی کہ ایمان سے مراد احکام تفصیلیہ ہیں کہ ان کا علم وحی سے ہوا ورنہ محال ہے کہ کوئی نبی قبل از وحی مؤمن نہ ہو وہ پیش از وحی بھی نہ صرف ایمان بلکہ اُس اعلیٰ درجۂ ولایت کبریٰ پر ہوتے ہیں کہ نہایت مدارجِ اولیا ہے اور ضال زبانِ عرب میں کمال محب محبت میں سرگشتہ کو کہتے ہیں۔ خود ابنائے یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد کریم نبی اللہ کی نسبت دو بار یہ لفظ بمعنی شدتِ محبت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام استعمال کیا ان ابانا لفی ضلٰل مبینo تاللہ انک لفی ضللک القدیمo زنانِ مصر نے کہ اُس وقت تک ہدایت وضلالت جانتی ہی نہ تھیں بوجہ عشق حضرت یوسف یہی لفظ حضرت زلیخا کو کہا قد شغفھا حبا انا لنرھا فی ضلل مبینo ان تینوں آیتوں میں ضلال قطعاً بمعنی شدتِ محبت ہے یوں ہی اُس چوتھی میں تو معنی کریمہ یہ ہوئے کہ اللہ عزوجل نے تمہیں اپنی محبت میں والہ وشیفتہ پایا تو تمہیں اپنے وصال کی طرف راہ دی۔ مگر گمراہ بے ایمان کو سوا گمراہی وبے ایمانی کے کیا سوجھے قاتلھم اللہ انی یؤفکونo اور ایک ظلم یہ کہ ان دو آیتوں کے ساتھ کریمۂ و ان کنت من قبلہ لمن الغٰفلینo بھی شمار کردی اور اُسے معاذ اللہ ایمان سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غفلت قرار دیا حالانکہ وہاں ذکر قصۂ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا ہے کہ وحی سے پہلے تم اس سے آگاہ نہ تھے۔ نفس آیت اس پر دلیل ہے نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھذا القراٰن و ان کنت من قبلہ لمن الغفلینo اپنا کذب چھپانے کے لیے شروع سے آیت کتر لی یہ قرآن کریم میں خیانت وتحریف ہے واللہ لا یھدی القوم الظٰلمینo

۱۶۶ؔ مرسل لا ثانی کا ثانی گنگوہی کو بناتے یہ ہیں

تکمیل ۵۴: اس شعر نے صفحہ ۱۴ میں ان کی ایک گول بیت کا بھی پردہ کھول دیا کہ ؎

جہاں تھا آپ کا ثانی وہیں جا پہنچے خود حضرت
کہیں کیونکر بھلا کس منہ سے مولانا تھے لا ثانی

یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ رشید احمد ثانی بتایا ہے، یہ اُس سے اخبث کفر ہے اور اسی کا اشارہ اس کی متصل بیت میں ہے ؎

دلوں کو جھانکتے ہیں اپنے اور سب مسکراتے ہیں
کہا جب میں نے مولانا رشید احمد تھے لا ثانی

بتا دیا کہ یہ کوئی ایسی ہی بات ہے جسے زبان تک صاف نہیں لا سکتے، دل ہی دل میں سمجھ کر مسکراتے ہیں کہ رشید احمد لا ثانی کیونکر ہوا اُس کا ثانی تو بانی اسلام ہے، یہ نہ تھا تو دلوں کو جھانکنے اور مسکرانے کے کیا معنی تھے۔ ہاں شعر اوّل میں ایک تاویل معقول ہے، جو اُسے کفر سے اسلام خالص کی طرف لے آئے، بشرطیکہ آپ پسند کریں اور اجازت دیں۔ ثانی بمعنی طرف ثانی یعنی ضد و مقابل ہے اور ہُبل سے بھی یہی ثانی مراد اور اہلِ اہوا اُس کے معتقدین۔ کافر کی روح بھی اولاً طرف آسمان جاتی ہے جس کی طرف لفظ اُٹھا مشیر ہے۔ آسمان کے دروازے بند کر لیے جاتے ہیں کہ یہاں تیری جگہ نہیں، اُسے نیچے پھینکتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر معتقدین چیخ رہے ہیں اُعلُ ھُبل اے ہبل اوپر کو، اے ہبل اوپر کو۔ مگر ہبل ایک نہیں سنتا، نیچے ہوتا ہوا اسفل سافلین پہنچتا ہے۔

۱۶۷ قبر ہے طور وہ رب یہ موسیٰ کیسے جنون پکاتے یہ ہیں

تکمیل ۵۵: اس کفر صریح کو نادان بن کر ٹالا ہے، یعنی پاگل ہیں والپاگل مرفوع القلم یہ ہے حقیقی گور پرستی۔ وہاں شاید ایک وجہ شبہ خیال کی ہو طور پر تجلی نار کی تھی کہ اٰنس من جانب الطور نارا، اگر نار ہی گور گنگوہی صاحب میں دیکھ کر حواس باختہ ہو کر یہ تشبیہ گڑھی ہو تو پگلیت جائے دارد۔

۱۶۸ و اس کے کالے غلاموں کو یوسف پاجی پن یہ دکھاتے یہ ہیں

۱۶۹؎ عبد نبی شرک اندھی کے بندے بن کے بہت اٹھلاتے یہ ہیں

تکمیل ۵۶: اقول اولاً۔ دنیاوی معاملات میں بنی نوع انسان میں سب سے ذلیل تر غلام ہے وہ بھی کالا حبشی۔ آزاد شخص کیسا ہی پاجی سا پاجی ہو غلام ہونے کو اپنی توہین سمجھے گا تو اس انتہا درجے کے پاجی پن کو اس مرثیہ گو نے کہاں جا کر ملایا، یہ نبی اللہ کی توہین ہے۔ **ثانیاً** اگر آج کل کسی کے غلاموں کو کہیے کہ اُس کا ایک ایک چھوکری بچہ رشید احمد ثانی ہے تو کیا اسے رشید احمد کے لیے روا رکھیں گے، ہرگز نہیں۔ مگر ان کے یہاں سب سے کم قدر اللہ کے رسول ہیں، اُن کے ساتھ جیسا چاہیں کھیلتے ہیں۔ **ثالثاً** طرفہ یہ کہ عبد النبی شرک۔ عبارت نمبر ۶۶ میں گزری اور عبد الگنگوہی آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک۔ یہ کیسا شرک اخبث ہے۔

۱۷۰؎ اس کو مُحیی و مُبقی کہہ کر عیسیٰ کو چونکاتے یہ ہیں

تکمیل ۵۷: اقول مسلمان ذرا ان تیوروں کو دیکھیں کہ ہمارے گنگوہی نے مُردے زندہ کیے، زندے مرنے نہ دیے۔ ذرا ابنِ مریم یہ مسیحائی دیکھیں۔ رسول اللہ پر کیسی کھلی طنز ہے۔ جو کسی کمال میں مشہور ہو دوسرے کا کمال اُسے دکھانا کہ ذرا اسے دیکھیے اس میں غالب دو پہلو ہیں، اوّل تفضیل کہ دیکھو تم سے بہتر اس نے کرلیا، دوم اس کے دعویِ یکتائی کا رَدِّ عام ازیں کہ وہ دعویٰ مطلق ہو یا اس دوسرے کے مقابل کہ تم آپ ہی کو سمجھتے تھے یہ دیکھو دوسرا بھی جو یا تم تو اس کے لیے اپنا سا کمال نہ جانتے تھے یہ دیکھو اس میں موجود ہے۔ زید کاتب ہے اور عمرو کے خط کو اُس سے بہتر بتاتا نہیں نہ وہ اس کی کتابت کا منکر تو اُسے عمرو کا لکھا دکھانا کیا کہ ذرا اسے دیکھیے پہلوئے اوّل میں اُس پر تفضیل ہے دوم میں اُس کے دعوے کا ابطال اور یہ دونوں یہاں کفر ہیں بلکہ یہاں پہلوئے تفضیل ہی غالب ہے کہ حضرت مسیح دیکھیے آپ کا تو ایک ہی کام تھا مُردوں کو زندہ کرنا یہاں دو ہیں مُردوں کو جِلانا اور زندوں کو جیتا رکھنا۔ بہر حال ایہام میں کیا کلام۔ اب فتاویٰ گنگوہی حصہ ۳ صفحہ ۳۴ و ۳۵ ملاحظہ ہو کہ ایہام گستاخی سے خالی نہیں پس ان کا بکنا کفر۔ **تنبیہ** ان دونوں مرثیوں میں غلط محاوروں، غلط بندشوں، غلط تقطیعوں کے علاوہ جن سے کھلتا ہے کہ با ایں بے ادراکی شعر کو تکلیف دینی اثر جنون تھی

تفویت الایمانی وگنگوہی شرکوں کی بوچھار ہے اور انبیا کے ساتھ گستاخی تو اصل کار ہے مگر یہاں اسی قدر پر کہ قصیدہ نے مواخذہ کیا اقتصار ہے آگے خاص عالی جناب گنگوہی صاحب پر الٰہی محمدی مار ہے جل اللّٰہ وعلی رسولہ و الہ صلی اللّٰہ۔

چھتیس اقوال خاصۂ جناب گنگوہی صاحب

۱۷۳ علم غیب ابلیس کو مانیں شہ کو کہو جل جاتے یہ ہیں

تکمیل ۵۸: اقول گنگوہی صاحب نے بزعم خود مؤلف انوارِ ساطعہ مرحوم کا یہ زعم تراشا ہے کہ انہوں نے شیطان وملک الموت میں یہ علم بتا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بر بنائے افضلیت ثابت مانا ہے۔ اس بنا پر کہا کہ مؤلف اپنے اس زعم پر بر بنائے افضلیت شیطان کے برابر تو اُن میں علم غیب ثابت کر لے۔ علم غیب کا لفظ مؤلف کے کلام میں نہ تھا اور جو علم مؤلف نے ثابت کیا اُسے خود گنگوہی نے شیطان کے لیے نصوص سے ثابت مانا اور خود اپنی طرف سے اُسے علم غیب کہا اور وہ واقعی اُن کے اور سب وہابیہ کے دھرم میں علم غیب ہے بلکہ بہت علوم غیب سے کروروں درجے زائد کہ اُن کے یہاں ایک پیڑ کے پتوں کی گنتی جان لینا علم غیب ہے، دیکھو نمبر ۱۰۳۔ ایک جلسۂ نکاح پر مطلع ہو جانا علم غیب ہے، براہین قاطعہ گنگوہی صاحب صفحہ ۴۹ فقط مجلس نکاح کے اعتقاد علم میں کافر لکھا ہے تو علم محیط زمین تو کروروں علم غیب کا مجموعہ ہے۔ گنگوہی صاحب اسے فرماتے ہیں کہ شیطان کو علم غیب تو نص سے ثابت ہے اَوروں میں بھلا اُس کے برابر تو ثابت کر دو، زیادہ ہونا تو بڑی بات ہے۔ اذناب کہتے ہیں کہ گنگوہی صاحب نے تو ذلیل و ناپاک علم شیطان کے لیے خاص کیے ہیں نہ کہ فضیلت والے سبحان اللہ۔ **اولاً** علم غیب فضیلت ہے یا ناپاک و ذلیل۔ فضیلت بھی ایسی کہ باری عزوجل کی صفات سے ہے۔ **ثانیاً** ملک الموت بھی تو شامل ہیں، کیا اُن کے علم بھی ذلیل و ناپاک ہیں **ثالثاً** خود گنگوہی صاحب اسی بحث میں لکھتے ہیں، صفحہ ۵۲ اگر فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ عطا فرمادے ممکن ہے مگر ثبوت اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ہے کیا ناپاک و ذلیل چیز میں آلودہ

کرنے کو عطا کہتے ہیں؟ کیا ناپاک وذلیل چیز کا امکان حضور کے لیے لاکھ گنا بڑھاتے ہیں۔

۱۷۶ جو اللہ کو جھوٹا مانے صالح اس کو گناتے یہ ہیں
تا کافر، گمرہ، فاسق کیسا کرّا لفظ بچاتے یہ ہیں
۱۸۰ شافعی و حنفی کے مانند اس کا خلاف مناتے یہ ہیں

تکمیل ۵۹: دیکھا کہ امکانِ کذب کی ضلالت کہاں تک کھینچ کر لے گئی، **قال اللّٰہ تعالیٰ ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا اولئک یعرضون علی ربھم ویقول الاشھاد ھؤلاء الذین کذبوا علی ربھم الا لعنۃ اللہ علی الظلمین** o اُس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ کی تہمت رکھی یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے یہ وہ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔ سنتے ہو اللہ کی لعنت ان ظالموں پر۔ یہ اصل فتویٰ گنگوہی کا مہری دستخطی اُن کے فتاوے کے معروف خط کا لکھا ہوا موجود ہے، اس کے عکس لیے گئے۔ ایک فوٹو سرکارِ مدینہ طیبہ میں ہے، کئی ہندوستان میں ہیں۔ اوّل بار ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ میں خاص میرٹھ میں کہ اُس وقت انھیں کی قلمرو میں تھا چھپ کر شائع ہوا، اس پر مواخذات ہوا کیے اس کے بعد پندرہ برس گنگوہی صاحب بقیدِ حیات رہے۔ ۱۳۲۳ھ میں مرے، کبھی نہ کہا کہ یہ فتویٰ میرا نہیں۔ اب اُن کے مرنے کے بعد اذناب منکر ہیں اور اُن کے فتاوے میں ایک فتویٰ بھی داخل کرلیا ہے کہ جو وقوعِ کذب مانے کافر ہے مگر اس سے کیا فائدہ یہ گنگوہی صاحب کی ہی تکفیر تو ہوئی، تم نے خود نہ کی، اُن کے منہ سے کرائی کہ اتم وابلغ ہو۔ لطف یہ کہ وہ فتوے ۱۳۰۷ھ کا ہے اور یہ ۱۳۰۸ھ کا تو وہ اگر تھا بھی اس سے منسوخ ہوگیا۔ مسلمانو! للہ انصاف **اولاً** اتنا عظیم اخبث گندا کفر کہ آج تک کسی ہندو، مجوسی، آریہ، یہودی نے بھی نہ بکا ہوگا کہ اُس کا معبود جھوٹا کذّاب ہے، گنگوہی صاحب کی نسبت شائع ہو اُس کے رَدْ ہوں اُس پر گنگوہی صاحب کی تکفیریں ہوں اور گنگوہی صاحب ۱۵ر برس جیئیں اور اصلا انکار نہ کریں کوئی عاقل اسے قبول کرسکتا ہے؟ اگر اس میں ایک حرف کا بھی اُن کی اصل تحریر سے فرق ہوتا جس سے اُن پر اتنا موٹا کفر آتا چیخ پڑتے، اشتہار پر اشتہار شائع

کرتے کہ یہ مجھ پر افترا ہے، میرے اصل فتوے میں یہ تھا اُس کو یوں بنا لیا ہے نہ کہ سارا فتویٰ۔ اتنے خبیث کفر کا کہ کسی پادری یا آریہ سے بھی اُس کی نظیر نہ ملے گنگوہی صاحب کے نام سے شائع ہوا اُس پر رَدْ ہوں، تکفیریں ہوں اور گنگوہی صاحب پندرہ برس چپ رہیں اور اُسی خاموشی کو لیے ہوئے شہرِ خموشاں چل بسیں۔ جب تک وہ بقیدِ حیات رہے اہالی وموالی بھی خاموش درخوابِ خرگوش جب وہ بقیدِ ممات ہوں تو اب یہ شگوفہ کھلے کہ فتویٰ اُن کا نہیں اس سے تو یہی آسان تھا کہ کہہ دیتے، گنگوہی صاحب تھے ہی نہیں لوگوں نے انیاب اغوال کی طرح ناحق کا ایک ہیولیٰ بنا رکھا ہے یوں نہ صرف اس کفر بلکہ تمام کفروں، ضلالتوں کا ایک ساتھ فیصلہ ہو جاتا۔ **ثانیاً** ذرا انصاف درکار

ع نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

گنگوہی صاحب نے براہین صفحہ ۲ میں لکھا امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔ پس اس پر طعن کرنا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے۔ امکانِ کذب خلف وعید کی فرع ہے۔ پھر اپنے رسالہ تقدیس صفحہ ۸۷ میں کہا جواز وقوعی میں بحث ہے صفحہ ۷۹ گفتگو جواز وقوعی میں ہے نہ جواز امکانی میں صفحہ ۲۴ جواز وقوعی کا بعض اثبات کرتے ہیں اور خود ہی جواز وقوعی کے معنی بتائے صفحہ ۱۹ مراد جواز سے دو معنی ایک جواز وقوعی جس کے وقوع سے کوئی استحالہ لازم نہ آئے ظاہر ہوا کہ قدما میں خلف وعید کے جواز وقوعی میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ جائز الوقوع مانتا ہے جس کے وقوع میں کوئی استحالہ نہیں اس پر طعن پہلے مشائخ پر طعن ہے۔ اب اسی تقدیس کا صفحہ ۲۱ دیکھیے کذب جنس ہے اور خلف وعید ایک نوع اُس کی ہے اور یہ میزان منطق دان بھی جانتا ہے کہ ثبوت نوع سے ثبوت جنس لازم وواجب ہے پس یہ فرمانا کہ جوازِ خلف وعید کے معتقد جوازِ کذب کے معتقد نہیں طرفہ فقرہ ہے کیا پہلے علمائے متکلمین کو کوئی ایسا گمان کرسکتا ہے کہ نوع کے وجود کے قائل ہو کر جنس کے عدم کے قائل ہوں پس پُرضروری ہے کہ وہ لوگ جوازِ کذب کے قائل ہوں گے اور یہ وہی مضمون ہے کہ ابتداءً براہین قاطعہ میں ہے کہ خلف وعید

میں علمائے متقدمین کا اختلاف ہوا ہے اور امکانِ خلف کی امکانِ کذب فرع ہے یعنی کذب جنس ہے اور خلف وعید نوع اس کی۔ دیکھیے کیسی صاف تصریح ہے کہ اُن قدما کا مذہب یہ ہے کہ کذب الٰہی کے وقوع میں کچھ استحالہ نہیں اس پر طعن پہلے مشائخ پر طعن ہے یہ سب تمہاری مشہور چھپی ہوئی کتابوں میں ہے اسی کو اُس فتوائے گنگوہی میں یوں کہا اُس کو کافر یا بدعتی ضال کہنا نہ چاہیے کیونکہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علمائے سلف کی قبول کرتی ہے اور واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے اور وجود نوع کا جنس کو مستلزم ہے لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے۔ دیکھیے وہی مضمون، وہی دلیل ہے جواب تک تم اپنی چھپی ہوئی کتابوں میں لکھ رہے ہو فرق صرف یہ ہے کہ یہاں وقوع کذبِ الٰہی پر کوئی استحالہ نہ مانا وہاں نفس وقوع مانا دونوں کفر یقینی قطعی اجماعی ہونے میں یکساں ہیں پھر یہ فرق بھی فقط لفظوں میں ہے حقیقۃً اتنا فرق بھی نہیں خلف وعید بمعنی عفو ہے ولہٰذا مجوزین اُسے اللہ عزوجل کا کرم و فضل بتاتے ہیں۔ تقدیس میں خود اس کی تصریح ہے صفحہ ۲۳ شرط نہ ہو تب بھی خداوند کریم خلف پر قادر ہے مثلاً توبہ نہ کرے تب بھی عفو مقدور ہے ایضاً قائلانِ جواز کی طرف سے نقل کیا کہ وقوع خلف جائز ہے اس لیے کہ مغفرت عاصی مکرمت ہے اور وہ حسن ہے۔ دیکھو عفو و مغفرت کا نام خلف رکھا اور عفو و مغفرت یقیناً واقع ہیں اور وہ اُسی فتوے کی طرح یہاں بھی صاف کہہ چکا کہ کذب جنس ہے اور خلف نوع اور یہ کہ ثبوتِ جنس سے ثبوت نوع لازم و واجب ہے تو کیسا بے پردہ کہا کہ اُن قدما کا مذہب یہی ہے کہ کذبِ الٰہی واقع ہے وقوعِ کذب کے معنی درست ہو گئے۔ اس پر طعن پہلے مشائخ پر طعن ہے اُس فتوے نے اور کیا زہر گھول دیا جس پر ہائے وائے مچاؤ تمہاری چھپی ہوئی کتابیں ڈنکے کی چوٹ پر وہی کہہ رہی ہیں جو اُس فتوے میں ہے۔ ثالثاً دیوبندی رسالہ اسکات المعتدی صفحہ ۳۱ تاویل سے اس شخص کا مذہب جو جواز الخلف فی الوعید کا قائل ہے نہیں بدل سکتا فتوے اُس کے باب میں مقصود ہے کہ وہ وقوعِ کذب کا قائل ہو کر کافر ہوا یا نہیں علی ہذا القیاس صاحب مسایرہ نے جو اکابر اشاعرہ کا مسئلہ نقل کیا ہے وہ لوگ بھی وقوعِ کذب کے قائل ہوئے یا نہیں ان کی نسبت کیا حکم

رہے دیکھیے صاف بتارہا ہے کہ اکابر اشاعرہ اور وہ قدماوقوع کذبِ الٰہی کے قائل ہیں پھر

ع نمودار چیزیں چھپانے سے حاصل

سبحان اللہ فتوے کا وہی گنگوہی معروف خط وہی دستخط وہی مہر وہی طرزِ عبارت اور پندرہ سال تک گنگوہی سکوت اور اُن کے جیتے جی سب اذناب بھی ساکت ومبہوت اس سب پر خاک ڈالی جائے تو تمہاری کتابیں بے پردہ و بے حجاب وہی گارہی ہیں۔ وہی مضمون وہی دلیل پھر انکارِ آفتاب سے کیا حاصل

ع کفر نوشتہ نتواند سترد

کذلک العذاب ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون o

۱۸۱ مجھ کو بھائی کہو کی تہمت مولیٰ تجھ پر اُٹھاتے یہ ہیں
اپنے ہی منہ ملعون ہوئے خود نار میں دار چھواتے یہ ہیں
لعن ابلیس پر اوروں کے مونھ سے اپنے ہی مونھ کی پاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۰: اللہ اکبر یہ صریح جھوٹ یہ قبیح افترا اور وہ بھی کس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افسوس حبک الشئ یعمی و یصم اسمٰعیل کی محبت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اُس کی حمایت نے ایسا اندھا بہرا کردیا کہ گنگوہی صاحب کو اسی حصے صفحہ ۱۴۵ کا خود اپنا لکھانہ سوجھا کہ واضع ملعون ہے کہ فخر عالم علیہ الصلاۃ والسلام پر تہمت کرتا ہے ایضاً صفحہ ۱۲ واضع ملعون ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متواتر حدیث میں فرماتے ہیں جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے فتاویٰ گنگوہی حصہ ۱، صفحہ ۲۷ حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص قابلِ لعن کا ہے تو لعن اُس پر پڑتی ہے ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ یہاں گنگوہی صاحب واضع کو ملعون کہہ رہے ہیں اور آپ حدیث وضع کررہے ہیں تو خود ہی اپنے کو ملعون کہہ رہے ہیں اب اگر ابتداءً اس قابل تھے براہ راست پڑی ورنہ پلٹ کر بہر حال اُن کی انھیں پر رہی۔

۱۸۳ باپ کو اپنا قریب بتانا گستاخی ٹھہراتے یہ ہیں

شاہ رسل کو بھائی کہنا ماں کا دودھ بناتے یہ ہیں

تکمیل ۶۱: مسلمانو! سُن چکے کہ حاجی امداد اللہ صاحب کی نسبت اتنا کہنے پر کہ ہم اُن سے ملے گنگوہی صاحب کیسے بپھرے حالانکہ یہ کوئی ایسا لفظ بھی نہ تھا اللہ عزوجل اپنے مقبول بندوں کا ذکر فرماتا ہے **یظنون انھم ملاقوا ربھم** انہیں یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاءہ** جو اللہ سے ملنے کو دوست رکھے اللہ اُس کا ملنا دوست رکھے اس پر فقہ یاد آئی کہ جو باپ کو اپنا قریب کہے عاق ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہنا کہ وہ ہمارے بڑے بھائی ہم چھوٹے بھائی یہ نہ عاق ہونا ہوا نہ بے سعادتی۔ بلکہ اس کے بنانے کو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان اُٹھا کر حدیث گڑھی۔ کیونکر یہ سب سے بڑے مذہبی باپ اسمٰعیل جی کی کہی ہوئی تھی۔ ایمان ہوتا تو یہیں سمجھ لیتے کہ وہ نا سعادت مندی تھا تو یہ بے ایمانی وہ عاق ہونا تھا تو یہ کافر ہونا مگر جب رسول کی قدر باپ سے کم بڑے بھائی کے برابر ہے تو آپ ہی یہ اعتراض عائد نہیں ہوتا کہ وہ مسئلہ تو پدر و پیر کے باب میں تھا بڑے بھائی کا رتبہ اُتنا کہاں **وسیعلمون الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ٥**

۱۸۴ مٹی میں ملنا مٹی سے ملنا ایک ہے یوں چندراتے یہ ہیں

پیٹھ رسول اللہ کو دے کر کیسی اوندھی گاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۲: **اقول** اسمٰعیل کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین درست کرنے کو کیسی صریح بے ایمانی کی کہ مٹی سے متصل ہوجانا مٹی میں ملنا کہلاتا ہے۔ حاشا محض جھوٹ اولاً ہر مکان کی دیواریں مٹی سے متصل بلکہ بنیاد تک مٹی کے اندر داخل ہوتی ہیں پھر جب سلطانی قلعہ بن کر تیار ہو کوئی مجنون ہی کہے گا کہ سارا قلعہ مٹی میں مل گیا۔ ثانیاً روپیہ زمین پر رکھیے تو کوئی نہ کہے گا کہ روپیہ مٹی میں مل گیا اور چاندی کا برادہ خاک میں گر کر خلط ہوجائے اُسے کہیں گے کہ چاندی مٹی میں مل گئی ثالثاً گنگوہی صاحب جب زمین پر بیٹھتے ہوں گے تو اُس وقت اُن کے نیچے مٹی سے جسد مع پاجامہ ملاحق ہوتا تھا مگر کوئی نہ کہتا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں

مل گئیے نہ مرنے کے بعد چند روز تک یہ کہا جاتا ہاں اب کہ ایک جگ بیت گیا اور اُن کا بدن گل کر مٹی میں خلط ملط ہو گیا اب کہا جائے گا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گئے۔ رابعاً سے اور میں میں فرق نہ کرنا کیا مطلب کے لیے بھولا بن جانا ہے۔ اگر کسی کا لٹھا گنگوہی صاحب کے پاس امانت ہو اور اُن سے گم جائے تو یہ کہا جائے گا کہ لٹھا اُن سے غائب ہو گیا یا یہ کہ لٹھا اُن میں غائب ہو گیا۔ آپ کے نزدیک دونوں طرح کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں انا للہ و انا الیہ راجعون ان کے یہاں یہ وقعت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کہ اُن کی شان میں گالی کو کیسے کیسے چھل پیچ سے ٹھیک کیا جاتا ہے اور پھر دعویٰ ایمان باقی ہے سبحٰن اللہ یہ منہ اور یہ دعویٰ۔

۱۸۵ؔ استمداد کریں شیطاں سے شرک نبی سے بتاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۳: اقول اولاً شیطان سے استمداد کا جواز ثانیاً نبی پر اُس کی تفصیل کہ ان سے شرک اور اُس سے جائز۔ ہاں کیوں نہ ہو اور سُن چکے کہ شیطان ہی اُن کا حق تعالیٰ ہے۔ فتاویٰ چھاپنے والے نے یہاں چالاکی یہ کی ہے کہ سوال اُڑا دیا نرا جواب نقل کیا مگر بات مشہور ہے چھپائے کیا چھپتی ثالثاً شیطان سے درخواست مفید سمجھنا اُس سے فائدے کی توقع ہے اور نمبر ۷۳ میں اسمٰعیلی حکم سُن چکے کہ نفع کی امید اور سے کرنا شرک ہے۔ افسوس کہ دونوں طرف سے مارے پڑے ازیں سو راندہ وزاں سو ماندہ۔

۱۸۸ؔ فاتحہ میں قرآں کی تلاوت وید پڑھنت سناتے یہ ہیں
قرآں وید ہے قاری پنڈت یہ تشبیہ جماتے یہ ہیں

تکمیل ۶۴۔ اقول اولاً قطع نظر اس سے کہ اس کا حاکی ایک وہابی اور رب عزوجل فرماتا ہے: یٰایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو۔ نہ کہ وہابی گمراہ اور وہ بھی اُس مسئلہ میں جو متعلق بہ وہابیت ہے جس میں وہ متہم ہے۔ اگر بعض ہنود ایسا کرتے ہوں تو بہت رسمیں ہندوؤں نے مسلمانوں سے سیکھی ہیں۔ یہ ثبوت تیرے ذمے ہے کہ اس کے اصل بانی ہنود ہیں۔ یہ فطری

بات ہے کہ سلطنت کا رعیت، فاتح کا مفتوح پر اثر ہوتا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں فاتح ہوکر آئے اور صدہا سال سلطان وحکمران رہے۔ ہندوؤں کے روزمرّہ میں بکثرت الفاظ عربیہ داخل ہوگئے، طرزِ معاشرت میں بھاری تبدیلیاں ہوئیں۔ اُن میں سے یہ بھی انہوں نے مسلمانوں سے لیا ہو تو کیا محال ہے۔ ثانیاً اسے اُن کا شعار کہنا صریح جھوٹ ہے۔ کسی قوم کا شعار وہ جس سے اُن کی پہچان ہو اور اُن میں اور اُن کے غیر میں اُس سے امتیاز کیا جاتا ہو۔ یہاں شعاریت اگر ہے تو وید پڑھنے سے کوئی وہابی اگر تمہاری فاتحہ میں پنڈت سے وید پڑھوائے اُسے منع کرنا کہ تو شعارِ ہنود کا مرتکب ہوا۔ مسلمانوں کا حال آپ کو معلوم نہیں وہ قرآن عظیم پڑھتے ہیں، وید پڑھنا ہنود کا شعار تھا تو قرآنِ عظیم کی تلاوت خاص شعارِ اسلام ہے۔ اس زمین وآسمان کے فرق کے بعد بھی تشبہ رہے تو روزے اور حج بھی ممنوع ہوں خصوصاً نافلہ کہ برت اور تیرتھ سے تشبہ ہوگا۔ سورج گہن اور چاند گہن کے وقت تصدق کرنا بھی ممنوع ہو کہ ہندوؤں کا شعار ٹھہرے گا۔ یہاں تو ایسا کوئی فرق بھی نہیں بخلاف فاتحہ کہ اُس میں رسم ہنود سے تشبہ اُسی کو سوجھے گا جو قرآنِ کریم و وید میں فرق نہ کرے گا یا یہ احکامِ شرعیہ از انجا کہ برخلاف حکم من تشبہ بقوم فھو منھم ہیں خلافِ قیاس ٹھہر کر مورد پر مقتصر رہیں گے۔ ثالثاً اپنا فتاویٰ حصۂ اوّل صفحہ ۱۷ یاد رہے ٹوپی نصرانیوں کی یا کرتے یا پتلون شعارِ کفر نہیں بلکہ لباس اُس قوم کا ہے اُن کا پہننا ہندوستان میں تو تشبہ ہے اور اُس ملک میں کہ وہاں مسلمانوں کا بھی یہی لباس ہے وہاں گناہ بھی نہیں کہ وہاں یہ لباس شعارِ نصاریٰ نہیں۔ سبحٰن اللہ وہاں کوٹ پتلون ہیٹ تک شعارِ نصاریٰ نہیں حالانکہ بعینہٖ شئ واحد ہے اور یہاں کہ صدہا سال سے تمام مسلمانوں میں فاتحہ کا رواج ہے جسے شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ میں تمام اُمت کا معمول بتاتے ہیں شعارِ ہنود ہوگیا اور قرآن و وید کا بھی فرق معطل رہا۔ رابعاً مدرسۂ دیوبند کیوں نہ حرام وفسق وتشبہ ہنود ہوا بالکل اُن کا پاٹ شالا ہے وہی مقصد، وہی مدرس، وہی طلبہ، وہی درس، وہی سالانہ جلسے، وہی امتحان، وہی فیل پاس، وہی انعام اور اس فرق کا کیا لحاظ کہ تم قرآن مجید اور اُس کے متعلقات پڑھاتے ہو اور وہ وید اور اُس کے

متعلقات۔ اس فرق نے فاتحہ میں کیا کام دیا جو یہاں دے گا۔ **خامساً** تمہارا امام الطائفہ صراطِ مستقیم میں اجتماع طعام وقرآن خوانی کو بہتر لکھ گیا کہ میت کو ثواب پہنچانا کھانے پر موقوف نہ رکھیں ہاں میسر ہو تو بہتر ورنہ صرف فاتحہ وقل کا ثواب سب سے اعلیٰ ہے اور اپنے رسالۂ ذبیحہ مندرجہ زبدۃ النصائح صفحہ ۱۰۵ میں کہتا ہے اگر بکرا گھر میں پالے تا کہ اُس کا گوشت اچھا ہو اُسے ذبح کر کے پکا کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فاتحہ پڑھ کر کھلائے کچھ حرج نہیں۔ اب اُسے حرام کی طرف منسوب کرو، تشبہ ہنود کی آگ میں جھونکو۔ آپ کے نزدیک یہ کیسا پنڈت بنا ہوا کھانے پر وید پڑھنت کر رہا ہے اور سنیے شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاوے صفحہ ۷۵ میں ہے جو کھانا حضرات امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نیاز کا ہوتا ہے اور اُس پر فاتحہ اور قل اور درود شریف پڑھتے ہیں وہ تبرک ہو جاتا ہے، اُس کا کھانا بہت اچھا ہے۔ اب اپنی ہندوانی رسم کی خبریں کہیے۔

۱۹۱ شہ کا رحمتِ عالم ہونا ہر ملّے کو دلاتے یہ ہیں
یعنی یہ بھی ہیں رحمت عالم ملّے خود کہلاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۵: اقول علم حقائق تو اہلِ حقائق کو دیتے ہیں اور اُن کے طفیل میں اُن کے غلام اُس سے حصہ لیتے ہیں۔ اس کا بیان ہو تو سب پر عیاں ہو کہ اپنے ہر مُلّا کو اس عظیم خاصہ جلیلہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم میں شریک کرنا وہی تفویت الایمان والی بات ہے کہ بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر مگر باطن کی پھوٹ جانے والے کیا اوّل دن سے ظاہر کی بھی پھوٹی ہی لائے تھے۔ یہ رحمت بذریعۂ رسالت ہے کہ **وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین** ہم نے تمہاری رسالت نہ کی مگر سارے جہاں کے لیے رحمت۔ تو رحمۃ للعلمین نہ ہوگا مگر وہ کہ رسول الی العٰلمین ہو تمام جہان کو اُس کی رسالت عام ہو اور وہ نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لہٰذا اور انبیا بھی اس وصف کریم میں حضور کے شریک نہیں ہو سکتے۔ خود حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ و بعثت الی الخلق کافۃ** ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا اور میں تمام جہان کی طرف بھیجا گیا۔

ائمہ کرام نے اس وصف کریم سے حضور کی تفضیل مطلق ثابت فرمائی ہے مگر وہابیہ کے یہاں تو حضور میں رسالت سے اوپر کچھ نہیں (دیکھو نمبر ۱۴۳) وہ کیونکر اسے حضور کی صفت خاصہ مانیں اور پھر فقط رسولوں ہی کے لیے تعمیم نہیں بلکہ ہر ملّا شریکِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھہرا دیا۔ یہ شانِ اقدس میں کتنا بھاری شرک ہے۔ خدا کی شان امرتسر کا ایک طاغیہ قرآن کو پس پشت ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحمۃ للعلمین ہونے ہی سے منکر ہے۔ گنگوہ کا طاغیہ اُسے مانتا ہے تو یوں کہ ہر ملّا اُس میں شریکِ حضور ہے۔ غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل مٹانے سے کام ہے خواہ یوں کہ سرے سے انکار کر دیں یا یوں کہ اُن کو گلی گلی مبتذل کر کے فضل نہ رکھیں اور پھر اسلام کا دعویٰ باقی و اللّٰہ علیم بالظّٰلمین O

۱۹۲ فضل شہ میں بخاری و مسلم سب مردود بتاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۶: اقول دشمنانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کی وسعتِ علم کہاں تک مٹائیں۔ بخاری مسلم کی حدیثوں پر پانی پھیر دیا۔ اللہ واحد قہار فرماتا ہے نزلنا علیک الکتٰب تبیاناً لکل شیٔ ہم نے تم پر قرآن اُتارا ہر چیز کا روشن بیان کر دینے کو اور فرماتا ہے وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما O تمہیں بتا دیا جو کچھ تمہیں معلوم نہ تھا اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔ براہین قاطعۂ گنگوہی صفحہ ۴۰ لفظ ما فرمایا ہے کہ لفظ عموم کا ہے۔ صفحہ ۷۳ لفظ عام کے معنی خاص لینے کا کوئی قاعدہ نہیں۔ آیات کی زیادہ بحث الدولۃ المکیہ میں ملاحظہ ہو۔ ان کا کیا علاج ہوگا سوا اس کے کہ و لکن الظّٰلمین بٰایٰت اللہ یجحدون O

۱۹۳ نقص کو ایک بے اصل روایت اپنی برہان لاتے یہ ہیں
و
۱۹۴ راد کو اُس کا راوی گائیں کیا بے پر کی اُڑاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۷: اس بے ایمانی کو دیکھیے ابلیس کا علم تو تمام زمین کو محیط مانا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار پیچھے کے حال سے بھی بے خبر ٹھہرانے کو کیسی مردود روایت پیش کی اور شیخ محقق نے اُس کا رد کیا تھا۔ اُن کے سر اُس کی روایت دھر دی۔ قرآن میں سے نرا لا تقربوا

الصلوٰۃ بھی ایسے ہی لوگ لیا کرتے ہیں بلکہ بلحاظِ مقصود یہ اُن سے درجوں بدتر۔ اُن کی غرض نماز کی محنت نہ جھیلنا ان کی مراد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل چھپانا۔

۱۹۵ تفویت الایمان کا پڑھنا عین اسلام بناتے یہ ہیں
یوں قرآن سے اُس کو بڑھا کر جب تک کفر منجھاتے یہ ہیں
عبد عزیز تک ایماں کب تھا اسلام آج پھلاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۸: گنگوہی عبارت اور ان دعوؤں کا بیان سُن چکے، اس پر بڑھ سے بڑھ مبالغہ کا عذر ہوگا۔ **اقول** اولاً فتویٰ اور شاعرانہ مبالغہ وہ بھی کفر خالص تک ثانیاً گنگوہی صاحب سے کسی کو قبلہ لکھنے کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ جواب دیا حصہ ۲، صفحہ ۱۸۹ ایسے کلماتِ مدح کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہِ تحریمی ہیں لقولہ علیہ السلام لا تطرونی جب زیادہ حدشانِ نبوی سے کلمات آپ کے واسطے ممنوع ہوئے تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہوسکتے ہیں اور یہ بددینی دیدنی رحمۃ للعلمین تو زید وعمرو کو کہنا جائز اور قبلہ کہنا حرام۔ قبلہ کی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ ٹھہری حالانکہ بحکم حدیث صحیح ہر مؤمن کی عظمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ معظّمہ سے زائد ہے۔ ثانیاً زید وعمرو کو رحمۃ للعلمین کہنا مسلمانوں کا عرف نہیں اور معظمانِ دین کو قبلہ وکعبہ کہنا عرف شائع ہے مگر خود سبیل المومنین کا خلاف ہی منظور تھا۔ حضرت شیخ مجدد کے مکتوبات، جلد ۲، مکتوب ۳۰ میں ہے جماعۂ بیدولت قبلۂ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند بڑے صاحبزادے نے شیخ مجدد کو عرض داشت دوم میں لکھا جلد ۱، صفحہ ۴۵۹ آں ذات کعبۂ مرادات پھر لکھا آں قبلۂ عالمیان غضب یہ کہ تینوں عرضداشتوں کا خاتمہ والسلام کی جگہ والعبودیۃ پر ہے۔ اب تو شرک کا پانی سر سے تیر ہوگیا قبلہ وکعبہ کی کیا شکایت ؎

کسی کو قبلہ وکعبہ کہے کا کیا شکوہ جناب قبلہ وکعبہ پہ شرک جاری ہے

لطف یہ کہ محمود حسن دیوبندی نے خود گنگوہی مرثیے میں کہا صفحہ ۱۰ ؎

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب

گیا وہ قبلۂ حاجاتِ روحانی و جسمانی

(ایضاً، صفحہ ۶)

ع ہمارے قبلہ وکعبہ ہوتم دینی وایمانی

مگر وہاں تو ٹھہری ہوئی ہے۔ یجوز للوھابی مالا یجوز لغیرہ۔

۱۹۶ نیت اجر کا اہل ہے کافر کفر کو کیا چمکاتے یہ ہیں

تکمیل ۶۹: اس سے بڑھ کر خانگی شریعت سنیئے حصہ ۲، صفحہ ۳۰ سوال نصرانی یا ہندو وغیرہ مسجد بنادے تو اُس میں نماز کا کیا حکم ہے ثواب ہوگا یا نہیں؟ اُس مسجد کو حکم مسجد کا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عمدہ عبادت کا کام ہے اُس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا۔ ع تو ومسجد اے فارغ از عقل ودین۔

یہ ہمارے اُس قول کی تائید کرتا ہے کہ ؎

ہندو کو کیا اہل سمجھتے ☆ اپنی دال گلاتے یہ ہیں

ظاہر ہے کہ کھلے مجاہر کافر جن کو صراحۃً کلمۂ طیبہ ونام اسلام سے انکار ہے اُن میں کوئی ایسا نہیں کہ مسلمانوں کی مسجد بنانے کو عمدہ عبادت کا کام جانے ہاں دیوبندی مت گنگوہی دھرم والے ایسے ملیں گے کہ کافر بھی ہیں اور مسجد بنانے کو عبادت کا کام بھی کہیں یہ ڈھائی گھڑی رات اپنے اور اُن کے لیے لگا رکھی۔

۱۹۷ یہ ہیں مفید نبی کو جو سمجھے اُس پر شرک اوندھاتے یہ ہیں

تکمیل ۷۰: اقول یہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ دانیال علیہ الصلاۃ والسلام کو بے عطائے الٰہی مفید بالذات ماننے کو شرک کہا ہے کہ اگر خود دانیال کو مفید عقیدہ کرے حاشا یہاں خود کے معنی بالذات بے عطائے خدا نہیں کہ اوّل تو ایسا نہ کوئی مسلمان سمجھے نہ سمجھ سکے پھر تفویت الایمان نے کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک کلام اللہ سے بڑھ کر ہے۔ اس فرق ذاتی وعطائی کی جڑ کاٹ دی صفحہ ۷ اُن کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی نہ فائدہ پہنچانے کی نہ نقصان کی ایضاً۔ تمام آسمان وزمین میں کوئی ایسا سفارشی نہیں کہ اُس کو مانیئے اور اُس کو پکاریئے تو کچھ فائدہ یا

نقصان پہنچے صفحہ ۱۱ پھر خواہ یوں سمجھے کہ اُن کاموں کی طاقت اُن کو خود بخود ہے خواہ یوں کہ اللہ نے قدرت بخشی ہر طرح شرک ہے صفحہ ۴۵۔ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ایضاً۔ عاجز اور ناکارے گنگوہی دھرم میں اُس کے سب مسئلے صحیح ہیں تو وہ قطعاً اُن کو بعطائے الٰہی بھی مفید جاننے کو شرک کہہ رہے ہیں۔ اس عبارتِ گنگوہی پر چار رَدْ ۱۹۷ تا ۱۹۹ میں سُن چکے۔ **واقول خامساً** گنگوہی صاحب اس میں صرف ارتکابِ مکروہ بتاتے اور اُسے بھی بسبب ضرورت مباح کراتے ہیں اور اُن کے قرآن تقویت الایمان صفحہ ۶ میں ہے کوئی مشکل کے وقت کسی کی دوہائی دیتا ہے غرض جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیا انبیا سے کر گزرتے ہیں اور دعوے مسلمانی کیے جاتے ہیں، سچ شرک میں گرفتار ہیں۔ اب گنگوہی صاحب سچ مشرک اور جھوٹ مسلمان ہوئے یا نہیں۔ سادساً حدیث میں خاص اُس وقت کا ذکر نہیں جب شیر سامنے آجائے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جب تو ایسے جنگل میں ہو جہاں شیر کا اندیشہ ہے۔ کیا اگر کافر نہ سامنے ہو، نہ ڈرائے دھمکائے صرف اس اندیشہ سے کہ شاید کوئی کافر آکر دھمکائے توریہ کر کے کفر بولتے رہیے گا۔ سابعاً اس کی کیا شکایت کہ آپ کے نزدیک امام کمال الدین دمیری و امام ابن السنی وحضرت عبد اللہ بن عباس وحضرت مولیٰ مشکل کشا سب جادو سکھانے والے ہوئے کہ اوپر گزرا کہ آپ کے یہاں اُمت سے رسولوں تک، بندوں سے اللہ تک سب پر حکم شرک ہے اینهم بر علم۔

۲۰۰ و ۲۰۱ شرک مباح ہے بلکہ ہے سُنّت فعل رسول بتاتے یہ ہیں

تکمیل ۱۷: اقول اور لطف یہ کہ گنگوہی صاحب کا بعض شرک کو مباح اور معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صادر ماننا اولاً یہ اُس کی توجیہ میں ہے کہ آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام نے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا، حارث کا بندہ۔ آپ اس کو شرک مباح کہہ رہے ہیں۔ ثانیاً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلف بغیر اللہ کو بھی شرک جائز بتا رہے ہیں اور آپ کے قرآن تقویت الایمان میں دونوں باتوں پر کھلا حکم ہے کہ جھوٹے مسلمان سچ مشرک۔ صفحہ ۶ و ۷ کوئی بیٹے کا نام عبد النبی رکھتا ہے کوئی کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے۔ غرض جو کچھ

ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں وہ سب یہ جھوٹے مسلمان اولیا انبیا سے کر گزرتے ہیں۔ سچ شرک میں ہیں۔ اب اپنے جھوٹ مسلمان سچ مشرک ہونے کی خبریں کہیے۔

۲۰۳؎ نارِ سقر میں روشنی سوجھی کیا اندھیر مچاتے یہ ہیں

تکمیل ۲ ۷: گنگوہی صاحب تو نار جہنم میں روشنی بتاتے ہیں لیکن انس وابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ **نار جھنم سوداء مظلمة** جہنم کی آگ کالی اندھیری ہے **لا یضئی لھبھا** اس کی لپٹ میں روشنی نہیں **کاللیل المظلم** جیسے اندھیری رات ان حدیثوں کا بیان فتاویٰ رضویہ جلد اوّل صفحہ ۵۵۰ میں دیکھیے **اقول** اور رب عزوجل فرماتا ہے **ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور** جس کے لیے اللہ نے نور نہ رکھا اسے اصلا روشنی نہ ملے گی اندھیری اور روشنی دینے والی آگ جلانا تو دونوں میں یکساں ہے مگر اول عذاب محض ہے اور دوم میں روشنی نعمت اگر جہنم میں روشنی ہو تو کافر کے لیے آخرت میں نعمت کا حصہ ہو۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: **وما لہ فی الاٰخرة من خلاق** آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

۲۰۵؎ اُف بے باکی شاہ سے اپنے روٹی تک پکواتے یہ ہیں

تکمیل ۳ ۷۔ یہ خواب تو سن چکے وہیں اس کے حاشیہ پر گنگوہی صاحب سے اسکی یہ تعبیر نقل کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعدہ فرمالیا کہ حاجی صاحب کے جملہ متوسلین بلاتوسط ہوں یا بتوسط سوءِ خاتمہ سے محفوظ اور ہمیشہ اتباعِ شریعت سے آراستہ رہیں گے۔

اقول اولاً تعبیر کو خواب سے اتنا ہی علاقہ ہے جتنا گنگوہی صاحب کو ایمان سے مگر یہ کھل گیا کہ یہ خواب گنگوہی صاحب ہی کا خیال ہے **ثانیاً** ذرا یہ تو پوچھیے کہ آپ کے قرآن تقویت الایمان کے تو وہ احکام کہ جس کا نام محمد ہے اس کو کچھ اختیار نہیں وہ اپنی بیٹی تک کے کام نہیں آسکتے وہ حاجی جی کے تمام مریدوں کے لیے جنت کا وعدہ کس طرح کر رہے ہیں۔ غرض اللہ کی ساری سلطنت تمہاری چاردیواری کے لیے ہے اس میں سب کچھ ٹھیک اس کے باہر سب کچھ شرک **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون**

۲۰۶؎ ہولی دوالی کا کھانا جائز جَے جَے کر کے کھاتے یہ ہیں

شربت و آب سبیل محرم صاف حرام کراتے یہ ہیں

تکمیل ۷۴۔ اقول اس میں رافضیوں کا تشبہ گڑھا حالانکہ محض جھوٹ ہے جو فعل اہلِ سنت ودیگراں میں مشترک ہو ہرگز زیر تشبہ نہیں آسکتا مگر ہولی دوالی کی پوریاں کھیلیں کھلونے لینے کھانے میں ہندوؤں کا تشبہ نہ ہوا اس لیے کہ یہاں محبوبانِ خدا کا نام نہ تھا جس سے آگ لگے غرض

نے فروعت چوں مسلمان نے اصول شرم باوت از خدا واز رسول

جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بارہ اقوال خاصہ جناب نانوتوی صاحب

۲۰۷ شہ کے پچھلے نبی ہونے کو فضل سے خالی گاتے یہ ہیں

تا جیسے ایسے ویسوں کے اوصاف اتنا اس کو گراتے یہ ہیں

۲۱۳ حق پہ فضول اور بے ربطی کی لم قرآن پہ لگاتے یہ ہیں

مدح جو اس کو سمجھے صحابہ نا فہم ان کو بتاتے یہ ہیں

اب سے ان تک امت بھر پر جاہل کا منہ آتے یہ ہیں

ایک صحابہ کیا کہ نبی پر طعن یہی برساتے یہ ہیں

تکمیل ۷۵۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب میں آخری نبی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام ومفسرین واولیا وعلمائے عظام سب سے لیکر آج تک خاتم النبیین کے یہی معنی بتائے سمجھائے مانے جارہے ہیں تو قطعاً یہی مراد آیت کریمہ ہیں اس مراد پر جو ایراد ہوں گے وہ یقیناً اللہ عزوجل وقرآن اکرم پر ہوں گے یہ معنی اوران کا اعلیٰ فضائل علیہ ومدائح جلیہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہونا ضروریات دین سے ہے تو ان میں فضیلت سے انکار قطعاً ضروریات دین کا انکار اور سخت شدید توہین وتنقیص شان اقدس حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے نانوتوی صاحب نے **اولاً** اسے خیال

عوام بتایا یعنی یہ معنی جاہلوں کا خیال ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک کے تمام مسلمانوں کو جاہل ٹھہرایا کہیے یہ کفر ہے یا نہیں ثانیاً صفحہ ۳۴ پر کہا بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم مضمون تک نہ پہنچا اور طفل نادان (یعنی نانوتوی صاحب) نے ٹھکانے کی بات کہہ دی گاہ باشد کہ کودک نادان بغلط بر ہدف زند تیرے:۔ دیکھو صاف اقرار ہے کہ اس معنی متواتر و مفہوم جملہ مسلمین کو خیال جہال بتا کر جو معنی نانوتوی صاحب نے گڑھے وہ خود ان کے ایجاد ہیں اکابر کا فہم ان تک نہ پہنچا۔

اقول۔ اور اس کا عذر کم التفاتی گڑھا یعنی صحابہ کرام سے آج تک جملہ اکابر نے عقیدۂ ضروریہ دینی ایمانی کی طرف کم التفاتی کی جس کے سبب اس کی سمجھ میں غلطی کھائی اور تیرہویں صدی کی پچھلی چھٹن کے ایک کودک نادان بیوقوف لونڈے نے تیر مارلیا کہیے یہ دوسرا کفر ہے یا نہیں ثالثاً یہ جاہل اور نافہم اور ایسے عظیم عقیدہ ایمانیہ کی طرف کم التفات کے بھاری خطاب صرف صحابہ کرام و جمیع امت ہی کو نہیں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ہوئے کہ حضور نے بھی یہی معنی سمجھے یہی بتائے **اقول** نانوتوی چیلے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سے یہ نانوتوی تشنیعیں اُٹھانا چاہتے ہیں تو کچھ دشوار بات نہیں۔ ایک حدیث صحیح اگرچہ آحاد ہی سے ثبوت دے دیں کہ آیت کے یہ معنی جو کودک نادان نے گڑھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہیں فرمائے اور جب نہیں بتا سکتے اور یقیناً نہیں بتا سکتے تو اقرار کریں کہ نانوتوی صاحب نے قرآن کریم کی تفسیر جو مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین و جملہ امت سے متواتر ہے مردود و باطل ٹھہرائی اور تفسیر بالرائے کی اور نہ تمام امت بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جاہل و نافہم اور ضروریات دین کی طرف کم التفات بتایا۔ گنتے جاؤ! یہ کتنے کفر ہوئے **رابعاً خامساً سادساً اقول** جو معنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ و امت نے بتائے سمجھے اور یقیناً حضور کی مدح جانے یہاں ان کے مراد ہونے پر اللہ عزوجل کی جانب زیادہ گوئی کا وہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نقصان قدر کا احتمال قرآن عظیم پر بے ربطی کا الزام قائم کیا اور وہ یقیناً مراد و مقام مدح میں مذکور ہیں تو اللہ و

رسول وقرآن عظیم پر سب الزام ثابت کر دیے تین کفر یہ ہوئے یا نہیں؟ **سابعاً اقول** اوّل تو یہی کہا تھا کہ اس میں بالذات کچھ فضیلت نہیں بالذات کی قید محض دھوکے کو تھی اس کے متصل ہی اُگل دیا پھر مقام مدح میں فرمانا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟ کیا مقام مدح میں وہی فضیلت مذکور ہوتی ہے کہ بالذات ہو نانوتوی دھرم میں اگلے تمام انبیا کی نبوت بالعرض ہے کسی کی بالذات نہیں پھر قرآن عظیم نے جا بجا نبوت سے ان کی کیوں مدح فرمائی۔ یہ عیاری کا دھوکا تو ان پر ایسا اُلٹے گا کہ ہزاروں کفر ثابت کر کے بھی پیچھا نہ چھوڑے گا اس سے قطع نظر کیجیے جب اس کا مقام مدح میں ہونا ضروریات دین سے ہے اور نانوتوی دھرم میں فضیلت بالذات نہ ہونے کے باعث یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا تو قطعاً ظاہر ہوا کہ یہ ارشادِ الٰہی غلط مانا یہ کفر ہوا یا نہیں۔ **ثامناً اقول** آگے چل کر بالذات کا گھونگھٹ اُٹھا دیا صاف کھیل کھیلے کہ بالذات با لعرض فضیلت ہونا در کنار اس کو فضائل میں کچھ دخل نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے ایسے ویسوں کے احوال یہ کتنا بھاری کفر ہے **تلک عشرۃ کاملۃ** اس ایک ہی فقرے میں جناب نانوتوی صاحب کے دس کفر ہوئے اور وہ بھی اجمالاً ورنہ انہیں کی تفصیل ان کے ہزاروں کفر ثابت کرے۔

۲۱۴؎ منکر ختم کو پھر کافر بھی دھوکے کو لکھ جاتے یہ ہیں
دھوکا کھل گیا چند ورق پر پھر وہی پلٹا کھاتے یہ ہیں
شہ کے بعد نبوت تازہ پاک خلل سے بتاتے یہ ہیں
آپ ہی کافر آپ ہی مکفّر اپنی آپ ہی ڈھاتے یہ ہیں

تکمیل ۷۶۔ یہ تو سن چکے کہ نانوتوی صاحب نے صفحہ ۳۳ پر ختم زمانی و ذاتی سب کا انکار کر دیا اور صفحہ ۱۱ پر ختم زمانی کی نسبت خود کہا تھا اس کا منکر بھی کافر ہوگا تو اپنے منہ آپ ہی کافر ہوئے یا نہیں مسلمانوں نے اس سے بڑھکر نانوتوی صاحب کو اور کیا کہا ہے جس پر چیلوں نے غل مچا رکھا ہے شاید یہ خیال ہو کہ مسلمانوں نے تو ان کو یقیناً کافر کہہ دیا اور انہوں نے بطور شک کہا کافر ہوگا یہ غلط ہے بھلا کیا وہ منکر ختم نبوت کے کفر میں شک کر کے اپنی فہرست میں ایک اور کفر بڑھاتے نہیں بلکہ وہ صیغۂ مستقبل بولے ہیں یعنی ابھی نہیں بلکہ ۱۱ ورق بعد

کافر ہوگا دیکھئے ان کی پیش گوئی کیسی سچی ہوئی اگر چہ شریعت اب بھی یہی فرمائے گی کہ چوبیس برس بعد کفر کا قصد کرے وہ ابھی کافر ہوگیا والعیاذ باللہ تعالیٰ

۲۱۶ اور خداؤں کا وہ خدا ہو رتبہ اس میں بڑھاتے یہ ہیں
مشرک کو اثبات بتاں کی یہ برہان پڑھاتے یہ ہیں

تکمیل ۷۷۔ نانوتوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا چھ خاتم النبیین اور ماننے کے لیے مسلمانوں کو یوں بہلایا بہکایا کہ خالی بادشاہ ہونے میں وہ عزت وعظمت نہیں جتنی بادشاہوں کا بادشاہ ہونے میں خود ہی چرچے کہ یہ ذلیل دلیل تو توحید کا خاتمہ کردیگی بت پرست بھی یہی کہیں گے کہ تم تو اسے نرا خدا کہتے ہو اور وہ اور بہت سے خدا مان کر ان سب کا اسے خدا مانتے ہیں تو وہی خدا کا مرتبہ بڑھاتے ہیں اس چاک کے سلانے کو کتاب چھپ جانے کے بعد دو ورق ترک کے بڑھائے اور اس میں یہ حرکت مذبوحی دکھائی صفحہ ۳ ایک خدائی دوسرے امکان خاص ان دونوں میں فرق بالذات و بالعرض نہیں ہوتا سوا ان دو کے اور اوصاف دونوں قسموں کی طرف منقسم۔ کسی وصف کے ساتھ اگر قید بالذات یا بالغرض لگالیں اور اس وصف مع القید کو دیکھیں تو دوسری قسم کی گنجائش نہ رہے گی سوا اور مفہومات تو ان دونوں قیدوں سے معرّی ہیں اور خدائی کا مفاد موجودیت بالذات اور امکان کا موجودیت بالعرض **اقول** یہ بت پرستی کا رد نہ ہوا بلکہ اور اس پر رجسٹری ہوگئی بت پرست بھی اور خداؤں کو واجب الوجود نہیں مانتے کہ موجود بالذات و بالعرض کا قصہ پیش ہو معبود مانتے ہیں اور معبود اس موجودیت بالذات و موجودیت بالعرض کے سوا تیسرا مفہوم ہے اور آپ تصریح کر چکے کہ اور مفہوم دونوں قسم کے ہوتے ہیں کہیں بالذات کہیں بالعرض تو معبود بھی دونوں قسم کے ہوئے خدا معبود بالذات اور اصنام معبود بالعرض تو وہ جو آپ نے چھ ۶ خاتم النبیین میں کہا چھ خدا میں بھی ثابت ہوا اور چھپن کروڑ خدا میں اور بڑھ کر ثابت ہوا جتنے خدا بڑھیں گے اتنا ہی اللہ کا مرتبہ بڑھے گا کہ اتنے کثیر خداؤں کا خدا ہے غرض وہ جس سے آپ بھاگے تھے کہ اور چھ ہونے میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو یہ افزائش ہے تو اور

چھ خدا تسلیم کرنے میں اسی طور خدا کی خدائی کو افزائش ہوگی صفحہ ۳ یقینا آپ کے گلے کا غل ہو گیا و ذالک جزاؤ الظلمین اور اس پر یہ جاہلانا احمقانہ ریز کہ یہ شبہ انہیں کو ہو جو آپ کی نبوت کو خدائی کے برابر سمجھتے ہیں یعنی اس کے تعدّد سے اس کا تعدّد اور اس کی وحدت سے اس کی وحدت پر ایمان لانے کو تیار ہوتے ہیں محض جنون ہے نقض کے لیے مقدمات دلیل دوسری جگہ جاری ہونا کافی ہے مساوات کی کیا ضرورت۔

۲۱۷ خلق سے اسکا تناسب گا کر اربعہ میں اسے لاتے یہ ہیں

ہم کو غلام سے جو ہے وہ نسبت حق کو ہم سے بتاتے یہ ہیں

یہ ذات طرفین و وسط ہے یوں تثلیث مناتے یہ ہیں

تکمیل ۷۸۔ اقول آیۂ کریمہ میں تو یہ ارشاد ہے کہ تم میری مخلوق کو میرا شریک کیسے کرتے ہو اپنے ہی میں دیکھو کہ تمہارے غلام تمہاری دولت میں تمہارے برابر کے شریک نہیں حالانکہ تمہیں ان پر صرف ملک مجازی ہے اور تم ان کے خالق نہیں تو میری مخلوق جس کا میں خالق اور حقیقی مالک ہوں کس طرح میری شریک ہوسکتی ہے اسے یہ بنالیا کہ جو نسبت اللہ کو مخلوق سے ہے اللہ اسے اس نسبت سے تشبیہ دیتا ہے جو مخلوق کو مخلوق سے ہے یعنی یہ فرماتا ہے کہ اللہ کو تم سے ایسی نسبت ہے جیسی نسبت تم کو اپنے غلاموں سے ہے تعٰلی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا یہ اربعہ متناسبہ ہوا اربعہ چار چیزیں ہوتی ہیں ان میں اول کو جو نسبت دوم سے ہے ایسی ہی نسبت سوم کو چہارم سے ہوتی ہے جیسے ۲۔ ۴۔ ۶۔ ۱۲ دو چار کا نصف ہے اسی طرح چھ بارہ کا اور کبھی تین ہی چیزیں ہوتی ہیں اول کو جو نسبت دوم سے ویسی ہی دوم کو سوم سے جیسے ۲۔ ۴۔ ۸ دو چار کا نصف ہے یوں ہی چار آٹھ کا۔ ایسی نسبت کو نسبت ذات طرفین و وسط کہتے ہیں یعنی دو کناروں اور ایک متوسط والی جیسے صورت مذکورہ میں دو اور آٹھ دونوں کنارے ہیں اور چار متوسط کہ اسی کی نسبت دونوں طرف لے گئی۔ نانوتوی صاحب نے اللہ عزوجل کو اسی نسبت میں رکھا ہے اللہ کو جو نسبت ہم سے ہے ویسی ہی نسبت ہم کو غلاموں سے ہے تو اللہ اور غلام دونوں کنارے ہوئے اور ہم متوسط اور تینوں باہم متناسب تو یہ خاصی تثلیث ہوئی۔

بارہ اقول خاصہ جناب تھانوی صاحب

۲۱۹ شہ ساہر کس وناکس جانے غیب یہ عیب دکھاتے یہ ہیں
تا علم حضور میں بچے پگلے کل چوپائے بھڑاتے یہ ہیں
۲۲۳ ان میں نبی میں فرق بتاؤ کس لعنت کی گاتے یہ ہیں

تکمیل ۷۹۔ مسلمانو! للہ انصاف ایک عام فہم بات جسے ہر ناخواندہ بھی سمجھ لے بارہا چھاپ چھاپ کران سے چاہی گئی اوراس پر نہ آئے اول تو ہر مسلمان کے دل میں اسلام رکھتا ہوا اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ایسی شدید گالی سنکر کسی طرح اس کے سخت توہین ہونے میں تامل کرہی نہیں سکتا پھر بار باران سے کہا جاچکا کہ اگر تمہارے نزدیک اس میں کوئی توہین نہیں تو یہی کلمات جیسے ٹھنڈے جی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں لکھے چھاپے شائع کیے اور اب تک شائع کررہے ہو یوہیں بے پھیر پھار صاف صاف اپنے بڑوں اسمٰعیل دہلوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی (اور دیگر دیوبندی اشرف علی تھانوی) کی نسبت نام بنام لکھ کر اخباروں و اشتہاروں رسالوں میں شائع کرو کہ ''ان کی ذات پر عالم کا حکم کیا جانا اگر بقول وہابیہ ودیوبندیہ صحیح ہوتو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس سے مراد بعض علم ہے یا کل اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں ان کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو ہر بھنگی چمار بلکہ ہر اُلّو گدھے ہر کتے سؤر کو حاصل ہے کیوں کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے اگرچہ اسی قدر کہ یہ چیز اس کے کھانے کی ہے یا نہیں تو ان میں اور اُلّو گدھے میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔ اور اگر تمام علوم مراد ہیں اس طرح کہ ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے۔'' سچے ہیں کہ اس میں توہین نہیں تو ان ملّوں کی نسبت مضمون مذکور کیوں نہیں چھاپتے مگر نہیں وہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی شانِ ارفع ان کے یہاں ایسی گئی گزری ہے جسے یوں کہنا کچھ توہین نہیں ان کے ملّوں کی شان میں اس سے ہزارواں حصہ بھی سخت توہین ہے۔ مسلمانو! کیا آپ ان حضرات کو اس امتحان پر آمادہ کرسکتے ہیں کہ اگر یہ کلمات توہین نہیں یہاں تک کہ تمام جہاں سے جن کی شان ارفع و

اعلیٰ ہے ان کے لیے تم نے استعمال کیے تو کسی بادشاہ یا حاکم کو ان سے کیا نسبت اس کے لیے
بدرجہ اولیٰ اصلا اصلا توہین کا احتمال بھی نہ ہوگا اب کیا آپ کسی بادشاہ یا اس کے ویسرائے یا
کمشنر کلکٹر ہی کی نسبت نام لیکر چھاپ دیں گے کہ ''اسے بادشاہ و حاکم کہنا اگر بقول رعایا صحیح
ہوتو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس سے مراد بعض افراد پر حکومت ہے یا کل پر اگر بعض مراد
ہے تو اسمیں اس کی کیا تخصیص ہے ایسی حکومت تو زید و عمر و ہر بھنگی چمار ہر مزدور ہر قلاش کو
حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص اپنے گھر کا بادشاہ ہوتا ہے تو بادشاہ و ویسرائے اور مزدور و محتاج میں
وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے اور اگر تمام افراد عالم پر حکومت مراد ہے اس طرح کہ ایک فرد بھی
خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے''۔ چھاپیے تو آپ کے سب
جھوٹے عذر حیلے خود ہی مٹ کر آپ کی آنکھیں کھول دیں گے کہ ہاں توہین ہے اور اشد
اخبث توہین و اللہ لا یھدی القوم الظّٰلمین۔

۲۲۴ تھک کر اس بدگالی کو اک علمی بحث بناتے یہ ہیں

تکمیل ۸۰۔ تھانوی صاحب نے سولہ ۱۶ برس ضربیں کھا کر اذناب کی لعنت ملامت چاری
لگانے ابھارنے سے عاجز آ کر ایک مبسوط ضخیم کتاب پونے دو ورق کی لکھی جس کا یہ چھوٹا سا
نام بسط البنان لکف اللسان عن کاتب حفظ الایمان اس میں بکشادہ پیشانی اپنا کفر
قبول کر کے عوام کو دھوکے دینے کے لیے کچھ حرکت مذبوحی دکھائی اور پھر عاجز آ کر اپنے کفر کو
ایک علمی بحث پر ٹالا کہ اس کی بحث ایک علمی سوال ہے جیسا اہلِ علم میں ہوا کرتا ہے۔ مسلمانو!
اہلِ علم ایک دوسری کی بات میں علمی تدقیق کیا کرتے ہیں جس سے ان کی شان علم پر بھی کوئی
حرف نہیں آتا نہ کہ ایمان سارا کا سارا نگل بیٹھیں اور اس پر تکفیر کو کہیں معمولی علمی سوال ہے
یعنی مثلاً مصنف نے کہا کتاب الطہارات اس پر سوال ہوا کہ یہ طہارت کی جمع ہے طہارت
مصدر ہے مصدر کی جمع نہیں لاتے جواب ہوا کہ جمع باعتبار انواع ہے ایسی بحثیں علما میں ہمیشہ
ہوتی ہیں اسی قبیل سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منہ بھر کر کھلی شدید گالی دینا ہے اور
اس پر یہ سوال بھی ویسی ہی ایک علمی بحث ہے جو علما میں ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ بادشاہ و

ویسرائے والی مثال پر عمل کرو تو دیکھ لوگے کیسی اہل علم کی سنت مستمرہ ہے جیل خانہ یا پاگل خانہ دونوں گھروں سے ایک دیکھ کر رہو گے اس وقت ایک علمی سوال کہنے کا مزہ کھلے گا اللہ و رسول کی حمایت کو تو یہاں کوئی حکومت تیار نہیں ان کے بارے میں جو چاہو کہہ لو و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

۲۲۵؎ س کو کافر لکھ گئے جس کو بھینٹ ایمان چڑھاتے یہ ہیں

۲۲۶؎ لیکن جب تک نام نہ جانا جان کے جان چراتے یہ ہیں

تکمیل ۸۱ ۔گنگوہی صاحب کو خبر نہ تھی کہ یہ اقوال امام الطائفہ اسمٰعیل کے ہیں وہ اس کے رسالہ ایضاح الحق سے ناواقف تھے فتاوے گنگوہی حصہ دو صفحہ ۱۸۱ ایضاح الحق بندہ کو یاد نہیں کیا مضمون ہے کس کی تالیف لہٰذا حق بات ظاہر کرنے سے کوئی مانع نہ تھا اور صاف صاف انھوں نے اور ان کے اذناب تھانوی وغیرہ نے حکم کفر والحاد جڑ دیا وہ فتوے یہ ہے کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس شخص کے بارے میں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان سے پاک کہنا اور اس کا دیدار بے جہت حق جاننا بدعت ہے اور یہ قول کیسا ہے بینوا توجروا الجواب یہ شخص عقائد اہل سنت سے جاہل اور بے بہرا اور یہ مقولہ کفر ہے۔

فقط واللہ عالم

بندہ رشید احمد گنگوہی

۱۳۰۱ھ

الجواب صحیح اشرفعلی تھانوی عفی عنہ حق تعالیٰ کو زمان و مکان سے منزہ جاننا عقیدہ اہلِ ایمان کا ہے اس کا انکار الحاد و زندقہ ہے اور دیدارِ حق تعالیٰ آخرت میں بے کیف اور بے جہت ہوگا مخالف اس عقیدہ کا بددین و ملحد ہے کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ وتوکل علی العزیز الرحمن مفتی مدرسہ دیوبند۔ الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ دیوبند۔ "ہرگز اہل سنت سے نہیں حررہ المسکین عبد الحق۔ الجواب صواب محمود حسن مدرس دوم مدرسہ شاہی مرادآباد۔ ایسے عقیدہ کو بدعت کہنے والا دین سے ناواقف ہے ابوالوفا ثناء اللہ محمود ۱۳۱۵ھ اب کہ معلوم

ہو گیا کہ ایضاح الحق اسمٰعیل کی کتاب ہے اور یہ اقوال خود امام الطائفہ کے ہیں اب اسمعیل کا نام لیکر تو ان لوگوں سے یہی احکام جو لکھ چکے ہیں یعنی اسمٰعیل دہلوی دین سے ناواقف اہل سنت سے خارج بد دین ملحد زندیق کافر لکھواتو لو حاشا ہر گز ہر گز نہ لکھیں گے کہ وہ تو خدا و اسمٰعیل کے مقابلہ میں اسمعیل کے بندے ہیں خدا کے نہیں و سیعلم الذین ظلموا الاٰیۃ۔

۲۲۷ وہ بجہنم خود کفر اپنا مانتے اور چھپواتے یہ ہیں

قول ہے کفر اور قائل کافر لیکن نام بچاتے یہ ہیں

قائل ٹھنڈے جی سے کافر نام لیے گرماتے یہ ہیں

تکمیل ۸۲۔اقول مسلمانو! نمبر ۲۱۹ تا ۲۲۳ میں آپ تھانوی رسالہ کی عبارت دیکھ چکے جس میں صاف صاف کھلے لفظوں میں علم غیب کی دو قسمیں کیں ایک محیط کل علوم جس سے ایک فرد بھی خارج نہ رہے اور اسے عقلاً و نقلاً باطل مانا دوسرا علم بعض۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت مان سکتا ہے کہ اوّل کو عقل و نقل سے باطل کہہ چکا ہے اب یہی علم غیب کہ حضور کے لیے ہے اسی کو کہتا ہے کہ اس میں حضور کی تخصیص کیا ہے ایسا تو ہر بچے پاگل چوپائے کو ہوتا ہے نبی میں اور ان میں وجہ فرق کیا ہے۔ مسلمانو! یہ حرف بحرف اس کے لفظوں کا کھلا مفاد ہے اسی کی نسبت تھانوی صاحب نے ایک خانگی سوال گڑھا اور اس کا جواب دیا اور صاف صاف بحمد اللہ تعالیٰ اپنے کفر کا اقرار کر لیا بلکہ جتنا علمائے حرمین کرام نے فرمایا تھا اس پر بھی اپنی دو تکفیروں کا اضافہ کیا وہ تھانوی خانگی سوال و جواب بسط البنان میں یہ ہیں بخدمت مولوی اشرفعلی صاحب۔ حسام الحرمین میں ہے کہ آپ نے حفظ الایمان میں اسکی تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا علم جیسا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے ایسا ہر بچے ہر پاگل ہر جانور ہر چوپائے کو ہے آیا آپ نے ایسی تصریح کی۔ اگر تصریح نہیں تو بطریق لزوم بھی یہ مضمون آپ کی کسی عبارت سے نکل سکتا ہے۔ ایسے شخص کو جو یہ اعتقاد رکھے یا صراحۃ یا اشارۃ کہے آپ مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر بینوا تو جروا **الجواب** میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہ لکھا لکھنا درکنار میرے قلب میں کبھی اس کا خطرہ نہ گزرا۔ میری کسی

عبارت سے یہ مضمون لازم بھی نہیں آتا۔ جو شخص ایسا اعتقاد یا بلا اعتقاد صراحۃ یا اشارۃ کہے میں اس کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ مسلمانو! للہ انصاف کیسے کھلے مضمون سے کانوں پر ہاتھ دھرے ہیں لکھ گئے اور کبھی دل میں خطرہ تک نہ گزرا۔ صاف تصریح کی اور کسی عبارت سے لازم بھی نہیں آتا۔ چور کبھی چوری کا اقرار نہیں کرتا۔ حفظ الایمان چھپی نہیں چھپی ہوئی موجود وشائع ہے یہ تو ہر انصاف کی آنکھ دیکھ لیگی کہ جس سے یہ صاف مکرنا ہے وہ بتصریح صریح حفظ الایمان میں موجود ہے دن کو رات کہنے سے رات ہو جانا ناممکن یہ جولا ہے کا تیر نہیں کہ خون پوچھتا جائے اور خدا جھوٹ کرے اب حکم دیکھنا ہے جو خود اس ملعون عبارت پر دیا حسام الحرمین میں علمائے کرام حرمین طیبین نے تو اتنا ہی فرمایا تھا کہ اس کا قائل کافر مرتد ہے آپ نے دو تکفیریں اور اضافہ کیں کہ جو اشارۃ ایسا کہے وہ بھی کافر۔ جو بلا اعتقاد بھی ایسا کہے وہ بھی کافر۔ مسلمانو اس سے بڑھ کر اور وضوح حق کیا ہوگا کہ خود ان کے مونھ بلوا چھوڑا خود ان سے قبلوا چھوڑا اشھد وا علی انفسھم انھم کانوا کٰفرین و الحمد للہ رب العلمین و خسر ھنالک المبطلون و قیل بعدا للقوم الظٰلمین۔

(۲۲۸) وار جو ختم نبوت پر تھے — اب وہ بیج اوگاتے یہ ہیں
یعنی اپنے نبی جپنے کو — تسکیں بخش بتاتے یہ ہیں
(۲۲۹) اپنے نام پہ استقلالاً — صل علی بھنواتے یہ ہیں
بہکی زبان اور دن بھر بہکی — اف اف کیا بہکاتے یہ ہیں
ان کی ثنا تھی نبی کی ذم تھی — یوں یہ عذر مناتے یہ ہیں
ان کو برا کہنا تو یہ حیلہ — سنتے یا جل جاتے یہ ہیں

تکمیل ۸۳۔ رسالہ مذکورہ الامداد میں اس مرید کی مفصل عبارت یہ ہے۔ خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور (تھانوی) کا نام لیتا ہوں اتنے میں خیال ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی دوبارہ پڑھتا ہوں بیساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے نام کے اشرفعلی نکل جاتا ہے مجھ کو علم ہے کہ اس طرح درست نہیں لیکن بے اختیار زبان سے یہی نکلتا ہے دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور (یعنی تھانوی) کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں اتنے میں میری یہ حالت ہوگئی کہ میں بوجہ رقت زمین پر گر گیا اور نہایت زور کیساتھ چیخ ماری اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ اندر کوئی طاقت نہ ہے اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہوگیا لیکن بے حسی اور اثر ناطاقتی بدستور تھا لیکن خواب و بیداری میں حضور کا ہی خیال تھا بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر خیال آیا تو ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جاوے پھر ایسی غلطی نہ ہوجائے بایں خیال بیٹھ گیا پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں اللھم صل علیٰ سیدنا و نبینا و مولانا اشرفعلی حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں اس روز ایسا ہی کچھ خیال رہا دوسرے روز بیداری میں رقت رہی خوب رویا اور بھی بہت سے وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ باعث محبت ہیں کہاں تک عرض کروں تھانوی صاحب نے اس کا وہ جواب لکھا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ متبع سُنّت ہے۔ ۲۴ شوال ۵۳ھ۔ مسلمانو! یہ ظلم عظیم دیکھا خواب کا عذر بیداری کے عذر نے خواب وخیال کردیا زبان بہکنا اتفاقیہ امر ایک آدھ بار ہوتا ہے نہ کہ بار بار نہ کہ جان کر کہ غلط کہہ رہا ہے اور تصحیح کا قصد کرے اور پھر وہی کلمۂ کفر صریح بکے اور برابر بکتا رہے اور ایک دومنٹ بھی نہیں دن بھر اسی ملعون خیال میں کٹے۔ پاگل تو نہ تھا کہ عقل بجا تھی خود اپنی غلطی پر آگاہ تھا اور اس کے ازالہ کا برابر قصد کرتا رہنا بتاتا ہے شراب پیئے ہوئے نہ تھا کہ زبان قابو میں نہ تھی اور شراب کا نشہ جب تک عقل زائل نہ کردے زبان کو قابو سے بالکل باہر نہیں کرسکتا اور باہر ہونا ایسا کہ دن بھر بہکی دن بھر قلب وزبان میں جنگ رہی دل تصحیح چاہتا ہے اور زبان بے اس کے اختیار کے آپ سے آپ کفر بول رہی ہے مسلمانو! کبھی اس کی نظیر کہیں سنی ہے مسلمانو! للہ انصاف اس نبی چھنے اور اشرفعلی نبی پر درود بھاننے کی جگہ اگر کوئی اشرفعلی کو دن بھر مغلظہ فحش گالیاں نام لے لے کر

دیتا اور کہتا کہ میں جانتا تھا کہ یہ بیجا ہے، میں زبان کو اس سے پھیرنا چاہتا تھا مگر بے اختیار زبان سے اشرفعلی اور اس کے گھر بھر کو فحش گالیاں نکلتی تھیں ایمان سے کہنا کیا اشرفعلی اس کا یہ عذر سن لیتے حاشا ہرگز نہیں ہرگز نہیں غصہ وغضب میں جامہ سے باہر ہو جاتے اور بس چلتا تو کیا کچھ کرتے مگر یہاں جو اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دن بھر گالیاں پھنٹائیں وہی تفویت الایمان کے لفظ یاد کرو کہ بڑے سے بڑے کا حق لیکر ذلیل سے ذلیل کو دیدیا بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر۔ یہاں تھانوی صاحب کو تسکین سوجھتی ہے اسے شاباشی دی جاتی ہے اس لیے کہ یہاں گالیاں ان کے دشمن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پڑ رہی ہیں ان کی نبوت کی تسبیح بھان کر ان کی ۔۔۔۔۔۔۔ترکی جارہی ہے **الا لعنة اللہ علی الظٰلمین** ائمۂ دین نے تو ایسی جگہ زبان بہکنے کا عذر مانا ہی نہیں اور پھر بہکے بھی تو دو ایک حروف نہ کہ گھنٹوں پہروں بہکتی ہی رہنا جو ہرگز ہرگز مقبول درکنار معقول ہی نہیں جامع الفصولین میں ہے **ابتلی بمصیبات متنوعة فقال اخذت مالی و ولدی واخذت کذا و کذا فماذا تفعل ایضاً وماذا بقی لم تفعله وما اشبهه من الالفاظ کفر کذا حکی عن عبد الکریم فقیل له ارأیت لو ان المریض قاله وجری علی لسانه بلا قصد لشدة مرضه قال الحرف الواحد یجری ونحوه لایجری علی اللسان بلا قصد اشار الی انه یحکم بکفره ولا یصدق** یعنی ایک شخص طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوا بولا کہ تو نے میرا مال اور میرا بچہ اور یہ یہ لے لیا اب اور کیا کرے گا اب کرنے کو رہ کیا گیا ہے اور اسی قسم کے الفاظ کہے کافر ہو گیا یہ حکم امام عبدالکریم سے منقول ہوا ان سے کہا گیا دیکھئے تو اگر مریض کہے اور سختی مرض کے باعث یہ کلمہ بلا قصد اس کی زبان سے نکلے۔ فرمایا دو ایک حروف زبان سے بے قصد کبھی نکل جاتے ہیں (نہ کہ اتنی عبارت) اس میں امام نے اشارہ فرمایا کہ اس کے کفر کا حکم دیا جائے گا اور زبان بہکنے کا عذر نہ مانا جائے گا انتہی۔ فتاوے امام قاضی خاں میں ہے **انما یجری علی لسانه حرف واحد ونحو ذلک اما مثل هذه الکلمات الطویلة لاتجری علی لسانه من غیر قصد فلا یصدق** یعنی زبان سے ایک

آدھ حرف بے قصد نکل جاتا ہے اتنے الفاظ بلا قصد نہیں نکلتے لہٰذا یہ دعویٰ تسلیم نہ ہوگا۔ شفا شریف امام قاضی عیاض صفحہ ۳۳۱ لا یعذر احد فی الکفر بدعوی زلل اللسان کفر میں زبان بہکنے کے دعوے سے کوئی معذور نہ رکھا جائے گا۔ ایضاً عن محمد بن ابی زید لا یعذر احد بدعوی زلل اللسان فی مثل ھذا ایسی بات میں زبان بہکنے کے دعوے پر معذور نہ رکھیں گے ایضاً و افتی ابو الحسن القابسی فیمن شتم النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی سکرہ یقتل لانہ یظن انہ یعتقد ھذا و یفعلہ فی صحوہ یعنی ایک شخص نے نشے کی حالت میں شانِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کلمۂ گستاخی کہا امام ابوالحسن قابسی نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا کہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے دل میں یہی خباثت ہے اور اپنے ہوش میں بھی ایسا بکتا تھا۔ یعنی ہوش کے وقت چھپاتا تھا نشے میں چھپانے کی سمجھ نہ رہی کھل کھیلا دیکھو ائمہ نے زبان بہکنے کا عذر نہ سنا اور یہ بھی تصریح فرمادی کہ بہکے تو دو ایک حرف نہ کہ پہروں بہکنے کی رٹ اور ہر وقت ارادہ دل کے خلاف زبان کی پلٹ۔ گویا زبان خود ایک مستقل حیوان اس کے منھ میں تھی جسے یہ کسی طرف پھیرتا ہے اور وہ سرکشی کر کے دوسری طرف پھرتی ہے پہروں قابو میں نہ آئی۔ کیا کسی نے اس کی نظیر کہیں سنی ہے پاگل ضرور گھنٹوں بکتے ہیں وہ بھی اپنے دل کے ارادے سے نہ کہ زبان کا ارادہ دن بھر دل کے خلاف۔ تھانوی صاحب کو اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت عزیز ہوتی اگر حضور کو خاتم النبیین جانتے اگر اپنے آپ کو نبی کہنا کفر مانتے تو جواب یوں دیتے کہ او شیطان کے مسخرے ابلیس تجھ سے کھیلتا ہے تو کفر بک رہا ہے اور دن بھر بک رہا ہے اور جھوٹا ملعون ادعائے بے اختیاری زبان کررہا ہے ایسی بے اختیاری کبھی دید نہ شنید۔ اے عدوِ ایمان تو شہنشاہ تمام عالم و عالمیان کا تاج رفیع مجھ بھنگی چمار سے بھی ذلیل تر ناپاک کے گندے سر پر رکھتا ہے وہ ناپاک سر جو ان کی غلام کے سگ بارگاہ کی خاک راہ کے غلامان غلام کے جوتی کے بھی قابل نہیں۔ تجھ پر ہزار تف اور لاکھ اُف۔ مسلمان ہو اور جورو رکھتا ہے تو بعد اسلام اس سے نکاح پھر کر۔ تھانوی صاحب مسلمان ہوتے تو یہ جواب دیتے مگر نہیں وہ تو مگن ہیں جامے میں پھولے نہیں

سماتے کہ آہا ہماری نبوت چپی جارہی ہے ہمارے نام پر درود بھائی جارہی ہے محمد عربی کا تاج عظیم چمار کے سر پر رکھا جارہا ہے لہٰذا اس کفر بکنے والے کو زجر درکنار تنبیہ بالائے طاق اور تسلی دی جارہی ہے تف تف تف **لقد استکبر وافی انفسھم وعتوا عتوا کبیرا O وسیعلم الذین ظلموا الاٰیۃ** اللہ برکتیں دے ہمارے دوست حامی سنت ماحی بدعت حاجی منشی لعل خاں سلمہ کو یہاں کیا خوب مختصر الفاظ ان مرید و پیر کا کچا چٹھا کھولنے کے لیے ان جاہلوں کے فہم کے قابل لکھے ہیں کہ اہلِ اسلام اپنے قلوب سے فتوی لیں کیا کسی کامل الایمان کی زبان سے سوتے جاگتے کسی حال میں کلمۂ شریف میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی جگہ کسی دوسرے کا نام نکل سکتا ہے یا ایسا وہم بھی ہوسکتا ہے چہ جائے کہ دوسرے کی محبت اس قدر غالب ہو کہ بار بار کی کوششوں پر بھی زبان سے حضور کا نام نہ نکلے اور اشرفعلی ہی کا نام خواب میں کیا بیداری میں نبینا کہکر لیتا جائے اور اس روز ایسا ہی کچھ حال رہے اور حضرت کا نام لینے سے مجبور ہوجائے اگر خدا نہ کرے کسی کی ایسی حالت ہوئی ہو تو یہ سخت قہر الٰہی اور شیطان کا زبردست تسلط تھا اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو دنیا سے بے ایمان جاتا **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔ یہ تو مرید کی حالت تھی مگر پیر اس سے زیادہ خراب حالت میں ہے مرید نے تو اس کو غلطی بھی خیال کیا اور اس کے رفع کرنے کی کوشش بھی کی لیکن وہ غلطی قلب میں خوب جمی ہوئی اور سرایت کی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ مجبور رہا۔ پیر صاحب اس کو غلطی بھی نہیں قرار دیتے۔ اور اس کے رفع و ازالہ کی ہدایت بھی نہیں فرماتے بلکہ اس پر مرید کو پختہ اور مستقل کرنے کے لیے اس حالت بد کا حالت محمودہ ہونا اس طرح مرید کے خاطر گزیں کرتے ہیں کہ اس میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو (یعنی اشرفعلی) وہ متبع سُنّت ہے۔ اس سے اور دوسرے مریدوں کو جسارت دلائی جاتی ہے اشرفعلی کے متبع سُنّت ہونے کی تسلی اس طرح ہوتی ہے کہ کلمہ اور درود شریف میں اس کا نام لیا جائے اور اس کو نبی کہا جائے اب کون مرید ہے جو پیر کے متبع سنت ہونے کی طرف سے تسلی حاصل کرنا نہیں چاہتا۔ یہ تعلیم ہے کہ سارے مرید اس طرح کہا کریں۔ اسی لیے اس واقعہ اور جواب کو۔ اپنے یہاں چھاپ کر

مشتہر کیا تا کہ اور مرید اس رستہ پر آئیں'' اور ہمارے گرامی دوست فاضل نوجوان حامی سنن مولٰینا مولوی محمد عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی سلمہ نے تو اس مہلکہ تھانویہ کے رد میں مستقل تحریریں شائع کی ہیں۔ فرحم اللہ من عظم قدر المصطفی علیہ افضل الصلاۃ و الثناء قاتل اھل التوھین و الجفاء آمین۔

۲۳؎ ماں کا ادب کافر بھی کرے گا — ان کی سنو کیا گاتے یہ ہیں
واقعہ ڈھالیں ماں کا آنا — زن کا ذہن لڑاتے یہ ہیں
جن پر لاکھوں مائیں تصدق — تعبیر ان کی بناتے یہ ہیں
کیوں ادب صدیقہ کریں کیا — دین کا دینا دھراتے یہ ہیں
وہ تو مسلمانوں کی ماں ہیں — کب اسلام رکھاتے یہ ہیں

تکمیل ۸۴۔ اولاً تھانوی صاحب اگر مسلمان ہوتے تو اُم المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا مسلمانوں کی ماں ہیں کوئی بے غیرت سا بے غیرت بھنگی چمار بھی ماں کی تعبیر جورو سے نہ کریگا ثانیاً کیا کوئی مسلمان اگر واقعہ میں ام المؤمنین کی زیارت سے مشرف ہو تو اس کا وہم بھی اس طرف جائے گا ہرگز نہیں مگر اس اپنے نبی جیننے کو تسلی بخش بتانے والے نے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جگہ قائم کیا اور اپنی جورو کو اُم المؤمنین کی جگہ اور صاف یہ نسبت جوڑ کر کہہ دیا کہ وہی قصہ یہاں ہے ثالثاً اردو محاورہ میں قصہ بلا اضافت لغو و مہمل و لایعنی حکایات اور بیجا فتنہ و فساد و چپقلش کے معنی پر مستعمل ہے دو شخصوں میں فضول جھگڑا ہوتے دیکھیں تو کہتے ہیں میاں کیا قصہ ہے۔ ان میں روز یہی قصے رہتے ہیں داستانِ امیر ہمزہ یا الف لیلہ پڑھنے کو قصہ خوانی کہیں گے اور قرآن عظیم یا احادیث پڑھنے کو نہ کہیں گے۔ اگرچہ ان میں تذکرہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام و دیگر قصص ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حالاتِ قدسیہ کو یوں قصہ کہنا کہ وہی قصہ یہاں ہے شاید کفار سے لیا ہو کہ قرآن کریم کو کہا کرتے اساطیر الاوّلین اگلوں کے قصے ہیں۔ رابعاً پھر کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احوال کریمہ سے اپنی کسی حالت کو تشبیہ بھی نہیں دے سکتا کی فلاں امر میں جیسا

حال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تھا ویسا ہی میرا ہے ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔
نہ یہ کہ تشبیہ سے بھی اونچے اُڑ کر عینیت سے تعبیر کہ وہی قصہ یہاں ہے یعنی جو واقعہ حضور
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وام المؤمنین کا تھا بعینہ بلا تفاوت تھانوی وتھانویہ کا ہے مگر یہ باتیں
تو کسی مسلمان سے کہنے کی ہیں تھانوی صاحب سے کیا شکایت ع **ما علی مثلہ یعد الخطاء۔**
ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا
محمد والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین والحمدللّٰہ رب العٰلمین۔

a a a a a

باب پنجم

فقہیات

☆مفتی مطیع الرحمٰن مضطرؔ

مفتیِ اعظم، مفتیِ اعظم کیوں؟

لفظ افتاء مصدر ہے جس کے لغوی معنی ”رائے اور جواب دینا“ ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے قرآنِ کریم میں ملکہ بلقیس کا یہ قول نقل ہوا ہے۔

یاایھا الملأ افتونی فی امری۔

”اے میرے سردارو اس معاملہ میں مجھے جواب دو۔“ (سورۂ یوسف، آیت: ۴۳)

”مفتی“ اس کا اسم فاعل ہے تو لغت کے اعتبار سے اس کا معنی ہوا۔ ”رائے اور جواب دینے والا۔“ اصطلاح میں افتاء کے معنی۔ ”شرعی فیصلہ اور حکم بتانا ہے۔“

علّامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

الافتا فانہ افادۃ الحکم الشرعی۔

”فتویٰ دینے کا مطلب حکمِ شرعی سے آگاہ کرنا ہے۔“ (ج:۵، ص:۳۶۰)

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

انما الافتا ان تعتمد علی شئی وتبین لسائلك ان ھذا حکم الشرع فیما سئلت۔

فتویٰ دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکمِ شرعی بتانا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۳۸۲)

افتاء کی اہمیت وعظمت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ خداوند قدوس نے قرآنِ

کریم میں اس کی اسناد خود اپنی طرف فرمائی ہے:

ویستفتونك فی النساء ط قل اللہ یفتیکم فیھن۔

اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے۔(سورۂ نساء، آیت:۱۲۷)

اس اعتبار سے یہ کہنا بجا ہوگا کہ قرآنِ کریم خدائے تعالےٰ کے فتاویٰ کا ایک کامل مجموعہ بھی ہے۔ پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ خدا کے خلیفۂ مطلق اور مظہرِ اتم ہیں اس لیے اس نے اپنی اس صفت سے بھی آپ کو نوازا اور منصبِ افتاء پر سرفراز فرمایا۔ قریبی مقامات کے صحابہ کرام اپنے تمام درپیش مسائل لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ انہیں شرعی احکام سے مطلع فرماتے جس کا سلسلہ وصال کے وقت تک جاری رہا۔ اس لیے یہ بات پورے یقین واعتماد کے ساتھ کہی جائے گی کہ احادیثِ پاک کے خزانے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریر واثبات کے مظہر ہیں وہیں آپ کے فتاویٰ کے حسین ترین مجموعے بھی۔ وہ مقامات جہاں کے لوگ اپنی ہر ضرورت پر آپ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے ان مقامات کے لیے آپ نے اپنی نیابت میں بعض اجلۂ صحابہ کو بھی یہ ذمے داری دے رکھی تھی۔ اور وہ حضرات قرآن وحدیث کے مطابق عامۃ الناس کو فتاویٰ دیتے اور جب کسی نئی پیش آمدہ صورت کا حکم انہیں قرآن واحادیث کے ذخائر میں نہیں ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے اور امثال ونظائر کو سامنے رکھ کر انہیں احکامِ شرعیہ سے آگاہ کرتے۔ ان خوش نصیبوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔(اصول الشاشی احسن الحواشی، ص:۸۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد یہ منصبِ عظیم پورے طور پر صحابہ کرام کو تفویض ہوگیا۔ کم وبیش ایک لاکھ صحابہ میں سے چند حضرات ہی ایسے تھے جو بجا طور پر اس منصب پر فائز ہوئے اور باحسن وجوہ اس فریضے کو انجام دیا ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ،

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم عنا۔ (نورالانوار، ص: ۱۸۲)

پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور آیا تو اس منصبِ رفیع پر وہ فائز ہوئے اور اپنے فتاویٰ سے امّت کی رہنمائی فرمائی۔ اس دور کے فتاویٰ دینے والے بزرگوں میں سرِ فہرست حضرت علقمہ بن قیس، حضرت ابراہیم بن یزید، حضرت حماد بن مسلم، حضرت نعمان بن ثابت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ (ردالمحتار، ج:۱، ص:۴۹)

افتا یا فتاویٰ نویسی کا آغاز فن کی صورت میں امامِ اعظم نے ہی کیا اور انہوں نے ہی اس کے قواعد وقوانین مقرر فرمائے۔ علّامہ ابن عابدین لکھتے ہیں۔

امام الائمہ سراج الامۃ ابو حنیفۃ النعمان فانہ اول من دون الفقہۃ ورتبہ ابوابا و کتبا علی نحو ما علیہ الیوم و تبعہ مالک فی موطہ ومن کان قبلہ انما کانوا یعتمدون علی حفظھا۔

امام الائمہ امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے تدوین فقہ کا کام کیا اور الگ الگ نوع کے مسائل کے لیے الگ الگ کتاب اور باب متعین کیے آج تک یہی طریقہ دنیا میں مروّج ہے امام مالک نے مؤطا میں امامِ اعظم ہی کا اتباع کیا ہے۔ آپ سے پہلے کے لوگ یادداشت ہی پر اعتماد کرتے تھے۔ (ج:۱، ص:۵۰)

تابعین کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا تو یہ ذمے داری ان کے سر آئی۔ اور انہوں نے یہ فریضہ انجام دیا۔ اس زمانے کے فتویٰ دینے والوں میں یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام ابویوسف، امام محمد علیہ الرحمہ والرضوان۔

فنِ افتاء کے اصول وضوابط امام ابویوسف ہی نے مرتب فرمائے ہیں۔ اور امام محمد نے اسے بامِ عروج تک پہنچایا ہے۔ علّامہ شامی لکھتے ہیں:

دقق النظر فی قواعد الامام و اصوله و اجتهد فی زیادة استنباط الفروع منها والاحکام تلمیذ الامام الاعظم ابو یوسف یعقوب بن ابراهیم قاضی القضاة فانه کما رواه الخطیب فی تاریخه اول من وضع الکتب فی اصول الفقه علی مذهب ابی حنیفة ... و زاد فی استنباط الفروع و تنقیحها و تهذیبها و تحریرها بحیث لم تحتج الی شئی آخر الامام محمد بن الحسن الشیبانی تلمیذ ابی حنیفة و ابی یوسف۔

امامِ اعظم کے اصول وقواعد میں تدقیق اوران قواعد واصول سے مسائل واحکام کے استنباط کوفروغ آپ کے شاگرد قاضی القضاۃ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم نے دیا ہے۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ امامِ اعظم کے اصولِ فقہ پر سب سے پہلے آپ ہی نے کتابیں لکھیں ... پھر آپ حضرات کے شاگرد محرر مذہب امام محمد نے اسے تنقیح و تہذیب کر کے اس طرح بامِ عروج پر پہنچایا کہ اس کے بعد کسی اضافے کی حاجت نہ رہی۔ (ج:۱،ص:۵۰)

صحابہ کرام کے زمانے سے لے کر تبع تابعین کے عہد تک افتاء کے عظیم منصب پر فائز رہنے والی ان خوش نصیب ہستیوں کا جائزہ لیجیے تو اپنی اپنی جگہ ہر ذات اجتہاد کی روشنی سے معمور علم وفضل کا آفتاب وماہتاب نظر آئے گی۔

اس لیے تمام علما کا اتفاق ہے کہ جس شخص کے اندر اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کی قوت ودیعت نہیں فرمائی ہے وہ حقیقی معنوں میں مفتی نہیں ہے۔علّامہ شامی فرماتے ہیں:

ان المفتی حقیقة هو المجتهد واما غیره فناقل لقول المجتهد۔

مجتہد ہی حقیقی معنی میں مفتی ہے غیر مجتہد کا فریضہ قولِ مجتہد کو نقل کرنا ہے۔

اوراجتہاد کی صفت گوکہ نبوت کی طرح محض وہبی نہیں جس میں بندے کی جد وجہد اور کسب وریاض کو کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔پھر بھی دوسری بہت سی صفتوں کی طرح محض کسبی نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی خصوصی عطا کے بغیر جد وجہد اور کسب وریاض سے حاصل ہوجائے۔ بلکہ

کسبی اور وہبی کے درمیان ایک برزخ ہے جو جدوجہد اور کسب و ریاض کے ساتھ ساتھ خدائے وہّاب کی موہوبیت اور خصوصی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔ (الحدیث)

اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے اجتہاد کی صفت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔

آپ زمانۂ ماضی کا استقراء کیجیے تو اجتہادِ مطلق کی یہ صفت امام شافعی کے بعد پھر کہیں نظر نہیں آئے گی۔ علّامہ نووی لکھتے ہیں:

حکی بعض الاصحاب منا انہ لم یوجد بعد عصر الشافعی مجتھد مستقل۔

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ دورِ شافعی کے بعد مفتی مستقل پیدا نہیں ہوئے۔ (شرح المہذب، ص: ۷)

گویا امام شافعی ہی مفتیانِ مطلق کے خاتم اور ان کی آخری کڑی ہیں۔ آپ کے بعد مفتی مطلق کے منصب پر نہ کوئی فائز ہوا ہے اور نہ امام مہدی کی تشریف آوری تک بظاہر کوئی فائز ہو سکے گا۔

مگر چونکہ اسلام خدا کا آخری دین اور قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے۔ پھر ایجادات و اختراعات کا سلسلہ بھی روز افزوں ہے جس کے نتیجے میں نئے نئے مسائل کا پیدا ہوتے رہنا لازمی ہے۔ تو ضروری ہے کہ ان نئے پیش آنے والے مسائل کے سلسلے میں مسلمانوں کو احکامِ شرعی سے مطلع کرنے کے لیے مفتیانِ کرام کا سلسلۃ النور بھی ہر زمانے میں قائم رہے۔ اس لیے خداوندِ قدوس نے مفتیانِ منتسبین کو ان کے مراتب کے لحاظ سے ایک گونہ اجتہاد کی صلاحیتوں سے نوازا اور افتاء کے کوہِ گراں کا بار ان کے سروں پر رکھا۔ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

لایزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق حتی تأتی الساعۃ۔

قیامت آنے تک میری امّت کی ایک جماعت قوتِ اجتہاد سے متصف رہے گی۔

(ردالمحتار، ج:۱،ص:۷۸)

ان مفتیانِ منتسبین کا فریضہ یہ ہے کہ مفتیانِ مطلق کی راہ سے الگ نہ ہوں۔ انہیں کے اصول وضوابط کی روشنی میں اجتہاد سے کام لیں۔ اور نئے مسائل میں امّت مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں۔ علّامہ شامی لکھتے ہیں:

التحقیق إن المفتی فی الوقائع لابدله من ضرب اجتهاد و معرفة باحوال الناس۔

نئے مسائل کا جواب کے لیے ضروری ہے کہ مفتی ایک گونہ اجتہاد سے متصف اور احوالِ ناس سے باخبر ہو۔ (ج:۳،ص:۳۹۸)

امام نووی نے قوتِ اجتہاد میں فرق کے لحاظ سے مفتیانِ منتسبین کو چار گروہ میں تقسیم فرمایا ہے۔

۱۔ اصحاب التخریج

۲۔ مجتہدین فی المسائل

۳۔ اصحاب الترجیح

۴۔ اصحاب التمیز (شرح المہذب،ص:۶ تا ۸)

علّامہ شمس الدین بن کمال پاشا نے ایک پانچواں طبقہ ناقلین عن المجتہدین کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ (شامی، ج:۱،ص:۷۷)

اب ان مفتیانِ منتسبین کے اپنے اپنے طبقوں میں جن کے اندر اجتہاد کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ اس طبقہ میں مفتی قرار پائیں گے۔ مثلاً مجتہدین فی المسائل میں سے جن کے اندر اجتہاد فی المسائل کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ مجتہدین فی المسائل میں مفتیٔ اعظم ہوں گے۔ اصحابِ تخریج میں سے جن کے اندر اجتہاد فی التخریج کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ اصحابِ تخریج میں مفتیٔ اعظم ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس ناقلین میں سے جن کے اندر

الاجتہاد فی النقل کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ ناقلین میں مفتیٔ اعظم ہوں گے۔ اور قوتِ اجتہاد کی کمی وزیادتی کا اندازہ خارجی اور داخلی دونوں طرح کی شہادتوں سے لگایا جائے گا۔

خارجی شہادت سے میری مراد اس طبقہ یا عہد کے مفتیانِ کرام کے پیہم اعترافات سے ہے۔

اسی طرح داخلی شہات سے مراد نئے پیش آمدہ مسائل کے حل اور اس باب میں مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کے تقابلی جائزے سے ہے۔

قوتِ اجتہاد کی شدّت وضعف کے جس پیمانے کی نشان دہی میں نے کی ہے اسے معیار قرار دے کر امام احمد رضا کے جانشیں حضور مفتیٔ اعظم کی ذات کو دیکھیے تو آپ کو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہوگا کہ افتائے عظیم کی حسین قبا صرف آپ کے ہی جسمِ انور پر پھبتی ہے۔ اس لیے اس عہد میں اس منصب کا مستحق آپ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

محبِّ گرامی مولانا سیّد شاہد علی صاحب نے جانشین مفتیٔ اعظم علّامہ ازہری، انہوں نے نمونہ سلف علّامہ مبین الدین امروہوی، انہوں نے صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی کے حوالے سے فرمایا ہے:

ہمارے ممدوح کو مفتیٔ اعظم کا یہ لقب خود امام احمد رضا نے عطا فرمایا تھا۔

سیّد اعجاز حسین بریلوی مرحوم نے بھی یہی بات بلا سند ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمائی ہے۔ (ربیع الاول ۱۳۸۵ھ جولائی ۱۹۶۵ء، ص: ۱۰)

کاش یہ حضرات اس دور کی کوئی تحریری شہادت پیش بھی کردیتے تو بات تشنۂ ثبوت نہیں رہ جاتی۔ آپ اس سے صرفِ نظر کر کے بھی امام احمد رضا کے بعد دنیائے اسلام کے اصحابِ فتاویٰ کی فہرست کا مختصر جائزہ لیجیے تو دیکھیں گے کہ:

☆ مکّہ مکرمہ میں — مفتی سیّد امین قطبی۔ مفتی سیّد عباس علوی

☆ مدینہ منورہ میں — مفتی ضیاء الدین

☆ بغداد شریف میں — مفتی سیّد عبد المعبود جیلانی

☆ مارہرہ مطہرہ میں — مفتی سیّد اولادِ رسول محمد میاں برکاتی
☆ بریلی شریف میں — حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں۔ مفتی حسنین رضا خاں
☆ جبل پور میں — عہد الاسلام مفتی عبد السلام، برہان الملّت مفتی برہان الحق
☆ علی پور میں — مفتی جماعت علی شاہ محدّث علی پوری
☆ الور میں — مفتی سیّد دیدار علی۔ مفتی سیّد ابوالبرکات
☆ علی گڑھ میں — مفتی سیّد سلیمان اشرف بہاری
☆ گورکھپور میں — مفتی سیّد شاہد علی سبز پوش
☆ اعظم گڑھ میں — صدر الشریعہ مفتی امجد علی
☆ مرادآباد میں — صدر الافاضل مفتی سیّد نعیم الدین
☆ کچھوچھہ مقدسہ میں — مفتی سیّد محمد محدّثِ اعظم ہند
☆ پورنیہ میں — مفتی سکندر علی رشیدی
☆ پھپھوند شریف میں — مفتی سیّد مصباح الحسن چشتی
☆ پٹنہ میں — ملک العلماء مفتی ظفر الدین بہاری
☆ سیالکوٹ میں — مفتی فتح علی
☆ ہزارہ میں — مفتی عالم جان، مفتی عمر الدین
☆ حیدرآباد میں — مفتی عبد القدیر بدایونی
☆ میرٹھ میں — مفتی مختار احمد، مفتی عبد العلیم صدیقی
☆ لکھنؤ میں — مفتی عبد الاحد
☆ اجمیر معلیٰ میں — مفتی امتیاز احمد
☆ دہلی میں — مفتی مظہر اللہ
☆ بہاول پور میں — مفتی سراج احمد خاں
☆ پیلی بھیت میں — مفتی ضیاء الدین، شیر بیشۂ سنّت مفتی حشمت علی خان

☆ آگرہ میں مفتی عبدالحفیظ

☆ فرنگی محل میں مفتی صبغۃ اللہ

☆ ملتان میں مفتی نظام الدین

☆ کراچی میں مفتی عبدالکریم

☆ سندھ میں مفتی محمد حسین بلوچستانی

☆ بدایوں میں مفتی عبدالحامد بدایونی

☆ سہسوان میں مفتی سیّد غلام قطب الدین

☆ سیتاپور میں مفتی محمد اسماعیل محمود آبادی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

کیسے کیسے صاحبانِ فضل وکمال اور علم وافتاء موجود تھے۔ مگر سب نے بالاتفاق کسی کی قوتِ اجتہاد اور فقاہتِ نفس کا اعتراف کیا ہے اور کسی کو مفتیٔ اعظم کہا، لکھا، چھاپا ہے تو وہ صرف ہمارے ممدوح مولانا مصطفٰے رضا کی ذات ہے۔

امام احمد رضا کے ساتویں عرس منعقدہ ۲۵ ؍صفر ۱۳۴۷ھ کے عظیم الشان اجلاس جس میں حجۃ الاسلام سمیت غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام اور علمائے عظام موجود تھے۔ اس اجلاس میں آپ کو مفتیٔ اعظم کہا گیا ہے۔ اور حضرت حجۃ الاسلام کے حکم سے منظور شدہ تجویزوں میں سے ایک تجویز میں آپ کے لیے مفتیٔ اعظم کا لفظ لکھا گیا ہے۔

(دبدبۂ سکندری رامپور، شمارہ ۹، جلد ۶۶ ص: ۲۰۶، اگست ۱۹۲۸ء)

آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ ۲۷ ؍تا ۳۰ ؍اپریل ۱۹۴۶ء بمقام بنارس کے تاریخ ساز اجلاس جس میں پانچ سو مشائخِ عظام، سات ہزار مفتیانِ کرام اور علمائے فخام شریک تھے اس میں آپ کو بار بار مفتیٔ اعظم کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور اس کی مختلف تجویزوں میں مفتیٔ اعظم لکھا گیا ہے۔ (المیزان اپریل ۱۹۸۷ء ص: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴)

تاجدارِ اشرفیت حضرت مفتی سیّد محمد محدّث اعظم ہند نے اپنے خطبۂ صدارت،

''ارشاداتِ دین پرور'' میں فرمایا ہے:

''میرا خیال ہے سنّی جمعیۃ العلماء کیا چیز ہے؟ سطورِ بالا میں اس سوال کا جواب مفصل آچکا ہے، کاش اس سوال کا جواب حضرت مفتیٔ اعظم ہند سنّیوں کا آقا سنّیوں کا مرکزی آسرا کا قلم دیتا۔'' (المیزان اپریل ۱۹۸۷ء ص:۱۴۱)

یہ حضور مفتیٔ اعظم کے مفتیٔ اعظم ہونے سے متعلق خارجی شہادتیں تھیں، اب آیئے اور داخلی شہادتیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۸ر سال کی عمر ہے، عنفوانِ شباب کا زمانہ، کسی کام سے دارالافتاء پہنچے تو دیکھا ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری رضاعت کے ایک اہم استفتاء کے جواب کے لیے ''فتاویٰ رضویہ'' کی طرف مراجعت کررہے ہیں۔ بے ساختہ زبان پر آگیا، ''فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں؟'' ملک العلما نے فرمایا آپ بغیر ''فتاویٰ رضویہ'' دیکھے لکھ دیں تو جانوں؟ یہ سن کر فقاہتِ نفس موجزن ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ دیکھنا تو دور کی بات، کسی بھی فتاویٰ کو دیکھے بغیر جواب لکھ دیا۔ اصلاح کے لیے امام احمد رضا کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ وہ امام احمد رضا جن کے متعلق علمائے عرب کا فیصلہ ہے:

لو رأسا الامام ابو حنیفۃ لجعلہ فی اصحابہ۔

آپ امامِ اعظم کے زمانے میں ہوتے تو امامِ اعظم بالیقین آپ کو اپنے اصحاب میں داخل فرمالیتے۔

امام احمد رضا اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں پاتے ہیں۔ صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر تصدیق فرماتے ہیں اور خوش ہوکر پانچ روپے انعام دیتے ہیں۔ پھر ابوالبرکات محی الدین جیلانی محمد عرف مصطفےٰ رضا کی مہر بنوا کر عطا فرماتے ہیں۔ (تذکرہ علماء اہلِ سنّت، ص: ۲۲۳)

امام احمد رضا کے بعد اجتہاد کے متقاضی جن نئے مسائل سے امّتِ مسلمہ دوچار ہوئی اس میں انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے، راکٹ کے ذریعے چاند پر پہنچ سکنے نہ پہنچ سکنے،

۲۹/ تاریخ کو ہوائی جہاز سے چاند دیکھے جانے پر اس کے معتبر ہونے نہ ہونے، حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کا جواز عدم جواز اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کی صحت و عدم صحت کے مسئلے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

اس لیے ہم اس مقالے میں وقت کی قلّت کا لحاظ رکھتے ہوئے بہت ہی اختصار کے ساتھ ترتیب وار انہیں چند مسائل میں حضور مفتئ اعظم کی قوت اجتہاد اور فقاہتِ نفس کا جائزہ لینے اور دوسرے مفتیانِ کرام کے فتاویٰ سے آپ کے فتاویٰ کا تقابل پر اقتصار کریں گے۔

انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیانِ کرام کے سامنے آیا تو بیشتر حضرات متردد رہے، کچھ حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ

"روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا کیوں کہ انجکشن کی سیّال دوائیں معدہ میں بھی پہنچتی ہیں۔ اور خارج سے کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا مفسدِ روزہ ہے۔"

اور کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ:

"گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں رگ میں لگوایا جائے تو فاسد ہو جائے گا کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ میں نہیں پہنچتی ہیں۔ اور رگ سے پہنچ جاتی ہیں۔"

لیکن مفتئ اعظم ہند نے ارشاد فرمایا:

"انجکشن گوشت میں لگوایا جائے خواہ رگ میں کسی بھی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچتی ہیں بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں۔ اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں اس کی تری مسامات کے ذریعہ بسا اوقات معدہ تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمہ لگانے سے اس کا ذائقہ حلق میں محسوس اور رنگت تھوک میں دکھائی دے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔"

حضور مفتئ اعظم نے اس فتویٰ میں جہاں فقہ کے اس ضابطہ کلیہ سے "خارج کوئی چیز

غیر منفذ کے ذریعہ معدہ تک پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے'' سے استدلال فرمایا ہے اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمہ لگانے جیسے امثال ونظائر سے کام لیا ہے۔ وہیں اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ فرما دیا ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا کوئی حکم کسی طبّی تحقیق پر مبنی ہو تو اس سے صرفِ نظر کر کے فتویٰ صادر کر دینا غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔ فسادِ روزہ کا حکم دینے والے مفتیانِ کرام نے اگر یہ تحقیق کر لی ہوتی کہ گوشت یا رگ سے معدہ تک منفذ نہیں ہے تو فتویٰ دینے میں ان سے یہ غلطی نہیں ہوتی۔ بہرحال اس فتویٰ سے آپ کی مجتہدانہ صلاحیتوں کا کافی سراغ ملتا ہے۔

جب چاند کی دھرتی پر پہلا قدم رکھنے کے لیے روس وامریکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جدوجہد کر رہے تھے تو چاند کو خدائی درجہ دینے اور اس کی عبادت وبندگی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ بعض مفتیانِ کرام بھی اسے روس وامریکہ کا جنون وبکواس کہہ رہے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ:

''چاند آسمان کے اندر ہے اور آسمان تک کسی غیر مسلم کا پہنچنا محالِ شرعی ہے اس لیے روس یا امریکہ کے چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو جانے کا خیال اسلامی اصول کے خلاف ہے۔''

بیشتر علماء کرام گومگو کی کیفیت سے دوچار تھے۔ مفتیٔ اعظم نے فرمایا:

''جب چاند کی طرف نگاہ اٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے دکھائی دیتا ہے۔ صحابیٔ رسول رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق سورج، چاند اور ستارے سبھی زمین وآسمان کے درمیان مسخّر ہیں جیسا کہ تفسیرِ مدارک میں ہے: عن ابن عباس ان الشمس والقمر والنجوم کلھا مسخرات بین السماء والارض۔ الغرض مشاہدہ اور روایات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ چاند آسمان کے نیچے ہے اور جب آسمان کے نیچے ہے تو چاند پر پہنچنے سے آسمان پر پہنچنا کہاں لازم آتا ہے کہ چاند پر پہنچنا محالِ شرعی ہو جائے۔ ہمارے نزدیک انسان کا چاند تک پہنچنا ممکن ہے اور اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند تک پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔''

حضور مفتیٔ اعظم کے اس فتویٰ سے جہاں آپ کی مجتہدانہ صلاحیت کا نشان ملتا ہے وہیں تفاسیر پر گہری نظر اور اسلامی اصولوں سے پوری واقفیت کا بھی اندازہ لگتا ہے۔ جو اجتہاد کے لوازم ہیں۔

جنرل محمد ایوب خاں کے دورِ صدارت میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے علماء کی شمولیت میں رویتِ ہلال کمیٹی قائم کی گئی اور سطحِ زمین سے چاند نہ دیکھے جانے کی صورت میں ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کی کوشش کرنا طے پایا۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں منصوص نہیں تھا اس لیے دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام سے فتویٰ طلب کیا گیا تمام مفتیانِ کرام نے ہوائی جہاز سے انتیس کا چاند دیکھے جانے پر روزہ وعید کرنا جائز قرار دیا مگر مفتیٔ اعظم نے فرمایا:

''چاند کو سطحِ زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں قاضی شرع شرعی ثبوت پر روزہ وعید کا حکم دیں گے۔ سطحِ زمین یا وہ جگہ جو سطحِ زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے چاند دیکھا جائے تو معتبر ہے۔ جہاز سے چاند دیکھا جانا معتبر نہیں۔ چاند نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے، فنا نہیں ہو جاتا۔ اس لیے مزید بلندی پہ جایا جائے تو انتیس کے بجائے اٹھائیس کو بھی نظر آ سکتا ہے۔ اب اگر ہوائی جہاز سے اٹھائیس ہی کو چاند نظر آ گیا تو کیا روزہ وعید کا حکم دے دیا جائے گا۔''

حضرت مفتیٔ اعظم کا یہ فتویٰ صادر فرمانا تھا کہ پاکستان کے تمام اخباروں نے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا اور حکومت نے اٹھائیس تاریخ کو ہوائی جہاز اڑا کر اس کی تصدیق کرنا چاہی تو واقعی کافی بلندی پر جانے سے چاند نظر آ گیا۔ جس سے آپ کے فتویٰ کی صداقت کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہوا۔ اور حکومتِ پاکستان نے ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کی کوشش کرنا ترک کر دی۔ (استقامت کانپور ۱۹۸۳، ص: ۱۱۶، ۱۱۸)

حضور مفتیٔ اعظم کے اس فتویٰ سے نئے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں عالمِ اسلام کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام پر آپ کا علمی تفوق اور قوت اجتہاد میں برتری روزِ روشن کی

طرح عیاں ہے۔

ہندوستانی حکومت نے شروع شروع حج کے لیے بھی پاسپورٹ پر فوٹو کو لازمی قرار دیا تو تمام مفتیانِ کرام اس خصوص میں فوٹو کھنچوانے کے جواز و عدم جواز سے متعلق شش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔ بعض حضرات نے جواز کا فتویٰ دیا اور لکھا:

''حج فرض کی ادائیگی ضروری ہے، جو فوٹو کھنچوائے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اور فوٹو کھنچوانا شرعاً ممنوع و محضور ہے تو **الضرورات تبیح المحظورات** کے تحت ناجائز و گناہ نہیں رہنا چاہیے، مباح ہونا چاہیے۔ نیز حج فرض ہو جانے کے بعد ادائیگی میں تاخیر کرنا از روئے شرع بلیۃ ہے اور فوٹو کھنچوانا بھی بلیۃ۔ مگر حج کی ادائیگی میں تاخیر کے بلیۃ سے فوٹو کھنچوانے کا بلیۃ اھون ہے۔ کیونکہ حج کی ادائیگی میں تاخیر گناہ و فسق ہے۔ اس لیے **اذا بتلی ببلیتین فلیخترا ھونہما** کے تحت فوٹو کھنچوا کر ادائیگی حج کی اجازت ہونی چاہیے۔ جیسے کسی کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ جھوٹ بولے بغیر حاصل نہ ہوسکتا ہو تو شریعت نے اسے احیائے حق کے لیے جھوٹ بولنے کی رخصت دی ہے۔ باوجود کہ عام حالات میں جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ اسی طرح فوٹو کھنچوانا بھی اگرچہ گناہ ہے مگر چونکہ حج فرض اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا ہے تو اسقاطِ فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی بھی رخصت ہونی چاہیے۔ ہاں حج نفل کے لیے فوٹو کھنچوانا جائز نہیں ہوگا۔'' لیکن حضور مفتیٔ اعظم نے فرمایا:

''حج کے لیے امن طریق بالاتفاق شرط ہے، ایک روایت کے مطابق نفسِ وجوب کی شرط اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق وجوبِ ادا کی شرط۔ ردالمحتار میں ہے: **وقد منا عن الکتاب انہ من مشروط وجوب الاداء وفی شرحہ انہ الاصح ورجحہ فی الفتح وروی عن الامام انہ شرط وجوب**۔ اور امن مطلق ہے جو حسی و شرعی دونوں کو شامل ہے۔ تو جس طرح امن حسّی نہ ہو یعنی راہ میں لوٹ مار سے جان ضائع ہونے کا ظن غالب ہو تو پہلی روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں۔ اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے مگر ادا کرنا فرض نہیں، اس میں تاخیر جائز ہے۔ اسی طرح امن

شرعی نہ ہو یعنی ارتکابِ حرمت کرنا پڑے جیسے عورت کو شوہر یا محرم کی ہمراہی نصیب نہ ہو یا عورت عدّت کی حالت میں ہو تو ایک روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے، مگر ادا کرنا فرض نہیں۔ اس میں تاخیر جائز بلکہ واجب ہے۔ فوٹو کھنچوانے میں بھی ارتکابِ حرمت ہے تو اس صورت میں بھی امنِ شرعی مفقود ہوا۔ لہٰذا پہلی روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا۔ اور دوسری اصح وراجح روایت کے مطابق حج فرض ہوگا مگر ابھی ادا کرنا فرض نہ ہوگا۔ اس میں تاخیر جائز بلکہ واجب ہوگی۔ پہلی روایت کے مطابق حج فرض ہی نہیں تو فوٹو کھنچوا کر حرام کا مرتکب ہونا غیر فرض کے لیے ہے، جس کے معصیت ہونے میں شبہ نہیں۔ دوسری اصح وراجح روایت کے مطابق حج اگرچہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔ تو اب بھی درحقیقت غیر فرض ہی کے لیے فوٹو کھنچوانا ہوگا۔ اس لیے اس صورت میں بھی گناہ سے مفر نہیں۔''

پھر یہ مسئلہ اور اس طرح کے تمام مسائل کو حل کرنے کے لیے یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا:

''جب انتثال مامور بہ ارتکاب حرام کو مستلزم ہو تو مامور بہ کو مؤخر کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور حرام سے پرہیز کرنا لازم رہتا ہے کہ پرہیز ہی راجح ہے۔ یہاں تک کہ انتثال مامور بہ کے لیے اگر ارتکابِ حرام کرے گا تو فاسق ہو جائے گا۔''

اور اس کی تائید میں غنیّہ شرح منیہ اور اس کے علاوہ دوسری کئی کتابوں سے یہ نظیر پیش کی۔

''موضع ستر میں قدرے درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو تو اس کا دھونا فرض ہے اور دوسرے کے سامنے ستر کھولنا حرام۔ اب اگر دوسرے کے سامنے ستر کھولے بغیر دھونے کی کوئی صورت نہ ہو تو ستر کھولنا جائز نہیں ہے۔''

غنیّہ شرح منیہ میں ہے: ''لا یجوز الکشف عند احد اصلًا لانہ حرام یعذر بہ فی غسل طھارۃ النجاسۃ اذا لم یمکنہ ازالتھا من غیر کشف و قال البزازی ومن لا یجد سترۃ ترکہ یعنی الاستنجاء ولو علی شطنھر

لان النھی راجح علی الامر حتی یستوعب النھی الازمان ولم یقتض الامر التکرار وقال قاضی خاں قالوا من کشف العورۃ للاستنجاء یصیر فاسقا۔ الخ۔"

اس مقام تک حضور مفتیٔ اعظم نے اپنے مدعا کو مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور ضمناً اس فتویٰ میں پیش کی گئی دلیلوں کے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ مگر اب اس کے بعد بالقصد اس فتویٰ کی دلیلوں کو رد کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرماتے ہیں:

(۱) ہم ثابت کر آئے ہیں کہ فوٹو کھنچوانے کی شرط پر ایک روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج اگر چہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔ تو ضرورت ہی متحقق نہیں ہوئی اس لیے "الضرورات تبیح المحظورات" سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابھی ادا کرنا بہر حال فرض نہیں تو تاخیر میں سرے سے گناہ ہی نہیں۔ اور جب گناہ ہی نہیں تو بلیتین کہاں ہوا ہے؟ بلیہ تو صرف فوٹو کھنچوانا ہوا۔ اور بالفرض ادائیگی بھی فرض ہو تو بھی تاخیر گناہِ کبیرہ نہیں بلکہ اس کے صغیرہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ درِ مختار میں ہے:

"علی الفور فی العام الاول عند الثانی فیفسق و تردستھا وقد بتاخیرہ ای لان تاخیرہ و صغیرۃ وارتکابہ مرۃ لایفسق الا بالاصرار۔

شامی میں ہے فیکون التاخیر مکروھًا تحریمًا لا حرامًا لان الحرمۃ لا یثبت الا بقطعی۔ اور فوٹو کھنچوانا حرام ہے تو تاخیر ہی اھون بلیتین ہوگی نہ کہ فوٹو کھنچوانا۔

(۳) حق العبد اور حق اللہ دونوں کی روایت متعذر رہونے کی صورت میں حق العبد کی رعایت کو ترجیح حاصل ہے۔ لہٰذا جب احیائے حق جھوٹ پر موقوف ہو تو جھوٹ نہ بولنے میں حق العبد فوت ہوگا۔ اور جھوٹ بولنے میں حق اللہ فوت ہوگا۔ اور ایسی کوئی صورت نہیں کہ دونوں حقوق کی رعایت ہو سکے۔ لہٰذا حق العبد کی رعایت کو مقدم رکھ کر جھوٹ بولنے کی

رخصت دی جائے گی۔ صورتِ متنازعہ میں حج نہ کرنے سے حق اللہ فوت ہوگا اور فوٹو کھنچوانے سے بھی حق اللہ فوت ہوگا۔ اور حق اللہ میں نہی کی رعایت امر پر ترجیح رکھتی ہے۔ لہٰذا یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔ بلکہ صورتِ متنازعہ میں جب واجب الادا نہیں تو حج کو مؤخر کرنے سے حق اللہ فوت ہی نہیں ہوگا، البتہ قریبِ مرگ اپنی طرف سے حج کے لیے وصیت نہ کرے گا تو حق اللہ فوت ہوگا۔ الخ

نہ معلوم کن مصلحتوں کی بنا پر جناب کلیم اشرف صاحب سنبھلی نے اپنے مضمون ''مفتیٔ اعظم کی انفرادی حیثیت'' میں تحریر فرمایا ہے:

''جب وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مفتی اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف حج فرض کے لیے فوٹو کے جواز کا یہ فتویٰ دیا تو قربان جایئے حضور مفتیٔ اعظم ہند کی شانِ انفرادیت کہ آپ نے نہ ہی اس کی تائید فرمائی، نہ ہی مخالفت فرمائی رد نہ کرنا اس لیے تھا کہ فتویٰ درست تھا اور تائید نہ کرنا اس لیے تھا کہ یہ آپ کا تقویٰ تھا۔ (از ماہنامہ اعلیٰ حضرت، ستمبر اکتوبر نومبر ۹۰ءص:۲۵۱)

اگر کلیم صاحب کو حضور مفتیٔ اعظم ہند کے اس فتویٰ کی اطلاع نہیں تھی تو علم وتحقیق کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس موضوع سے کنارہ کش رہ کر اپنا دامن بچا جاتے۔ یا پھر کسی وجہ سے لکھنا ہی ضروری تھا تو اس باب سے متعلق حضور مفتیٔ اعظم کے موقف سے اپنے ناواقفیت کا صاف اظہار فرمادیتے۔

بہر حال حضور مفتیٔ اعظم نے اپنے اس فتویٰ میں اجتہادی بصیرت اور سیاسی صداقت کی ایسی رنگ آمیزی فرمائی ہے کہ ایک طرف تو دلائل وشواہد کی روشنی میں حج فرض کے لیے بھی فوٹو کھنچوانے کی حرمت واضح کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ فی الحال حج کی ادائیگی واجب نہیں۔ اور دوسری طرف ''حج میں تاخیر کی جائے گی'' ''قریب مرگ اپنی طرف سے حج کی وصیت نہ دے گا تو حق اللہ فوت ہوگا'' فرما کر یہ اشارہ بھی دے دیا ہے کہ اس سے چھٹکارے کی بھی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے ''چلو چھٹی ہوئی'' سمجھ کر اطمینان سے بیٹھ جانا نہیں چاہیے

بلکہ حتی الوسع اس شرط کو ختم کرانے کی جد وجہد کرنی چاہیے۔

کاش! اس وقت مسلمان بالخصوص علماء ومشائخ حضور مفتیٔ اعظم کے فتویٰ کی نزاکتوں کو سمجھتے اور فوٹو کے جواز کے لیے ان کمزور شبہات کا سہارا ڈھونڈنے کے بجائے کچھ دنوں کے لیے اجتماعی طور پر حج سے رُک جاتے، اور علمی وعقلی انداز میں حکومت کو سمجھاتے، تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت سنجیدہ نہیں ہوتی۔ اور کم سے کم حج فرض کے لیے اس شرط کو ختم ہی نہیں کر دیتی۔ کیا حضور مفتیٔ اعظم اور آپ کے اہلِ خانہ وخدّام کو حکومت نے حج نفل کے لیے بھی اس شرط سے مستثنیٰ نہیں کر دیا بلکہ حافظِ ملّت مولانا عبد العزیز محدّث مبارک پوری کے لیے بھی حکومت نے یہ شرط ختم کر دی۔ (حافظ ملّت کے افکار اور کارنامے، ص: ۹۸، ۱۳۶)

اس طرح کے موقع پر حج سے اجتماعی طور پر رک جانا عوام کے لیے بھلے ہی اچنبھے کی بات ہوتی مگر علما تو واقف تھے کہ تاریخ میں ایسے بہت سے مواقع آئے ہیں جب مفتیانِ کرام نے حالات کی نزاکتوں کا احساس کر کے اجتماعی طور پر حج سے رُکے رہنے کا فتویٰ دیا ہے۔ شامی نے ۶۳۶ھ سے متعلق علامہ اسکاف کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لا اقول انه فرض فی زماننا

ہم اس زمانہ میں حج کی فرضیت کا فتویٰ نہیں دیتے ہیں۔ (ج: ۲، ص: ۲۶۳)

انہوں نے ہی علامہ ثلجی کا بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

لیس علی اهل خراسان منذ كذا سنة حج۔

اتنے برسوں سے اہل خراسان پر حج فرض نہیں ہے۔ (ج: ۲، ص: ۲۶۳)

جب پہلے پہل لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کا مسئلہ درپیش ہوا تو علماء کرام مختلف الخیال ہو گئے۔ بعض علماء نے اسے حقیقتاً وحکماً ہر طرح عین آواز سمجھ کر اقتدا کو درست قرار دیا۔ حتی کہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی جیسے فقیہہ اجل جن کے متعلق امام احمد رضا کا ارشاد ہے:

”آپ کے یہاں دین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔

طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقفیت ہوچکی ہے۔(الملفوظ، ج:۱،ص:۹۳)

انہوں نے بھی ابتدا میں یہی کہا (فتاویٰ امجدیہ، ج:۱،ص:۹۰) گو بعد میں اس سے رجوع فرما کر فسادِ اقتدا کا فتویٰ دیا۔(ص:۱۶۰، ۱۹۲)

بیشتر حضرات نے اسے صدائے بازگشت سمجھا لیکن اقتدا کے مسئلے میں وہ بھی مختلف ہوگئے۔معدود چند نے اقتدا کو درست بتایا اور زیادہ حضرات نے باطل قرار دیا۔

مگر قربان جایئے حضور مفتیٔ اعظم کی شانِ اجتہاد کے۔آپ نے حکم کے اعتبار سے مؤخر الذکر علما کی تصدیق فرماتے ہوئے بھی استدلال میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔یہی وجہ ہے کہ جب بعض عظیم المرتبت مفتیانِ کرام نے اس سلسلے میں کئی صفحات پر مشتمل مبسوط فتویٰ لکھا جس میں انہوں نے اپنے طور پر یہ ثابت کیا کہ لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز صدائے بازگشت ہے اس لیے اس پر اقتدا فاسد ہوگی۔اور اس فتویٰ پر آپ سے تصدیق چاہی تو آپ نے ان لفظوں میں تصدیق فرمائی:

"الحکم کذٰلك" ہاں حکم یہی ہے۔فی الواقع نماز نہیں ہوگی۔

اور جب ایک نوآموز مفتی مولانا محمد طاہر حسین پورنوی نے بہت ہی مختصر فتویٰ لکھ کر تصدیق چاہی جس میں انہوں نے دلائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف حکم یعنی فسادِ اقتدا کو بتایا تھا تو آپ نے ان لفظوں سے تصدیق فرمائی:

"الجواب صحیح" یہ جواب صحیح ہے۔

دونوں تصدیقوں کی تہوں میں معانی و نکات کے کتنے لعل و گوہر پنہاں ہیں اہلِ علم خصوصاً مفتیانِ کرام سمجھ سکتے ہیں۔بات یہ تھی کہ مفتیٔ اعظم لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز کو حکماً و حقیقتاً ہر اعتبار سے متکلم کی آواز کا غیر قرار دیتے تھے۔ان کا ارشاد ہے:

لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں، مماثل آوازِ امام ہے۔اور مقتدی نماز میں غیر کی اقتدا کرے یہ مفسد ہے۔"(التفصیل الانور،ص:۲۴)

آپ کے اس ارشاد کی تصدیق تاجدارِ اشرفیت مولانا سیّد محمد محدّث اعظم ہند نے ان

لفظوں سے کی ہے۔

"ھذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع۔" یہ عالم مطاع کا حکم ہے جس کا اتباع ہم پر لازم ہے۔ (ایضاً ص:۲۶)

اور ان لفظوں سے اس مفتی کے فتویٰ کی تصدیق کی جاتی ہے جس مفتی کو تصدیق کرنے والا صاحبِ درمختار علامہ علاء الدین حصفکی اور صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی کے بقول مفتیانِ منتسبین کے مذکورہ بالا طبقوں میں سے تیسرے طبقے یعنی اصحابِ تمیز اور محشّی رد المحتار علامہ رافعی کے بقول دوسرے طبقے یعنی اصحاب ترجیح میں شمار کرتا ہوں۔ شرح العقود میں ہے:

"فقد تحرر مما ذکرنا ان قول الامام و اصحابہ لایحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا محمول علی فتوی المجتھدین بطریق الاستنباط والتخریج کما علمت من کلام التحریر و شرح البدیع والظاھر اشتراك الطبقۃ الثالثۃ والرابعۃ والخامسۃ فی ذالك وان من عداھم یکتفی بالنقل وان علینا اتباع مانقلوہ لنا عنھم من استنباطھم الغیر المنصوصۃ عن المتقدمین ومن ترجیحاتھم۔"

میرے مذکورہ بالا امورِ وضاحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امامِ اعظم اور آپ کے اصحاب کے ارشاد کے مطابق یہ معلوم کرلیا جائے کہ اس مسئلہ کی دلیل کیا ہے؟ اس وقت تک اس مسئلہ میں فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ مسئلہ کی دلیل سے واقفیت حاصل کیے بغیر اصحابِ تمیز سے اوپر طبقہ والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس سے استنباط وتخریج کریں۔ ہاں اصحابِ تمیز کے لیے یہ حکم ہے کیونکہ ان کا کام محض نقل کرنا ہے اور ہم پر واجب ہے کہ یہ حضرات مجتہدین فی المسائل یا اصحاب التخریج یا اصحاب الترجیح کے مطابق استنباط کریں یا ترجیح دادہ مسئلوں کو نقل کریں، ہم ان کا اتباع کریں۔ (ص:۶۶)

درمختار میں ہے:

واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہٗ وما صححوہٗ۔

ان کے ترجیح دادہ اور تصحیح کردہ مسائل میں ہم پر ان کا اتباع واجب ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قولہ واما نحن یعنی اھل الطبقۃ السابعۃ۔

ہم پر یعنی ناقلین عن المجتہد پر ان کا اتباع واجب ہے۔

تقریراتِ رافعی میں ہے:

"**قولہ یعنی اھل الطبقۃ السابعۃ یظھر ان المراد اھل الطبقۃ السادسۃ ایضًا فانہ لیس شانھم الترجیح بل التمیز بین القوی والاقویٰ۔**"

الغرض تاجدارِ اشرفیت حضرت محدّث اعظم ہند نے حضور مفتیٔ اعظم کا مقامِ رفیع اصحابِ ترجیح یا کم از کم اصحابِ تمیز کا مقام بتایا۔ اور لطف یہ کہ واحد کا صیغہ وما علی کے بجائے جمع کا صیغہ وما علینا کہہ کر اس بات کی بھی نشان دہی فرما دی کہ حضور مفتیٔ اعظم کی یہ اجتہادی شان صرف محدّثِ اعظم ہند کے بالمقابل نہیں بلکہ تمام مفتیانِ عصر کے بالمقابل ہے۔ صحیح کہا ہے ان کے جانشین علامہ مدنی میاں صاحب مدظلہٗ نے:

"میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتیٔ اعظم ہند کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدّث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے جسے حضور محدّث اعظم جیسی شخصیت کی زبان بھی عالمِ مطاع اور واجب الاتباع قرار دے۔" (مفتیٔ اعظم نمبر، استقامت کانپور ۱۹۸۳ء ص: ۱۳۱)

میں سمجھتا ہوں کہ ان داخلی اور خارجی شہادتوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی کہ حضور مفتیٔ اعظم صحیح معنوں میں مفتیٔ اعظم امام احمد رضا کے سچے جانشین اور الولد سر لابیہ کے کامل مصداق تھے۔

اس مقام پر یہ وضاحت بھی لطف سے خالی نہیں ہوگی کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانی والی آواز متکلم کی آواز کا عین ہے یا صدائے بازگشت یا غیر ومماثل، اس کا براہِ راست تعلق علمِ فقہ سے نہیں ہے۔ بلکہ خالصتاً جدید سائنس کی تبدیلی توانائی کا نظریہ اور لاؤڈ اسپیکر کے اصولِ ایجاد سے ہے۔

آئن اسٹائن کے نظریہ کے مطابق ایک انرجی کو دوسری انرجی میں بدلا جاتا ہے، ساؤنڈ ایک الگ انرجی ہے اور الیکٹرک سٹی ایک الگ انرجی۔ اسی طرح سگلینٹ بھی ایک الگ انرجی ہے۔ بولنے والا جب اپنی زبان وگلو کو حرکت دیتا ہے تو اس سے ساؤنڈ انرجی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ساؤنڈ انرجی مائک کے پردہ سے ٹکراتی ہے اور مشینی آلات اسے برقی توانائی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اور پھر جب وہ برقی توانائی ہارن کے پردہ تک پہنچتی ہے، وہ سگلینٹ انرجی میں بدل جاتی ہے۔ اور میگلینٹ انرجی پھر ساؤنڈ انرجی میں تبدیل ہو کر ہواؤں میں پھیلتی ہے اور ہمیں سنائی دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ لاؤڈ اسپیکر کے اندر تین بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔ (۱) امپلی فائر (۲) مائیکروفون (۳) اسپیکر

امپلی فائر مائیکروفون سے اسپیکر تک برقی کرنٹ کی ترسیل کا کام کرتا ہے۔ مائیکروفون میں ایک خفیف سی جھلّی لگی ہوتی ہے، جس کی دوسری جانب کاربن لگا ہوتا ہے۔ اسپیکر کے اندر بھی ایک خفیف سی جھلّی لگی ہوتی ہے۔ جب انسان بات کرتا ہے تو اس کی زبان وگلو کی تحریک سے منہ میں بھری ہوئی ہوا کے اندر ایک خاص شکل پیدا ہو جاتی ہے جس کو آواز کہتے ہیں۔ آواز ہوا کے دوش پر مائیکروفون کے اندر کی جھلّی تک پہنچ کر اس سے ٹکراتی ہے۔ مائیکروفون کی خفیف سی جھلّی جب آواز کی حامل ہوا دھکا لگتا ہے، تو وہ حسبِ تحریک جنبش کرتی ہے۔ اور اس کی کاربن والی سطح برقی تار سے ملتی اور جدا ہوتی رہتی ہے۔ جس سے برقی کرنٹ کی روانی میں اسی تحریک کی مناسبت سے فرق آجاتا ہے۔ اور اسی فرق کے ساتھ اسپیکر کی جھلّی کے قریب میگنیٹ بنتا ہے جس سے جھلّی سکڑنے اور پھیلنے لگتی ہے۔ اور جھلّی کے اس سکڑنے اور پھیلنے سے اس کی متصل ہوا کو منہ کے اندر کی ہوا کی طرح دھکا لگتا ہے۔ جس سے اس ہوا میں

بھی ایسی شکل و ہیئت بن جاتی ہے۔جیسی شکل و ہیئت منہ کے اندر کی ہوا میں بنی تھی۔اور پھر ہواؤں کے دوش پر منتقل ہوتی ہوئی وہ شکل و ہیئت ہمارے کانوں تک پہنچتی ہے اور ہمیں بالکل اسی طرح کی آواز سنائی دیتی ہے۔جس کی پوری تفصیل اس ناچیز نے اس موضوع پر اپنی کتاب قولِ فیصل میں سائنس کی مختلف کتابوں اور لاؤڈ اسپیکر کے اصولِ ایجاد کے ماہرین کے حوالوں کے ساتھ بیان کردی ہے اہلِ ذوق وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

یہاں سوال یہ ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند نے آئن اسٹائن کا نظریہ کب پڑھا تھا؟ اور لاؤڈ اسپیکر کے اصولِ ایجاد سے متعلق یہ معلومات کن سے فراہم کی تھیں؟ نیز ان پر اعتماد کے ظاہری اسباب کیا تھے؟

اگر حضور مفتیٔ اعظم نے آئن اسٹائن کا نظریہ نہیں پڑھا تھا۔لاؤڈ اسپیکر کے اصولِ ایجاد سے متعلق معلومات کسی سے فراہم نہیں کی تھیں اور ان پر اعتماد کا کوئی ظاہری سبب بھی نہیں تھا تو پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور مفتیٔ اعظم کے نفس کے اندر فقاہت ودیعت کردی تھی۔قدرت نے ان کو مقصدِ شرع کے ادراک کی ایک ایسی قوت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ الفاظ کے ذریعہ معانی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے دل پر معانی کا القا ہوتا تھا۔جس کی تفسیر کے لیے وہ الفاظ کو استعمال میں لاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ کو حج وزیارت کے لیے دوبارہ حرمین طیبین گئے اور نجدی حکومت کی عائد کردہ حج ٹیکس کے خلاف عربی زبان میں انتہائی مدلل ومبسوط فتویٰ القنابل النورية على الكوشان النجدية وہاں صادر فرمایا تو علماء حرمین طیبین نے مطالعہ کے بعد بیک زبان ہوکر کہا:

ان هذا الا الهام یہ فتویٰ کسبی نہیں الہامی ہے۔(مفتیٔ اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں، ص:۸)

الغرض حضور مفتیٔ اعظم کو خدائے وہاب نے اس عظیم منصب پر فائز کیا تھا۔جس کے متعلق علّامہ عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فلا یصیر بعد التلقین یجھل شیئا من احکام الشریعۃ المطھرۃ فیستغنی عن سوال الناس وعن النظر فی کتابھم۔

اس منصب پر فائز رہنے والے فتویٰ دینے میں رسمی علوم اور ظاہری کتابوں کے مرہونِ منّت نہیں ہوتے ہیں وہ غیر رسمی علوم اور غیر مرئی کتابوں کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں ہاں رسمی علوم اور ظاہری کتابوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی ہوتی ہے، جسے امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابی ثعلبہ سے روایت کی ہے:

البر ماسکنت الیہ النفس واطمئن الیہ القلب والاثم مالم تسکن الیہ النفس ولم یطمئن القلب۔

جس پر نفسِ مسلم کو قرار ملے اور دل کو اطمینان ملے وہ نیکی ہے۔اور جس پر نفسِ مسلم کو قرار نہ ملے اور اطمینان نصیب نہ ہو وہ گناہ ہے۔

اخیر میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہو رہا ہوں کہ یہ میں نے اپنی بساط کے مطابق بیعت و ارشاد، دعا و تعویذ و عبادت و بندگی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے مقدس حجابوں میں مستور امام احمد رضا کے سچے جانشین حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے رنگِ اجتہاد کی صرف ایک جھلک آپ کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔اور اس میں بھی۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اہلِ علم اس طرف توجہ فرمائیں تو دنیا اس آفتاب عالم تاب کی ضیاباریوں سے بقدر ظرف روشناس ہو سکتی ہے۔

a a a a a

(نوٹ: یہ مضمون ''پیغامِ رضا'' ممبئ کے مفتیِ اعظم نمبر سے لیا گیا ہے۔استقامت کانپور کے مفتیِ اعظم نمبر کے بعد ''پیغامِ رضا'' کے مفتیِ اعظم سے زیادہ جامع اب تک کوئی نمبر نہیں آسکا ہے۔ لیکن اس نمبر کو منصوبہ بند طریقے سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔حد تو یہ ہے کہ رضا اکیڈمی کے ''جہانِ مفتیِ اعظم'' میں بھی اس نمبر کا تذکرہ نہیں ملتا۔جبکہ رضا اکیڈمی کی لائبریری میں یہ نمبر موجود ہے۔(ایڈیٹر)

☆حضرت مولانا مفتی محمد سجاد عالم رضوی ثقافی امجدی

حضور مفتی اعظم ہند فتویٰ اور تقویٰ کے آئینے میں

اُفق عالم پر نہ جانے کتنی عبقری شخصیات فضل وکمال کے آفتاب درخشندہ اور ماہتابِ تابندہ بن کر جلوہ گر ہوئیں اور ایک مدتِ مدید تک اپنی ضوبار کرنوں سے گوشہ ہائے عالم کو منور کرتی رہیں اور پھر پردۂ نسیان کے پیچھے ہمیشہ کے لیے غروب ہوگئیں۔ رفتہ رفتہ ان کی یادوں کی شفق بھی ماضی کی تاریکیوں میں گم ہوگئی۔

مگر ان ہی شخصیات میں کچھ ایسی شخصیتیں بھی گذری ہیں کہ جن کے گذرے صدیاں بیت گئیں مگر ان کی یادوں کی روشنی سے آج بھی صدہا قلوب روشن ہیں بلکہ اس روشنی میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت بھی ممتد ہوتی جا رہی ہے اور دن بدن اس کے فضل وکمال کی ضیا باریوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ ان ہی شخصیات میں ایک عظیم عبقری شخصیت شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدارِ اہلِ سُنت، علم وعمل اور حسنِ تدبُّر کا پیکر، فتویٰ کے عامل، تقویٰ کے خوگر، حلم وبُردباری اورعزمِ محکم کی مضبوط چٹان، تَفَقُّہ وتَدَبُّر میں یگانہ جہان، میدانِ شعروسخن کے شہسوار، سلوک وتصوُّف کے بحرِ ذخّار، ولایت وکرامات کے شاہکار، قطبِ عالم، مفتی اعظم، الشاہ محمد مصطفی رضا خان قادری نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات مقدسہ بھی سرفہرست ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی شکل میں اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے گھر بریلی شریف کے افق سے طلوع ہونے والا یہ علم و

تقویٰ کا آفتاب درخشندہ اور ماہتاب تابندہ ایسا چمکا کہ چمکتا ہی چلا گیا، اس کی شرافت و کرامت کی کرنیں پھوٹیں تو پھوٹتی ہی چلی گئیں، اس کی علمی شعائیں پھیلیں تو پھیلتی ہی چلی گئیں، اس کی ضیا پاشیوں سے دین و شریعت اور علم و عمل کی دنیا منور ہوگئی۔

ولادت:۔ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ م ۷/جولائی ۱۸۹۲ء بروز جمعہ بوقتِ صبح صادق، بمقام محلہ سوداگران، بریلی شریف۔یو۔پی اِنڈیا۔

اسمِ گرامی:۔ حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ کا پیدائشی اور اصلی نام محمد ہے اسی نام پر آپ کا عقیقہ ہوا۔غیبی نام آل الرحمن ہے پیرو مرشد نے آپ کا نام ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی'' تجویز فرمایا اور والد ماجد یعنی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی نے آپ کا عرفی نام ''مصطفی رضا'' رکھا۔فن شاعری میں آپ اپنا تخلّص ''نوریؔ'' فرماتے تھے۔

بیعت وخلافت:۔ ۲۵/جمادی الاُخریٰ ۱۳۱۱ھ چھ ماہ ۳ دن کی عمر شریف میں جب سید المشائخ حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ، مارہرہ مطہرہ سے بریلی شریف تشریف لائے تو حضور مفتی اعظم کو اپنی آغوش میں لے کر آپ کے دہن مبارک میں اپنی انگلی ڈالی تو آپ چوسنے لگے۔پھر حضرت سید المشائخ نے آپ کو اسی وقت داخل سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت بھی عطا فرمادی۔بعدہ آپ کو اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

فراغت:۔ اعلیٰ حضرت (یعنی والد ماجد) اور حضور حجۃ الاسلام (یعنی بڑے بھائی) کی نگرانی اور خصوصی توجہ سے نیز منظر اسلام کے اساتذہ مولانا رحم الٰہی صاحب منگلوری مولانا بشیر احمد صاحب علی گڑھی وغیرہ کی نگاہِ کیمیات ساز سے تکمیل درسیات کی اور ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ عیسوی میں ۱۸ سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون مروجہ پر عبور حاصل کر کے مرکز اہل سُنت دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے سندِ فراغت حاصل کی۔☆۱

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ذات ویسے تو ہر پہلو سے بسیط ہے اور ہر ایک پہلو پر

گفتگو کئی دفتر کی متقاضی ہے اس مختصر مضمون میں ہم صرف آپ کے تقویٰ اور فتویٰ کی کچھ جھلکیاں پیش کریں گے جس سے آپ کی عبقریت اہلِ فہم پر روشن ہو جائے ۔

بالائے سرش ز ہوش مندی   می تافت ستارۂ بلندی

آپ کی خداداد صلاحیت کا ستارہ بچپن اور نوعمری ہی میں آپ کے مستقبل کی تابندگی لیے نمودار ہو چکا تھا۔جس کو صاحب نظر ولی کامل، سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمہ نے بچپن ہی میں دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ ’’یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا۔‘‘

پھر بیعت کے بعد جب آپ کو آغوشِ اعلیٰ حضرت میں دیا تو سید المشائخ نے فرمایا تھا کہ ’’مبارک ہو آپ کو یہ قرآنی آیت ’’وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ‘‘ کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آگئی ہے۔‘‘ ☆۲

مجدِ د اعظم سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہِ کیمیا ساز کا یہ کمال تھا کہ نوعمری ہی میں ایک کہنہ مشق مفتی کی شان آپ کی ذات سے جھلکنے لگی تھی۔تحدیث نعمت کے طور پر ایک بار سرکار مفتی اعظم خود اپنی زبان سے ارشاد فرماتے ہیں:

’’نوعمری کا زمانہ تھا میں نے ملک العلماء (علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ) سے کہا کہ آپ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں؟۔مولانا (ظفرالدین بہاری) نے فرمایا: اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔میں نے فوراً لکھ دیا اور وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔‘‘ ☆۳

یہ فراغت کے بعد پہلا فتویٰ تھا جو ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں محض ۱۸ سال کی عمر میں بغیر کتبِ فتاویٰ دیکھے دلائل وبراہین سے مزین کر کے آپ نے تحریر فرمایا تھا۔مسئلہ رضاعت میں کتنی پیچیدگیاں ہیں وہ اہل علم پر روشن ہے۔ یہ فتویٰ جہاں آپ کی صلاحیت وقابلیت اور احکام ومسائل کے استحضار کا پتہ دیتا ہے وہیں فقہ وفتاوی میں عُنفوانِ شباب سے ہی کامل مہارت کی غمازی کرتا ہے۔یعنی جو بات دیگر ذہین وفطین، ذکی علماء کو برسہا برس میں

تنقید، اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ حضرت مفتی اعظم ہند کو پہلے ہی دن حاصل تھی۔ یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند جس طرح تقویٰ میں ولی کامل بن کر ماں کے شکم سے پیدا ہوئے تھے اسی طرح فتویٰ میں بھی مفتی اعظم بن کر آئے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عربی معقولہ ہے: اَلسَّعِیْدُ مَنْ سُعِدَ فِی بَطَنِ اُمِّہٖ۔ (اصل میں سعادت منداور نیک بخت وہ ہے جو مادر زاد نیک بخت ہو۔) ☆۴

جب یہ فتویٰ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں پیش ہوا تو اعلیٰ حضرت نے خط پہچان لیا قلبِ اطہر میں مسرت وشادمانی کا طوفان اُمنڈ آیا اور چہرۂ مبارکہ پر بشاشت وفرحت کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔ فرمایا کس نے لکھا؟ حاملِ فتویٰ نے جواب دیا چھوٹے میاں نے (گھر میں لوگ پیار سے چھوٹے میاں کہہ کر پکارا کرتے تھے) پھر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ انہیں بلاؤ۔ آنے کے بعد دستخط کروا کر لکھا صَحَّ الْجَوَاب بِعَوْنِ اللّٰہِ الْعَزِیْزُ الْوَھَّاب۔ اور اپنا تائیدی دستخط فرمایا اور خوش ہوکر انعام کے طور پہ پانچ روپئے عطا فرمائے پھر ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی محمد عرف مصطفیٰ رضا'' کی مہر بنوا کر آپ کو عطا فرما دیتے ہیں۔

غور فرمائیں ایک اٹھارہ سال کا نوعمر عالم پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لیے پیش کرتا ہے اس دقیق بین، نکتہ رس کی بارگاہ میں جس کی تیز نگاہی کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کلمہ میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اول نظر میں احاطے میں آجاتے اور جس کے بارے میں علمائے حرمین نے یہ فرمایا ہے کہ ''اگر انہیں ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں اور انہیں اپنے تلامذہ میں داخل فرمالیتے'' مگر اس نوعمر مفتی (مفتی اعظم) کے پہلے فتویٰ پر اُسے بھی کہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ اسی دن سے آپ مسند افتاء پر فائز ہوگئے اور پھر آخر دم تک اپنے فتاویٰ سے رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ کے فتاویٰ میں جہاں تقویٰ کی پاکیزگی نظر

آتی ہے وہیں ایک بے باک مردِ حق کی شان بھی صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔حق گوئی و بے باکی مردانِ خدا کی پہچان ہے جو آپ کی تحریروں اور اسکے لب و لہجے میں صاف نمایاں ہے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

یہ محض ایک زبانی دعویٰ نہیں بلکہ اس کی دلیل عربی میں مفصل لکھا گیا وہ آپ کا فتویٰ ہے جو مکہ معظّمہ میں تحریر فرمایا۔

مجدد ابن مجدد الشاہ مصطفیٰ رضا حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جب ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں حج و زیارت کے لیے حرمین طیبین حاضر ہوئے اس وقت نجدی حکومت نے حجاج کرام پر حج و زیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا اور وہابی، نجدی علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا تھا مگر حق پرست سُنی علماء نجدی حکومت کے جبر و ظلم سے خائف ہو کر رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے لیکن ایسے میں اگر کسی نے حق گوئی و بے باکی کا فریضہ انجام دیا ہے تو مفتی اعظم ہند کی ذات بابرکات ہے فتویٰ اور تقویٰ کے پیکر اس مردِ خدا نے مکہ معظّمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام و گناہ ہونے پر انتہائی مدلل و مفصل، عربی زبان میں فتویٰ لکھا جس کا نام ”اَلْقَابِلُ الدِّرِیَّہ عَلیٰ اَوْثَانِ النَّجْدِیہ“ ہے

اس فتویٰ کے پڑھنے کے بعد علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر کہا ”اِنَّ ھٰذا اِلَّا اِلْھَامُ“ اور تمام علمائے حرمین طیبین نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو امام وقت **شیخ الھند و الحرم** تسلیم فرمایا اور بطور تبرک قرآن کریم و احادیث طیبہ و فقہ کے سلاسل کی اجازتیں حاصل کیں اور اپنے آپ کو حضور مفتی اعظم ہند کے زمرۂ تلامذہ میں شامل و داخل ہونے پر فخر و انبساط کا اظہار کیا۔آپ کے فتویٰ میں شانِ حق گوئی کی ایک مثال ہندوستان میں ایمرجنسی کے دور کا وہ فتویٰ بھی ہے جو آپ نے نس بندی کے خلاف دیا تھا جب کہ علمائے سوء حکومت کے ہاتھوں بک چکے تھے اور کچھ علمائے حق بھی رخصت پر عمل کرتے ہوئے ساکت و منجمد نظر آرہے تھے کیوں کہ اس خطرناک ماحول میں کسی مفتی کا اس کے حرام ہونے

کا فتویٰ دینا اپنے آپ کو جیل کی کوٹھری میں ڈالنے اور حکومت کی سخت سزا میں پھنسنے کے مترادف تھا مگر مفتی اعظم نے اپنی جرأت و بے باکی اور مجاہدانہ کردار کا ثبوت دیتے ہوئے صاف فتویٰ دیا کہ ''نس بندی کرنا کرانا حرام حرام سخت حرام ہے۔''

حضور مفتی اعظم ہند نے ایسے نازک وقت میں افضل جہاد کا فریضہ انجام دیا تھا کہ حدیث مبارکہ میں ہے: **اَفْضَلُ الْجِهَادِ اِعْلَاءُ كَلِمَةِ الْحَقِّ عِنْدَ السُّلْطَانِ الْجَائِر۔** ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا افضل جہاد ہے۔

ہوا تھی گو تُند تیز لیکن چراغ اپنا جلا دیا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

مفتی اعظم کا لقب:۔ علم فتویٰ نگاری میں آپ کا معیار کتنا بلند تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے ہم عصر جیّد علماء وفقہاء نیز بزرگانِ دین نے آپ کے فتوے میں علمی گہرائی وگیرائی، عقلی نکتہ سنجی، وفقہی گوہرافشانی کا کمال دیکھ کر آپ کو ''مفتی اعظم ہند'' کے لقب سے ملقب فرمایا۔

چنانچہ حضرت علامہ سید شاہد علی رضوی صاحب نے تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا ازہری سے انہوں نے نمونۂ اسلاف حضرت علامہ مبین الدین امروہوی سے، انہوں نے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے حوالہ سے فرمایا کہ یہ لقب (یعنی مفتی اعظم کا لقب) خود امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ ہی نے عطا کیا۔☆۶

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتویں عرس ۲۵ ؍صفر ۱۳۴۷ھ کے عظیم الشان اجلاس میں، حجۃ الاسلام سمیت غیر منقسم ہندوپاک کے بڑے بڑے مفتیان کرام اور علمائے عظام موجود تھے، اس اجلاس میں آپ کو ''مفتی عظم'' کہا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام کے حکم سے منظور شدہ تجویزوں میں سے ایک تجویز میں ''مفتی اعظم'' لکھا گیا۔

آل انڈیا سُنی کانفرنس ۱۹۴۶ء بنارس کے تاریخ ساز اجلاس جس میں پانچ سو مشائخ عظام، سات ہزار مفتیان کرام اور علمائے فخام شریک تھے، اس میں آپ کو بار بار ''مفتی عظم''

کے لقب سے یاد کیا گیا اور اس کی مختلف تجاویز میں بھی ''مفتی عظم'' کا لقب آپ کے لیے آیا ہے۔☆۷ یہ فتویٰ میں آپ کے بلند معیار پر دال ہے۔

مفتی اعظم کا تقویٰ :۔ آج معاشرے میں دیکھنے کو یہی ملتا ہے کہ لوگ بچپن کھیل کود میں ضائع کر دیتے ہیں۔ جوانی نیند بھر سوتے ہیں اور جب بڑھاپا آتا ہے تب کچھ عمل کی رغبت دکھاتے ہیں۔ حالانکہ بڑھاپے میں تقویٰ طہارت اختیار کر لینا زیادہ کمال نہیں رکھتا۔ کم سنی اور جوانی میں منہیات ومنکرات سے اپنے دامن کو بچا لینا شریعت مطہرہ کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لینا بہت بڑا کمال ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا مقام تقویٰ وطہارت میں کتنا بلند ہے اس کے انکشاف کے لیے تفصیلی واقعات کا قلمبند کرنا تطویل کا باعث ہوگا۔ میں ایک معتبر بزرگ کی زبانی اس کی گواہی اور پھر ایک سرسری جائزہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

یہ بزرگ ہیں عاشقِ رسول۔ فانی فی الرسول سیدنا قطبِ مدینہ، جن کا نام نامی ضیاء الدین احمد مدنی ہے۔ یہ وہی قطبِ مدینہ ہیں جن کے زہد واتقاء ارشاد وتبلیغ، ریاضت ومجاہدہ، اخلاص وللّٰہیت، کمالات باطنی اور عشقِ رسالت پناہی کے سبب اہلِ وفا نے قطبِ مدینہ کا خطاب دیا ہے۔ جنہوں نے ۳۰ تیس سال کی عمر میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں گوشہ نشینی صرف اس لیے اختیار کر لی کہ موت آئے تو آقا کی گلی میں آئے اور اسی کے خاک عطر بیز میں مدفون ہوں۔ چنانچہ زندگی بھر عشق وعرفان کی شمع فروزاں کرتے ہوئے ۱۰۸ / سال کی عمر گذار کر اپنے آقا ومولیٰ سے جا ملے۔ جنۃ البقیع میں اہلِ بیت اطہار کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ خود اپنی زبان سے مفتی اعظم ہند کے بچپن اور جوانی کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرماتے ہیں کہ

''مفتی اعظم قبلہ کی پیدائش کے وقت میں سولہ سال کا تھا میں نے مفتی اعظم کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی، اور اب بڑھاپا بھی دیکھا، لوگ بڑھاپے میں عمل کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ بڑھاپے میں عمل کی طرف توجہ کرنا کوئی کمال نہیں ہے جوانی میں منہیات شرعیہ سے محفوظ رہنا اور شریعت مصطفویہ پر عمل کرنا کمال ہے۔ ضیاء الدین احمد مدنی نے اپنی آنکھوں

سے دیکھا ہے۔ وَاللہِ الْعَظِیْم! مفتی اعظم بچپن ہی سے پیکر علم وعمل ہیں، جامع زہد وتقویٰ ہیں، اس وقت ان کے علم وفضل، زہد وتقویٰ، بزرگی اور پرہیز گاری، فقر وعرفان کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے فقیر ضیاء الدین احمد مدنی عمر میں تو مفتی اعظم ہند سے بڑا ضرور ہے لیکن مراتب میں مفتی اعظم ہند فقیر سے بہت بڑے ہیں'' ☆۸

حضرت سیدی قطب مدینہ علامہ ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمہ خود صاحب کمال جلیل القدر ولی وبزرگ ہیں انہوں نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جس نگاہِ ولایت سے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو پہچانا اور قدردانی کی وہ انہیں کا حصہ تھا۔ البتہ تعظیم وتوقیر کا عملی جامہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو صرف اتنا معلوم ہوا کہ مفتی اعظم مصطفی رضا حج بیت اللہ کے لیے آرہے ہیں تو باوجودیکہ کبرسنی کی وجہ سے نقاہت وکمزوری بغلگیر تھی، مدینہ منورہ سے ۳۰ میل چل کر مفتی اعظم کا استقبال کیا اور اپنے یہاں مہمان رکھا پھر بھی ایک ولی کامل کی تواضع وتکریم میں کمی کا احساس ہوا تو بطور کسر نفسی فرمایا '' یہ فقیر ناتواں اور کیا کرسکتا تھا۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

غرض کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان تقویٰ کے اس بلند معیار پر فائز تھے کہ ایک ولی کامل کی تعریف کے جتنے اجزا اور ولی کے جتنے صفات ہوتے ہیں وہ تمام بدرجہء اتم آپ کی ذات میں مجتمع تھے۔ آیئے آخر میں اس پر کچھ تجزیہ پیش کرکے ہم اپنے مضمون کا دامن سمیٹتے ہیں۔

ولی کا شرعی مفہوم جیسا کہ علامہ تفتازانی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا وہ یوں ہے: اَلْوَلِیُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللہِ تَعَالیٰ وَصِفَاتِهٖ بِحَسْبِ مَا یُمْکِنُ، المواظب علی الطاعاتِ، اَلْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِیْ، الْمُعْرِضُ عَنِ الْاِنْهِمَاکِ فِی اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَات۔ یعنی ولی وہ ہے جو حتی المقدور اللہ کی ذات وصفات کا عارف ہو، اللہ کی اطاعت پر ہمیشگی برتتا ہو، گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صغیرہ پر اصرار سے بچتا ہو، مباح لذات وشہوات کی چیزوں میں مستغرق اور اس میں منہمک رہنے سے بھی بچتا ہو۔ ☆۹

آیئے اس تعریف کا مختصر تجزیہ نذر قارئین کرتے ہیں کہ مفتی اعظم ہر پہلو سے اس کے مصداق نظر آتے ہیں۔

(۱) ”حتی المقدور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف ہو۔“

اس پہلو سے دیکھا جائے تو حضور مفتی اعظم ہند کے سارے معاصرین اور سوانح نگار اس پر متفق ہیں کہ آپ بلا شبہہ عارف کامل واقف اسرار شریعت وطریقت تھے۔ایسا عارف، وکامل مردِ مومن جس کی نگاہِ حق بیں شریعت وطریقت کے اسرار ورموز اور ان کی تہہ تک فورًا پہنچ جائے اور جس کے دامن کرم سے وابستہ مریدوں کی تعداد دسیوں لاکھ ہو اور دلوں پر اس کی حکمرانی وسلطانی مُسلّم ہو اس کی مثال عالمِ اسلام میں اُس وقت کہیں نظر نہیں آتی تھی۔

آپ کے عارف بالذات والصفات ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ ہمیشہ پاسِ انفاس اللہٗ اللہٗ کا ذکر خفی جاری رکھتے۔سلطان الاذکار والے وظیفہ سے ایسا سرمست ہوئے کے جسم کا ہر حصہ الگ ہو کر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا۔قلبِ اطہر ذکر سے ایسا معمور تھا کہ خاموش بیٹھے رہنے پر بھی دل سے اِلَّا اللہ کی آواز سنائی دیتی۔لکھتے تو اللہ ورسول کی بات لکھتے بولتے تو اللہ ورسول کی بات بولتے، چلتے تو اللہ ورسول کے فرمان کے مطابق چلتے۔ذکر وفکر اس حد تک پہنچا کہ زندگی کے آخری دور میں اِسْتِغْراق (فنا فی اللہ باقی باللہ) کے درجے پر فائز ہو گئے۔لیکن ایسے عالم میں بھی شریعت کی ذمہ داری سے اپنے کو کبھی مرفوع القلم نہیں سمجھا۔ اِسْتِغْراق کے باوجود کبھی نماز ترک نہیں ہوتی۔یعنی ایسے عالم میں بھی آپ فتویٰ اور تقویٰ کے سنگم نظر آتے تھے۔

(۲) ”اللہ کی اطاعت پر ہمیشگی برتتا ہو۔“

اس پہلو سے بھی دیکھا جائے تو حضور مفتی اعظم ہند اس کے مصداق اور آئینہ دار تھے اور اسی پر تادمِ حیات ثابت قدم رہے سفر ہو یا حضر عبادتِ الٰہی، اتباع رسول میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں آنے دیتے۔خصوصًا نماز کا اتنا اہتمام فرماتے کہ کتنی مرتبہ بس اور ٹرین کا چھوٹ

جانا گوارہ کر لیتے مگر نماز قضا ہو اس کے لیے تیار نہ تھے۔ اس سلسلے میں کئی واقعات بھی سوانح نگاروں نے درج کیے ہیں مگر یہاں مختصر مضمون اُن کے ذکر کا متحمل نہیں۔

(۳) ''گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب کرتا ہو۔''

یہ بات بھی مفتی اعظم کی حیات میں امتیازی حیثیت کی حامل تھی کہ آپ سے کسی طرح کے گناہ سرزد ہونے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا ہے ہر طرح کے گناہوں کی آلودگیوں سے اپنے دامن کو پاک وصاف رکھ کر لباس علم وتقویٰ کو کبھی داغدار نہ ہونے دیا فتویٰ اور تقویٰ کے ایسے جبل مستقیم بنے رہے کہ جادۂ شریعت سے ذرہ برابر بھی قدم کو پھسلنے نہ دیا۔ تصویر کشی حرام ہے آج عام بلا میں لوگ مبتلا ہیں آپ تا دمِ حیات حرام ہی سمجھتے رہے حتی کہ ہندوستان میں آپ کے حینِ حیات ایک ایسا وقت بھی آیا جب کہ یہاں بھی پاسپورٹ پر فوٹو لگوانا شرط قرار دیا گیا مگر آپ نے فرمایا ''ایک نیک ومسعود اور خالص عبادتِ الٰہی کی ادائیگی کو جانے کے لیے حرام کا ارتکاب نہ کروں گا۔ اور کسی طرح تصویر کھینچوانے کے لیے راضی نہ ہوئے۔

حج وزیارت کے ہزار اشتیاق کے باوجود سفر ملتوی کرتے رہے یہاں تک کہ حکومت نے خود بغیر فوٹو کے آپ کو اور آپ کی اہلیہ محترمہ کو اجازت دے دی۔

(۴) ''مباح لذات وشہوات میں منہمک ہونے سے بچتا ہو۔''

اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر مباح وجائز لذات وشہوات کی تکمیل بغیر انہماک کے ہو تو وہ اس تعریف میں داخل نہیں، خارج ہے۔ یعنی اگر بلا تکلف مباح لذات وشہوات میسر ہوتی ہیں اور ولی نے اپنے نفس کو اُن سے روکا نہیں تو یہ اس کے ولایت کے منافی نہیں۔ اس سلسلے میں بھی آپ کے واقعات ومشاہدات کثیر ہیں۔ صرف ایک واقعہ سپردِ قرطاس کرتا ہوں جس سے اہلِ نظر حضور مفتی اعظم ہند کے مباح لذات وشہوات میں انہماک سے بچنے والے پہلو کا بخوبی ادراک کر سکتے ہیں۔

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسجد میں کھانا پینا سونا غیر معتکف وغیر مسافر کے لیے جائز نہیں، منع ہے۔ ہاں اگر کوئی کھانا پینا چاہتا ہے تو وہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو، کچھ ذکر و

تسبیحات کر کے کھائے پیئے یہ جائز اور مطابق ''فتویٰ'' ہے لیکن اگر اعتکاف کی نیت کے باوجود نہ کھائے پیے تو یہ اس کا ''تقویٰ'' ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ عام لوگ کسی عالم کو کھاتے پیتے دیکھ لیں گے تو وہ بلا قید مسجد میں کھانے پینے کو جائز سمجھ لیں گے اس لیے متقین محتاطین مسجد میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں۔

آپ کے سوانح میں مذکور ہے کہ ایک سفر میں حضور محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی اور حضور مفتی اعظم ہند بعد نماز عصر مسجد ہی میں بیٹھ گئے کسی نے وہیں آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی۔ حضور محدثِ اعظم ہند نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی مگر حضور مفتی اعظم ہند چائے کی پیالی لیے مسجد کے باہر تشریف لے گئے اور باہر چبوترہ پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ دیکھنے والوں نے دونوں عظیم ترین علمائے کرام کا عمل دیکھا اور کسی کے پوچھنے پر یا خود اپنی فراست سے حاضرین کے ذہنی تاثر کو بھانپ کر حضور محدثِ اعظم ہند نے فرمایا '' میں جب مسجد کے اندر داخل ہوتا ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں اور معتکف کو مسجد کے اندر کھانے پینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں مفتی اعظم ہند کی بھی یہی نیتِ اعتکاف تھی مگر انہوں نے ''تقویٰ'' پر عمل کیا وہ اُن کا تقویٰ تھا اور یہ ان کا فتویٰ ہے۔'' اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ بھی قدرے تبدیلی کے ساتھ مذکور ہے۔ ☆۱۰

اس واقعہ نے واضح کر دیا کہ اگر چہ مسجد میں معتکف کو کھانا پینا جائز ومباح ہے اور اس میں قدرے جائز لذت کا حصول بھی کہ آدمی مسجد کے باہر جانے کے تکلف سے بچ جاتا ہے مگر مفتی اعظم ہند جائز ومباح لذتوں میں انہماک تو درکنار ولایت کے اعلیٰ سطح پر پہنچ کر تقویٰ پر عمل کرتے تھے۔ پھر اس تاجدارِ ولایت کی پوری زندگی تو کتب کی تصنیف واشاعت، رشد و ہدایت بیعت وارادت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور بندگانِ خدا کی نفع رسانی نیز عشق رسالت پناہی میں مشغول رہی تو کب یہ فرصت کہ مباح لذات وشہوات میں بھی مشغول و منہمک ہوں۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف سنت بلکہ مستحب کو بھی کلیجے سے لگاتے تھے۔ جس کی تفصیل باعثِ تطویل ہے اس کے لیے آپ کی حیات وخدمات پر لکھی گئی درجنوں کتابوں

کا مطالعہ مفید ہوگا۔

غرض کہ ''فتویٰ اور تقویٰ کے آئینے میں'' دیکھا جائے تو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا ایک ولی کامل اور عارفِ صادق ہونا آفتابِ نیمروز کی طرح روشن وتاباں ہوجاتا ہے۔آپ کے تقویٰ کے متعلق حلقہءاہلِ سُنت میں ایک شعر زبان زد عام ہے۔جس پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں ؎

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی ایک میرے مفتیِ اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

مانتے تھے مفتیانِ دیں انہیں اپنا امام اتنا اونچا کس کا رُتبہ؟ مفتیِ اعظم کا تھا

حوالہ جات:۔

☆۱ جہانِ مفتی اعظم ص نمبر ۱۰۲

☆۲ مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ص نمبر ۲۴، ۲۵

☆۳ ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی جولائی ۱۹۶۰ء ص نمبر ۱۰

☆۴ انوارِ مفتی اعظم ص نمبر ۲۵۳ ناشر رضا اکیڈمی

☆۵ ایضاً ص نمبر ۲۵۶

☆۶ مخلصاً فقیہ ابن فقیہ ص نمبر ۱۰۶

☆۷ المیزان اپریل ۱۹۸۱ء ص نمبر ۱۲۰

☆۸ مفتی اعظم کی استقامت وکرامت ص نمبر ۲۶

☆۹ النبراس شرحِ شرحِ عقائد ص نمبر ۲۹۵

☆۱۰ تجلیاتِ مفتی اعظم

a a a a a

☆مفتی محمد انور نظامی مصباحی، ہزاری باغ

مفتی اعظم ہند کا تفقہ

فقہ کیا ہے؟

فقہ کا لغوی معنی فہم اور سمجھ ہے اور اصطلاحی معنی یعنی شرعی اصطلاح یا عرف شرعی: شریعت کے فروعی احکام کو تفصیلی دلیلوں سے استدلال کے ذریعہ جاننے کو فقہ کہتے ہیں۔ شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: والفقہ لغۃ: الفہم و عرفاً: العلم باحکام الشرعیہ " الفرعیۃ عن ادلتہا التفصیلیۃ بالا ستدلال۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری ۲/۷۴۔کتاب العلم) فقہ لغت میں فہم کو کہتے ہیں اور عرف میں شریعت کے فروعی احکام کو اس کے دلائل تفصیلیہ سے استدلال کے ذریعے جاننے کو فقہ کہتے ہیں۔

اسی میں ہے: والفقہ علم الدین۔ (ایضاً ص ۷۵) ''فقہ علم دین کو کہتے ہیں''

تفقہ فی الدین:

احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنا تفقہ فی الدین کہلاتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فلو لَا نقفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدینِ ولینذروا قومَہُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ (التوبۃ: ۱۲۲)

''تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں''۔

تفقہ فی الدین کی نعمت عظمیٰ ہر شخص کو میسر نہیں ہوتی بلکہ اللہ رب العزت جس کی بھلائی چاہتا ہے اسی کو یہ دولت بیش بہا عطا فرماتا ہے۔ فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے: مَن یردِ اللّٰہُ بہ خیراً یُفَقِّہہُ فِی الدّین۔ ''اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنادیتا ہے۔ وانما انا قاسمٌ واللّٰہ یُعطی۔ ولن تزالَ ہذہ الامۃ قائمہ علیٰ اَمْرِ اللّٰہ لا یَضُرہُم من خالفہُمْ حتی یاتی امرُ اللّٰہ۔ (صحیح البخاری ۱/۱۶۔ حدیث ۷۱، کتاب العلم) اور بیشک میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ یہ امت قیامت تک اللہ کے حکم پر قائم رہے گی۔ ان کو مخالفین نقصان نہیں پہنچا سکیں گے''۔ اسی میں سیبویہ کا قول نقل کرتے ہیں: '' التفقہ: لعلم الفقہِ (عمدۃ القاری ایضاً) تفقہ فقہ سیکھنے کو کہتے ہیں۔ اسی میں ہے:

والفقہ علم الدین۔ وقد تفقّہ الرجل تفقُّہاً، کثرُ عِلْمُہَ۔ (عمدۃ القاری ۲/۷۵)
''فقہ علم دین ہے۔ جب انسان علم کثیر کا حامل ہوتا ہے تو اسے تفقہ کا حامل کہا جاتا ہے''۔

کتاب التعریفات للجرجانی میں ہے:

الفقہ ہو فی اللغۃ عبارۃ عن فہم غرض المتکلم من کلامہ۔ فی الاصطلاح ہوالعلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ المکتسب بادلتہا التفصیلیۃ۔ وقیل ہوالاصائب، والوقوف علی المعنی الخفی الذی یتعلق بہ الحکم وہو علم مستنط بالرای والاجتہاد ویحتاج فیہ الی النظر والتامل۔ ولہذا لایجوز ان یسمیٰ اللّٰہ تعالیٰ فقیہا لانہ لا یخفی علیہ شیء۔ (کتاب التعریفات للجرجانی ۱۶۴)

''متکلم کے کلام کا مقصد سمجھنے کو لغت میں فقہ کہتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ فقہ اصابت رائے اور اس معنی خفی کی واقفیت کو کہتے ہیں۔ جس سے حکم متعلق ہے۔ اور وہ ایسا علم ہے جو رائے او اجتہاد سے مستنبط ہو۔ اس میں نظر وفکر اور غور وخوض کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو فقیہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس پر کوئی چیز

مخفی نہیں۔''

طبقاتِ فقہا:

ارباب فقہ نے حضرات فقہاء اسلام کی درجہ بندی سات طبقوں میں کی ہے۔

۱۔ مجتہد فی الشرع/ مجتہد مطلق مستقل:

جنھوں نے فقہی اصول وضوابط کتاب وسنت کی روشنی میں وضع کیا اور ادلۂ شرعیہ سے فرعی احکام کا استنباط کیا اصول وفروع میں یہ کسی کی تقلید کے محتاج نہیں۔ جیسے سراج الأمہ امام اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) رضی اللہ عنہم۔

۲۔ مجتہد فی المذہب/ مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ وہ فقہا ہیں جو کسی مجتہد مطلق مستقل کے اصولوں کی روشنی میں کتاب وسنت اجماع اور قیاس سے مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔ وہ اصول میں مقلد اور فروع میں مجتہد ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت امام ابویوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ) وغیرہ تلامذہ امام اعظم رضی اللہ عنہ۔

۳۔ مجتہد فی المسائل:

یہ حضرات اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوتے ہیں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں جن کے متعلق ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابوخصاف (م ۲۶۱) امام ابوجعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ) امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ) امام فخر الدین قاضی خان (م ۵۹۳ھ) رضی اللہ عنہم

۴۔ اصحاب تخریج:

فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط کی قدرت نہیں رکھتا البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے۔ جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح محتمل کی تعیین

مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابوبکر بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) وغیرہ اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ اصحاب ترجیح:

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کم تر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوائی (م ۴۲۸ھ) صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرعانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہا۔

۶۔ اصحاب تمیز:

فقہا کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے۔ جیسے اصحاب متون معتبرہ صاحب مختار صاحب وقایہ صاحب مجمع وغیرہ۔

۷۔ مقلد محض:

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور کے صاحبان فقہ اسی طبقے میں آتے ہیں۔ (مقدمہ فتاویٰ شامی ۱/۶۶۔۱۶۵۔ مقدمہ فتاویٰ ملک العلماء ص ۲۶۔۲۵)

طبقہ سابعہ سے متعلق درمختار میں ہے

اما نحن فعلینا اتباع مار جحوہ و ما صححوہ کما لو افتوا فی حیاتمم۔ (درمختار فوق الردالمختار، ۱/۱۶۶)

ردالمختار میں ہے: قولہ (واما نحن) یعنی اہل الطبقہ السابقہ۔ (ایضاً)

ہم لوگ یعنی طبقۂ سابعہ کے فقہا پر ماسبق طبقات کے فقہاء کی ترجیح وتصحیح کی اتباع لازم ہے جیسا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے۔"

موجودہ دور میں تفقہ کے شرائط:

موجودہ دور میں مفتی مقلد کے لیے جو خصوصیتیں ضروری ہیں ان سے متعلق تلمیذ صدر الشریعہ علامہ سید ظہیر احمد زیدی تحریر فرماتے ہیں:

''مفتی کے لیے ضروری ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتب فقہیہ میں اس کا مطالعہ وسیع ہو، اصولِ فقہ اور قواعد فقہ سے واقف ہو، اس کے ساتھ ساتھ قرآنی احکام، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ االسلام اور تفسیر پر بھی اس کی نگاہ ہو، نیز استدلال اور روایت ودرایت سے بھی اسے حصہ ملا ہو کیونکہ بغیر علم شریعت فتویٰ لکھنا سراسر جہالت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مفتی کو یہ علم حاصل ہو کہ طبقات مسائل کتنے ہیں اور طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں۔ (بہار شریعت نوزدہم ص ۴۵)

مقدمہ فتاویٰ ملک العلماء میں ہے:

''ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے:

(۱) مذہب کے متون، شروح، فتاویٰ پر گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو۔

(۲) عرف ناس اور حالاتِ زمانہ سے باخبر ہو۔

(۳) سوال فہم ہو سائل کے خلجان اور اس کی الجھنیں سمجھ سکے۔

(۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزئیات مفتیٰ بہا سے استناد کرے۔

(۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی ومحیط ہو۔

(۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ سائل یا کوئی بدمذہب اس کے فتوے سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ (فتاویٰ ملک العلماء ص ۸، تقریب مفتی نظام الدین صاحب)

امام مالک فرماتے ہیں: من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسّق ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق (امام مالک) ''جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیانہ کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں۔'' (فتاویٰ ملک العلماء ص ۱۹، مقدمہ از مفتی ارشاد احمد رضوی)

مفتی اعظم کا تفقہ:

گذشتہ تفصیلات کی روشنی میں ہم مفتی اعظم کے تفقہ کا اگر سرسری جائزہ لیں تو واضح ہوجائے گا کہ آپ علم شریعت کے صرف ماہر ہی نہیں تھے بلکہ اس پر عامل اور تقویٰ و پرہیزگاری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کے فتاویٰ قرآن وحدیث اقوال ائمہ فقہی اصول رسم افتاء اور جزئیات فقیہ سے لبریز نظر آتے ہیں جو ان کے فقیہ فقید المثال اور مفتی اعظم وفقیہ اعظم ہونے کی دلیلیں ہیں اور آپ کے تفقہ فی الدین پر شاہد عدل ہیں۔ ذیل میں چند فتاویٰ کا اجمالی جائزہ پیش ہے:

حضور مفتی اعظم ہند نے فراغت کے سال ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء اٹھارہ سال کی عمر میں پہلا فتویٰ رضاعت سے متعلق بغیر کسی کتاب کی مدد کے لکھا۔ وہ اتنا اہم تھا کہ اس کو لکھنے کے لیے ملک العلماء حضرت علامہ مفتی ظفر الدین بہاری فتاویٰ رضویہ دیکھ رہے تھے۔ جب وہ فتویٰ اصلاح کے لیے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پیش ہوا تو نہ ایک لفظ گھٹانے کی ضرورت پڑی نہ بڑھانے کی۔ اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے۔ آپ کو انعام دیا۔ فتویٰ لکھنے کی عام اجازت دی اور آپ کے نام کی مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔“

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اس فتویٰ کے متعلق فرماتے ہیں:

”یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا اور ان کے آئینۂ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔ اور خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے ایک لفظ گھٹایا اور نہ ایک لفظ بڑھایا۔ کوئی اصلاح نہ کی پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم ہند نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ اس میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ (مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ص ۸۳، مقدمہ فتاویٰ مصطفویہ ص ۸)

۲۔ اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کرنے کا مسئلہ۔ یہ وہابیہ کا مغالطہ ہے جو آج تک وہ وارد کرتے آرہے ہیں جبکہ ہمارے علماء خصوصاً مفتی اعظم

ہند نے اس مغالطہ کا دندان شکن جواب عرصہ دراز ہوا دے دیا ہے۔اس فتوے میں مفتی اعظم ہند کا تفقہ آفتابِ نیم روز کی طرح درخشاں ہے۔ ملاحظہ ہوسوال وجواب کے کچھ حصّے۔

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کونہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق جلد ۳ ص ۹۴ مطبوعہ مصر میں ہے:

و فی الخانية والخلاصة: لو تزوج بشهادة الله و رسوله ينعقد ويكفر لاعتقاده ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يعلم الغيب۔ اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔جواب شافی بالدلیل مرحمت فرمایا جائے۔

حضور مفتی اعظم نے جس عالمانہ وفقیہانہ انداز میں اس سوال کا جواب متعدد آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ اوراقوال ائمہ سے پیش کیا پھر بحر الرائق کی مذکورہ عبارت کی تنقیح فرمائی وہ آپ کی جودتِ طبع ،فکر کی گہرائی، تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کی اعلیٰ مثال ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

الجواب: زید بے قید پُراز مکروکید بدترین وہابی لعین ہے۔ اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور، ایمانِ جان، جانِ ایمان، عالم ما یکون و ما کان، سرور عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔قرآن عظیم کی آیاتِ باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے:

(۱) تلک اُنباء الغیب نوحیها الیک (ہود) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہاری طرف وحی فرماتے ہیں۔

(۲) وما هو علی الغیب بضنین (تکویر ۲۴) یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

(۳) وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب و لکن اللہ یجتبی من رسُله من یشاء، (آل عمران ۱۷۹) اللہ اس لیے نہیں کہ اے عام الناس خود تمہیں غیب پر مطلع فرمادے۔لیکن اللہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

(۴) علمکَ ما لم تکن تعلمُ وکان فضل اللّٰہِ علیک عظیماً (نساء ۱۱۳) خدا

نے سکھا دیا تمہیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے۔ (غیب وشہادت سے) اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۱)

آٹھ آیاتِ قرآنیہ علم غیب مصطفےٰ کے ثبوت میں پیش فرمایا۔ پھر گیارہ احادیث مبارکہ سے اثباتِ علم غیب رسول فرمایا۔ (ص ۲)

عقائد وہابیہ کی تردید کے بعد بحر الرائق کی عبارت کی تنقیح فرماتے ہیں اور اصل مسئلہ کو متعدد کتب فقیہ متداولہ سے واضح فرماتے ہیں: ملاحظہ ہو:

''مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادتِ خدا اور رسول سے نکاح کر لے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرطِ انعقاد نکاح گواہوں کا رہنا ہے۔ حدیث میں ہے لا نکاح الا بشہود۔ (ترمذی ۱/ ۲۱۰) مسلمانوں کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔ وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو۔ اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحتِ نکاح نہ پائی گئی۔ اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ وہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔۔۔ پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا۔ مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ '' علم'' ذاتی ہی نہیں ہوتا۔ دوسری قسم عطائی بھی ہے تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔

امام فقیہ النفس قاضی خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادخلہ فی الجنان نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا:

رجل تزوج اِمرأۃً بشہادۃ اللّٰہ ورسولہ کان باطلا لقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ''لا نکاح الا بشہود'' و کل نکاح یکون بشہادۃ اللّٰہ، و بعضہم جعلوا ذالک کفراً لانہ یعتقد ان الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔

امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے، بلکہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرادیا، اس کے ضعف کا اشارہ فرمادیا۔‘‘ (ص ۷)

پھر آگے فتاویٰ بزازیہ سے اس کا اثبات فرماتے ہیں کہ یہ کفر نہیں ہے۔ پھر درمختار سے اس قول کفر کی مرجوحیت ثابت کرتے ہوئے فتاویٰ شامی (ردالمحتار) کی صراحت ذکر فرماتے ہیں کہ یہ کفر نہیں بلکہ غیب کا علم انبیاء کو حاصل ہونا بنص قرآن ثابت ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

درمختار میں ہے:

’’تزوج بشہادۃ اللّٰہ ورسولہ لم یجز۔ بل قیل یکفر۔ اس قول نے ضعف ومرجوحیت تکفیر فرمایا۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس قول پر ردالمختار، جلد ۲ میں تحریر فرمایا:

’’قال فی التاتار خانیہ وفی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ لایکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم و ان الرسُل یعرفون بعض الغیب۔ قال تعالیٰ فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔

یعنی تاتارخانیہ اور حجۃ میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا، اس لیے کہ اشیاء روح نبی اصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں اور بے شک رسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔

پھر قلت لکھ کر مقطع کا بند یہ فرمایا، جس نے وہابیہ کو بالکل ہی ذبح کردیا، ان کی رگ گردن یکسر قطع فرمادی۔

بل ذکروا فی کتب العقائد ان من جملۃ کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات وردوا علیٰ المعتزلۃ المستدلین بہذہ الایۃ علی نفیہا

۔بان المراد االظہار بلاواسطۃ والمرادمن الرسول الملک لا یظہر علی غیبۃ بلا واسطۃ الا الملک اما النبی والا ولیاء فیظہرہم بوالسطۃ الملک اوغیرہ الح۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۸)

فتویٰ مذکورہ مفتی اعظم ہند کے تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کی روشن دلیل ہے دلائل وبراہین اوررد اباطیل کا جلوہ دیکھنا ہوتو اصل فتویٰ کا مطالعہ کیجئے:

۳۔ یادحضور کی قسم:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک شعر ہے ؎

یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

اس شعر میں بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یادحضور کی قسم غیر خدا کی قسم ہے جو شرعاً جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے غیر خدا کی قسم کیوں کر لکھی؟ یہ سوال مفتی اعظم ہند کی بارگاہ سید العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ نے پیش کیا۔ مفتی اعظم ہند نے اس اہم سوال کا دوصفحات پر مشتمل تحقیقی اور تفصیلی جواب مرحمت فرمایا جس سے ان کے تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کے جلوے نمایاں ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’سارے حلف بغیر اللہ مکروہ وحرام نہیں اور حرام ومکروہ حرمت وکراہت من متساویۃ الاقدام نہیں۔ بعض تو اس قدر حرام ہیں جیسے طواغی وانداد کفار کے ساتھ حلف، کہ ایک صورت کفر یقینی۔

(فتاویٰ ص ۲۰)

اس کے بعد لمعات، اشعۃ اللمعات، مرقات اور نووی کے حوالے سے ثابت کیا کہ ہر حلف بغیر اللہ پر حکم کراہت تحریر نہیں۔ فرماتے ہیں:

نیز امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: فان قیل الحدیث مخالف لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افلح وابیہ ۔ان صدق

فجوابه ان ہذه کلمة تجری علی اللسان تقصدبها الیمین ۔پھر علی قاری لکھتے ہیں: والا ظهر ان ہذا وقع قبل ورود النہی البعده لبیان الجواز لیدل علی ان النہی لیس للتحریم۔تو ہر حلف بغیر اللہ پر حکم کراہت تحریم نہیں۔

(فتاویٰ مصطفویہ۔۵۲۱،رضا اکیڈمی ممبئی)

اس کے بعد ''یادحضور کی قسم'' میں بھی یا تو قسم مراد نہیں مجرد تقریر وتاکید مقصود ہے، نہ قسم۔ یا قسم مقصود ہوتو یا تو وہ غیر خدا کی قسم ہی نہیں۔ یا وہ غیر خدا کی قسم ہے مگر ناجائز نہیں۔ یادحضور یادالٰہی ہی ہے۔حدیث قدسی میں ہے:جعلتک ذِکرا من ذکری فَمَنْ ذکرک فقد ذکرنی۔ (مشکوٰۃ ۲۹۶) تو ذکرالٰہی کی قسم غیر خدا کی قسم ہی نہیں۔۔۔۔۔۔ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یادِحضور کی قسم میں یاد سے مراد وہ یاد جو ان کی ان کا رب عزوجل فرماتا ہے۔یا یادِحضور سے یہ مراد کہ وہ یادالٰہی جو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے قلب اقدس میں ہرآن جلوہ فرما ہے۔وہ ذکر خداوندی جس میں حضور مشغول ہرآن اور جس سے حضور جان نور کا پرنور رُواں رُواں ہے۔یا یادحضور میں لفظ حضور مرادف شہود ہے ضد غیب منافی غفلت ۔یعنی شہودو شاہدومشاہدومشہود حقیقی عز جلالہ کے ذکر یاد کی قسم کے غفلتِ عیش ستم ہے۔ یا یادحضور کا یہ مطلب کہ وہ یاد جو ولادت اقدس پھر جب سے لے کر وفاتِ اقدس تک فرماتے رہیں گے۔اس یاد کی قسم اس حیثیت سے کہ وہ وحی خدا ہے کہ فرمایا: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحیٌ یوحیٰ یعنی اس خاص وحی الٰہی کی قسم جسے یادِحضور سے تعبیر کیا ہے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ۔۵۲۲)

الغرض مفتی اعظم یکتائے زمانہ تھے۔تبحر علمی اور تفقہ دینی میں ۔یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے اکابرواصاغر سبھوں نے آپ کی فقیہانہ بصیرت کا لوہا مانا ہے۔

آپ نے جن مسائل جدیدہ کا محققانہ جواب لکھا ہے اور ایک عالم نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ انجکشن خواہ گوشت میں لگوایا جائے یا رگ میں۔ دوا مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ جیسا کہ سرمہ لگانے، غسل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۲۔ چاند پر انسانوں کا جانا ممکن ہے کیونکہ چاند آسمان کے نیچے اپنے مدار میں گردش کرتا ہے۔

۳۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز عین آواز متکلم نہیں۔ اس لیے اس پر اقتداء جائز نہیں۔

۴۔ ہوائی جہاز سے اڑ کر چاند دیکھنا، اس سے رویت ثابت نہیں ہوگی۔ وغیرہ۔

(پیغامِ رضا ممبئ، مفتیِ اعظم نمبر)

(مفتی اعظم مفتی اعظم کیوں؟ ۱۸، ۱۹، ۲۰، از فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمن رضوی)

a a a a a

☆مفتی محمد حسن رضا نوری، مرکزی ادارۂ شرعیہ پٹنہ

فتویٰ نویسی میں حضور مفتی اعظم ہند کی انفرادیت

رشد و ہدایت کے نیر تاباں، بزم طریقت کے مہر درخشاں، سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ چراغ فقاہت کے وہ روشن آفتاب ہیں کہ اس کی کرنوں سے ایک عالم منور ہوا، سرکار مفتی اعظم ہند اپنے زمانے کے صرف ولی کامل اور قطب عالم ہی نہیں تھے بلکہ بے مثال فقیہ تھے، آپ کے فتاویٰ کے مجموعہ ''فتاویٰ مصطفویہ'' کے مطالعے سے عیاں ہے کہ فقیہ کی جتنی صفتیں ہیں سب آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ صرف نفس مسئلہ کا جواب تحریر نہیں فرماتے بلکہ مستفتی کو ایسا تشفی بخش جواب دیتے جس سے اسے اطمینان کامل حاصل ہوجاتا اور ساتھ ساتھ اس کی اصلاح بھی ہوجاتی۔ آپ کے فتاویٰ میں امام احمد رضا کے فتویٰ نویسی کا رنگ صاف جھلکتا ہے۔ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی طرح استدلال کی قدرت، مسائل کی ندرت، فکر کی جدت، استحضار کی کیفیت اور جزیات پر آپ کی گرفت مضبوط تھی، جس مسئلہ پر آپ نے قلم اٹھایا اس کا حق ادا کردیا آپ کی دقت نظر کا یہ عالم ہے کہ جہاں بڑے سے بڑے فقیہ مسائل کی گتھی سلجھانے میں پریشانی محسوس کرتے، آپ کسی کتاب کی مراجعت کے بغیر فورا وہ مسئلہ حل فرمادیتے اور جو جزیات آپ بطور استدلال نقل فرماتے اصل کتاب میں بعینہ وہ جزیہ مل جاتا۔ یہ آپ کے تبحر علمی کا نتیجہ تھا کہ سرکار اعلیٰ حضرت نے آپ کو متحدہ ہندوستان کا مفتی مقرر فرمایا، آپ تفقہ فی الدین میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے، قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور احوال فقہ پر کامل گرفت کے معاملہ میں آپ اپنی مثال آپ

تھے۔فتاویٰ دیتے وقت آپ کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے، کسی کا خوف کئے بغیر حق کا اظہار فرماتے، ایمرجنسی کے وقت نسبندی کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر فرمانا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ احقاق حق اور ابطال باطل میں حاکم وقت کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ فقہ فی الدین میں آپ اپنے ہم عصروں میں اپنی امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔آپ کی فقیہانہ شان کے متعلق مشہور ہے کہ ایک بار آپ رضوی دارالافتاء تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری رضی اللہ عنہ رضاعت کے ایک استفتا کے جواب کے لیے فتاویٰ رضویہ کی طرف مراجعت کررہے ہیں، آپ نے اسی استفتاء کا ایسا کامل جواب فرمایا کہ والد ماجد اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے انعام سے نوازا اور مہر بنوا کر عنایت فرمایا۔

خدانے آپ کو یہ مقام و مرتبہ عطا کیا تھا کہ کسی بھی متنازع فیہ مسئلہ میں آپ کا فیصلہ آخری ہوتا، پورے ہندوستان کے علماء آپ کی تحقیقات اور فیصلے کو تسلیم کرتے۔کئی فتاویٰ ایسے بھی آپ نے صادر فرمائے جو دیگر تمام مفتیان کرام کے فتاویٰ سے الگ تھے یعنی تمام مفتیان کرام کے موقف سے بالکل الگ فقہی موقف آپ نے اختیار فرمایا اور جسے پھر سب نے قبول کیا بلکہ اس کی تحسین کی۔مشتے نمونہ ازخروارے کے طور پہ چند شواہد دیکھیں:

(۱) مالی جرمانہ کی منسوخیت فقہ کی کتابوں سے ظاہر ہے اور تمام مفتیان کرام ظاہر روایت کے مطابق اسے ناجائز کہتے ہیں جب کہ آپ سے مالی جرمانہ کے تعلق سے استفتاء ہوا تو آپ نے ظاہر روایت کے مطابق فتوی دیتے ہوئے اسے ناجائز کہا لیکن جواز کی ایک صورت بھی نکالی، جس سے آپ کی انفرادی حیثیت ظاہر ہورہی ہے استفتاء کے جواب میں آپ نے فرمایا۔"تعزیر بالمال ناجائز ہے جرمانہ کرنا نہ چاہیے مگر فتاوی خلاصہ میں فرمایا"

سمیت من ثقة ان التعزیر باخذ المال ان رای القاضی او الوالی جاز ومن جملة ذالک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره باخذ المال" فتاویٰ خلاصہ کے اس ارشاد سے ایسے شخص پر جرمانہ کی اجازت ولی و قاضی کے لیے معلوم ہوئی اگروہ اس میں مصلحت پائیں۔اور جس کے بگڑنے اور تعزیر کی ہیبت ہی جانے کا اندیشہ ہو اس کی

رقم کسی نیک کام میں صرف کردی جائے اگراس سے اجازت لے لی جائے تواچھاہےاوراگر وہ اجازت نہ دیں توبھی اس کی طرف سے کسی نیک کام میں لگادی جائے کہ اسےثواب پہنچے۔

(فتاویٰ مصطفویہ،ص ۴۸۳-۴۸۴)

(۲) راکب دوش مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیدنا امام حسن کے زہر دینے کے سلسلے میں علماء کرام کے دوگروہ ہوگئے۔ایک گروہ کا خیال تھا کہ جعدہ کا زہر دینا ثابت نہیں یہ خارجی کا تبرا ہے اوردوسرے گروہ جعدہ کی طرف زہر دینے کی نسبت کرتے ہیں۔جعدہ کوامام حسن کا قاتل کہہ سکتے ہیں یانہیں؟ سیدنا سرکارمفتی اعظم ہند نے تاریخ کی معتبر کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا کہ حضرت امام حسن کوزہر دینے والی جعدہ ہے آپ نے اس پر تفصیلی جواب ارشادفرمایا۔ یہاں بھی آپ نے انفرادی شان کا مظاہرہ فرمایا۔

(۳) آپ کی بارگاہ عالیہ میں سوال ہواکہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی تراویح جماعت سے ادا کی وہ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یانہیں؟اوربھی فتاوی آچکے ہیں لیکن سب پرمعتبرآپ کا فتوی ہوگا آپ نے فقہ کی معتبر ومستند کتابیں،غنیّہ،شامی،صغیری، کبیری،اورجدالممتارسے استدلال کیااورایسا تفصیلی وتشفی بخش جواب عنایت فرمایا جسے تمام علماءکرام نے قبول کیااورآپ کےتفقہ کے اعلی منزل پرہونے کا اعتراف بھی کیا۔

(۴) جنازہ کے پیچھے نعت پڑھنے کے بارے میں سوال ہواکہ آپ نے اس کا جواب چودہ صفحات پرعنایت فرمایا،جواب کیا ہےقرآن وحدیث اورفقہ کا خزانہ ہے آپ نے احادیث کریمہ کی روشنی میں بدعات کی قسمیں بیان فرمائیں پھرفقہ اوراُصولِ فقہ سے ثابت کیا کہ اخلاف زمان ومکان سے احکام بدلتے رہتے ہیں۔اورآپ نے اس پرسیر حاصل بحث فرمائی اورعلماءمتقدمین کےاقوال کی تاویل وتوجیح محققانہ انداز میں کرنے کے بعدثابت کیا یہ فعل اگرچہ بدعت ہےمگر بدعت حسنہ ہے۔ہرانصاف پسند جوآپ کےفتاویٰ کو پڑھے گا آپ کی فقہی بصیرت کااعتراف کئے بغیرنہیں رہ سکے گا۔

سرکارمفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ اپنے دور کے یکتائے روزگارفقیہ تھے آپ صرف عوام ہی نہیں بلکہ علماءکرام کےبھی مرجع تھےاورایسے علماءکرام آپ سے رجوع کرتے جوخود

مرجع انام ہوتے آپ ایسے فقیہ ہیں جن کی نظیر مشکل ہے۔ یہ کسی مرید کی خوش عقیدگی نہیں بلکہ یہ حقیت ہے کہ آپ سرکار اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کے سچے جانشیں اور فقیہ اعظم تھے۔ آپ کے طرز استدلال کا وہی طریقہ تھا جو امام احمد رضا کا ہے۔ آپ صرف نفس مسئلہ سے آگاہ نہیں فرماتے بلکہ جس حکم کو بیان کرتے اس پر اس قدر دلائل و براہین پیش فرماتے کہ مستفتی بھی حیران وششدر رہ جاتا۔

علم غیب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے یہ استفتا ہوا کہ بحر الرائق میں خانیہ اور خلاصہ کے حوالے سے ہ لوتزوج بشھا دۃ اللّٰہ ورسولہ لاینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلم الغیب فقہ کی اس عبارت کے جوابات دگر مفتیان کرام نے بھی دئے ہیں مگر حضور مفتی اعظم ہند کا فتوی تمام مفتیوں کے فتاوی میں امتیازی وانفرادی شان کا حامل ہے۔ آپ نے قرآنی آیات، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات اور فقہی جزئیات سے ثابت کیا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والا کافر نہ ہوگا اور یہ بھی ثابت کیا کہ علم غیب سے انکار والا جزیہ ضعیف ہے۔ فرماتے ہیں:

درمختار میں ہے تزوج بشھادۃ اللّٰہ ورسولہ ولم یجز بل قیل یکفر اس قول نے ضعف مرجوحیت تکفیر کا اشارہ فرمایا علامہ شامی قدس سرہ نے اس قول پر ردالمحتار جلد دوم پر تحریر فرمایا: قال فی التاتار خانیہ و فی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ لا یکفر لان الاشیا تعرض علی روح النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وان الرسول یعرفون بعض الغیب قال تعالی فلا یظھر علی غیبہ الا من ارتضی من رسول یعنی تاتارخانیہ اور حجہ میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر فرمایا کہ وہ کافر نہ ہوگا کہ اشیا روح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں اور بیشک رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۱-۱۳۰)

بلا شبہ آپ کو فتاوی کی شان امتیازی ہے اور فقہ اور تفقہ میں آپ کو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ رب قدیر آپ کے فیضان سے سارے عالم کو مستفیض فرمائے اور قبر انور پر انوار کی بارش فرمائے۔ آمین ثم آمین

a a a a a

☆علامہ شبیہ القادری، غوث الوریٰ عربی کالج، سیوان

حضور مفتی اعظم ہند کا فقہی تفوق

اے نسیم سحری خاک رہ دیار بیار
تا کند حافظ از دیدہ جاں نورانی

حضور مفتی اعظم ماہتاب رشد و ہدایت تھے، واقف اسرار شریعت تھے۔ دانائے رموز حقیقت تھے شمس العارفین وسراپائے معقول و منقول تھے، یعنی اتنے فضائل کے جامع تھے کہ جن کا حصار بیان و تحریر سے باہر ہے۔ جس کی ثناء محدث اعظم جیسے علم و فضل کے شہسوار کریں بھلا ان کا مقام و مرتبہ کیا ہوگا۔ ایک مرتبہ ممبئی میں ارشاد فرمایا آج کل دنیا میں فتویٰ سے بڑھ کر جن کا تقویٰ ہے، ایک ہی شخصیت ہے اور وہ اعلیٰ حضرت مجدد مأۃ حاضرہ کے فرزندار جمند ہیں جن کا پیارا نام محمد مصطفی رضا ہے بے ساختہ زبان پر ان کا نام آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لیتی ہیں۔

حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ پر محدث اعظم ہند نے تحریر فرمایا۔

ھذا قول العالم المطاع وما علینا الا الا تباع یعنی ایک ایسے عالم کا قول ہے جن کی اطاعت لازم ہے۔

مفتی اعظم ہند کے تقویٰ کا دیدنی واقعہ مجھ سے سماعت فرمائیں، موضع برہپور ضلع چھپرہ سے سیوان آتے ہوئے حضور مفتی اعظم نے سرراہ برہپور کی مسجد میں بہ ارادۂ اعتکاف

لوگوں کی گذارش پر قیام فرمایا۔ موضع مذکورہ کے عقیدت کیشوں نے چائے پیش کی۔ اتنی بھیڑ میں چائے کی پیالی کو ہاتھ میں لیے ہوئے مسجد کے گیٹ پر حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور وہیں ایک کرسی پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی اور حضور محدث اعظم نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ حضور محدث اعظم سے لوگوں نے فتویٰ پوچھا ''حضور بتایا جائے کہ آپ نے مسجد میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی'' محدث اعظم نے فرمایا'' رموز مملکت خویش خسرواداند'' علماء کی بات ہے علماء ہی جانتے ہیں، تاہم مجھ پر فرض ہے کہ تمہیں بتادوں۔ مفتی اعظم کا یہ تقویٰ تھا کہ مسجد سے باہر نکل کر چائے نوش فرمائی، میرے لیے انہیں کا فتویٰ ہے کہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھ کر کھا پی سکتے ہیں ابھی میرا فتویٰ پر عمل ہوا اور مفتی اعظم سراپا تقویٰ ہیں ان کا تقوے پر عمل ہوا اور ان کا عمل ہمیشہ تقویٰ اور فتویٰ پر رہتا ہے۔

بتیغم گرزند دستت نگیرم وگر تیرم زند منت پذیرم

حضرت علامہ غلام محمد خان رحمۃ اللہ علیہ ناگپور 1953 سے پہلے کسی سے مرید نہیں ہوئے تھے کسی بھی سلسلہ کے شیخ سے مرید ہونے کے لیے بے چین تھے آخر ایک دن حضرت مولانا عبدالرشید صاحب بانی امجدیہ ناگپور سے دریافت فرمایا حضور مرید ہونے کے لیے میں بے چین ہوں کس سے مرید ہونا چاہیے۔ تو حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نے ارشاد فرمایا، مولانا اب کہاں ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو شریعت اور طریقت میں کامل ہوں، سوائے حضور مفتی اعظم ہندر رحمۃ اللہ علیہ کے۔

غزالیِ دوراں علامہ سعید احمد کاظمی ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدی مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کی شان اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ حضور ممدوح امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر الولد سر لابیہ کے سچے مصداق ہیں۔

حضرت قاری مصلح الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدی و مرشدی صدرالشریعہ بدرالطریقہ کے وصال کے بعد میری تمناؤں اور آرزوں کا مرکز حضور مفتی اعظم

ہند کی ہی ذات ہے اور وہ میرے ہی کیا تمام سنیوں کی اور پوری دنیا کے علمائے حق کی آرزوؤں کا مرکز ہیں۔

حضور مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس دور میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی فقید المثال ہے خصوصیت کے ساتھ باب افتاء میں بلکہ روز مرّہ کی گفتگو میں جس قدر محتاط اور موزوں الفاظ اور قیود ارشاد فرماتے ہیں اہل علم ہی ان کی لذت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

حضور شمس العلماء جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہہ کا اتنا بڑا ماہر اس زمانہ میں کوئی دوسرا نہیں ہے میں ان کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوتا ہوں تو سر جھکا کر بیٹھا رہتا ہوں اور خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا ہوں، ان سے زیادہ بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔

حضرت مولانا کامل سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ حضور مفتی اعظم کی مدح سرائی میں یوں رقم طراز ہیں: ’’حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور حیات کی ایک ایک ساعت سرمایۂ سعادت اور دولت افتخار رہے۔ جن کی ساری عمر شریف خدمت دین اور علم پھیلانے اور طریقت کی راہ بتانے میں گذری اور جن کی زندگی کا ایک ایک عمل شریعت کے نظام اور طریقت کے ترازو پر تولا ہوا ہے اس دور میں ممدوح کی شخصیت مسلمانان ہند کی سرمدی سعادتوں کی ضمانت اور امین ہے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت شاہ ضیاء الدین مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مفتی اعظم صرف مفتی اعظم نہیں بلکہ مفتی عالم ہیں حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری پاکستان فرماتے ہیں کہ مفتی اعظم امانت، دیانت، شفقت اور تواضع و انکساری کے عظیم پیکر تھے۔ حضرت مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشیں کچھوچھہ شریف فرماتے ہیں ’’حضور مفتی اعظم ہند بلاشبہ انہیں اکابرین سے تھے جو دین وسنت کو فروغ دینے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت کی پوری زندگی پر ایک طائرانہ ہی نگاہ ڈالیے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ خلوص اور للّٰہیت ان کی شخصیت کا ٹریڈ مارک تھا ان کا کوئی قول یا عمل میری نگہ میں ایسا نہیں

ہے جو خلوص اور للّٰہیت سے خالی ہو۔ (ماخوذ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ)

حضور مفتی اعظم کو ان کے عقیدت مندوں نے محض عقیدت کی بنیاد پر مفتی اعظم عالم نہیں کہا بلکہ ان کے علمی اور فقہی شعور نے انہیں مفتی اعظم عالم بنایا۔ ان کی عظمت تو خالص عطائے خدا ورسول تھی اس کی حد کوئی کیا جانے۔ بلکہ وہ وقت بھی آیا جب آپ مفتی اعظم عالم بن کر جلوہ فگن ہوئے۔ جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو علمائے حجاز، مصر، شام، عراق اور ترکی وغیرہ کے علماء ومشائخ نے آپ سے مسائل دریافت کئے، بیعت سے مشرف ہوئے اور اجازت وخلاف عطاء کی۔ آپ کا فیضان شریعت وطریقت ساری دنیا میں پھیل گیا اس کے علاوہ آپ کے پاس عرب، افریقہ، ماریشس، انگلینڈ، امریکہ، سری لنکا، کینیا اور بنگلہ دیش سے استفتاء آتے اور آپ اس کا جواب عنایت فرماتے۔ آپ کے مفتی عالم ہونے کے لیے اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔ آپ کے عہد میں پورے عالم اسلام میں آپ سے بڑا کوئی مفتی نہیں تھا۔ آپ کے فتاوے اور آپ کی تحقیقات اس پر شاہد ہیں۔

a a a a a

☆ پروفیسر صفدر امام قادری

مفتیِ اعظم ہند: ایک صاحب الرائے علمی شخصیت

مفتیِ اعظم ہند کی فتاوی نویسی کا زمانہ ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مشکل دور سے عبارت ہے۔ جنگ آزادی کی تحریک میں انگریزوں سے مقابلہ ایک اہم کام ضرور تھا لیکن پوری قومیت کو سینکڑوں امور پر اپنے زمانے کے عالی دماغوں سے مزید قیادت اور روشنی درکار تھی۔ یورپ کے غیر مشروط اثرات نے ہندوستانی قومیت کو جن مشکل حالات تک پہنچایا اگر چند علماء کرام اور ادیبوں اور شاعروں نے اپنی مستقبل شناسی سے اسے روکا نہیں ہوتا یا اس کے اثرات کو محدود نہیں کیا ہوتا تو نہ جانے آج اس ملک میں ہندوستان یا ہندوستانیت جیسی کوئی چیز ہوتی بھی یا نہیں۔ اصل میں مغرب پسندی اور مغرب پرستی سے مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں ایک آزاد ملک تو چاہیے تھا لیکن وہ ملک کیا انگریزوں کے اصول سے چلے گا یا جاگیر داروں اور ساہوکاروں کے مطابق آگے بڑھے گا؟ اس دوراہے پر اگر الطاف حسین حالی اکبر الہ آبادی علامہ اقبال ہمیں راستہ دکھا رہے تھے تو اسی کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کی بھی ایک فہرست ہے جو جنگ آزادی میں انگریزوں سے مقابلے اور پھر اس کے بعد حکومت کے قیام میں ایک واضح شراکت نبھا رہے تھے۔ شبلی نعمانی کی نظمیں بیسویں کے ابتدا میں بہت مقبول تھیں۔ ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی بھی ہندوستان کے سیاسی اور

ادبی منظرنامے کو متأثر کررہے تھے۔اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد اسی موڑ پہ شہزادۂ اعلیحضرت کے فتاویٰ عالم تحریر میں آتے ہیں۔ یہ فتوے الگ الگ سوال و جواب کی صورت میں بھلے مقامی یا ذاتی اسباب سے زیر بحث رہے ہوں لیکن اس کی مجموعی شکل سامنے آتے ہی یہ سمجھنا دشوار نہیں ہوتا کہ یہ مخصوص عصری فضا میں سانس لیتے ہیں سیاسی، سماجی، اور ملی امور کے ملے جلے تقاضوں سے الگ کر کے انہیں دیکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

عام طور سے فتووں کو صرف اور صرف مذہبی حوالوں سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے یہ بات اپنی اصل میں صدفی صد صحیح ہے اس کے باوجود میرا مودبانہ معروضہ ہوگا کہ ان فتاوی کے پیچھے سماجی اور اجتماعی مسائل اور پس منظر سے جب تک ہمیں کماحقہ واقفیت نہیں ہوتی تب تک ان فتاوی کے بعض معاملات کو ہم اس کی تفصیل اور وسعت میں سمجھ ہی نہیں سکتے۔

یہ میری کم نصیبی ہے کہ مفتی اعظم ہند کے فتاوی کی مذہبی جہت پر گفتگو کرنے کا میں اہل نہیں لیکن ان فتاوی کی تمہید، تفصیل یا نتائج پر غور کرتے ہوئے مجھے یہ یقین ہے کہ مفتی اعظم ہند کے فتاوی مخصوص سیاسی اور سماجی تناظر میں ازسرنو غور کرنے کے لیے اہالیان علم وادب کو بہ شوق مدعو کرتے ہیں۔ یہ عجب شان ہے کہ مفتی اعظم ہند جب جب کسی خاص مسئلے پر کوئی فیصلہ کن بات بتاتے ہیں اس وقت ان کی نگاہ اپنے زمانے کے عمومی مسائل پر بھی متوازی طور پر ہوتی ہی ہے۔ایک مفتی کی حیثیت سے ان کی یہ بات لائق تقلید ہے کیوں کہ انھیں یہ معلوم ہے کہ وہ کسی مذہبی حکومت اور انتظام میں نہیں رہتے اور جمہوری نظام حکومت کے کچھ عمومی تقاضے ایسے ہیں جن کو چھوڑ کر چلنا مشکل ہے۔ اوقاف، نکاح وطلاق اور ایمان کے ابواب بہ طور خاص فتاوی مصطفویہ میں بہ غور ملاحظہ کئے جانے چاہیے۔

کبھی کبھی یہاں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فتاوی کی تفصیل میں پہنچ کر مفتی اعظم جمہوری نظام کو مذہبی تربیت بخش رہے ہیں۔ایک صاحب الرائے علمی شخصیت سے ہماری یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ اپنے عہد کے تمام معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے فیصلے سنائے جس میں سب کے

لیے روشنی اور ہدایت موجود ہو۔ مفتی اعظم ہند کے فتاوی ہندوستان میں ابھر رہی جمہوری حکومتوں کے بے مہارانہ چلنے سے روکنے کے لیے حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔

مفتی اعظم ہند کے فتاوی کی اس شان کی طرف ہماری توجہ ہونی چاہیے۔ کہ وہ صرف استفسار کے جواب تک خود کو محدود نہیں کرتے بلکہ سوال کی بنیاد تک پہنچ کر ان امور کو بھی اپنے فتاوی کا حصہ بناتے ہیں جو بظاہر سوال میں مندرج نہیں تھے۔ لیکن پوچھنے والے کا بہ باطن عندیہ یہی تھا۔ صاحب کشف وکرامت ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی اعظم ہند نے ایسے مراحل میں سب سے زیادہ سماجی امن وامان میں خلل اور مذہبی ومسلکی پریشانیوں سے بچانا اپنا مقصد رکھا ''فتاوی مصطفویہ'' کی جلد اول میں جو پہلا مسئلہ زیر غور ہے، وہ ہماری آنکھ کھولنے کے لیے کافی ہے۔ مسئلہ بہت سادہ سا پیش کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ عزوجل کو شاہد مان لیا جائے تو کیا نکاح جائز ہوگا؟ عقب میں یہ مسئلہ بھی زیر غور رہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہے یا نہیں۔ سوال پیش کرنے والے دونوں باتوں کو جوڑ کر ''بحر الرائق'' جلد تین کے حوالے سے اپنا استفتسار مکمل کیا ہے۔

مفتی اعظم ہند نے اس سوال کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہوئے اپنے جواب کو تفصیل سے درج کیا ہے۔ انھوں نے علم غیب کے مسئلے پر تو بھرپور توجہ دی ہی ہے، ساتھ میں نکاح ہونے، نہیں ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا ثابت نہیں ہونا جیسی بات کو الگ کیا ہے۔ تفصیل میں جاتے ہوئے انھوں نے شرط انعقاد نکاح میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شرط واضح کی ہے اور صاف صاف لکھا ہے:

> وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہے، اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں --- مثلا کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی''

مفتی اعظم ہند نے سوال کرنے والے کے ارادے کو سمجھتے ہوئے جواب کا دائرہ پھیلایا اور پھر علم غیب کے مسئلے کو داخل کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نکاح ہونے اور نہ

ہونے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیب جاننے یا نہیں جاننے کی بات نہیں ہے، ورنہ اللہ کی شہادت سے تو نکاح ہونا ہی چاہیے تھا کیوں کہ اس کے عالم الغیب ہونے میں کس کو کلام ہے؟ اس فتوی کی عالمانہ شان دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے جہاں مفتی اعظم بنیادی امور کو سلسلہ در سلسلہ بحث میں یکے بعد دیگرے لاتے ہیں۔ مسئلے میں جس کتاب کو حوالہ بنایا گیا تھا اس کی اصل روایت پر بھی بحث کر کے آداب تحقیق کی ہر منزل سر کر لیتے ہیں۔

بعض مضمون نگاروں نے کسی خاص مسئلے پر کئی معتبر علماء کرام کے فتاویٰ سے مفتی اعظم ہند کے فتاوی کا موازنہ کیا ہے۔ یہ کئی اعتبار سے غور فکر کے لائق ہے۔ پہلی جہت یہ ہوتی ہے کہ اپنے زمانے کے کسی مسئلے پر مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کا نقطہ نظر کیا ہے اور کسی متنازعہ امر پر رائے دیتے ہوئے مختلف مفتیان کرام آخر کون سا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ مفتی اعظم سے دوسرے فتاویٰ کا مقابلہ یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ مفتی اعظم ہند شرح و بست میں جا کر ایسا بھر پور جواب مرحمت فرماتے ہیں جہاں سوال کا پس منظر بھی آئینہ ہو جاتا ہے اور حسب ضرورت سوال پوچھنے والے کی نیت بھی واشگاف ہو جاتی ہے اگر انھیں اندازہ ہے کہ سوال کی پشت میں کوئی فتنہ انگیزی ہے تو جواب دیتے ہوئے اس کا رد کرنا بھی لازم ہوتا ہے۔ اسی لیے فتاوی رضویہ کے ساتھ فتاوی مصطفویہ کا مطالعہ ہمارے لیے نور اور روشنی کا حصول ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خدا اپنے لائق بندوں کو ایسی لائق اولاد عطا فرتا ہے۔

مفتی اعظم ہند کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے تھا جہاں علم و فضل کی شمع بہت پہلے سے روشن تھی۔ اسی آغوش تربیت میں وہ فتوی نویسی کی ذمے داریوں تک پہنچے۔ خاندانی روایت میں جہاں ایک طرف مذہبی اور سماجی قیادت کی آگ موجود ہے، اسی لیے مفتی اعظم ہند کے فتاوی میں دوران تفصیل بار بار عمومی سماجی پہلوؤں پر گفتگو متوازی طور پر چلتی رہتی ہے۔ ان کی گفتگو میں علمی گہرائی تو ہے ہی، ساتھ ہی ساتھ سماجی فراست اور سیاسست، سماج اور مذہب کے بیچ مسکون آمیز توازن کی وکالت بھی ملتی ہے، اسی لیے فتاوی کی زبان شاذ و نادر ہی مجادلے میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اس زمانے میں سیاسی افق پر گاندھی جی کی روشنی پھیلتی

جارہی تھی وہ مختلف مذاہب کی انسانی قدروں کو عزیز رکھتے تھے اور سیاست اور سماج میں مذہب کی اہمیت سے دوسرے سیاسی لیڈروں کی طرح انکارنہیں کرتے تھے۔شاید اسی لیے ان کی قائدانہ حیثیت بھی مکمل ہوئی اور وہ ہندوستان کو راستہ دکھانے والوں میں نمایاں کردار حاصل کر سکے۔

مفتی اعظم ہند کے فتاوی میں بے جا بحث ومباحثہ یا مبارزت کا رنگ نہیں، بلکہ اکثر وبیشتر صلاح ومشورہ اور قوم کی اجتماعی زندگی میں ہر پہلو سے روشنی عطا کرنے کی کوشش دکھائی دیتی ہے اسی لیے اعلی حضرت کے بعد ملک نے انہیں اپنا رہنما تسلیم کیا اور پچھلی صدی میں ایسے بہت تھوڑے سے لوگ ابھر کر سامنے آئے جن کی باتوں کو اتنے انہماک سے سنا گیا ہو اور مسلک یا سیاسی انداز فکر سے پرے جا کر انھیں قبول عام کا شرف عطا ہوا ہو۔مفتی اعظم ہند کے فتاوی کی سماجی اور سیاسی جہات پر گفتگو کرنے کا صحیح وقت آچکا ہے کیوں کہ اب سیاست اور مذہب دونوں جگہ ایسی ذمہ داری کے ساتھ قائدانہ رول ادا کرنے والے ناپید ہیں۔آج ہمیں اپنے اسلاف سے روشنی حاصل کر کے آگے بڑھنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

a a a a a

☆مولانا محمد ولی اللہ قادری

حضور مفتی اعظم ہند کا اسلوب فتویٰ نویسی

تاج دار اہل سنت، مفتی اعظم ہند رضا قادری نور اللہ مد قدہ کی ذات محتاج تعارف نہیں، آپ کی شخصیت کا سب سے اہم اور قابل ذکر پہلو آپ کی فتویٰ نویسی ہے۔آپ کی فتویٰ نویسی کی مدت نصف صدی سے زائد ہے۔ اس مدت میں آپ نے لاکھوں فتاویٰ رقم فرمائے مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہم ان کی اس اہم علمی یادگار کو محفوظ نہ رکھ سکے اور اب ہمارے لیے ان کی صرف دس سالہ فتویٰ نویسی کے مطالعہ پر قناعت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ موصوف کے جو فتاوے عام طور سے دستیاب ہیں وہ سب ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۵۹ھ تک کے ہیں جو تین جلدوں میں ''فتاویٰ مصطفویہ'' کے نام سے شائع ہوکر اہل علم کا سرمۂ نظر بنے ہوئے ہیں۔ان تین جلدوں کی ورق گردانی سے جہاں سرکار مفتی اعظم ہند کے استحضار علم کا پتا چلتا ہے وہیں ان کی فتویٰ نویسی اور فقہی بصیرت کے مختلف پہلوؤں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں رضا اکیڈمی ممبئی کے اہتمام سے سات جلدوں میں ''فتاویٰ مفتیِ اعظم'' کی اشاعت ہوئی ہے۔ دیگر باتوں سے قطع نظر حضور مفتی اعظم ہند کی فتویٰ نویسی کا ایک خاص علمی وفکری پہلو یہ ہے کہ وہ فروعی اختلافات کو ہوا نہیں دیتے بلکہ ان کے متعلق سوال کرنے والے کو تنبیہ کرتے اور ضروریات دین کے مسائل کی طرف راغب فرماتے۔ مثلاً حضرت سے ایک سوال، مدار یہ سلسلہ کے سوخت ہوجانے کے بارے میں ہوا۔آپ اس کا جواب لکھتے ہیں:

''بیکار سوال کیے جاتے ہیں۔ نماز روزے وغیرہ ضروری مسائل تو پوچھے نہیں جاتے یہ بیکار باتیں دریافت کی جاتی ہیں اور پھر ایک بار نہیں، واللہ اعلم کتنی بار یہ سوال آیا ہے۔ لوگ برابر اس سلسلہ میں بیعت کرتے، مرید ہوتے ہیں انہیں یہ ثابت نہیں کہ یہ سلسلہ سوخت ہو چکا ہے، جن بزرگوں کو اس کی اطلاع ہے انہوں نے ایسا تحریر فرمایا ہے۔ اس میں اس درجہ جاہلوں کا پڑنا کہ ایک دوسرے کا دشمن ہو جائیں تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچ جائے، ہرگز جائز نہیں جو مداری سلسلہ میں ہوتے ہیں ان سے تعرض نہ کریں کہ اس بے کار بحث کا نتیجہ سوائے فساد اور کچھ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔''

حضرت کے یوں تو سارے فتاویٰ ہر دور کے مفتی حضرات کے لیے رہنما ہیں، مگر اس دور کے لیے یہ فتویٰ کچھ زیادہ ہی اہمیت و افادیت کا حامل ہے اور صرف یہ فتویٰ ہی کیوں، کہنا چاہیے کہ ان کے بیشتر فتاویٰ زبردست عصری افادیت رکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ نہ تو فیشن کے طور پر سوال سننے والے مفتی تھے۔ نہ فیشن کے طور پر جواب لکھنے والے مفتی۔ وہ جانتے تھے کہ فتویٰ نویسی کا اصل جواز عصری ضرورت کی تکمیل ہے۔ اس نام پر مستفتی بننے کی ہوس کا دروازہ نہیں کھولا جا سکتا ہے اور بے موقع و بے مقصد سوال کی حوصلہ افزائی نہیں کی جا سکتی ہے ۔ ان باتوں کے علاوہ ان کی نظر ہمیشہ اس پہلو پر بھی رہی کہ استفتاء کے جوابات علمی قابلیت اور فضلیت فروشی کے لیے نہیں لکھے جاتے ہیں۔ یہ بڑی بات ہے کہ دنیا انہیں مفتی اعظم کہتی ہی نہیں مانتی بھی رہی، زمانے کی حکومتیں اس کا عملی اعتراف کرتی رہیں، لیکن انہوں نے کبھی مفتی اعظم ہند بننے، یا مفتی اعظم کہلانے کے لیے کوئی فتویٰ نہیں لکھا۔ ان کے فتاوے حکام وقت کے یہاں اس لیے مقبول نہیں ہوئے کہ ان میں خوشامد تھی، بلکہ اس لیے مقبول ہوئے اور انہیں مقبول ہونا ہی تھا کہ اس میں اللہ کا خوف تھا اور ایک عالم دین کے تفقہ اور للّٰہیت کی جھلک۔ ظاہر ہے فتویٰ نویسی میں مستفتی کے سوالات کو انتخاب کے دور سے گزارنے اور پھر موضوع کو سمجھنے کے بعد، علمی مطالعہ و تجزیہ کے ساتھ جواب دینے کی اہمیت ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی اہمیت و تاثیر کو علیٰ حالہ قائم رکھنے اور حسب موقع تیز تر بنانے میں اسلوب تحریر کا بھی

زبردست حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زاویے سے بھی حضرت والا کے فتاوے اپنی مثال آپ ہیں اور جیسا کہ ہمارے عنوان سے ظاہر ہے، فی الوقت ہم اسے ہی موضوع گفتگو بنانا چاہتے ہیں۔

سرکار مفتی اعظم ہند کے اسلوب فتویٰ نویسی میں یہ بات اہم ہے کہ وہ ہر اس اسلوب سے کام لیتے ہیں جو تفقہ میں مفید ہو اور قاری اور مستفتی کے لیے بقدر عقل ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف ان کے یہاں علمی واصطلاحی الفاظ اور اقتباسات ملتے ہیں تو دوسری طرف بالکل سادہ الفاظ و انداز میں ایسا جملہ بھی مل جاتا ہے جس کا مطلب معمولی پڑھا لکھا آدمی عام طور پر سمجھ لیتا ہے۔ مزید برآں ان کے جوابات میں تفہیمی اسلوب کافی نمایاں ہے، صرف استدلالی اور علمی انداز نہیں رکھا گیا ہے بلکہ بات کو واضح کرتے ہوئے بالکل عام فہم انداز سے جگہ جگہ کام لیا گیا ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند، صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کرتے کہ مسئلہ کو آسان لفظوں میں بالکل کھول کر بیان کر دیا جائے بلکہ وہ اسے جابجا محسوسات کی سطح پر بھی لادیتے ہیں مثلاً سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام سے لفظ ''عبد'' کا حذف کرنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں:

''ایسے ناموں سے لفظ ''عبد'' کا حذف بہت برا ہے اور کبھی ناجائز و گناہ ہوتا ہے اور کبھی سرحد کفر تک پہنچتا ہے۔۔۔۔اگر کسی کا نام عبد القدوس، عبد القیوم ہے تو اسے قدوس، رحمٰن، قیوم کہنا ایسا ہی ہے جیسے اسے جس کا نام عبد اللہ ہو، اللہ کہنا۔ بہت سخت بات ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔''

سرکار مفتی اعظم ہند اپنے فتاوے میں تکرار سے مضمون کی شدت ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ عام قاعدہ ہے، مگر جملے میں شجاعت اور تکرار کے توازن کے اہتمام میں کمی نہیں برتتے اور اس طرح جملہ لکھتے ہیں کہ اس میں تنسیق صفات کی جھلک بھی آجاتی ہے۔ ان باتوں کا اندازہ ان کی اس تحریر میں لگایا جاسکتا ہے:

زید بے قید اپنے اس اعلان ہادم ایمان کے سبب شدید گنہگار، مستحق نار، مستوجب

غضب جبار، اسے توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح چاہیے، اگر بی بی رکھتا ہے۔نصرانی یا کسی کافر کومرحوم لکھنا حرام حرام سخت اخبث واشنع ، بدکام ہے اوراس کے لیے اس کے مرنے کے بعد دعائے رحمت کرنا کرانا تکذیب قرآن ہے۔۔۔۔۔"

سرکار مفتی اعظم ہند کے اسلوب فتویٰ نویسی میں یہ بات بھی توجہ کی طالب ہے کہ اگر الزامی جواب کے طور پر ساقط از تہذیب موضوع کو عبارات میں لانا پڑتا ہے تو اس میں ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ ہر جگہ تلذذ پر تنفر اور کراہیت کا احساس چھایا رہتا ہے اور حاشا وکلا کہیں بھی تلذذ سر اٹھا کر عریانیت نہیں بن پاتا ہے۔ بیشک یہ بیان مضمون میں عریانیت کے مقام سے دامن بچا کر مقصدیت کے علم کی سلامتی وسرفرازی کے ساتھ گزر جانے کی بہت ہی نازک مثال ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھیں فتاوی مصطفویہ ص ۱۰۷)

سرکار مفتی اعظم ہند، جواب میں اختصار کا اہتمام رکھتے ہیں اور جس بنیاد پر ساری باتوں کی عمارت کھڑی ہے اُسے صاف صاف بتا دیتے ہیں، مثلاً ایک مقام پر جواب لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اصول کے دائمی اور ابدی ہونے سے عالم اور نظام عالم ابدی ودائمی نہ ہو جائیں گے" اس تحریر سے جہاں اسلوب کا پتہ چلتا ہے وہیں ان کے منطقی استدلال کی شان بھی ظاہر ہوتی ہے۔سوال کا جواب دیتے ہوئے سرکار مفتی اعظم ہند مستفتی کے عام شخصی جذبات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں، مثلاً مسئلے کا کوئی ایسا رخ بتانا ہو جو زوجین میں سے کسی کی موت سے مشروط ہو تو وہاں پر ایسا مناسب ٹکڑا لا دیتے ہیں جس سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ صرف مسئلہ بتانے کے لیے اسے لکھ رہے ہیں، جذبات کے مجروح کرنے کا کوئی شائبہ نہیں۔ یہ بات جہاں ان کے اسلوب فتویٰ نویسی کی انفرادیت ظاہر کرتی ہے وہیں اس سے ان کے فتویٰ نویسی کے اصل مقصدیت کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے۔

سرکار مفتی اعظم ہند کے فتاوے کے مطالعہ سے ہمیں بہ آسانی بہت سی نادر ترکیبیں بھی مل جاتی ہیں جیسے "برساتی حشرات الارض" بدتر از بول، "اوندھے سیدھے مضمون" اور "دشمنانِ عقل وخرد" وغیرہ۔ساتھ ہی ساتھ سرکار مفتی اعظم بعض جگہ وضع اصطلاحات سے بھی

کام لیتے ہیں جیسے ''مسجدیت'' وغیرہ کی اصطلاح۔ اسی طرح ان کے فتاوے میں محاورات کی بھی کمی نہیں۔ جیسے ایک مقام پر ''الٹی گنگا بہانا'' جیسے محاورے کا بیساختہ استعمال فرمایا ہے۔ سرکار مفتی اعظم ہند کے اسلوب فتویٰ نویسی کی یہ بھی خصوصیت قابل ذکر ہے کہ وہ اکثر سوالیہ انداز سے مستفتی کے ذہن کو جھنجھوڑتے اور اس میں تحریک ذہنی لادیتے ہیں کہ وہ خود غور کرے اور حقیقت تک آسانی سے پہنچ جائے۔ مفتی اعظم ہند کے اسلوب تحریر میں حسب موقع عالمانہ، لطیف اور شاندار طنز و مزاح کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ ''فتاویٰ مصطفویہ'' میں بعض جگہ حسب ضرورت مشاہیر و مستند شعرا کے اشعار کا استعمال بھی ہوا ہے۔ ان میں اگرچہ مولانا روم کے اشعار زیادہ ہیں، لیکن سعدی شیرازی اور دیگر اکابر شعرا کے اشعار بھی کم نہیں، صرف اردو فارسی ہی نہیں عربی اشعار بھی نہایت خوبی سے استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ تو مفتی اعظم ہند نے یکے بعد دیگرے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ اشعار نقل فرمائے ہیں ان میں سے ایک شعر ملاحظہ کریں

کافراں دیدند احمد را بشر
چوں ندیدند ازوی آں شق القمر

اسی طرح انہوں نے جواب استفتا میں حسب موقع اپنے غزلیہ اشعار سے بھی مستفتی کی ضیافت فرمائی ہے ؎

کوئی کیا جانے جو تم ہو، خدا ہی جانے کیا تم ہو
خدا تو کہہ نہیں سکتے مگر شان خدا تم ہو
حقیقت سے تمہاری جز خدا اور کون واقف ہے
کہے تو کیا کہے کوئی چنیں تم ہو چناں تم ہو

حضرت مفتی اعظم ہند کے فتاویٰ میں جہاں سادہ نثر کی مثالیں ملتی ہیں، وہیں مقفیٰ نثر کی جھلک بھی دیکھنے میں آجاتی ہے۔ کہیں کہیں تو قافیہ بند جملوں کی جھڑی لگادی گئی ہے:

ٹائی لگانا اشد حرام ہے وہ شعار کفار بدانجام ہے، نہایت بدکام ہے۔ وہ کھلا ردِ فرمان

خداوند ذوالجلال ہے۔

ایک اور مثال دیکھیں:

’’حرام کار ہے، مکار ہے، شدید گنہگار ہے حق اللہ اور حق العبد دونوں میں گرفتار ہے۔ سخت شدید مجرم، خاطی، غلط کار، ظالم ستمگر جفا شعار، کھلے فساق و فجار میں اس کا مار ہے بلکہ اپنے ان بعض کفریات کی بنا پر وہ داخل زمرۂ کفار ہے۔‘‘

مذکورہ نکات سے ظاہر ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کی فتویٰ نویسی، اپنے ادبی و علمی اور فنی اسلوب سے بھی اپنی شناخت بناتی ہے حقیقت یہی ہے کہ اگر انہیں اپنے دور کا صاحب طرز، فتویٰ نویس کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ضرورت یہ ہے کہ بلند بانگ دعوے کرنے والے ذمے دار حضرات آگے بڑھیں اور اس نوعیت کے علمی پہلوؤں پر باقاعدہ مطالعہ کے لیے مناسب اقدام فرمائیں کہ یہ بھی ایک بڑی سعادت اور وقت کی بڑی دینی ضرورت ہے۔

a a a a a

☆مولانا محمد شاہد القادری (چیئرمین امام احمد رضا سوسائٹی۔کلکتہ)

فقہِ حنفی کے فروغ میں فتاویٰ مصطفویہ کا کردار

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے کہ ”فلو لانفر من فرقة منهم طآئفة ليتفقهوافى الدين ولينذ رواقومهم اذارجعوااليهم“ (سورہ توبہ:۱۲۲) ترجمہ: تو کیوں نہ ہو کہ ان کے گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور پس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ” من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين“ (بخاری شریف جلد اول، ص:۱۶) ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو تفقہ فی الدین عطا فرماتا ہے۔

ارشاد ربانی عزوجل اور فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں جب ہم حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خاں قادری برکاتی نوری رضوی بریلوی علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ خداوند قدوس نے اس نعمت عظمیٰ سے بھرپور سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے تفقہ فی الدین کے تعلق سے چند مثالیں:

حضرت فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:۔

☆انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیان کرام کے سامنے آیا تو بیشتر حضرات متردد رہے، کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ روزے کی حالت

میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ انجکشن کی سیال دوائیں معدہ میں بھی پہنچتی ہیں اور خارج سے کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا مفسد روزہ ہے۔

اور کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، ہاں! رگ میں لگوایا جائے تو فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ میں نہیں پہنچتی ہیں، اور رگ میں پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا:

''انجکشن گوشت میں لگوایا جائے، خواہ رگ میں کسی بھی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچتی ہیں، بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ جیسے ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے میں اس کی تری مسامات کے ذریعہ بسا اوقات معدہ تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمہ لگانے سے اس کا ذائقہ حلق میں محسوس اور رنگت تھوک میں دکھائی دے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا'' (فتویٰ مصطفویہ، ص: ۹، ۱۰)

☆ حضرت مفتی اعظم ہند کے زمانہ مبارکہ میں امریکہ والوں کے چاند پر جانے کا چرچا تھا، ایک روز حضرت شمس العلما علامہ قاضی شمس الدین رضوی جونپوری اور حضرت صدر العلما علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہما الرحمہ اور دوسرے علما حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر تھے، چاند و سورج وغیرہ کی باتیں چل رہی تھیں، حضرت نے فرمایا'' چاند و سورج چلتے ہیں'' اس پر علامہ میرٹھی صاحب نے فرمایا قرآن مجید میں ہے'' والشمس تجری لمستقرلھا'' سورہ یاسین شریف: ۳۸ (یعنی سورج اپنے مستقر میں چل رہا ہے) تجری سے معلوم ہوتا ہے کہ چلتا ہے اور مستقرلھا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ تو چلتے رہنا اور ایک قرارگاہ میں ٹھہرا رہنا یہ دونوں کیسے صحیح ہوں گی۔

اس پر حضرت نے فوراً جواب دیا کہ'' حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا گیا'' ولکم فی الارض مستقر'' (سورہ بقرہ: ۳۶) تو کیا وہ

زمین کے ایک حصہ پر ٹھہرے رہتے تھے؟ چلتے نہیں تھے، اپنے مستقر میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جائے رفتار سے اپنی منزل سے باہر نہیں ہوتا، چلتا ہے، مگر اپنے دائرہ حرکت میں'' اس پر حضرت میرٹھی صاحب خاموش ہو گئے۔ (ایضاً ص:۱۱)

☆ جب پہلے پہل لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنی گئی آواز پر اقتداء کا مسئلہ درپیش ہوا تو بعض عالموں نے اسے حقیقتاً اور حکماً ہر طرح امام کی عین آواز سمجھ کر اقتداء کو جائز ٹھہرایا۔ مگر حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے حقیقۃً اور حکماً ہر لحاظ سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی آواز کا غیر قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا'' لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں، مماثل آواز امام ہے اور نماز میں غیر کی اقتداء کرے یہ مفسد ہے'' (ایضاً۔ص:۱۰)

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی فقاہت پر علماء و مشائخ وفقہا و محدثین کے کیا آراء تھے، ملاحظہ کریں:۔

☆امام احمد رضا محدث بریلوی: ۱۸؍سال کی عمر میں پہلا فتویٰ دیکھ کر سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا'' تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنالو، اس میں نقل بھی کیا کرو'' (جہان مفتی اعظم ،ص:۹۹۹)

☆ علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی: تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری رضوی بریلوی مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ میں نے سنا حضرت صدرالافاضل سے، جب کوئی مسئلہ پوچھتا۔ حضرت اس مسئلہ میں آپ کا کیا خیال ہے، وہ اپنی رائے بتاتے ۔پھر کوئی کہتا حضرت مفتی اعظم تو یہ فرماتے ہیں، تو کہتے بس! بس!! جو مفتی اعظم فرماتے ہیں وہی حق وصحیح ہے (ایضاً، ص:۹۹۹)

☆ محدث اعظم ہند کچھوچھوی: آج دنیا میں جن کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے، ایک شخصیت مجدد مآۃ حاضرہ کے فرزند دل بند کا پیارا نام مصطفیٰ رضا بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لیتی ہے۔

اور حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ پر آپ نے تحریر فرمایا'' ھذا قول العالم

المطاع وما علینا الا الا تباع'' یعنی یہ عالم مطاع کا ارشاد ہے اور ہم پر اس کی پیروی لازم ہے (ایضاً ص: ۹۹۹)

☆علامہ قاضی شمس الدین جونپوری: فقہ کا اتنا بڑا ماہر اس زمانے میں کوئی دوسرا نہیں، میں ان کی خدمت میں، جب حاضر ہوتا ہوں، تو سر جھکا کر بیٹھا رہتا ہوں اور خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا ہوں رہتا ہوں، ان سے زیادہ بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی، ایک مفتی اعظم بقیۃ السلف ہیں، باقی تو سب اٹھ گئے (ایضاً ص: ۱۰۰۱)

☆مفتی جلال الدین امجدی بستوی: وہ صرف مفتی اعظم ہند نہیں تھے، بلکہ اپنے زمانے کے مفتی اعظم اسلام تھے، اس لیے کے آپ کے افتا اور تفقہ فی الدین کی عظمت صرف ہندوستان تک محدود نہ تھی بل کہ عرب، افریقہ اور انگلینڈ وامریکہ وغیرہ بہت سے باہری ملکوں میں تسلیم کی جاتی ہے (ایضاً ص: ۱۰۰۳)

☆علامہ ارشد القادری: حضور مفتی اعظم ہند کو اب تک اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والی ایک فقید المثال اور وحید العصر امیر کشور افتاء کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن ''وقایۃ اہل السنۃ'' کے مطالعے کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے، بلکہ اپنے دور میں فن حدیث کے امام اعظم تھے (ایضاً ص: ۱۰۰۲)

☆علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی: مفتی اعظم ہند کا تفقہ صرف حاصل کردہ نہیں ہے بلکہ وہ ان کا خمیر، ان کا ضمیر، ان کی سرشت وفطرت اسی سانچے میں ڈھلی ڈھلائی ہے۔ وہ اسی فطرت پر پیدا کیے گئے، علمائے معاصر کسی مسئلہ کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیتے، مگر مفتی اعظم کا ایک انکار ان کے سیکڑوں دلائل پر بھاری بھر کم ہوتا (ایضاً ص: ۱۰۰۲)

☆تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں بریلوی: مفتی اعظم علم کے دریائے ذخار تھے۔ جزئیات حافظہ سے بتا دیتے تھے، فتاویٰ قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے

تھے، ان کا عمل ان کے علم کا آئینہ دار تھا، جن علمی اشکال میں لوگ الجھ کر رہ جاتے تھے، وہ حضرت چٹکیوں میں حل فرما دیتے تھے (ایضاً، ص: ۱۰۰۴)

حضرت مفتی اعظم ہند علامہ الشاہ الحاج مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی رضوی بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۲۲/ذالحجۃ ۱۳۱۰ھ۔ ۷/جولائی ۱۸۹۳ء میں جمعہ المبارکہ کے دن بوقت صبح صادق ہوئی، ۹۲/سال کی عمر میں ۱۴/محرم الحرام ۱۴۰۲ھ / ۱۲/نومبر ۱۹۸۱ء کو رات میں ۱/بج کر ۴۰/منٹ پر وصال ہوا۔

سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے جد امجد امام العلما مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) نے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں بریلی کی سرزمین پر مسند افتاء کی بنیاد رکھی اور ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء تک فتویٰ نویسی کا گرانقدر کام انجام دیا، آپ کے وصال حق کے بعد آپ کے شہزادے امام المتکلمین علامہ مفتی نقی علیٰ خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء سے ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء تک مسند افتاء کو رونق بخشا، سیدنا امام احمد رضا نے اپنے والد ماجد علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کے وصال کے بعد ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں مستقل طور پر کار افتاء کو سنبھالا اور اس منصب جلیل پر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء تک متمکن رہے۔

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ ہی میں شہزادۂ اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا قادری نوری رضوی بریلوی علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز کر دیا تھا، حضرت والد گرامی کے زیر نگرانی رضوی دار الافتا میں مسند افتا پر جلوہ گر ہو کر فقہی سوالات کے جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء تک اس فرض منصبی پر فائز رہے، آپ کے فتاویٰ کا مختصر مجموعہ ''فتاویٰ حامدیہ'' کے نام سے زیور طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔

۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی عمر مبارک ۱۸/سال کی تھی کہ سب سے پہلا فتویٰ مسئلہ رضاعت پر لکھا، فتویٰ نویسی کے اس حسن آغاز پر حضرت امام

احمد رضا نے اپنے نور نظر لخت جگر مولانا مصطفیٰ رضا خاں کو پانچ روپئے بطور انعام عطا فرما کر ارشاد فرمایا ''تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتویٰ لکھا کرو، اپنا ایک رجسٹر بنالو، اس میں نقل بھی کیا کرو'' سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خود ہی مہر کا خاکہ تیار کیا، عبارت یہ تھی ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن عرف مصطفیٰ رضا'' مہر بنوا کر عطا فرمائی۔ حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۰ء سے ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء تک فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔

حضرت مفتی اعظم ہند کے فتاویٰ کا مجموعہ بنام تاریخی ''المکرمۃ النبویۃ فی الفتاویٰ المصطفویۃ'' المعروف بہ ''فتاویٰ مصطفویہ'' ایک مختصر تعارف نذر قارئین ہے۔

حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی بستوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''یہ پہلے چھوٹے چھوٹے دو حصوں میں طبع ہوا تھا، اس کا پہلا حصہ ایمان و اعتقاد کے بارے میں بغیر فہرست مضامین ایک رسالہ سمیت ۴۳ر فتویٰ کا مجموعہ تھا جو ۱۴۲ر صفحات پر مشتمل تھا۔ اور دوسرے حصہ میں بھی فہرست نماز اور احکام مسجد سے متعلق ۷۱ر فتاویٰ تھے، جو ۱۱۲ر صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور اس کے تیسرے حصہ کا آغاز بھی طہارت و نماز کے بقیہ مسائل سے ہوا تھا۔ پھر ابواب فقہ کی ترتیب پر جنائز، زکاۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق، بیع، وقف، اجارہ، غصب، اور حظر و اباحت وغیرہ کے مسائل پر مشتمل فہرست مضامین کے ساتھ کل ۲۵۳ر فتویٰ کا گنجینہ تھا۔ یعنی پہلے تین حصوں میں کل ۳۶۷ر فتاویٰ تھے۔ اب یہ مجموعۂ فتاویٰ مکمل فہرست کے ساتھ ۳ر رسائل اور ۳۹۰ مسائل پر مشتمل ہے'' (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۱۷، ۱۸)

وہ تین رسائل یہ ہیں ☆ طرق الھدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارۃ و الجہاد (۱۳۴۱ھ) ☆ القسورۃ علیٰ ادوار الحمر الکفرۃ (۱۳۴۳ھ) ☆ شفاء العی فی جواب سوال بمبئی۔

سراج الامہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بارے دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا ''اگر دین ثریا کی بلندی پر بھی ہوتا تو فارس کا

ایک شخص اسے ضرور حاصل کر لیتا، یا یہ کہ فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کر لیتے'' (مسلم شریف، ج:۲، ص:۳۱۲)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ (۱۵۰ھ۔۲۰۴ھ) فرماتے تھے ''لوگ فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کے محتاج ہیں، میں نے کسی کو ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا'' (الخیرات الحسان ،ص:۲۹)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشن گوئی فرمائی اور حضرت امام شافعی نے جنہیں مرجع فقہا قرار دیا، تو ایسی پاکباز شخصیت کی تقلید فطرت انسانی کا تقاضا ہے، یہی سبب ہے کہ آج عالم اسلام کا تین حصہ فقہ حنفی کا مقلد نظر آرہا ہے۔ عالم اسلام کا عظیم علمی روحانی خانواد، ہ خانوادہ قادریہ رضویہ نے اپنی گردن میں فخریہ فقہ حنفی کا قلادہ ڈالا اور یہ خانوادہ تقریباً دوصدی سے فقہ حنفی کے ترجمان کی حیثیت سے معروف ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری رضوی بریلوی اسی خانوادہ کے ایک متبحر عالم دین اور عظیم فقیہ تھے۔

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ۷۵ رسال تک فقہ حنفی کی روشنی میں امت مسلمہ کے لاینحل مسائل کا حل پیش کر کے اصحاب فکروفن اور صاحبان علم وعرفان سے اپنی علمی جولانیت کا لوہا منوایا اور تاریخ فقہ حنفی میں ایک نئے باب کا اضافہ فرمایا۔ فتاویٰ مصطفویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ فتویٰ نویسی کے وقت فقہاء احناف کے دلائل اور مستخرج مسائل ہر وقت قلم کے نوک پر ہوا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

☆ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے لیکن ہمارے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز جنازہ جائز نہیں، فقیہ اسلام سیدی مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز سے سوال ہوا کہ فقہا احناف کے نزدیک نماز جنازہ غائب پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں حضرت مفتی اعظم ہند نے فقہ حنفی کی روشنی میں فتویٰ صادر

فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''نہیں، جنازہ کا پیش مصلیٰ رکھا ہونا ضروری ہے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، ص:۲۹۰)

☆ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک رفع یدین جائز ہے اور سراج الامہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کے نزدیک رفع یدین جائز نہیں، اس تعلق سے جب حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے استفتاء کیا گیا تو آپ نے بھر پور امام اعظم کے دلائل کی روشنی میں جواب ثبت فرماتے ہوئے رفع دیدین ناجائز لکھا، تفصیل کے لیے فتویٰ مصطفویہ کے صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۴ ملاحظہ کریں۔

☆ایک مجلس میں تین طلاق کو بعض ناعاقبت اندیش ایک طلاق قرار دیتے ہیں ، جب کہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگی، اس سلسلہ میں حضرت مفتی اعظم ہند سے استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب مرحمت فرمایا کہ ''صورت مستفسرہ میں بے شبہ طلاق ہوگئی، اب زید کو اس پر کوئی دسترس نہ رہی، وہ دونوں اجنبی واجنبیہ ہوگئے، عورت اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، اب بے حلالہ کبھی اس کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔'' (ایضاً، ص:۳۶۹)

فتاویٰ مصطفویہ میں تمام مسائل شرعیہ فقہ حنفی ہی کی روشنی میں بیان کئے گئے، جن مین چند کی مثال اوپر دی گئیں ہیں، اللہ تعالی بارگاہ قدس میں دعاء ہے ہ مولیٰ تعالیٰ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خاں قادری بن امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہما کے طفیل فقہ حنفی کو سربلندی عطا فرما۔

a a a a a

باب ششم

خدمات

☆ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف

مفتیٔ اعظم۔ایک ہمہ جہت شخصیت

علمائے دین ہی وہ مردانِ خدا ہیں جن کے سروں پر ہادی اعظم پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نیابت اور انبیائے کرام کی وراثت کا تاجِ عظمت اور دستارِ فضیلت آراستہ فرما کر انہیں انبیائے بنی اسرائیل کی مثل قوم وملّت اور بنی نوع انسان کی ہدایت و رہبری کا فریضہ انجام دینے والا قرار دیا ہے۔

اسلام نے علماء کو بہت ہی بلند و بالا مقام عطا کیا ہے۔اور ان پر خدمتِ دین اور انسانیت کی صلاح وفلاح اور ہدایت و رہنمائی کی بڑی ذمے داری عائد کی ہے۔

چونکہ ایک مفتی کا مرتبہ ایک عالم اور مولوی سے بڑا ہے اس لیے کہ ہر عالم مفتی نہیں ہوتا البتہ ہر مفتی عالم ہوتا ہے اور علماء کے مابین مفتی کی حیثیت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ستاروں کے جھُرمٹ میں چمکتے ہوئے چاند کی۔لہٰذا قوم وملّت کی ہدایت و رہبری اور انسانیت کی صلاح و فلاح نیز خدمت دین وخدمت خلق کی ذمہ داری اس پر بدرجہ اتم عائد ہوتی ہے۔

ویسے تو فی زمانہ مفتی ہونا بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔مفتی...مفت سے مفتی نہیں ہوتا بلکہ فتویٰ سے مفتی ہوتا ہے۔مفتی اور فقیہہ ہونا بہت ہی مشکل ہے۔فتویٰ دینا خدماتِ دینیہ میں سب سے اہم،سب سے دشوار اور سب سے پیچیدہ کام ہے۔ یہ ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں، مفتی سے زندگی اور بندگی کے تمامی امور سے متعلق سوال کیا جا سکتا ہے۔فقہا نے اگرچہ لاکھوں جزئیات کی تصریح فرما دی ہے مگر پھر بھی حوادث محدود نہیں۔سائنس اور ٹکنالوجی کی نت نئی ترقی اور ایجادات نیز سماجی اور تہذیبی

تغیرات سے آئے دن نت نئے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ اور یہی وقت ہوتا ہے جب ایک مفتی اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیق بینی و ژرف نگاہی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے۔ اور اسلام اور قانونِ اسلام کی ہمہ گیری و آفاقیت اور صداقت و حقانیت کا ثبوت دیتا ہے۔ اس کے لیے بڑی سوجھ بوجھ، بیدار مغزی، ذہانت و فطانت اور تبحّر علمی کی ضرورت ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مجتہدانہ شان اور فقہی آن بان کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ متصوفین نے فقہ کی تعریف کی ہے کہ ''فقہ دنیا سے اعراض کرنا، آخرت کی طرف رغبت کرنا، دین پر بصیرت رکھنا، عبادات پر مواظبت کرنا اور خلائق کو نصیحت کرنا ہے۔ تو اس تعریف کی رو سے مفتی اور فقیہہ کو متبحّر عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ متقی کامل بھی ہونا چاہیے۔ ایک مفتی کو علم اور فتویٰ کے جلال کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ عمل اور تقویٰ کے جمال کا بھی حامل ہونا چاہیے۔ مفتی کے لیے قلم کی پختگی کے ساتھ ساتھ قدم کی پختگی بھی ضروری ہے۔ مفتی کے نوکِ قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے قلم میں لرزش اور قدم میں لغزش آ گئی تو سمجھ لیجیے قصرِ شریعت کے ستون ڈگمگا اُٹھے اور قوم تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی۔

دین فطرت اسلام کی اکملیت کے قرآنی اعلان سے لے کر اب تک کے چودہ سو برسوں میں علم و عمل اور فتویٰ و تقویٰ کے جمال و جلال کے حاملین، مصطفیٰ جانِ رحمت کے نائبین و محبّینِ علم و عمل نے ہر دور میں اسلام کی حقانیت اور قانونِ اسلام کی بالا دستی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ علم و عرفان کے شہرستانوں میں اور عقیدہ و ایمان کے شبستانوں کو اجالا بخشا ہے۔ اور خدمتِ دین و خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دے کر اخلاق و تہذیب کے ماتھے کو غرورِ وقار اور سسکتی ہوئی انسانیت کے ہونٹوں کو طمانیت اور آسودگی کا تبسم عطا کیا ہے۔ ان ہادیانِ کرام نے قلب و نظر کی تطہیر اور اخلاق و کردار کی تعمیر کے کارنامے انجام دے کر اس ارضی کائنات کو جو حیاتِ تازہ بخشی ہے، انسانیت اس کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

ایسے ہی محسنین، سرکارِ ابد قرار کے محبّین و نائبین اور مصلحین و قائدین کی فہرست میں مملکت ہندوستان بھارت مہان کے دو اعاظم کے ناموں کا اضافہ ہو گیا ہے اور یہ مردانِ خدا اور غیرت مند عاشقانِ مصطفیٰ ایک ہی گھر کے دو افراد ہیں ایک باپ ہے دوسرا اس کا بیٹا۔ ایک کو زمانہ اعلیٰ حضرت کہتا ہے اور دوسرے کو مفتیٔ اعظم ہند۔

یہ مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان، مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے خلفِ اصغر ہیں۔ جن کی ولادت کی خبر مجددِ اسلام کو مارہرہ مطہرہ ہی میں ان کے مرشد زادے، استاذ اور مرکزِ عقیدت اور اپنے زمانے کے ولی کامل حضرت سیّدنا ابوالحسین احمد نوری نور اللہ مرقدہٗ نے دے دی تھی۔ اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ یہ بچہ اپنے زمانے کا عظیم مفتی و متقی اور عارف ہوگا۔ ابھی غنچہ چٹکا ہی تھا کہ اس کے کھل کر گلِ رعنا بننے اور چمن کے چمن مہکا دینے کی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی۔ حضرت نوری مارہروی نے اس نومولود کا نام آلِ رحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز فرما دیا تھا۔ محمد نام پر عقیقہ ہوا اور مصطفیٰ رضا پکارنے کا نام رکھا گیا۔ چھ ماہ کی عمر میں حضرت سیّدنا ابو الحسین احمد نوری نے بڑی برکتوں والے اس بندۂ رحمٰن اور نائب شاہِ جیلان مصطفیٰ رضا خان کو بیعت فرما کر جمیع سلاسل کی اجازت و خلافت سے نواز کر ان کی برکات، ان کی کرامات، ان کی ولایت و معرفت، ان کے استقامت و عزیمت، ان کے علم و فضیلت، ان کی عزت و عظمت، ان کی شہرت و مقبولیت، ان کے رشد و ہدایت، قیادت و امامت اور غوثیت مآب کی نیابت پر مہرِ تصدیق ثبت فرما دی۔

سات سال کی عمر میں حضرت مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان کے والد واجب الاحترام مجددِ اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ان کی ولایت کا اعلان فرما دیا اور عالمِ انسانیت کو ان سے فیضیاب ہونے کی خوشخبری سنا دی۔

ایک روایت کے مطابق چودہ سال کی عمر میں علومِ نقلیہ اور علومِ عقلیہ سے فراغت حاصل کر کے کارِ افتاء پر مامور کر دیئے گئے۔ اور دوسری روایت کے مطابق اٹھارہ سال کی عمر

میں فارغ التحصیل ہوئے اور کارِ افتاء پر مامور کیے گئے۔

مفتیٔ اعظم۔ تبحّرِ علمی اور عظمت فتویٰ نویسی

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کو ان کے ہم عصر علما اور مفتیانِ کرام نے عظیم فقیہہ و مفتی مانا ہے اور جیسا کہ ایک فقیہہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے علومِ دینیہ نقلیہ پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ علومِ عقلیہ سے بھی کماحقہٗ واقفیت حاصل ہو۔ یعنی فلسفہ و منطق، سائنس و ریاضی، نجوم ہیئت و عمرانیات، سیاسیات، اقتصادیات و معاشیات کا بھی علم ہو۔ اور عربی زبان وادب کے علاوہ اپنے ملکی اور قومی زبان وادب میں بھی وہ دسترس رکھتا ہو تو اس لحاظ سے بھی جب مفتیٔ اعظم کو علم وفضل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے تو وہ کھرے نظر آتے ہیں اور اپنے والد گرامی قدر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے بعد تنہا یہی ایسے عالم نظر آتے ہیں جو بھانت بھانت کے نقلی وعقلی علوم وفنون کے جامع ہیں۔

فقہ، اصولِ فقہ، لغتِ فقہ، حدیث، اصولِ حدیث، تفسیر، اصولِ تفسیر، جرح وتعدیل، علم اسماء الرجال، سیر وتاریخ، نجوم وہیئت، توقیت، تکسیر، فلسفہ، منطق، ریاضی، کیمیا، طبیعات، سلوک وتصوف، اخلاقیات، صَرف ونحو، قرأت وتجوید، عربی، فارسی اور اردو زبان وادب، عمرانیات، سیاسیات، اقتصادیات و معاشیات وغیرہ۔ وہ علوم وفنون ہیں جن میں حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو درجۂ اختصاص حاصل تھا۔

مسئلہ اذان ثانی پر علمائے رام پور سے جو بحث چھڑی ہے اور عالمِ نوجوانی میں مولانا مصطفےٰ رضا خان صاحب نے ان حضرات کے ابحاثِ علمیہ کے جو مدلّل ومفصل اور مُسکت جواب دیئے ہیں اس نے ان نامورانِ زمانہ کو خاموش کر دیا۔ وقایۃ اہل السنۃ، نفی العار اور مقتل کذب و کید وغیرہ کتابیں مفتیٔ اعظم کے علمی تبحّر اور ان کی حدیث دانی کی نہ کٹنے والی گواہیاں ہیں۔

حضرت علّامہ مصطفےٰ رضا خان صاحب کے محدثانہ منصب پر علامہ ارشد القادری صاحب اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''حضور مفتیِ اعظم کو اب تک لوگ اپنے وقت کے ایک فقیہہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت

رکھنے والے ایک فقید المثال، وحید العصر اور امیر کشور افتاء کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن ''وقایۃ اہل السنۃ'' کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتیٔ اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے دور میں فن حدیث کے امامِ اعظم بھی تھے۔'' (ماہنامہ حجازِ جدید دہلی بابت ماہ مارچ ۹۲ء، ص: ۳۲)

جس زمانے میں امریکی خلابازوں نے چاند پر پہنچنے کا اعلان کیا تو علما میں ایک عجیب خلفشار مچ گیا۔ مفتیٔ اعظم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے ثابت کر دیا کہ چاند آسمان میں نہیں ہے اور زمین سے اس کی دوری بھی بہت زیادہ نہیں۔ لہٰذا اگر خلا باز چاند پر پہنچ گئے تو اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ وہ آسمان پر پہنچ گئے۔ اسی موقع پر چند علمائے کرام نے قرآنِ حکیم کی اس آیت ''والشمس تجری لمستقر لھا'' کے متعلق یہ اشکال پیش کیا کہ ''تجری'' سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج چلتا ہے اور ''لمستقر لھا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ تو ایک قرارگاہ میں ٹھہرا رہنا اور حرکت بھی کرنا یہ دونوں باتیں کیسے درست ہو سکتی ہیں۔ اس پر حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان نے جواب دیا کہ ''حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا رضی اللہ عنہا کو فرمایا گیا ''ولکم فی الارض مستقر'' تو کیا وہ زمین کے ایک ہی حصہ پر ٹھہرے رہتے تھے، چلتے نہیں تھے، اپنے مستقر میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جائے رفتار سے اپنے منزل سے باہر نہیں رہتا۔ چلتا ہے مگر اپنے دائرۂ حرکت میں۔''

حضرت مصطفیٰ رضا خان صاحب کے اس جواب سے علمائے کرام کو تشفی ہو گئی۔ اس جواب سے حضرت مصطفیٰ رضا خان صاحب کی فلسفیانہ اور سائنسی بصیرت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور ان کی مفسّرانہ حیثیت اور مقام و مرتبہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

فلسفہ و سائنس اور نجوم و ہیئت میں مولانا مصطفیٰ رضا خان نور اللہ مرقدہٗ کی مہارت دیکھنے کے لیے اپنے عہد کے عظیم فلسفی و سائنس داں اور ریاضی اور ہیئت نجوم کے ماہر اعلیٰ حضرت بریلوی کا یہ اعتراف ہی کافی ہے جو وہ اپنے خلف اصغر حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’ولد الاعز ابو البرکات محی الدین جیلانی آل رحمٰن معروف بہ مولوی مصطفیٰ رضا خاں سلمہٗ الملک المنان وابقاہ والی معالی کمالاتِ دین والدنیا رقاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو ردفلسفہ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے، اگر چہ دم الآخرین یکجا نہ ہو۔ایک کتاب ردّ فلسفہ جدیدہ میں رہے اور دوسری ردفلسفہ قدیمہ میں اور ’’مقاصد فوزِ مبین‘‘ میں اجنبی سے فصل طویل نہ ہو۔ یہ رائے فقیر کو پسند آئی۔‘‘ (الکلمۃ الملہمہ از اعلیٰ حضرت بریلوی، ص:٦)

کسی بھی علمی مسئلہ میں اعلیٰ حضرت کو مشورہ دینا اوران کے اس مشورہ کو پسند فرما کر قبول کر لینا بہت ہی بڑی بات ہے۔اس سے مشورہ دینے والے کی علمی جلالت اور تبحّر علمی کا اظہار ہوتا ہے۔

مفتی مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے ’’التفصیل الانور‘‘ نامی کتاب میں صوت وصدا کے اصول ونظریات پر بڑی ہی فلسفیانہ بحث کی ہے۔ایک انرجی کے دوسرے انرجی میں تبدیل ہونے کے نظریہ پر بھی انہوں نے روشنی ڈالی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر سے نماز کے عدم جواز اور فاسد ہونے پر مصطفیٰ رضا خان صاحب نے جو فتویٰ لکھا ہے اوراس میں صوت اور صدائے بازگشت پر جو بحث کی ہے اس کے چند نمونے ملاحظہ کریں۔اور عقلی علوم میں ان کی دسترس اور معلومات کا اعتراف کریں:

(۱) ’’لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں، مماثل آوازِ امام ہے اور مقتدی نماز میں غیر کی اتباع کرے یہ مفسد۔‘‘

(۲) ’’لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانی والی آواز متکلّم کی اصلی آواز نہیں ہے۔‘‘

(۳) ’’صدائے بازگشت سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے، تو لاؤڈ اسپیکر کی آواز سن کر اقتدا کرنا کیسے درست ہوگا؟‘‘

مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب نے سیاسیات سے متعلق مولانا عبد الباری فرنگی محلی اور امام احمد رضا بریلوی کے درمیان مراسلات کو ’’الطاری الداری لھفوات عبد الباری‘‘ کے نام سے تین حصوں میں مرتب کر کے مؤرخین کے لیے ایک تاریخی دستاویز مہیّا کر دی۔

اپنی ایک کتاب ''طرق اہدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارۃ والجہاد'' میں انہوں نے خلافت کی جو تعریف اور خلیفہ ہونے کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں ان سے علمِ سیاسیات میں ان کی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''خلافت کا مستحق وہ ہے جو ساتوں شرطِ خلافت کا جامع ہو یعنی مرد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، مسلم ہو، حُر ہو، قادر ہو، قریشی ہو۔ یہ ساتوں شرطیں ایسی ضروری ہیں کہ ان میں سے ایک بھی کم ہوگی خلافت صحیح نہیں ہوگی، تمام کتب عقائد میں اس کی تصریح ہے۔'' (ص:۴۶)

اسی کتاب ''طرق الہدیٰ والارشاد'' میں مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب نے ''فتنہ و فساد کو سخت شنیع وقبیح'' بتایا ہے۔ (ص:۲۹) اور مسلمانوں کی عزت اور جان و مال خصوصاً ان کی جان کی حفاظت کو اعظم فرائض نماز سے بھی اہم تر بتایا ہے۔ (ص:۲۸،۲۹) حضرت مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے یہ نظریات ان کی سیاسی بصیرت کی شاہد ہیں، حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خان صاحب نے مسلمانوں کو عدم تشدد، امن پسندی اور سچائی و اپنے دین پر سختی سے قائم رہنے کا پیغام دیا ہے۔

مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب نے اپنی فقہی بصیرت سے کام لے کر بینک اور ڈاک خانہ کے منافع کو مسلمانوں کے لیے جائز کر کے اپنے تفقہ فی الدین کے ساتھ ساتھ، اپنے اقتصادی و معاشی نظریات کے جمال کا بھی نظارہ کرایا ہے، مولانائے محترم نے مسلمانوں کو مشرکانہ میلوں میں جانے سے روکا ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ ۱۶۷) اور انہیں لہو ولعب میں پڑنے سے بھی منع کیا ہے۔ انہیں عمرانیات وسماجیات جیسے علوم میں بھی مہارت تھی۔

مفتی مصطفیٰ رضا خان صاحب عربی زبان و ادب میں بھی عبور رکھتے تھے۔ نجدی سعودی حکومت نے حجاج پر جو حج ٹیکس لگایا تھا اس کے رد میں ۱۹۴۵ء میں انہوں نے جو فتویٰ عربی زبان میں لکھا ہے اور جس کا نام ''القنابل الذریه علی الکوشان النجدیه'' ہے اس فتویٰ میں ان کی عظمت افتاء کے ساتھ ساتھ عربی دانی کا بھی کمال آشکارا ہوتا ہے۔ اس فتویٰ کو دیکھ کر حرمین طیبین کے علما نے متفقہ طور پر یہ کہا تھا ''ان هذا

الالہام۔''

فارسی زبان وادب میں بھی علامہ مصطفیٰ رضا خان صاحب عبور رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں جگہ جگہ فارسی کے اشعار، مصرعے، مقولے اور ضرب الامثال ملتے ہیں۔ رہی اردو زبان وادب کی بات تو وہ ان کے اپنے گھر کی زبان تھی۔ ان کے گھر سے اردو شعر وادب کو ایک نئی راہ ملی ہے۔ ان کے والد اعلیٰ حضرت جیسا عظیم نعت نگار اردو دنیا میں آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان کے چچا مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی غزلیہ اور نعتیہ دونوں شاعری میں اپنا ایک خاص مقام ومرتبہ رکھتے ہیں۔

مولانا مصطفیٰ رضا خان نے اردو کے فروغ کے لیے جگہ جگہ مدارس قائم کرائے اور اردو زبان میں تعلیم دینے کا انتظام کیا۔ آپ ہی کی تحریک پر مولانا حشمت علی بریلوی نے ''شمع ہدایت'' نامی کتاب کے کئی حصے مرتب کیے تاکہ مسلم بچے بآسانی اردو زبان میں دینی معلومات حاصل کرسکیں۔

مفتی مصطفیٰ رضا خان بیک وقت شاعر وادیب بھی تھے اور شارح وناقد بھی تھے۔ ابتدا میں یہ شیدا تخلص فرماتے تھے، بعد میں انہوں نے اپنے مرشدِ برحق حضرت سیّدنا ابوالحسین احمد نوری کے نام پر اپنا تخلص نوری رکھا۔ مولانا موصوف فنافی المرشد تھے، فرماتے ہیں ؎

فقط نسبت کا جیسا ہوں حقیقی نوری ہو جاؤں
مجھے جو دیکھے کہہ اٹھے میاں نوری میاں تم ہو

شیداؔ تخلص کے ساتھ ایک نعتیہ غزل کا مقطع مولانائے محترم نے اس طرح کہا ہے ؎

ظلمتِ مرقد کا اندیشہ ہے شیداؔ کے لیے
لے کے آئیں گے لحد میں شافع محشر چراغ

(تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ جلد دوم از سیّد تعظیم علی نقوی شایاں بریلوی، ص:۷۵۹)

مفتی صاحب موصوف کی شاعری ان کی عقیدت اور عقیدے دونوں کی مظہر ہے۔ ان کے کلام میں عشقِ مصطفوی کے خلوص کی بڑی تہہ داریاں پائی جاتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ

ہوں۔

خدا ایک پر ہو تو اِک پر محمد اگر قلب اپنا دو پارہ کروں میں

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے ہاں حسیں تم ہو جو فتنے مٹا کر چلے

سنگ درِ جاناں پہ کرتا ہوں جبیں سائی سجدہ نہ سمجھ زاہد سر دیتا ہوں نذرانہ

سنگ درِ جاناں ہے ٹھوکر نہ لگے اس کو ہوش پکڑ اب تو اے لغزشِ مستانہ

مفتی صاحب قبلہ کے نعتیہ دیوان کا نام ''سامانِ بخشش عرف گلستاں نعت نوری'' ہے ان کا دیوان واقعی بخشش ونجات کا سامان ہے۔

مفتی مصطفٰے رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ایک بہترین نثّار بھی تھے۔ان کے یہاں نثر عاری نثر سلیس اور سلیس رنگین وغیرہ ہر طرح کے نمونے ملتے ہیں۔انہوں نے انشاء پردازی کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔

ماہنامہ نوری کرن کے محدّث اعظم نمبر میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے محدّث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ کے بارے میں اپنے قلبی تاثرات پیش کیے تھے۔اس میں انشاء پردازی کی جو جھلک ہے وہ ملاحظہ کریں:

''وہ میرا چاند تھا جو بڑھتا ہی رہا، کبھی نہ گھٹا جو اپنی رفتار سے، اپنی گفتار سے، اپنے کردار سے، فتنوں، فسادوں، کفر و گمراہی کی ہر گھٹا کو دفع کرتا رہا۔ کبھی گھٹاؤں میں نہ چھپا، کتنی ہی دھولیں اڑیں، کتنا ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا وہ چمکتا، جگمگاتا ہی رہا۔ وہ میرے دین کا چاند تھا۔ دین کا چاند بڑھتا ہی رہتا ہے، آسمانِ دنیا کے چاند کی طرح بار بار گھٹتا اور اترتا اور اتر کر غائب نہیں ہوتا۔ وہ میرا چاند تھا جس نے ملک میں بہت سے چاند روشن کیے۔''

مفتیِ مکرم کی مسجع و مقفّٰی تحریر دیکھیں اور اس میں طنز لطیف کی ایک ہلکی سی جھلک بھی ملاحظہ کریں:

''یہ ہے آپ کی سندوں کا بھاگ، یہ ہے آپ کے کمل کا باگ، یہ ہے آپ کی کتابوں کی قطار، یہ ہے آپ کی مقتل روایتوں کی پکار۔

شرم بادت از خدا و رسول...''

(مقتل کذب و کید از مولانا مصطفےٰ رضا خاں، ص:۱۲)

مفتی مصطفےٰ رضا خان صاحب کو اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت کی طرح تاریخ گوئی میں بھی درک حاصل تھا۔ تاریخ گوئی ایک بہت ہی مشکل فن ہے۔ اردو شعرا کو اس فن سے کافی دلچسپی رہی ہے۔ شعرا میں ناسخ، انشا اور مومن وغیرہ مشہور تاریخ گو گزرے ہیں۔ مفتی صاحب کی زیادہ تر کتابوں کے نام تاریخی ہیں۔ جن سے ان کی سن تصنیف کا پتہ چل جاتا ہے۔

''القول العجیب فی اجوبتہ التثویب'' (۱۳۳۹ھ) القسورہ علی ادوار الحمرہ الکفرہ (۱۳۴۳ھ) الحجۃ واہرہ الحجۃ الحاضرہ (۱۳۴۳ھ) طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد (۱۳۴۱ھ) وغیرہ ان کی کتب کے نام تاریخی ہیں۔

انہوں نے محدث اعظم پاکستان کے وصال پر بیس تاریخی مادے صرف بیس منٹ میں استخراج فرمائے تھے۔ انہیں تاریخ گوئی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ حضرت مولانا مفتی مصطفےٰ رضا خان صاحب کو ''مفتیٔ اعظم'' ان کی فتویٰ نویسی کی عظمت ہی کی بنیاد پر کہا گیا تھا۔ انہوں نے اپنا پہلا فتویٰ ''مسئلہ رضاعت'' پر بغیر کوئی کتاب دیکھے لکھا تھا۔ ان کے والد ماجد مجددِ اسلام اعلیٰ حضرت نے اس فتویٰ میں کسی ترمیم و اصلاح کی گنجائش نہ پاکر از حد مسرت کا اظہار فرمایا اور ''صح الجواب بعون الملك الوهاب'' لکھ کر تصدیق فرمائی۔ اور ''ابو البرکات محی الدین جیلانی آل رحمٰن محمد عرف مصطفےٰ رضا'' کی مہر بنوا کر عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت کا ان کے فتویٰ کی تصدیق اور مہر عطا کرنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عصرِ جدید اور عالمِ اسلام کے عظیم مفتی و فقیہہ نے انہیں مفتی و فقیہہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔ اور وہ وقت آنے والا ہے جب ان کے عہد کے مفتیانِ کرام اس نوجوان العمر مفتی کو امام الفقہا اور مفتیٔ اعظم تسلیم کر کے ہر میدان میں اس کی امامت اور قیادت بھی تسلیم کریں گے۔

مفتیٔ اعظم مصطفےٰ رضا خان کی جوانی ہی کا دور ہے، مجددِ اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی نے وقت اور ماحول کے تقاضے کے مطابق ایک ''دار القضاء'' کے قیام کی ضرورت

محسوس کی اور ''دار القضاء'' قائم کر کے اپنے ایک خلیفہ صدر الشریعہ علامہ امجد علی جن کی فقاہت کا اعتراف خود اعلیٰ حضرت کو بھی تھا، کو قاضی بنایا اور مفتیٔ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب اور برہانِ ملّت مولانا برہان الحق جبل پوری کو مفتی دار القضاء کے منصب پر فائز فرمایا۔ اس دار القضاء میں اگرچہ مفتیٔ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب صدر الشریعہ کے ماتحت تھے، مگر غور کا مقام ہے کہ ایک کہنہ مشق مفتی وفقیہہ کو مرکزی دار القضاء یعنی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنا کر ایک نوعمر مفتی کو اس کے مشیروں یا بنچ کے ججوں میں ایک مشیر کی حیثیت دی۔ اور یہ بہت بڑا اعزاز تھا، جو اچھے اچھے کہنہ مشقوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ بعد میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس ماتحت کو اپنے سے بھی بڑا مفتی اور فقیہہ مانا اور ان کا مفتیٔ اعظم ہونا تسلیم کرلیا۔ انہیں صدر الشریعہ نے ابتدا میں لاؤڈ اسپیکر سے نماز کے عدم جواز کے مفتیٔ اعظم کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کیا مگر جب مفتیٔ اعظم کے فتویٰ کو بار بار پڑھا، مفتیٔ اعظم کے ابحاث ودلائل کو پرکھا تو ان کے تفقہ کا اعتراف کرتے ہوئے رجوع کرلیا اور مفتیٔ اعظم کے فتویٰ کی تصدیق کی۔

ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رام پور شمارہ ۹، جلد ۶۶، ص: ۲۰۶، اگست ۱۹۲۸ء میں شائع شدہ خبر کے مطابق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے عرس منعقدہ ۲۵ / صفر المظفر ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کے موقع پر حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں کے برادرِ اکبر امام احمد رضا بریلوی کے جانشین اوّل اور آستانۂ عالیہ رضویہ کے صاحبِ سجادہ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تجویز پاس کی کہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں کو ''مفتیٔ اعظم ہند'' کہا جائے۔ عرس میں شامل علما ومشائخ نے اس کی تائید کی اور اتفاقِ رائے سے منظور کر کے مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب کو ''مفتیٔ اعظم'' مان لیا۔ مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب کے فتاویٰ کی ہند اور بیرونِ ہند کے اکابر علما ومفتیانِ کرام نے تصدیق کی ہے۔

علمائے ہندوستان:۔

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب، مفتی محمد حسنین رضا خاں، صدر الشریعہ علامہ

امجد علی اعظمی، صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی، علامہ سیّد اولادِ رسول محمد میاں مارہروی، محدّث اعظم ہند علامہ سیّد محمد میاں کچھوچھوی، مفتی محمد اسماعیل محمود آبادی، علامہ محمد مختار احمد صدیقی میرٹھی، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری، مفتی عبد السلام جبل پوری، مفتی برہان الحق جبل پوری، شیر بیشۂ سنّت علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی، مفتی مظہر اللہ دہلوی، حافظ ملّت علامہ عبد العزیز مبارک پوری، مجاہد ملّت علامہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی، علامہ سیّد غلام قطب الدین سہسوانی، صدر العلما علامہ سیّد غلام جیلانی میرٹھی، سیّد العلما علامہ سیّد آلِ رسول مارہروی، علامہ احسان علی محدث اعظم بہار، علامہ مبین الدین امروہوی، علامہ سیّد افضل حسین بہاری، نائب مفتیِ اعظم علامہ شریف الحق امجدی، قاضی عبد الرحیم بستوی، مفتی غلام محمد ناگپوری، مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب نے حضور مفتی اعظم کو مفتی اعظم مانا۔ نائب مفتیٔ اعظم مفتی شریف الحق امجدی، مولانا مصطفٰے رضا خاں مفتیٔ اعظم کے بارے میں اس طرح اعترافِ حقیقت کرتے ہیں:

''حضرت مفتیٔ اعظم ہند جیسے والدہ کے شکمِ پاک سے ولی بن کر آئے تھے، اسی طرح مفتیٔ اعظم بن کر بھی آئے تھے... اور شیخ، شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ، شیخ العرب والعجم ہیں ... تمام خواص حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے مقتدائے انام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک ایک فرد حضرت مفتیٔ اعظم ہند کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہہ، سب سے بڑا وارثِ نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ، سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔'' (ماہنامہ حجاز دہلی جون ۱۹۹۲ء ص: ۲۲، ۲۴، ۳۶)

خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے عظیم وجلیل شہزادے، مشہور زمانہ عالمِ دین اور شیخِ طریقت، محدث اعظم ہند حضرت سیّد محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے بنارس سنّی کانفرنس منعقدہ ۲۷ر تا ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء میں بار بار مولانا مصطفٰے رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ''مفتیٔ اعظم ہند'' کہہ کر مخاطب کیا اور اپنے خطاب میں ہر معاملہ میں مسلمانوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دی۔ (ملخصاً ماہنامہ المیزان اپریل ۱۹۸۷ء ص: ۱۴۱)

انہیں محدث اعظم علیہ الرحمہ نے حضرت مفتیٔ اعظم کے فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے اس طرح لکھا:

"ھذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع۔" "یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" (کتابچہ، حضور مفتیٔ اعظم ہند مرتبہ سیّد علامہ محمد مدنی میاں، ص:۸)

علمائے پاکستان:۔

مفتی اعجاز ولی خاں، مفتی تقدس علی خاں، محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد، مفتی عبدالکریم درس، مفتی خلیل احمد خاں برکاتی، مفتی محمد غلام جان ہزاروی، ابوالبرکات علامہ سیّد احمد، ابوالحسنات علامہ سیّد دیدار احمد، غزالی دوراں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور مفتی محمد حسین سکھروی، علامہ شمس بریلوی اور علامہ محمد اعظم سعیدی وغیرہم۔

علمائے خانوادہ غوثِ اعظم:۔

حضرت سیّدنا سیّد پیر عبدالمعبود گیلانی اور حضرت سیّدنا سیّد طاہر علاء الدین رحمۃ اللہ علیہما

علمائے حرمین شریفین:۔

قطب مدینہ حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ، حضرت علامہ سیّد عباس علوی مالکی، حضرت علامہ امین قطبی، حضرت علامہ محمد نور مکی، حضرت علامہ فضل الرحمٰن مدنی وغیرہم نے بھی حضور مفتی اعظم ہند کو مفتی اعظم کی حیثیت سے دیکھا۔

مفتیٔ اعظم کا حزم واتقا

خوفِ الٰہی کو تقویٰ کہتے ہیں اور یہی خوفِ الٰہی سینۂ مومن کو حبِّ رسالت پناہی سے مزین و مستنیر کر کے اس کے وجود کو سجا دیتا ہے۔ اور اسے اخلاق و کردار، دیانت و امانت، شرم وحیا، غیرت وحمیّت، تقدس و پاکیزگی، عدل وانصاف، احسان و مروّت اور زہد وعبادت کے ایسے پیکر میں ڈھال دیتا ہے کہ اسے دیکھ کر دیکھنے والا کہہ اٹھتا ہے کہ ہم نے رسولِ کریم علیہ السلام کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی ہے۔

مفتیٔ اعظم ہند کاروانِ زہد کے سالار، شہرِ تقویٰ کے شہر یار اور محتاطین کے امام تھے۔ وہ کبھی اندرونِ مسجد پانی تک نہیں پیتے تھے۔ گھر پر اپنے وضو کے لیے کبھی مسجد کے سقاولے سے گرم پانی نہیں لیا۔ مدرسہ کے مطبخ سے حقہ کے لیے کبھی آگ نہیں لی۔ بغیر اجازت لیے دوسرے کے قلم سے دوسرے کے کاغذ پر تعویذ نہیں لکھا۔ کسی عورت کو برقع میں ہوتے ہوئے بھی سامنے بٹھا کر مرید نہیں کیا۔ کسی بھی دعوت میں صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر اپنے حصہ کا بچا ہوا شوربہ نہیں پیا۔ منہ سے بدفال نکالنے، ناموں کو توڑ کر اور بگاڑ کر بولنے سے لوگوں کو ہمیشہ منع کیا۔ کوئی اپنا ہو یا پرایا کسی سے بھی کوئی غیر شرعی حرکت دیکھ کر چپ نہ رہ سکے۔ ان کی دوستی اور عداوت کا معیار ''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' تھا وہ ''الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون'' کی تفسیر تھے۔ انہوں نے رخصت پر عمل نہ کر کے عزیمت پر عمل کیا۔ ان کے اندر تواضع وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ اسلامی مساوات کے علم بردار اور پیکرِ خلوص وایثار تھے۔

شہزادۂ محدث اعظم حضرت علامہ سیّد محمد مدنی میاں صاحب مفتیٔ اعظم کو ان لفظوں میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے اسوۂ جمیل کا کیا ہی خاکہ پیش کرتے ہیں:

''بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین و اذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسولِ کریم علیہ السلام کے اقوال سنے اسی یقین و اذعان کے ساتھ حضور مفتیٔ اعظم ہند کو دیکھنے والے کو یہ حق ہے کہ وہ کہے ہم نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی۔''

(کتابچہ حضور مفتیِ اعظم ہند، ص: ۱۲)

مفتیٔ اعظم اور عشقِ رسالت مآب علیہ السلام

عشقِ سرورِ کونین علیہ السلام ہی جان بھی ہے اور ایمان بھی۔ مفتیٔ اعظم کی دینی خدمات، سنّت کی اتباع، فتویٰ نویسی، عبادت و ریاضت، بیعت وارشاد، وعظ و نصیحت، حق گوئی، حسنِ اخلاق و کردار غرض کہ ان کی حیات کا لمحہ لمحہ اس بات کا گواہ ہے کہ انہوں نے اسے صرف اور صرف غلبۂ اسلام اور شریعت کے تحفظ کے لیے صرف کر دیا۔ اسی کا نام تو عشق

رسول ہے۔ ساداتِ کرام کا احترام، علمائے دین اور طلبائے علمِ دین سے محبت بھی اسی عشق کا غمّاز ہے۔

مفتیٔ اعظم کو اپنے عشق پر کس قدر اعتماد ہے کہ فرماتے ہیں۔

خدا ایک پر ہو تو اک پر محمّد
اگر قلب اپنا دو پارہ کروں میں

مفتیٔ اعظم کو اپنے ٹوٹے ہوئے دل پر اس لیے ناز ہے کہ وہ کاشانۂ شاہ ہے یعنی شاہ دین علیہ السلام کا کاشانہ ہے، کہتے ہیں۔

میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے
ہے ٹوٹا ہوا دل ہی اس شاہ کا کاشانہ

مندرجہ ذیل اشعار مفتیٔ اعظم کے عشق رسالت مآب کے آئینہ دار ہیں۔

ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر
یوں ہی زندگانی گزارا کروں میں
خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوریؔ
مدینے کی گلیاں بہارا کروں میں
دل ہے کس کا جان کس کی سب کے مالک ہیں وہی
دونوں عالم پر ہے قبضہ احمد مختار کا

مفتیٔ اعظم اور خدمتِ خلق

مفتیٔ اعظم نے غربا و مساکین اور یتیموں و بیواؤں کی پرورش ہی نہیں کی بلکہ انہیں زندگی کا حوصلہ دیا۔ تعویذ و دعا کے ذریعے انہوں نے خلقِ خدا کی وہ خدمت کی جس کی اس دور میں مثال نہیں ملتی۔ مفتیٔ اعظم کے آستانہ پر سبھی قوموں اور مذاہب کے ضرورت مند آتے تھے وہ غیر مسلموں کو مسلمانوں سے پہلے تعویذ عطا کرتے تھے۔ ان کی دعا سے ایک غیر مسلمہ سندھی عورت کی گود ہری ہوگئی تھی۔ یہ واقعہ رازؔ الٰہ آبادی نے اور بعدہٗ راقم السطور نے اپنی

کتاب ''مفتیٔ اعظم ہند'' میں پیش کیا ہے۔حضور مفتیٔ اعظم کا در ہر ایک کے لیے کھلا ہوا تھا۔

مفتیٔ اعظم اور ہدایت و رہبری

مفتیٔ اعظم نے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو بیعت کر کے ان کے ایمان وعقائد کا تحفظ کیا۔مفتیٔ اعظم نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے۔انہوں نے غیر مسلموں کو بھی آداب سکھائے ہیں۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک شخص سرِ بازار کھڑا کچھ کھا رہا تھا۔حضرت مفتیٔ اعظم نے اسے ٹوکا اور بیٹھ کر کھانے کو کہا پہلے اس نے ان کی بات پر توجہ ہی نہ دی۔دوبارہ ٹوکنے پر وہ بولا میاں صاحب میں مسلمان نہیں ہوں، اس پر حضرت نے برجستہ فرمایا،''انسان تو ہو، انسان جانوروں کی طرح نہیں کھاتے پیتے۔'' یہ تھا مفتیٔ اعظم کا اندازِ ہدایت۔

مفتیٔ اعظم کی ذات بذاتِ خود ایک درس گاہ تھی۔ان کی محفل کا تو یہ عالم تھا کہ جو چند ساعت کے لیے بھی اس میں حاضر ہوا اس نے محفل سے جانے کے بعد یہی اقرار کیا۔

ابھی ابھی تیری محفل سے اٹھ کر آیا ہوں
بہت قریب سے دیکھی ہے زندگی میں نے

مفتیٔ اعظم کا مقامِ دعوت وعزیمت

دعوت وتبلیغ تجارت وسوداگری کا نام نہیں ہے۔یہاں صرف دنیا ہی دنیا ہے۔اس دنیا میں نفع وحصول اور دولت وثروت کی حکمرانی نہیں چلتی۔ یہاں تو ایثار وقربانی کی فرماں روائی ہے۔

حضور مفتیٔ اعظم کو دیکھنے والے، ان کے حالات جاننے والے، ان کے شہر کے لوگ، مسلمین ہی نہیں غیر مسلمین بھی اس بات کے لیے حلف اٹھا سکتے ہیں کہ بریلی کے بڑے مولوی صاحب نے کوئی بھی شرعی مسئلہ بتانے،فتویٰ دینے یا دعا وتعویذ پر کبھی کسی سے ایک پائی تک نہ لیا۔تعویذ ودعا سے پہلے اگر کسی نے بطور تحفہ یا نذر کچھ پیش بھی کیا ہے تو اسے واپس کر دیا ہے۔اپنی یا اپنے والد ماجد کی تصانیف کی اشاعت کے سلسلے میں کسی مرید، کسی محب یا

نیاز مند یا کسی سے بھی کسی طرح کا تعاون یا چندے کی اپیل کی، نہ ہی کسی سے کوئی رقم اور مالی امداد لینا گوارہ فرمایا۔ ان کے والد گرامی وقار اعلیٰ حضرت سرکار نے فرمادیا تھا:

''تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعتِ دین و حمایتِ سنّیت میں جلب منفعت کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصۃً لوجہ اللہ ہو۔''

a a a a a

☆علامہ ملک الظفر سہسرامی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

علمائے حق پسند جنہوں نے علمِ دین کی روشنی میں عمل کے چراغ جلائے، جن کے دلوں سے خشیتِ ربّانی کے آبشار پھوٹ رہے ہیں، جو دنیا میں رہے تو شانِ بے نیازی کے ساتھ اور دنیا سے رخصت ہوئے تو جلال شاہانہ کے ساتھ۔ ان کے تعلق سے شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبالؔ نے کہا تھا ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ — جس فقر سے آتی ہو بوئے اسداللّٰہی

عطار ہو، رومی ہو شامی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے بے آہِ سحر گاہی

علم اور علمائے حق پسند کی فضیلت اور ان کی برتری کی شہادت خود کلامِ الٰہی پیش فرما رہا ہے: وَاِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ۔

مذکورہ آیت کے تحت صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ خزائن العرفان میں رقم طراز ہیں: اور اس کی صفات کو جانتے، اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں۔ جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزت و شان سے باخبر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قسم اللہ عزوجل کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔

آیت قرآنیہ کی روشنی میں اس امر کی بخوبی نشاندہی ہوتی ہے کہ علمِ دین میں جس قدر گہرائی و گیرائی ہوگی خشیتِ الٰہی کی تجلیاں بھی اسی قدر ایوانِ دل کو منور و تابناک کر رہی ہوں

گی۔ علمِ دین ہی تو وہ سوتا ہے جس سے خوفِ خداوندی اور خشیتِ الٰہی کے آبشار پھوٹتے ہیں اور عالمِ دین کا ظاہر و باطن منور و تابناک ہوتا نظر آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَيْسَ الْعِلْم بكثرة الحديث ولكن العلم بكثرة الخشية۔ ترجمہ: بہت ساری حدیثیں یاد کرلینا یا بہت باتیں کرلینا علمِ دین نہیں بلکہ خشیتِ الٰہی کی کثرت و زیادتی سے علم کا معیار و وقار متعین ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا ربیع بن انس بیان فرماتے ہیں: مَنْ لَمْ يَخْشَ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ۔ ترجمہ: جس کے دل میں خشیتِ الٰہی کی شمع نہ جل رہی ہو وہ عالمِ دین نہیں۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انما العالم من خشی اللہ۔ ترجمہ: عالمِ دین وہی ہے جس کے دل میں خشیتِ الٰہی کے آبشار پھوٹ رہے ہیں۔

چودھویں صدی کے نقطۂ آغاز پر ہندوستان کی علمی سرزمین بریلی شریف میں سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بابرکت گھرانے میں پیدا ہونے والی عبقری شخصیت ابوالبرکات آل الرحمان حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ کے منظرنامے پر تاریخ کا طالب علم جب نگاہِ تلاش وجستجو ڈالتا ہے تو یہ اقرار واعتراف اس کی نوکِ قلم کی زینت بنتا ہے کہ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں ایک ایسے ہی عالمِ دین تھے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور حیات کی ایک ایک ساعت خوفِ الٰہی اور خشیتِ ربّانی کے سائبان میں گزر رہی تھی۔ یقیناً علم و عمل، زہد وتقویٰ، توکّل و استغنا، پارسائی وراستبازی کی ایک جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویر تھے۔ لاریب وہ اس شعر کے پیکرِ جمیل تھے ؎

جسے دیکھتے ہی خدا یاد آئے فرشتوں سے بڑھ کر وہی آدمی ہے

(علامہ ضیا سہسرامی)

وہ حضرت اپنی قسمت پر جس قدر ناز کریں کم ہے جن کی نگاہوں نے اس پیکرِ علم وعمل کی تصویر سجانے کی سعادتیں حاصل کیں۔ یقیناً ان کی صحبتِ بابرکات میں جو لمحات گزارے

وہ سرمایۂ حیات قرار پائے۔ حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی نے ایک مرتبہ فرمایا: ’’حضرت مفتیِ اعظم ہند مدظلہٗ سے اس عمارت کا افتتاح اوران سے بخاری شریف کا ایک سبق پڑھ لینا بہت بڑی سعادت ہے۔ وہ بلاشبہ ولی ہیں۔ آج جوان سے سبق پڑھ رہا ہے کل اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں نے مفتی اعظم ہند سے ایک سبق پڑھا ہے۔ جواُن سے بیعت ہوگا اسے اِس پر فخر ہوگا کہ میں مفتیِ اعظم ہند سے بیعت ہوا ہوں۔ جواُن سے مصافحہ کرے گا وہ اس پر فخر کرے گا کہ میں نے انھیں دیکھا ہے۔ وہ علم وفن کا سمندر ہیں۔‘‘ (بحوالہ تاجدارِ اہلسنّت)

حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زبانِ اقدس سے سرکار مفتیِ اعظم ہند کی شان میں یہ کلمات اس حقیقت کی ترجمانی ہیں ’’ولی را ولی می شناسد‘‘۔ جن لوگوں کو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے ملاقات وزیارت، بیعت وطریقت، مصافحہ ومعانقہ، دست بوسی و قدم بوسی یا شاگردی وجاروب کشی کی سعادتیں حاصل ہوئی یقیناً انہیں اپنی قسمت پر فخر و ناز ہے۔ ایک مجلس میں ایک انجینئر صاحب جو سلسلۂ برکاتیہ سے وابستہ ہیں راقم السطور سے کہنے لگے کہ مولانا! اگر ان آنکھوں نے حضور مفتیِ اعظم ہند، حضور مجاہد ملت، حضور حافظِ ملت علیہم الرحمۃ والرضوان جیسے اکابر علمائے اہلسنّت کی زیارت سے آنکھیں شادکام نہ کی ہوتیں تو یقین جانیے بدعقیدگی کے اس طوفانِ بلا سے گزرتے ہوئے اور موجودہ علمائے اہلِ سنّت کے جمود و تعطّل، ان کی غیرحکیمانہ طرزِ زندگی دیکھ کر اپنے عقائد ونظریات کی صیانت وحفاظت ایک امر مشکل تھا۔ آج ان قدسی صفات حضرات کے نقوش کفِ پا کی زیارت کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں ؎

ترا نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں

بلاشبہ ان حضرات کی زندگی کی صبح وشام بذاتِ خود ایک عملی تبلیغ تھی۔ آج ہزاروں ہزار صفحات تحریر کرنے اور گھنٹوں کی گفتگو کے بعد بھی ہم جن محاذوں پر مکمل کامیابی حاصل نہیں کرپاتے ایسے محاذ پر ان حضرات نے چند جملوں میں چٹکی بجاتے ہوئے مسائل کا مناسب و

معقول حل تلاش کر کے دکھا دیا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ یعنی آدمی اپنی احساسات وخدمات کسی ایک ہی چیز کے بارے میں شد بد کر سکتا ہے۔ اگر دل میں آخرت طلبی، خوفِ خداوندی اور خوفِ الٰہی کے آبشار پھوٹ جائیں تو پھر اس دل میں کسی دوسرے خوف کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

انسان جب اپنے مالکِ حقیقی، مسجودِ تحقیقی بارگاہ میں خوف کی تصویر بن جاتا ہے۔ وہ اپنے پروردگار کے حضور ڈرا ڈرا سہا سہا رہتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ مخلوقِ خداوندی اس سے ڈری ڈری اور سہمی سہمی نظر آتی ہے۔ اس کے سامنے صاحبانِ اقتدار واختیار اپنی نیاز مندیوں کا خراج لٹانا اپنے لیے باعثِ سعادت وفلاح تصور کرتے ہیں۔ سرکار مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی تاریخ حیات کا اگر جائزہ لیں تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ اس مردِ مومن، بندۂ بے نیاز نے مکمل غیرتِ مومنانہ کے شجرِ سایہ دار میں زندگی گزاری۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی راہ میں کسی کے منصب، کسی کے اقتدار اور اختیار کو خاطر میں لائے بغیر وہ اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی فرماتے رہے۔ بالکل درست ہے کہ ؎

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جبھی تو بڑے بڑے صاحبانِ جبّہ ودستار کو خلوت سے لے کر جلوت تک، منبر سے لے کر اسٹیج تک شرعی لغزش کی بنیاد پر تنبیہ فرماتے نہیں چوکتے۔ بسا اوقات معاملہ توبہ، تجدید نکاح، تجدید ایمان اور تجدید بیعت تک پہنچ جاتا۔ پھر لطف کی بات تو یہ کہ اس تنبیہ پر کوئی کبیدہ خاطر نہیں ہوتا۔ کسی کی پیشانی پر شکن نہیں آتی۔ کوئی چراغ پا نظر نہیں آتا اور کسی کے دل پر ذرّہ برابر میل نظر نہیں آتا۔ بلکہ فراخ دلانہ انداز میں اس اصلاح پر اظہارِ تشکر کرتے نظر آتے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس قسم کے واقعات تحریر وتقریر میں بیان کر کے ایک خاص قسم کی حلاوت وشیرینی محسوس کی جاتی۔ عقیدت ومحبت کی زنجیر میں جب آدمی قید ہو جاتا ہے تو پھر دل

کی دنیا ہی تبدیل ہوجاتی ہے۔ جس سے محبت ہوجاتی ہے اس کا سخت جملہ بھی پھولوں کا چمن محسوس ہوتا ہے۔ بقول مرزا غالب دہلوی ؎

کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ حبیب جھڑکیاں کھا کے بھی بے مزہ نہ ہوا

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ...... مَاتَ عَلٰی ذَالِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ اس فرمانِ اقدس پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حیرت وتعجب سے بار بار دریافت کیا: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ۔ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری کے ہر مرتبہ دریافت کرنے پر جواب اثبات میں مرحمت فرمایا۔ جب تیسری مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ جواب دیا: وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔ اس حدیث پاک کے راوی کا بیان ہے: وکان ابوذر اذا حدث بهذا قال وان رغم انف ابی ذر۔ ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب بھی یہ حدیث شریف بیان فرماتے تو کہتے تھے: وان رغم انف ابی ذر۔ محبوب کا اندازِ عتابانہ بھی عاشق کے لیے اتنا پیارا اور ایسا دل عزیز ہے کہ بار بار اسے یاد کرکے ایک نئی لذت حاصل کی جارہی ہے۔ سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں، نیاز مندوں اور جاروب کشوں میں عقیدت ومحبت کے ایسے گہرے نقوش تابندہ تھے کہ وہ گالیاں (عرف عام میں نہیں) کھا کے بھی بے مزہ نہ ہوئے۔ دوسری بات یہ کہ سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ العزیز کے جذبۂ اصلاح کا پسِ منظر صرف اور صرف احقاقِ حق تھا، نہ تو اس میں نفسانیت کا دور دور تک عمل دخل ہوتا، نہ ہی اپنی علمی شان وشوکت کا اظہار یہی وجہ ہے کہ کسی علمی مسئلے پر ان کی تحقیق سے کسی کو اختلاف کی جرأت نہ ہوسکی۔ لاریب وہ اپنے دور میں

تاریخ میں ہمیں صرف جمعہ کی اذانِ ثانی کے تعلق سے علمائے بدایوں کے علمی اختلاف کی نظیر ملتی ہے لیکن اختلاف کی اس تاریخ کا مکمل جائزہ لینے کے بعد اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ یہ علمی اختلاف اپنے دائرے میں محدود رہا، اس سے تجاوز نہ کرسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

اس سے اس مسئلے میں علمی اختلاف کے باوصف ان کے ادب واحترام میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوئی۔

''ہمارے یہاں فتویٰ نہیں بدلا جاتا ہے اگر ضرورت پڑی تو حکومت بدل دی جائے گی۔''

یہ کلمات تھے اس مردِ حق آگاہ کے جس نے باطل کے آگے کبھی سر نہ جھکایا۔ جس نے طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کا دینی فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔ حق گوئی و بے باکی جس کا طرۂ امتیاز تھی، چاہے وہ اپنوں کی لغزشوں کا معاملہ ہو یا پھر دشمنانِ رسول علیہ التحیۃ والثناء کی ہرزہ سرائی و یاوہ گوئی کا۔ خواہ وہ نجد میں شخصی حکومت کی بنیاد پر وہاں کے امرائے سلطنت کے غیر شرعی فیصلوں کی بات ہو یا ہندوستان میں نام نہاد جمہوری حکومت میں شرعی دستور وآئین کے خلاف مسلمانوں پر جبراً فیصلہ تھوپنے کا معاملہ ہو۔ ہر موڑ اور ہر محاذ پر اس مردِ درویش اور حق آگاہ بزرگ نے اپنی منصبی ذمہ داریاں مکمل دیانت کے ساتھ نبھائیں۔ یہ اسی حق گو مردِ مجاہد اور بے باک قلندر کی پاکیزہ اور روشن تربیت کا نتیجہ تھا کہ جس نس بندی کے عدم جواز اور اس کی حرمت پر فتویٰ صادر کیے جانے کے بعد بریلی کے ضلع کلکٹر کی جانب سے نومبر ۱۹۷۶ء کو سرکار مفتیٔ اعظم ہند کے نام ایک نوٹس جاری کیا گیا۔ جس کے ذریعے نس بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف فتوے کی وضاحت طلب کی گئی۔ چنانچہ سرکار مفتیٔ اعظم ہند کے ترجمان اور نمائندے حضرت مولانا خالد علی خاں ضلع کلکٹر کے دفتر میں وضاحت کے لیے تشریف لے گئے اور کلکٹر کے سامنے جرأت وہمت کا جو مظاہرہ فرمایا وہ ایمرجنسی کے سیاہ باب کی روشن تاریخ کا انمٹ حصّہ ہے۔ ضلع کلکٹر کے دفتر میں خاموشی کی ایک فضا ہے۔ ایک طرف ضلع انتظامیہ نے اپنے آمرانہ جاہ وجلال کے ساتھ بوریہ نشین درویشوں سے اپنے اختیارات کی بالادستی پر دستخط ثبت کرانے کے لیے اندھے قانون کا سہارا لے رکھا تھا تو دوسری طرف شرعی آئین ودستور کے خلاف ہر حکم اور ہر قانون کو پسِ پشت ڈال دینے کی قسم کھا کر مرکزی دار الافتاء کے یہ ذمہ داران حکومت کے نمائندوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرأت وبے باکی کے ہر مظاہرے کے لیے تیار تھے۔ ضلع کلکٹر

کے دفتر میں پہلے تو سرکار مفتیٔ اعظم ہند کا وہ تاریخی فتویٰ زبانی پیش کیا گیا۔ جب حضرت مولانا ساجد علی خاں نے اس کے مضرات بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ ''نس بندی کو ذرا چلنے تو دو پھر آپ تماشا دیکھیں گے کہ بے حیائیاں اور بڑھیں گی۔'' اس پر ایس ڈی ایم بول اٹھے، ''اس سے تو بد معاشی اور بڑھے گی۔'' ضلع کلکٹر نے اس پر یوں گرہ لگائی، ''اور بھی تو مولوی ہیں جو اس کو صحیح کہتے ہیں۔'' اس پر مولانا ساجد علی خاں نے فرمایا، ''ہم ایسی جگہ کے رہنے والے ہیں جہاں بڑے بڑے علما، صاحبِ فضل وکمال آتے جاتے ہیں اور ہم بھی باہر آتے جاتے ہیں اور علما سے ملتے ہیں۔ ہم نے یہ دیکھا کہ بڑے بڑے علم و فضل اور کمال والے بعض علما انہوں نے اپنی دستار کو اتارا اور تہہ کیا، اس میں اپنا علم و فضل سب باندھ دیا۔ اس کا پیکٹ بنا کر راشن اور پرمٹ کے عوض میں اس طرح دے دیا۔ ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ ہم کو احکم الحاکمین کے سامنے جواب دینا ہے۔'' اس حق پسند اظہار پر ضلع کلکٹر نے نہایت بے بسی کے ساتھ کہا: ''ہم اس کو نہیں جانتے۔ خیر آپ منع کرتے ہیں اور بات ہے۔ لیکن جن کو یہاں رہنا ہے انہیں کرانا ہی ہے۔'' مولانا نے عصا ٹھونک کر انگریزی زبان میں ضلع کلکٹر کو ترکی بترکی جواب دیا: ''کیا جو نہیں کرائیں گے وہ دوسرے ملک چلے جائیں؟ ہم باہر نہیں جاسکتے، ہم یہیں کے ہیں اور یہیں رہیں گے۔ ہمارا کام ہی یہ ہے کہ ہم خلقِ خدا کی رہنمائی کریں۔''

یاد کیجیے ایمرجنسی کا وہ تاریک اور سیاہ دور جس میں آزادانہ اظہارِ خیال پر سخت قسم کی پابندیاں عائد تھیں۔ حکومتِ وقت کے خلاف بولنا اور لکھنا تو دور کی بات، خیالات و احساسات پر قدغن لگ چکی تھی۔ بڑے بڑے سیاسی رہنما حوالات کے پیچھے بے دردی کے ساتھ ڈھکیل دیے گئے تھے۔ خوف اس طرح دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا کہ حکومت کے خلاف کچھ سوچنے سے ہی لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ جرأت و بے باکی کے سارے نقوش دھندلے ہو چکے تھے۔ وہ اخبارات و رسائل جن کی جرأت و بے باکی کی قسمیں کھائی جاتی تھیں راتوں رات ان کے تیور بدل گئے۔ لب و لہجے میں حکومت کی پالیسیوں کا رنگ و آہنگ نمایاں طور پر محسوس کیا جانے لگا۔ علما کی ایک جماعت اپنے جبہ و دستار کے تقدس کو

حکومتِ وقت کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا چکی تھی۔ حکومت کے غیر شرعی فیصلوں کو مسلمانانِ ہند پر مسلط کیے جانے کے سلسلے میں ہر ممکن تعاون پیش کر دیا گیا تھا۔ علما ذرائع ابلاغ سے اپنی منصبی ذمہ داریوں کا گلا گھونٹ کر قوم کو تریاق کے نام پر زہر پینے کی تبلیغ و تلقین میں مصروف ہو گئے تھے۔ میسا کا سخت قانون نافذ تھا۔ نس بندی و خاندانی منصوبہ بندی جیسے غیر شرعی فیصلے پر ''دار العلوم دیوبند'' کے باطل نواز علما کی جانب سے جواز کی مہر تصدیق ثبت کر دی گئی تھی۔ لیکن اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔ ایسے قیامت بردوش ماحول میں علمائے بریلی نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے جو شاندار کارنامے انجام دیے وہ تاریخ کے صفحات پر آج بھی روشن ہیں۔ سرکار مفتیٔ اعظم ہند اپنے ذرائع ابلاغ سے اس غیر شرعی فیصلے کے خلاف مسلمانانِ ہند کو آگاہ فرما رہے تھے۔ آپ کے نمائندوں نے آپ کے افکار و خیالات کی ترجمانی حکومتِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جس جرأت و بے باکی کے ساتھ فرمائی اس نے ضلع کلکٹر کی آمرانہ اور حاکمانہ ذہنیت کو زیر زمین کر دیا اور اس اعتراف پر مجبور کر دیا۔ ''آپ جسمانی طور پر دیکھنے میں کمزور ہیں، مگر آپ کے اندر روحانی قوت ہے۔''

''اے ملّت اسلامیہ تیری ہمدردی کے گیت تو سبھی گاتے ہیں، تیرے حقوق کی حفاظت کی اہمیت تو سبھی جانتے ہیں لیکن صرف الیکشن میں ووٹوں کے وقت اور قومِ مسلم اتنی نادان یا بے حس ثابت ہو رہی ہے کہ وہ خود اپنی اہمیت اور حیثیت نہیں سمجھ پاتی۔ عالمِ اسلام میں شہرت و نیک نامی رکھنے والا ایک گھرانہ اور جماعت ہے جس نے بلاشبہ ایمرجنسی اور نس بندی کے پُر آشوب دور میں حق گوئی اور بے باکی اور نمائندگی کا حق ادا کیا اور عالمِ اسلام کے اس قول کی لاج رکھ لی کہ ''مسلمان کبھی بھی حق بات کہنے سے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے سے نہیں چوکتا''، اور وہ ہستی ہے جناب مولانا مصطفٰے رضا خاں صاحب مفتیٔ اعظم ہند کی۔ جنہوں نے ببانگِ دہل نس بندی کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر حق گوئی کا ثبوت فراہم کیا۔'' (ہفت روزہ مستقیم ص: ۵ بابت ۷ ۲ر دسمبر ۱۹۷۹ء)

ایمرجنسی کے دوران علمائے دیوبند نے کیسے کیسے چولے بدلے اور کس طرح حکومتِ

وقت کی چشمِ ابرو پر رقصِ برہنہ کیا اس کی تفصیل مشہور قانون داں مرزا عبدالوحید بریلوی کے حقیقت نگار قلم سے پڑھیے۔ ''غیر فطری اور غیر اسلامی فعل نسبندی کا جبراً نفاذ کیا گیا۔ ہزاروں افراد کی جبراً نس بندی کی گئی۔ حتیٰ کہ مجرد لوگ بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ نس بندی کی اسکیم انتہائی غیر فطری تھی۔ اس پر عمل کرنا باشندگانِ ملک کے لیے لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے اس غیر فطری اسکیم کے متعلق شریعت اسلامیہ کا حکم معلوم کرنا چاہا تو اوّلاً دار العلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب نے نس بندی کو شریعت اسلامیہ کے خلاف قرار دیا۔ ان کا فتویٰ روزنامہ ''الجمیعۃ'' دہلی میں شائع ہوا۔ قاری صاحب کے فتوے پر اندرا گورنمنٹ کا ردِ عمل شروع ہوا اور ''میسا'' کا ڈنڈا قاری طیب صاحب کو دکھایا گیا تو ساری سی سی پٹاخی بھول گئے اور اپنے فتوے سے رجوع کر کے راہِ فرار اختیار کی۔ نس بندی کی حرمت سے رجوع کر کے نس بندی کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا۔ قاری صاحب کا یہ فتویٰ حکومت نے بڑے اہتمام سے اخبارات میں شائع کرایا، ریڈیو اور ٹی وی پر کئی دن تک نشر ہوتا رہا۔''

اس کے برخلاف علمائے بریلی جس کی شاندار قیادت شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم ہند علّامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی فرما رہے تھے۔ انہوں نے اس غیر شرعی، غیر فطری اور خلافِ اسلام عمل کے تعلق سے تمام دنیاوی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں ناجائز وحرام کا فتویٰ صادر فرما کر اعلائے کلمۃ الحق کا خوشگوار فریضہ انجام دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ سائیکلو اسٹائل کے ذریعے اس کی کاپیاں ملک کے طول وعرض میں آباد مسلمانوں کے درمیان تیزی کے ساتھ روانہ کی جانے لگیں۔ عوامی سطح پر اس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے۔ آپ کے حق نگار قلم سے جاری ہونے والا فتویٰ حکومتِ وقت کے لیے کھلا چیلنج بن گیا۔ مسلمانوں نے دلوں سے ''میسا'' کا خوف نکال باہر پھینکا اور اس خلافِ شرع حکم کی جگہ جگہ مخالفت شروع ہوگئی۔ گورنمنٹ کے نمائندوں اور عوام الناس کے مابین معرکہ آرائی ہونے لگی۔ چنانچہ حق کی اس آواز کو دبانے کے لیے اور اس فتوے کی اشاعت کے خلاف بند باندھنے کے لیے حکومت نے سرکار مفتیٔ اعظم کی ڈاک پر سنسر قائم کر دیا۔ اس کی اطلاع فراہم ہونے کے بعد اس کے دفاع میں یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ ضلع بریلی کے مواضعات میں

واقع چھوٹے چھوٹے ڈاک خانوں کے ذریعے اس حق پسند فتوے کی کاپیاں روانہ کی جائیں۔ آخرش حکومت نے اپنے آخری ہتھیار کے استعمال کی منصوبہ بندیاں شروع کر دیں اور سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی حراست کی تیاریاں ضلع حکام کی جانب سے کی جانے لگیں۔ ضلع کلکٹر نے اس سلسلے میں سخت ہدایتیں بھی جاری کر دیں لیکن خفیہ محکمہ کے افسران کی جانب سے جب مرکزی حکومت کو رپورٹ موصول ہوئی اور صوبائی وزیرِ اعلیٰ اور اسپیکر نے بذریعہ فون تمام صورتِ حال کی نزاکتوں کا احساس دلاتے ہوئے یہ کہا کہ ''اگر بریلی کے بڑے مولوی صاحب مفتیٔ اعظم ہند پر ہاتھ ڈالا گیا تو خیر نہیں حکومت کی جان کے لالے پڑ جائیں گے اور پورے ملک میں ایسا انتشار پھیلے گا جو سنبھالے نہ سنبھلے گا۔ لہٰذا کوئی حکم دینے سے پہلے انجام پر خوب غور کر لیا جائے۔''

چنانچہ وقت اور زمانے نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ حکومتِ وقت کی آمرانہ ذہنیت کا پورا تاج محل اس مردِ حق آگاہ کی حق گوئی و بے باکی اور جرأتِ ایمانی کے سامنے زمیں بوس ہوتا نظر آنے لگا۔

محکمۂ پولیس کے ذمہ داروں کی درخواست پر ایک دن سرکار مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے ان کی ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ مفتیٔ اعظم ہند سے محکمۂ پولیس کے ذمہ داروں نے کہا: ''آپ کا فتویٰ نس بندی کے عدم جواز سے متعلق ہے، آپ اس کو بدل دیں۔'' اتنا کہنا تھا کہ حضرت کو جلال آ گیا اور ارشاد فرمایا:

''ہمارے یہاں فتویٰ نہیں بدلا جاتا ہے، اگر ضرورت پڑی تو حکومت بدل دی جائے گی۔'' نس بندی کے عمل کو موثر بنانے کے لیے کانگریس حکومت نے ہر حربہ و ہتھیار کا استعمال کیا۔ دارالافتاء میں مسند نشین مفت کے مفتیوں کے قلم کی سودے بازی کی گئی۔ ان کے فتوے سے حق گوئی کی جرأت سلب کر لی گئی۔ سادہ لوح مسلمانوں کو مادی منفعت کا لالچ دے کر انہیں احکامِ اسلامی کے خلاف عمل پیرا ہونے کی ترغیب و ترہیب شروع کر دی۔ کہیں ڈنڈے کے زور پر اس غیر شرعی عمل کے لیے راہ ہموار کی گئی تو کہیں حق پسند اور حق گو علماء کو حق گوئی اور بے باکی سے باز رکھنے کے لیے ''میسا'' جیسا اندھا قانون نافذ العمل کیا گیا۔ غرض

یہ کہ کانگریس حکومت اپنے عزم وارادے کی تکمیل کے لیے ہر حربہ وہتھیار سے لیس ہوکر میدانِ عمل میں اتر چکی تھی۔ چنانچہ حالات کی نزاکتوں کا احساس کرنے والوں نے سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے ''میسا'' کے تعلق سے گفتگو کی تو اس مردِ مجاہد نے جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے قوانین الٰہیہ کی بالادستی کی قسم کھائی۔ ''فتویٰ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق دیا جائے، میسا پیسا کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ''میسا'' کے خوف سے حکمِ شرع کو بدلا نہیں جاسکتا ہے۔ حکومتِ وقت ہم کو باغی قرار دیتی ہے، تو اس کے خوف سے ہم اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بغاوت نہیں کرسکتے۔ مسلمانوں کو اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وفادار واطاعت شعار ہونا چاہیے۔''

سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی و بے باکی کا شہرہ تو ہر چہار جانب تھا۔ ایمرجنسی کے سیاہ دور میں حق گوئی، بے باکی اور جرأتیں سلب ہوچکی تھیں۔ سیاہ کو سفید، سفید کو سیاہ کہنے کی ریت عام ہوچکی تھی۔ حکومت اور صاحبِ اقتدار کی غلط پالیسیوں پر نکتہ چینی کرنے کا حق چھینا جاچکا تھا۔ آزادیٔ تحریر وتقریر پر سخت قسم کی بندشیں قائم ہوچکی تھیں۔ حق کا آوازہ بلند کرنے کی پاداش میں دار ورسن کا خوف سروں پر مسلط تھا۔ لیکن آفرین ہے اس مردِ مجاہد کی ہمتِ مردانہ اور جرأتِ مومنانہ پر اور سلام کی ڈالیاں نچھاور ہوں اس کے عزمِ ایمانی پر۔ آپ کی حق گوئی، جرأتِ ایمانی اور بے باک زبان و بیان کا خطبہ پڑھتے ہوئے ہفت روزہ ''مستقیم'' دہلی یوں رقم طراز ہے۔

''اے امّت اسلامیہ! تیری ہمدردی کے گیت تو سبھی گاتے ہیں، تیرے حقوق کی حفاظت کی اہمیت تو سبھی جانتے ہیں۔ لیکن صرف الیکشن میں ووٹوں کے وقت اور قوم مسلم اتنی نادان یا بے حس ثابت ہورہی ہے کہ وہ خود اپنی اہمیت اور حیثیت سمجھ نہیں پاتی۔ عالمِ اسلام میں شہرت و نیک نامی رکھنے والا ایک گھرانہ اور جماعت ہے جس نے بلاشبہ ایمرجنسی اور نس بندی کے پُر آشوب دور میں حق گوئی اور بے باکی اور نمائندگی کا حق ادا کیا اور عالمِ اسلام کے اس قول کی لاج رکھ لی کہ ''مسلمان کبھی بھی حق بات کہنے سے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے سے نہیں چوکتا'' اور وہ ہستی ہے جناب مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب مفتیٔ اعظم ہند

کی۔ جنھوں نے ببانگِ دہل نس بندی کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر حق گوئی کا ثبوت فراہم کیا۔'' (ہفت روزہ مستقیم ص:۵، باب ۷ ۲/دسمبر ۱۹۷۶ء)

شدھی تحریک، جس زمانے میں اپنے شباب پر تھی۔ شردھانند سوامی آریہ کی قیادت میں شر پسند ہندوؤں کا ایک قافلہ سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گاہے مال و دولت کا لالچ دے کر، کبھی اسلام کے خلاف من گھڑت قصے اور بے بنیاد کہانیاں سنا کر، گاہے انہیں خوف زدہ کر کے مذہبِ اسلام سے برگشتہ کر کے بزعمِ خویش انہیں شدھ کرنے کی ناپاک تحریک مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ شروع کر رکھی تھی۔ اس تحریک کا دائرۂ اثر اتر پردیش کے بعض اضلاع، اڑیسہ، مغربی بنگال، بہار اور راجستھان کے بعض اضلاع تھے۔ ساڑھے چار لاکھ مسلمان اس ناپاک تحریک کے زیرِ اثر اپنے دین و ایمان کی متاعِ گرانمایہ شرک و کفر کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کی تیاری مکمل کر چکے تھے۔ دینداروں کی جماعت خاموش تماشہ دیکھ رہی تھی۔ پورے ہندوستان کے کسی بھی گوشے سے اس ناپاک منصوبہ بند تحریک کے خلاف کوئی بازگشت سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر طرف سنّاٹا ہی سنّاٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نام لیواؤں کو شاستر وستر کے ذریعے شدھ کر کے دیوی، دیوتاؤں کے چرنوں میں بھینٹ چڑھائے جانے کی مہم اپنے نقطۂ شباب پر پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن ہر طرف خاموشی کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ ساڑھے چار لاکھ مسلمان ہندو مذہب قبول کرنے کے لیے مکمل طور پر آمادہ و تیار ہیں۔ بریلی کے تاجدار علّامہ مصطفیٰ رضا خاں کو جب یہ روح فرسا خبر ملتی ہے تو کرب و اضطراب کے بستر پر کروٹ بدلنے لگتے ہیں، راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے۔ ان کا ملّی جذبہ اضطراب بدوش ہو جاتا ہے اور وہ ان شرپسندوں کے خلاف اپنے چند جانبازوں کے ساتھ نعرۂ حق بلند کرتے ہوئے میدانِ عمل میں اتر جاتے ہیں اور اس ناپاک شدھی تحریک کے خلاف عملی جہاد کا بگل بجا دیتے ہیں۔ مفتیٔ اعظم ہند نے شدھی تحریک کے خلاف جو تحریک چلائی اس کا مرکزی نقطہ آگرہ بنا۔ اس زمانے میں آپ نے اس طوفانِ بلاخیز کے خلاف جس انداز میں محاذ آرائی فرمائی وہ آپ کی تاریخِ حیات کا روشن باب ہے۔ صد افسوس اس تحریک کی تفصیل نہیں ملتی تاہم جو واقعات تاریخ میں درج ہو گئے ہیں ان سے آپ کی عزیمت،

جدو جہد، مجاہدانہ سرگرمی اور ایمانی بصیرت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ برسہا برس شدھی تحریک کے خلاف آپ کی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش رچنے والے مذہبی راہنماؤں کا مسلسل تعاقب فرماتے۔ جس علاقے، جس بستی اور جس آبادی میں ان کی تحریکی سرگرمیوں کی اطلاع ملتی وہاں سواری کی سہولت ہوتی فبہا ورنہ پا پیادہ پہنچ کر سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان وعقائد کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے۔ آپ کے زیرِ سایہ پروان چڑھے حضرت مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''ایک دو دن نہیں برسہا برس اس میں مصروف رہے۔ گرمی ہو یا جاڑا، برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ناز و نعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل چلا نہ ہو، میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی برفیلی ہوائیں، گرمیوں کے لو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے سیدھے سادھے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جہدِ مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پرواہ نہ آرام کا خیال۔ دھن ہے تو یہ کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے۔''

''شدھی تحریک کے خلاف سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے جس پامردی اور جہد مسلسل کے ساتھ محاذ آرائی کی وہ ہندوستان میں تاریخ دعوت وعزیمت کا روشن حصہ ہے۔ برسہا برس آرام وسکون کی دنیا کو خیر آباد کہہ کی میلوں پیدل سفر فرماتے۔ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ گھوم کر لوگوں کو ان شر پسند اسلام مخالف عناصر کی حقیقت سے آگاہ فرماتے۔ اسلام کی حقانیت اور کفر و شرک کے بطلان پر خطاب فرما کر سادہ لوح لوگوں کی صحیح رہنمائی فرماتے۔ انہیں صراطِ مستقیم پر سختی کے ساتھ قائم رہنے کی ہدایت فرماتے۔ اپنی خاص عطیات سے ان علاقوں میں دینی مدارس کا قیام فرماتے۔ مدرسین کے لیے تنخواہ، طلبہ کے لیے کتابوں کا انتظام فرماتے۔ ''شدھی'' تحریک کے سرگرم عناصر کا تعاقب فرماتے، جس مقام پر ان کے پہنچ جانے کی اطلاع فراہم ہوتی وہاں پہنچ کر ان سے مناظرہ کرتے۔ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں، جس سے سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ملّی کرب اور مذہبی تڑپ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

''اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلے پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے، جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے۔ اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔ جا کر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے۔ آگ جل رہی ہے۔ گانا دھوم سے ہو رہا ہے۔ متعدد حلوائی کڑاہیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لیے بیٹھے ہیں۔ ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سب مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انہیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کیے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا آؤ مناظرہ کرلو۔ اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر شیر بیشۂ اہلِ سنّت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی غیرتِ ملّی جوش پر آگئی۔ شیر بیشۂ اہلِ سنّت سے فرمایا کہ ''مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اس جلائی ہوئی آگ میں کود و۔ جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔'' حضرت شیر بیشۂ اہلِ سنّت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتیٔ اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتیٔ اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''چل ہم دونوں اس آگ میں کودیں، ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتیٔ اعظم نے جوش میں آکر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ موٹا تھا، ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔ گانے والے گانا بھول گئے۔ حلوائیوں نے پوریاں چھاننی

چھوڑ دیں۔ سارا مجمع ساکت وجامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا ''مولوی جی! اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آ گیا ہے کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔ اس کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہو گئے۔''

حق گوئی و بے باکی تو سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کا طرۂ امتیاز تھی۔ اس سلسلے میں وہ کسی قسم کی مصلحت اندیشی کے قائل نہ تھے۔ وہ بے خوف ہو کر حق و صداقت کا پرچم بلند کرتے نظر آتے۔ یزیدانِ وقت کے روبرو وہ جرأتِ حسینی کی تصویر بن جاتے۔ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ ان کی حق گوئی و بے باکی کے سامنے بڑے بڑے کج کلاہانِ وقت کی زبان گنگ ہو جاتی اور ان کی جرأتِ مومنانہ کے روبرو سپر انداز ہو جانے میں ہی عافیت وسکون محسوس ہوتا۔ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ آپ کی حق گوئی و بے باکی کے تعلق سے اپنا ایک چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''اسی سفر میں یہ قصّہ درپیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک کم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شانِ اقدس میں وہ بکواس کر دی جو یہودی اور قادیانی لکھتے ہیں۔ سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے۔ یہ جھوٹ ہے، افترا ہے۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ کہنے لگا: میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں۔ پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔ فرمایا: ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔ میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں، کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں۔ مگر ایک مردِ حق آگاہ کی ڈانٹ نے انھیں سہما دیا اور مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ یہی نہیں اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔

a a a a a

☆ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری

حضور مفتی اعظم ہند اور ان کی دعوتی و تبلیغی خدمات

تیری معصوم نگاہوں کے تقدس کی قسم
دل نے کیا روح نے بھی تجھ سے محبت کی ہے

''اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے'' (دعائے رضا)

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا'' (بشارت نوری)

جس نے دعا مانگی وہ ہیں قطب الارشاد اور جس نے بشارت دی وہ ہیں قطب الاقطاب، ان دونوں قطبوں کی دعا وبشارت نے اس نومولود بچے کو بچپنے کی پگڈنڈی سے لے کر جوانی کی شاہ راہ تک اور جوانی کی شاہ راہ سے لے کر حیات کی منزل مقصود تک، زاویہ ہائے فکر ونظر کو اس طرح نور وسرور سے معمور رکھا کہ اس بچے کا ستارۂ اقبال مفتی اعظم بن کر چمکا تو چمکتا ہی چلا گیا......ابر کرم چھایا تو چھاتا ہی چلا گیا......سحاب دعوت وتبلیغ بن کر برسا تو برستا ہی چلا گیا......کشت زار حیات بن کر اُن کی خدمات کی نوری پھوار نے ایسا نم کر دیا کہ کردار کی دنیا میں بہاروں کے قافلے اتر گئے......وہ چاہے عام آدمی کا عمومی کردار ہو یا علما و

صوفیا کے علم وتصوف کا رنگین گلزار......وہ چاہے دیہات وقریہ کی سنسان فضا ہو یا شہر کی چیختی، چلاتی، بل کھاتی، اِٹھلاتی چنچل ہوا......وہ چاہے کسی غریب کی غربت کا مرثیہ پڑھتی جھوپڑی ہو یا امیر کی امارت کا خطبہ دیتا امارت محل......وہ چاہے کسی فقیر کی فقیری کا نوحہ کرتی کٹیا ہو یا رئیس کی ریاست کا عشرت کدہ......وہ چاہے کسی کسان کا کھلیان ہو یا تاجر کی ہن برساتی دوکان......وہ چاہے کسی جاہل وگنوار کا مکان ہو یا شہر یارعلم وفن کی مسند ذی شان......حضور مفتی اعظم کا اخلاق واخلاص......محبت وایثار......مروت وپیار......چاہت والفت......اپنائیت و فدائیت......دادودہش......کرم ونوازش سب کے لیے یکساں تھی، یہی ایک دریا تھا جہاں من وتو کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہی ایک بندہ نواز تھا جس کا جلوہ ہر جا فیض لٹا تا نظر آتا تھا۔ جہاں سے کوئی مایوس نہیں لوٹتا تھا۔ بلکہ ٹوٹی آسیں جہاں بندھائی جاتی تھیں، چھوٹی نبضیں جہاں چلائی جاتی تھیں، وہ آستانہ تھا مفتی اعظم کا آستانہ......کچھ شخصیتیں وہ ہوتی ہیں جو رُوپوش ہوکر بھی تذکرۂ بدوش ہی نہیں نغمہ بگوش بنی رہتی ہیں......نظروں سے اوجھل ہوجانے کے بعد بھی ان کے کارناموں کی ہلچل رہتی ہے، امتداد زمانہ کی کوئی گرداُن کی یادوں کے سورج کو گہن آلود نہیں کر پاتی، وہ خیابانِ ملت میں گلابِ خلوص بن کر مہکتے اور عندلیبِ وفا بن کر چہکتے رہتے ہیں، ان کے خدمات کی دل آویز خوشبو فضا در فضا مشکبار رہتی ہے اور ان کے معاملات کی رنگینی آفاق حیات کو نو بہار رکھتی ہے، وہ چلے جاتے ہیں مگر اُن کے وجود کی نغمگی ان کی موجودگی کا احساس تازہ رکھتی ہے۔ ایسی ایک البیلی شخصیت تھی ہمارے ممدوح شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، مرشدی الکریم، سیدی العظیم، شبیہ غوث اعظم حضور مفتی اعظم کی شخصیت......آپ اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، نازش انسان وانسانیت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے چھوٹے شہزادے ہیں۔ دنیا جانتی ہے امام احمد رضا نے بیک وقت کئی محاذوں کو تنہا سنبھالا تھا، وہ بحیثیت محدث علم کو شعور اور شعور کو علم کے انوار سے نوازتے نظر آرہے ہیں......وہ بحیثیت مجدد تجدید واِحیا کی مسند پر بھی رونق بخش دکھائی دے رہے ہیں......وہ بحیثیت داعی ومبلغ محفلِ دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی ادا کررہے

ہیں۔ وہ بحیثیت متکلم ومناظر ریاض دین میں بدعقیدگی کے خودرو پودوں سے خوش عقیدگی کے لالہ وگل کی حفاظت میں ڈٹے بھی دکھائی پڑتے ہیں۔ وہ بحیثیت مصلح وہادی کردار وعمل سے انگریزیت ودہریت کا زنگ چھڑا کر سیرتِ مصطفی کا رنگ چڑھاتے نظر آرہے ہیں ......وہ بحیثیت ادیب وشاعر شعروادب کی پیشانی کو افکارِ نو کے جھومر سے سجاتے بھی مل رہے ہیں۔ المختصر ایک کثیر الجہات اور وسیع السمت شخصیت ہے امام احمد رضا کی ......اعلی حضرت کو خوب احساس تھا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور ہمیں کہاں کہاں کیا کیا کرنا ہے، انہیں تناظر میں انہیں یہ بھی فکر تھی کہ میرے بعد کام رکے نہیں بلکہ برق رفتاری سے کام منزل بہ منزل ہوتا رہے اور آگے بڑھتا رہے......علم وفکر......دعوت وتبلیغ...... احیا وتجدید ...... تنظیم وتحریک......شعروسخن......اخلاق وخلاص......فقر وتصوف......افتا وارشاد......ادب وتواضع ......تصنیف وتالیف......اصلاح وہدایت......کی جو جو بزم ہم نے سجائی ہے اس کی رونق ماند نہ پڑنے پائے، اسی لیے آپ نے بڑے دردمند دل اور پرسوز انداز میں خدائے قدیر وکریم کی بارگاہ میں دعا کے لیے اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا، ایسے میں قلب کی گہرائی سے سوز وگداز میں لبریز جو آواز نکلی وہ یہ تھی۔

"اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے"(۱)

سچے دل سے نکلی ہوئی دعا تھی، رضا کی زبان سے نکلی اور قبولیت کے آسمان تک پہنچی ......بچے کی ولادت کا جب موقع آیا تو اعلیٰ حضرت اپنے پیرخانہ مارہرہ مطہرہ چلے گئے، عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں ایسا موقع آتا ہے تو آدمی گھر پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے، مگر امام احمد رضا کے گھر نیا مہمان آنے کو ہے اور وہ اپنے مرشد زادے کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آج وہ اس لیے حاضر تھے کہ اس در سے ایک ایسے فرزند کی خوش خبری لے کر جائیں ، جو بڑا ہو کر تاجدار اہل سنت، محافظ شریعت وطریقت اور صاحب عشق ومحبت بنے۔ (۲)

فقیہ العصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذاکرات رہے، پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے، اسی شب میں دونوں بزرگوں کو بچے کی ولادت کی بشارت دی گئی''۔(۳)

امام احمد رضا نے خواب میں دیکھا۔

''چاند نے زمین کی طرف اترنا شروع کیا تو وہ زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا تھا، جیسے جیسے وہ زمین پر آرہا تھا، اس کا حجم گھٹ رہا تھا، اور روشنی بڑھ رہی تھی، یہاں تک کہ اتنا مختصر ہوگیا کہ وہ آسانی سے امام احمد رضا کی آغوش محبت میں آگیا''(۴)

خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقت ملاقات مبارک باد پیش کروں گا۔فجر کی نماز کے لیے جب دونوں بزرگ مسجد پر پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ایک نے دوسرے کو مبارک باد پیش کی، فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ سید شاہ ابوالحسن نوری قدس سرہ نے امام احمد رضا قدس سرہ سے ارشاد فرمایا۔''مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں، اجازت دیں تو میں نومولود کو داخلِ سلسلہ کروں۔امام احمد رضا قدس سرہٗ نے عرض کی، حضور وہ غلام زادہ ہے، اسے داخل سلسلہ فرمالیا جائے۔ ''(۵)

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ نے مصلیٰ ہی پر بیٹھے بیٹھے امام احمد رضا کے نور نظر اور مستقبل کے مفتی اعظم کو غائبانہ داخل سلسلہ فرمالیا، حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہوجائے تو اسے دے دیں، مجھے خواب میں اس کا نام آل لرحمٰن بتایا گیا ہے، لہٰذا نومولود کا نام ال الرحمٰن رکھیے، مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے، وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے، میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہوکر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا۔(۶)

حضور مفتی اعظم قدس سرہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ ۷ جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق دنیا میں تشریف لائے۔ ''والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ'' سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ ۱۳۱۰ھ۔ دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ مطہرہ پہنچی تو سید المشائخ سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ نے نومولود کا نام ابوالبرکات، محی الدین جیلانی منتخب فرمایا۔ آپ کا غیبی نام آل الرحمٰن، عقیقہ کا نام محمد، پیرومرشد کا عطیہ ابوالبرکات، محی الدین جیلانی ہے، والد ماجد نے عرفی نام مصطفیٰ رضا تجویز فرمایا، اپنا تخلص شاعری اپنے مرشد کی نسبت سے نوری پسند فرمایا، مفتیِ اعظمِ ہند سے دنیا میں مشہور ہوئے۔ (۷)

شہزادۂ حضور سید العلما حضور نظمی میاں صاحب رقم طراز ہیں:

''چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں بریلی شریف تشریف لائے، نومولود کو نیا لچہ پر سرکار کی خدمت میں پیش کیا گیا، نوری میاں نے بڑی شفقت سے گود میں لیا اور کلمہ کی انگلی بچہ کے منہ میں ڈال دی، یہ نوری گھرانے کے نوری فرد، نوری میاں کی انگلی ہے، بچہ بڑے چاؤ سے انگلی چوس رہا ہے اور نوری میاں بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اپنے خاندانِ عالی کا نور بچے کے سینے میں انڈیل رہے ہیں، نوری میاں کی ساری دعائیں بچے کے حق میں صحیح ثابت ہوئیں''۔ (۸)

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسن نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور مفتی اعظم کو اس چھ ماہ کی ننھی سی عمر میں بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا:

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا''۔

حلقۂ بیعت میں لینے اور قادری نسبت کا دریائے فیض بنانے کے بعد یہ کہتے ہوئے حضرت نوری میاں نے امام احمد رضا کی گود میں اس نومولود کو دے دیا کہ......

''مبارک ہو آپ کو یہ قرآنی آیت ''واجعل لی وزیرا من اھلی'' کی تفسیر مقبول ہو

کرآپ کی گود میں آگئی ہے‘‘(۹)

تربیت وفراغت: عظیم مورخ، مصنف تذکرۂ علمائے اہل سنت حضور مفتی محمود احمد قادری مظفر پوری، اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

’’حضرت والدی سیدی الکریم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عرض کیا، کچھ اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں؟ فرمایا: قرآن شریف اعلیٰ حضرت سے بھی پڑھا، منجھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ مولانا (حامد) رضا سے بھی پڑھا، اس کے بعد فارسی عربی بھی انہیں حضرات سے پڑھی، جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا، تو اس کے اساتذہ مولانا سید بشیر علی گڈھی، مولانا ظہیرالحسن فاروقی رام پوری سے بھی پڑھا، جب مولانا رحم الٰہی مظفرنگری مدرس دوم ہوکر آئے تو ان سے خاص طور پر پڑھا۔

’’یہ میرے خاص استاذ تھے، جب متوسطات پڑھ چکا، تو زیادہ تر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضوری حاصل رہتی، جب سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے، ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں بعمر اٹھارہ سال مرکز اہل سنت دارالعلوم منظرالاسلام سے فراغت پائی‘‘۔(۱۰)

اعلیٰ حضرت کو آپ کی ذات سے جو بے شمار توقعات تھیں ان میں سب سے اہم آپ کے بعد آپ کے مشن کو زندہ رکھنا اور چلانا تھا، اسی لیے امکانات کے تمام پہلو وہ آپ میں ڈھونڈ رہے، اس مشن کے اِحیا وارتقا کے لیے آپ بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہوتے تھے، بنابریں قدم قدم، نفس نفس اور روش روش خصوصی توجہ وتربیت سے نواز رہے تھے، تربیت کوئی بھی کرے اور کسی کی بھی کرے تربیت ہمیشہ ظاہر کی ہوتی ہے اور یہ بات ضرور ہے کہ اس کی برکات سے باطن کی دنیا بھی سیراب ہوجاتی ہے، عمر کے کتنے قافلے منزل آشنا ہوتے ہیں تب یہ جوہر نکھرتا ہے......تب آدمی دیدہ ور بنتا ہے۔تب یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ شاہد وغائب......ظاہر وباطن......نہاں وعیاں......جسم وجاں سب یکساں نظر آنے لگتے ہیں، کتاب ہستی کھلی ہو یا بند، جہاں سے چاہے جو باب چاہے فرفر پڑھ دے......یہ گوہر مقصود سب کو حاصل ہوجائے یہ بھی کوئی ضروری نہیں، بہت سوں کی تو ریاضت ومجاہدے میں

عمر گزر جاتی ہے مگر وہ جہاں تھے وہیں نظر آتے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت کی تربیت کا کمال دیکھئے کہ دوران تربیت ہی وہ تمام جمالیاتی قدریں، ارتقائی اوصاف آپ میں اجاگر ہو گئی تھیں جہاں سے قرب و بعد، بستہ و کشادہ، بے حجابی و حجاب کے امتیازات اٹھ جاتے ہیں، اندر اور باہر کی تفریق مٹ جاتی ہے، مثلاً دوران تعلیم ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک بند کتاب رکھی ہوئی تھی، اس بند کتاب کی طرف آپ بغور دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں آپ کے استاذ مولانا بشیر احمد علی گڈھی وہاں آ گئے اور بند کتاب کی طرف غایت درجہ انہماک دیکھ کر فرمانے لگے کہ بند کتاب کی طرف اس قدر انہماک سے دیکھنے سے کیا حاصل؟ تو آپ نے فرمایا: ''میں اس اِمکان کا جائزہ لے رہا ہوں کہ بند کتاب پڑھی جا سکتی ہے، یا نہیں؟ مفتی اعظم کا یہ جملہ سن کر مولانا بشیر احمد علی گڈھی نے فرمایا: تو پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے؟ تو آپ نے فرمایا: بند کتاب بھی کھلی کتاب کی طرح پڑھی جا سکتی ہے۔ پھر استاذ گرامی مولانا بشیر احمد علی گڑھی نے جواباً فرمایا کہ آپ میں یہ صلاحیت ضرور ہونی چاہیے، کیوں کہ آپ پر غوث اعظم کا سایۂ رحمت ہے'' (۱۱)

کل جسے ملت کی کتاب ہستی کا بند ورق سیرت رسول عربی سے گلنار کرنا تھا آج ہی اسے وہ عقابی نگاہ بخش دی گئی تا کہ جب وہ وقت آئے تو کوئی دشواری نہ ہو، بلا جھجک قوم کی چاک تقدیر کی رفو گری ہو سکے۔ دورانِ تربیت مفتی اعظم کی نگاہیں امکانات کی حدوں کو پار کر رہی ہیں تو بعد تربیت کا عالم کیا پوچھنا، مولانا یٰسین اختر مصباحی گہر ریز ہیں:

''ہزاروں بد عقیدہ آپ کی صورتِ زیبا دیکھ کر، آپ کے تبلیغی جذبے سے متأثر ہو کر بد عقیدگی سے تائب ہوئے''۔ (۱۲)

حضور مفتی اعظم کے گلشن طفولیت کی سیر زیادہ دیر تک ہم اس لیے کرتے اور کراتے رہے تا کہ ان کی صبح زندگی کی تجلیات سے عمل کے نصف النہار کا اندازہ لگانا آسان ہو جائے اور اس طرح ان کی شامِ حیات کے رنگا رنگ فیوض و برکات کو تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی تامل نہ ہو، ظاہر ہے جس کی تعمیر سیرت اور تشکیل شخصیت اتنے اہتمام سے ہوئی ہو اسے اپنے

زمانے کا امام برحق ہونا ہی چاہیے، ایک طرف اعلیٰ حضرت کی تمنا ان کے کردار کا گیسو سنوار رہی تھی تو دوسری طرف حضرت نوری میاں کی نوری دعا ان کی روش و رفتار کو گل وگلزار بنا رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا تھا کہ امام اہل سنت کی نیابت کا بار اٹھانا اور مجدد دین وملت کی گوناگوں ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآنا ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ ان کے لیے فکر و نظر کے شجر طوبیٰ کی نازک شاخوں تک رسائی کے ساتھ علم وعمل کے ہمالہ کی چوٹی سر کرنا ضروری تھا۔ بعد کے حالات نے مفتی اعظم کو جیسا دیکھا اور جیسا پایا، دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ تاجدار اہلِ سنت صرف مفتی اعظم کی ذات ہے، ان کے متنوع جلوؤں سے صرفِ نظر کر کے اس نشست میں ہمیں صرف ان کا دعوتی اور تبلیغی جلوہ دیکھنا ہے۔ آج سنیت جس شان، بان، آن کے ساتھ نظر آرہی ہے اور جہاں جایئے سُنّیچہرہ جو جگمگاتا مسکراتا نظر آرہا ہے وہ مفتی اعظم کی شبانہ یومیہ انتھک محنت کا خوبصورت ثمرہ ہے، شجر سنیت کی ڈالی ڈالی، پتی پتی پر حضور مفتی اعظم کا خلوص مرتسم ہے......اللہ کے بندوں کو سچا بندہ......اور رسولِ پاک کے امتی کو وفادار اُمتی دیکھنا اور بنانا مفتی اعظم کی اولین ترجیحات میں تھا......وہ ایسے داعی دین اور مبلغ مذہب تھے کہ دعوت وتبلیغ کے لیے ان کے یہاں کوئی وقت متعین نہیں تھا......ان کی دعوتِ دینی کا دروازہ چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا......وہ جہاں بیٹھ جاتے دعوت کے ابرِ باراں اور تبلیغ کے موسمِ بہاراں سے پوری فضا جل تھل اور نہال ہو اٹھتی......وہ جدھر چل دیتے ہدایت کا قافلہ ساتھ ہو جاتا......وہ جدھر رخ کر دیتے بدکرداری کی بنجر زمین پر خوش کرداری کے پھول کھل اٹھتے......اگر کچھ بول دیتے تو قال اللہ وقال الرسول کی خوشبو سے گردو پیش معطر ہو جاتا......وہ چلے آتے تو گاؤں کا نصیبہ چمک اٹھتا......شہر کا مقدر سنور جاتا......صرف ان کی تعویذی دعوت سے جتنوں کی دنیا بدلی اور بھلا ہوا ہے اوروں کی برسوں کی جانکاہی بھی اتنا نہیں کر پاتی، لوگ گھنٹوں چیخ وپکار کر بھی دعوت وتبلیغ کا وہ حق نہیں ادا کر پاتے جو ان کی خاموشی کر دکھائی تھی۔ حضور مفتی اعظم اسلام کے لیے پیدا ہوئے، اسلام کی تبلیغ میں زندگی بسر کی، تبلیغ اسلام کو پیشہ نہیں فریضہ ہی سمجھا اور اس فریضے کو اس طرح ادا کیا جو سرورِ کونین صلی

اللہ علیہ وسلم کو مطلوب تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین اسلام کی سربلندی و سرفرازی قرار دیا تھا جس کو حاصل کرنے کے لیے ہمہ اقسام کی قربانیاں دیں اور جادۂ ابتلا و آزمائش میں کبھی بھی مالی منفعت کو پسند نہیں کیا۔

ڈاکٹر علاؤالدین خاں بریلی کالج بریلی تحریر فرماتے ہیں:

''حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی حیات ظاہری میں جو عظیم کارنامے اسلام اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لیے انجام دیے ہیں ان کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے اپنی طویل عمر اطاعت اللہ عزوجل اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کی، عملاً یہ ثابت کردیا کہ اسلام آج کے سائنسی دور میں بھی قابل عمل ہے...... حضور مفتی اعظم ہند کی پاکیزہ و مطہرہ، تقویٰ وورع میں رچی بسی حیات مقدسہ جدید تہذیب کے ہفوات کے بطلان کے لیے بہت کافی ہے، کیوں کہ مفتی اعظم ہند جدید تہذیب کے جدید مسلمہ معیار سے مستغنی تھے۔ (۱۳)

حضور مفتی اعظم ہند کی نظر میں معیار بس ایک ہی تھا اور وہ ہے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت کا معیار، اس معیار سے محبت اور اس پر ہر ہر سانس عمل آوری نے آپ کی ہر حرکت کو قوم مسلم کے لیے معیار بنا دیا۔ ان کی ادائیں دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے تھے کہ فرمانِ رسول اس بابت یہی ہے، پھر کسی کتاب کو کھولنے اور ماخذ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت کو جیسا کرتے، یا کہتے، دیکھ، یا سن لیا، یقین بولتا تھا کہ کتاب و سنت میں ایسا ہی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ محمد مدنی میاں صاحب رقم طراز ہیں:

''بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین و اذعان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنے اسی یقین و اذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی تصویر دیکھی ہے''۔ (۱۴)

حضور مفتی اعظم معرکۂ دعوت و تبلیغ میں: دعوت و تبلیغ کا کام جان جوکھم کام ہے، یہ راہ صبر

وتحمل کی راہ ہے، اس راہ میں سب سے پہلے خود کو آئینہ بنانا پڑتا ہے، تب دعوت وہدایت کی برکت سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ بھی شگفتہ اور درخشاں ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ انبیا علیہم السلام کی خدمات کا ورثہ بلکہ تتمہ ہے، مگر قدم بڑھانے سے پہلے اپنے آپ کو تولنا پڑتا ہے، کہ یہ راہ پھولوں کی سیج سے نہیں کانٹوں کی باڑھ سے گزرتی ہے، اسی لیے ہمارے اسلاف نے ان پانچ چیزوں کو اس کی لازمی شرط قرار دیا ہے (۱) علمِ نافع، (۲) عملِ صالح، (۳) اخلاصِ فکر، (۴) عشقِ مصطفیٰ، (۵) اور خوفِ خدا۔ یہ تمام سنگ میل بھی ہیں، یہ راستے کے نشیب وفراز سے بھی آگہی بخشتی ہیں، یہ کامیابی وسرفرازی کا یقین بھی دلاتی ہیں، یہ نشانِ منزل بھی بنتی ہیں اور داعی ومبلغ ان سب کے خمار سے سرشار ہو جاتا ہے تو منزل مقصود بن کر ہم آغوش ہو جاتی ہیں۔ امیر سُنّی دعوتِ اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری اپنے تلخ وشیریں تجربات کا نچوڑ یوں بیان کرتے ہیں:

''ایک کامیاب مبلغ بننے کے لیے ضروری ہے کہ جہاں وہ ایک طرف ذاتی طور پر سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند، باکردار، اور نیک ہو، وہیں دوسری طرف اس کے اندر وہ صفات بھی موجود ہوں جو اسے اس قابل بنائیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ رہ کر ان نیک صفات کو اپنے کردار کے ذریعے دوسروں میں منتقل کر سکے، دعوت کے راستے میں یہ بہت اہم ضرورت ہے، اس لیے کہ وہ شخص دعوت وتبلیغ کے میدان میں، صحیح معنوں میں قدم نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی کامیابی سے ہمکنا ہو سکتا ہے جو خود اپنے کردار میں اچھا نہ ہو۔ (۱۵)

حضور مفتی اعظم ہند جب محاذ آرائے دعوت وتبلیغ ہوئے ہیں تو پہلے انہوں نے بڑی باریک بینی سے سماجی منظر نامے کا جائزہ لیا اور جزئیات اکٹھا کی ہیں، قومی مسائل معاشرتی مصائب، ملی نقائص اور عملی غفلت وتساہل کا تحلیل وتجربہ کیا ہے، اسبابِ خواری وذلت کا محاسبہ کیا ہے، پھر اتنی تحقیق وتنقید کے بعد آپ جس نتیجے پر پہنچے ہیں اس کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں:

''میں مدتوں سرگرداں رہا اور اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ مسلمان باوجود اسلام کے پستی وتنزل اور قعر مذلت وتزلزل میں کیوں ہیں، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جو کچھ ہے اپنا ہی کرتوت

ہے، جو بویا وہ کاٹ رہے ہیں، جو مصیبت ہم پر آئی یا آئے گی، وہ سب اپنے ہی ہاتھوں لائی ہوئی ہے یا ہوگی، ہاں، ہاں، اوامر الٰہی سے غفلت کا پھل اور احکام شریعت حضرت رسالت پناہی سے بے پروائی کا ثمرہ ہے...... سچ کہو آج کل مسلمانوں کی یہ حالت نہیں کہ اعمال تو اعمال عقائد سے بھی خبردار نہیں، جیسے انہیں اُن سے کچھ سروکار نہیں اور امر کی بجا آوری سے اجتناب ونفرت، نواہی کا ارتکاب بہ رغبت...... آج مساجد نمازیوں کی کثرت کی بجائے قلت سے تنگ، رمضان مبارک روزہ داروں کی تلاش میں دنگ...... آپس میں وداد وخلوص ورشک واتفاق کی جگہ بغض وحسد وشقاق ونفاق کی گرم بازاری، غیروں سے میل جول پیار ومحبت ویاری، کافروں مشرکوں سے ریت ہے، ملحدوں سے پیت'' (۱۶)

یہ حضور مفتی اعظم کا کمال ہے کہ دعوت وتبلیغ کے صحرا کو بھی آپ نے قدم رنجہ فرما کر گلِ گلزار کردیا اور کام نہیں کارنامہ انجام دیا ہے۔ سطورِ بالا کی سطر سطر ایک سچے داعی اور مخلص مبلغ کا پیغام نشر کررہی ہے، ان سطور میں مرض کی تشخیص بھی ہے، دوا کا انتخاب بھی اور پرہیز وہدایت بھی، اگر مسلمانوں نے حضور مفتی اعظم ہند کی دعوت وتبلیغ پر دھیان دیا ہوتا، تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے جو ٹالے نہیں ٹل رہے ہیں، پھر تو سر بلندی ہی ہمارا مقدر ہوتی۔ حضور مفتی اعظم وہ تھے جن کا دل ملت کے درد میں دھڑکتا تھا، انہوں نے ملی فیروز مندی اور قومی سرخروی کے لیے اپنے آپ کو تج دیا تھا، بعض مواقع ایسے بھی آئے جہاں قوم کا وقار داؤ پر لگا تھا، صاحبانِ ہمت کی ہمت جواب دے گئی تھی مگر مفتی اعظم کی ہمت مومنہ نے معرکہ سر کرکے ہی دم لیا، دعوت وتبلیغ کے حوالے سے ان عظیم کارناموں میں دو عظیم تر کارنامے جس کا خوب چرچا کرنے کی ضرورت ہے، ایک ہے لاکھوں مرتدوں کو مسلمان بنانے کا رنامہ اور دوسرا ایمرجنسی کے بھیانک ماحول میں دعوتِ حق کا کارنامہ۔ مگر آیئے پہلے روزمرہ کی زندگی میں، چلتے پھرتے حالات میں، اٹھتے بیٹھتے ماحول میں ان کی دعوت وتبلیغ کے چند شاہکار سے اپنے ذوق جستجو کی تسکین کرلیں۔ ان چھوٹے موٹے واقعات میں مبلغ کی درد بھری پکار بھی ملے گی اور مجاہد کی مجاہدانہ للکار بھی...... داعی کا سوز بھی ملے گا...... اور ہادی کا گداز بھی...... محقق

کی رفو گری بھی ملے گی ......اور نقاد کی بخیہ دری بھی ......ان میں صوفی کا اضطراب بھی ملے گا ......اور مولوی کا اطمینان بھی ......بغیر کسی کے تبصرے و تجزیے کے اصل گنج گراں مایہ ہم ناظرین کی نذر کرتے ہیں:

☆ ''ایک بار رام پور سے بریلی شریف کار سے تشریف لے جارہے تھے، کسی نے دوران گفتگو کسی پنجابی کو سردار جی کہہ دیا تو حضرت نے سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، سردار تو بس ایک ہی ہیں، سکھ کہو پنجابی کہو''۔

☆ ''کوٹہ کے ایک صاحب بڑے گھن گرج کے ساتھ تقریر کر رہے تھے، دوران تقریر انڈیا گورمنٹ کی تعریف میں کہنے لگے، ہماری سرکار، حضرت مفتی اعظم قبلہ اسٹیج پر موجود تھے، فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا: گورمنٹ کہو، سرکار تو بس ایک ہی ہے مدینے کی سرکار''۔

☆ ''الہ آباد میں ایک صاحب تعویذ لینے کے لیے حضرت کی خدمت میں آئے، حضرت نے جب ان کی طرف تعویذ بڑھا دیا، توانھوں نے لینے کے لیے اپنا بایاں ہاتھ بڑھایا، یہ دیکھ کر حضرت سخت برہم ہوئے اور فرمانے لگے، کیا آفت آگئی کیسے لوگ گلا کھلا رکھتے ہیں، ٹوپی سر پر نہیں رکھتے، بایاں ہاتھ بڑھاتے ہیں، صبح و شام داڑھی منڈانا، بس صبح و شام داڑھی صاف کرانا ان کا معمول بن گیا ہے اور اپنے گھروں میں برکت تلاش کرتے ہیں، بے برکتی کی شکایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد تعویذ دیکھ کر فرمایا، ہر نماز کے بعد یہ پڑھو اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ اس تنبیہ کا اتنا اثر ہوا کہ ان صاحب نے داڑھی رکھ لی اور نماز بھی پڑھنے لگے''

☆ ''ایک مرتبہ بہار میں حضرت کی موجودگی میں ایک مولانا صاحب تقریر فرمارہے تھے، دورانِ تقریر ''گیا'' کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کسی بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے گیا کے بدنصیب مسلمانو! حضرت نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا مسلمان بد نصیب نہیں ہوتا، یوں کہو اے مسلمانو! مولانا صاحب نے کچھ تاویل کرنی چاہی کہ میری یہ مراد تھی، وہ تھی، اس پر فرمایا: کچھ نہیں مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا، پھر مولانا صاحب نے وہ لفظ چھوڑ دیا''۔

☆ ’’بریلی میں ایک جگہ حضرت دعوت کے لیے تشریف لے گئے، جیسے ہی حضرت بیٹھے ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے ہوئے، سامنے آئے، جن کی داڑھی صاف تھی، حضرت نے مصافحہ فرمایا، اس کے ساتھ ہی معلوم کیا نام کیا ہے؟ انہیں نے عرض کیا حبیب احمد۔ حضرت نے برجستہ فرمایا: نام حبیب احمد اور شکل یہ، **لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

☆ ’’ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرمارہے تھے، ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، آپ نے فرمایا! میاں کھانا داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، اس نے جواب دیا، بابا میں مسلمان نہیں ہوں، حضرت نے فرمایا، ارے مسلمان نہیں ہو، انسان تو ہو‘‘(۱۷)

☆ ’’ایک دفعہ دوا پٹوڈیٹ، بے پردہ مسلمان عورتیں ساڑی میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لیے آئیں۔ آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی، تو نگاہ ان پر پڑگئی، فوراً رخ پھیر لیا اور سر نیچا کئے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے، انداز کچھ نرم اور بے حد تحسُّر آمیز تھا، گویا انہیں دلی تکلیف پہنچی ہو، جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا، نہ اللہ و رسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرز معاشرت کی پروا، نہ انجام کا خیال، اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں، اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس مسلمانوں کا نہیں ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں، ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثے میں مرجائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں، خیال فرمائے نہ مٹی نہ جنازہ، یونہی پھونک دی جائیں گی، یہ سب وبال ہے اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا، وہ عورتیں اپنی حالت پر اس دعوت حق سے بے حد شرمسار ہوئیں‘‘۔

☆ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں: گیا کے جلسے میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا، رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا، واپسی پر راستہ میں آپ نے فرمایا، رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا، اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے آیا ہوگا تو اس کا بولنا صحیح ہوگا، ورنہ نہیں، اس امر

کی تحقیق کر لیجئے گا، آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں، مجھے تو ایسا کوئی محل استعمال نہ ملا''۔(۱۸)

☆ ''۱۹۷۲ء حیدر آباد دکن کی مشہور خانقاہ یحی مسکن، قاضی ٹولہ میں حضرت مولانا سید محمد قادری کے کمرے میں حضور مفتی اعظم ہند تشریف فرما تھے۔ حیدر آبادی علما و مشائخ بھی زینت محفل تھے۔ مختلف علمی موضوعات پر تبادلۂ خیال ہو رہا تھا، اچانک حضور مفتی اعظم ہند کی نگاہ سامنے کی دیوار کی طرف اٹھی اور آپ نے **استغفر اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ** پڑھتے ہوئے سر نیچے جھکا یا۔ حاضرین دم بخود تھے کہ آخر ایسا بار بار کیوں ہو رہا ہے، اسی عالم میں حضور مفتی اعظم ہند کی آواز گونجتی ہے، کس نے اس کو لگایا ہے، اتارو پھینکو، اب جو دیکھا گیا تو اوپر طغریٰ آویزاں ہے، جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے:

اچھے تو بخشے جائیں گے گنہگار منہ تکے

اے رحمت خدا تجھے ایسا نہ چاہیے

آپ نے ارشاد فرمایا: رحمت خدا کے ساتھ ایسے نازیبا کلمات کا استعمال جائز نہیں، اس لیے صاحب خانہ مولانا سید محمد قادری اس سے توبہ کر لیں، چارونا چار صاحب خانہ نے طغریٰ کو نیچے اتارا، پھر اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت و پشیمانی کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں توبہ بھی کی، اس کے بعد حضور مفتی اعظم ہند نے التماساً کہا آپ لوگ گواہ رہیں میں بھی توبہ کرتا ہوں، حاضرین محو حیرت ہیں !!! آپ نے ازالۂ وسوسہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تحریر کا ادب چاہیے، اس شعر میں چوں کہ رحمت خدا کا لفظ بھی شامل ہے جس کا ادب ہر لحاظ سے ضروری ہے اور اس کے لیے میری زبان سے اتارو پھینکو کا جملہ نکل گیا ہے جو خلاف ادب ہے، اس لیے آپ حضرات کو گواہ بنا کر میں بھی توبہ کرتا ہوں، پھر فرمایا ''**لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)(۱۹)۔

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ، اپنی آپ بیتی بیان فرماتے ہیں:

’’کلکتہ کے سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ ’’فوجی‘‘ آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کردی جو یہودی اور قادیانی کرتے اور بکتے ہیں۔ حضرت نے سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے، یہ جھوٹ ہے، اِفترا ہے، وہ بھونچکارہ گیا، کہنے لگا میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں، پھر آپ کیوں خفا ہورہے ہیں؟ فرمایا: ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں تو ڈرا کہ یہ وحشی درندے ہیں کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں، مگر ایک مرد حق آگاہ کی ڈانٹ نے انہیں سہما دیا اور مرعوب ہوگئے، یہی نہیں، اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔ (۲۰)

حضور مفتیِ اعظم، حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے عرس میں شرکت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تھے۔ کوچۂ چیلاں میں قیام کیا وہاں ایک بدعقیدہ ملا، آپ سے علم غیب کے مسئلہ پر الجھ پڑا، صاحب خانہ اشفاق احمد نے آپ سے مؤدبانہ گزارش کی، ’’حضور یہ کج بحث ہیں، ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا‘‘ حضور مفتی اعظم نے اپنے میزبان سے کہا، یہ اس وقت تمہارے گھر پر تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کے متعلق تمہیں کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہیے، مولوی صاحب نے آج تک کسی کی بات سنی ہی نہیں، اس لیے اثر بھی قبول نہیں کیا، یہ تو صرف اپنی بات سناتے رہتے ہیں اور وہ بھی ان سنی کردی جاتی ہے، آج میں ان کی بات توجہ سے سنوں گا، حاضرین بھی خاموشی سے سنیں، مولوی سعدالدین انبالوی نے سوا گھنٹے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، جب تھک کر خاموش ہوگئے، تو آپ نے فرمایا اگر کوئی دلیل تم اپنے موقف کی تائید میں بیان کرنا بھول گئے ہو تو یاد کرلو، مولوی صاحب پھر جوش تقریر میں آگئے اور پھر آدھا گھنٹے تک بولنے کے بعد کہا، پس یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، آپ نے فرمایا ’’آپ اپنے باطل عقیدے سے فوراً توبہ کرلو، حضور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ علم غیب عطا فرمایا تھا، آپ اس کے رد میں سب کچھ کہہ چکے ہیں جو کہہ سکتے تھے، اب اگر زحمت نہ ہو تو میرے دلائل بھی سن لیں، مولوی صاحب نے برہم ہو کر کہا، میں نے تم جیسے لوگوں کی ساری دلیلیں سن رکھی ہیں، مجھے سب معلوم ہے کہ تم کیا کہو گے، آپ نے بڑے تحمل سے کہا، ''مولوی صاحب! بیوہ ماں کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں؟ میں غیر متعلق سوال کا جواب نہیں دوں گا، مولوی صاحب نے تیز آواز میں کہا، حضور مفتی اعظم نے کہا، اچھا تم میرے کسی سوال کا جواب نہ دینا، میرے چند سوالات تو سن لو۔۔۔ آپ کی بات سن کر مولوی صاحب با دل نخواستہ خاموش ہو گئے، تو آپ نے دوسرا سوال کیا، کیا کسی سے قرض لے کر روپوش ہو جانا جائز ہے؟ کیا اپنے معذور بیٹے کی کفالت سے دست کش ہو کر اسے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے؟ کیا حج بدل کے اخراجات کسی سے لے کر حج۔۔۔۔۔۔ ابھی آپ نے سوال مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر قدم پکڑتے ہوئے کہا، بس کیجیے حضرت! مسئلہ حل ہو گیا، آج میری سمجھ میں بات آگئی کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم غیب حاصل تھا اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس علم غیب ہونا ہی چاہیے، ورنہ منافقین مسلمانوں کی تنظیم کو برباد کر دیتے، اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو میرے متعلق ایسی باتیں بتا دی ہیں جو یہاں کوئی نہیں جانتا، تو بارگاہ علیم سے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیا کیا انکشافات نہ ہوتے ہوں گے، مولوی صاحب اسی وقت تائب ہو کر مفتی اعظم کے مرید ہو گئے۔ (۲۱)

یہ حضور مفتی اعظم کے سفر و حضر میں، نجی مجلس میں، دینی جلسہ میں، کسی کے گھر دعوت میں اچانک ملاقات میں، برسے ہوئے دعوت و تبلیغ کے آبگینوں کے چند نمونے ہیں۔ مطالعہ سیرت سے ایسے نوادرات کا ذخیرہ جمع ہو سکتا ہے، ان چند اقتباسات کی پہلی ملاقات میں جو چیز دل میں اتر جاتی ہے وہ ہے حضور مفتی اعظم کا دینی اخلاص، ملی درد۔ کسی کے گفتار و کردار سے اسلام کا کوئی قانون ٹوٹے، یا کسی کی زندگی میں اسلام کا کوئی اصول چھوٹ جائے، یہ مفتی اعظم کو گوارہ نہیں تھا، پیش آمدہ شخص چاہے کوئی بھی ہو، عامی ہو کہ عالم، امیر ہو کہ فقیر،

دوست ہو کہ دشمن، سنی ہو کہ وہابی، شناسا ہو کہ اجنبی، خلاف شرع دیکھنے سننے پر برملا مفتی اعظم ٹوکتے، اصلاح فرماتے، موافق شرع کرنے، بولنے، زندگی گزارنے کی دعوت دیتے، ان کی دعوت میں خلوص سے مملوایسی ہدایت اور ان کی تبلیغ میں اپنائیت کی ایسی تائید ہوتی کہ آدمی گردن جھکا دیتا، نہ کوئی قیل وقال، نہ کوئی دلیل، حجت، ان کے ایک ہاں یا نا پر پوری تھیوری بدل جاتی تھی، نظام عمل کا نقشہ تبدیل ہو جاتا تھا، انہیں چوں کہ مفتی اعظم کا لقب مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے دیا تھا۔(۲۲)

اس لیے وہ علی الاطلاق اپنے دور کے مفتی اعظم تھے، اور اسی لقب سے عالم آشکار ہیں، علاوہ ازیں خود ان کی تخلیق بھی افتا کی فطرت پر ہوئی تھی، جیسا کہ فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب، حضور مفتی اعظم کی شان فقاہت کا جامع تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم کے نفس کے اندر فقاہت ودیعت کردی تھی، قدرت نے ان کو مقصد شرع کے ادراک کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ الفاظ کے ذریعے معانی تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے، بلکہ ان کے دل پر معانی کا اِلقا ہوتا تھا، جس کی تفسیر کے لیے وہ الفاظ کا استعمال میں لاتے تھے۔“(۲۳)

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ مصطفویہ) سے دعوت وتبلیغ کے چند نگینے پیش ہوں تاکہ قارئین ان جلوؤں سے بھی آنکھیں ٹھنڈی، جگر تارے، جانیں سیراب کرسکیں۔نہایت ایجاز واختصار کے ساتھ چند نظیریں نذر ہیں:

سوال: اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اللہ عزوجل پر ہی خدا کا اطلاق ہوسکتا ہے اور سلف سے لے کر خلف تک ہر قرن میں، تمام مسلمانوں میں بلانکیر اطلاق ہوتا رہا ہے اور وہ اصل میں ”خودآ“ ہے جس کا معنی ہے وہ جو خود موجود ہو، کسی اور کے موجود کیے موجود نہ ہوا ہو اور نہیں مگر اللہ عزوجل ہمارا سچا خدا۔(۲۴)

سوال: اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ، اللہ عزوجل، اللہ جلالہ، اللہ سبحانہ، اللہ عز شانہ، وغیرہ کہنا چاہیے، میاں نہ کہنا چاہیے، عوام میں یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس سے انہیں احتراز کرنا چاہیے، تفصیل کے لیے احکامِ شریعت دیکھیں، اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفصل تحریر فرمایا ہے، گناہ نہیں مگر یہ لفظ اس کی جناب میں بولنا برا ہے، اس کی شان وعزت کے لائق نہیں۔(۲۵)

سوال: ''ایک جلوس راج گدی کا اہل ہنود نکالنا چاہتے ہیں جس میں ہندو اوتاروں کی صورت میں انسان بٹھائے جاتے ہیں اور مجمع عام اہل ہنود کا اس کے ساتھ ہوتا ہے، مسلمانوں سے اصرار کیا جاتا ہے کہ وہ بحالیِ امن اور رشتۂ اتحاد مضبوط کرنے کے لیے اس جلوس کے جلو میں چلیں، کیا اس حالت میں مسلمان بلا ارتکاب گناہ کئے ہوئے اس جلوس کی معیت میں چل سکتے ہیں؟

جواب: اس کے حرام، حرام، حرام، اشد حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں، کفار کے ایسے کاموں کے محض تماشہ کے لیے وہاں چلنا تو حرام ہے، نہ کہ رشتۂ اتحاد قائم کرنے کے لیے، کفار سے رشتۂ اتحاد کفار ہی کا ہے، مسلمان کا کسی کافر سے رشتۂ اتحاد قائم نہیں ہوسکتا،۔ ۔۔۔۔جو لوگ اس نیت سے شریک ہوئے وہ ضرور کفار سے متحد ہوگئے، اسلام سے جدا، ایسے اُمور کفار کے جلوس میں شرکت ہی نہیں، ان کے جلوس میں چلنا ان کی تعظیم ہے اور اُن کے ایسے امور کی تعظیم سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم، چاہے یہ تعظیم خود کی ہو یا حکماً، آج اگر کسی حاکم کا حکم اس کے لیے مان لیا گیا اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھ لیا ہے، تو کل بتوں کو سجدے کا بھی حکم ہوگا اور ایسے بے خرد لوگ جب بھی تعمیل حکم کریں گے اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھیں گے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ، یہی لوگ ہیں جنہوں نے ایسی ایسی کمزوریاں نمایاں کرکے اسلام کو نظر کفار میں معاذ اللہ ذلیل کیا ہے''۔(۲۶)

تحریک شدھی سنگھٹن اور مفتی اعظم کا دعوتی جہاد

ایک وقت ہندستان کے مذہبی فلک پر سیاسی کالی گھٹا ایسی بھی چھائی تھی، جب اسلام

کفر کے نرغے میں گھر رہا تھا، سو دو سو نہیں یا ہزار دو ہزار نہیں لاکھوں لاکھ مسلمان اسلام کا قلادہ اُتار پھینکنے کے لیے تیار تھے، وہ اپنا کلمہ بھول چکے تھے، وہ اپنا نام بدل رہے تھے۔ ظاہر ہے اتنی بڑی تعداد کا اسلام سے برگشتہ ہو جانا حادثاتی طور پر اچانک نہیں ہوا ہوگا، منصوبہ بند طریقہ پر، برسوں منظم محنت کی گئی ہوگی تب مطلوبہ اَہداف حاصل ہوئے ہوں گے، حالاں کہ مسلمان جس کی اپنے نبی سے اتھاہ محبت ضرب المثل ہے، جو دورِ اِدبار اور گری سے گری حالت میں بھی اپنے اسلام اور اپنے اسلاف سے ٹوٹ کر الفت کرتے رہے ہیں۔ ایسی جانباز قوم کا اپنے مذہب سے پھر جانا نا قابل یقین حد تک حیرت ناک ہے، مگر یہ زمینی حقائق ہیں، تاریخی شواہد بول رہے ہیں کہ ایسا ہوا ہے، جب ہم تاریخ کے رخ سے پردہ سرکاتے ہیں، تو بس یہ کہہ کر دل تھام لینا پڑتا ہے کہ

''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''

اکبر بادشاہ نے اپنے دورِ اقتدار میں مختلف مذاہب کا آمیزہ تیار کر کے دینِ الٰہی کا ملغوبہ ہندستانیوں کو دیا تھا، اس کا نچوڑ صرف دو جملوں میں یہ تھا۔ ''سارے ادیان برابر ہیں سب کا یکساں احترام کرنا ہوگا''۔

''خوشی و غمی کی حالت میں، ہر ہندستانی کو ایک دوسرے کے شریک حال ہو کر متحدہ قومیت کا ثبوت دینا ہوگا''۔

گرچہ حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما الرحمہ کی مساعی جمیلہ نے اس مفروضہ دین الٰہی کی کمر توڑ دی، مگر سسکیاں لے لے کر ہی سہی کہیں نہ کہیں اس کی روح زندہ رہی۔ اسی لیے بعض حلقے میں اس کی اچھی پذیرائی اور اس کے اچھے اثرات تھے، اسی لیے اسلام کش کوئی نظریہ جب کبھی انگڑائی لیتا تو اس کا رشتہ صاف اکبری تحریک سے ملتا تھا، پھر وہی آواز، پھر وہی پیغام کہ کامیابی سب کو ساتھ لے کر چلنے میں ہے، متحدہ قومیت ہی فلاح و بہبود کی کلید ہے، اکبر کے اس نعرے کی گونج، انگریزی دورِ اقتدار میں کچھ صاحبانِ جبہ و دستار، سیاسی بساط کے کچھ ٹھکیدار کی حمایت سے پھر

سنائی دینے لگی۔فرق صرف اتنا تھا جلال الدین اکبر کی جگہ ''گاندھی'' کو بٹھالیا گیا، اورابوفضل وفیضی کی جگہ شیخ الہند، شیخ الاسلام اور امام الہند نے پر کردی، اس وقت وہابی علما کا موقف یہ تھا کہ انگریزوں سے کسی طرح آزادی تو حاصل کی جائے لیکن ہندو لیڈروں کی سرکردگی میں ہندولیڈروں کی اندھی تقلید واقتدا میں وہ اتنے کھو گئے تھے کہ کہاں کہاں ان سے اسلامی قدریں پامال ہورہی تھیں اس کا کچھ بھی پاس وخیال نہ تھا۔ وہ صرف آقا بدلنا چاہتے تھے، گورے آقاؤں کی جگہ کالے آقا۔ اپنے اس انداز فداکاری پر وہ اتنے مُصر تھے کہ پورے ہندوستان میں بھونچال سا پیدا کردیا گیا۔ یہاں پر یہ بھی یاد رہے کہ اکبر کے دین الٰہی کے لیے شیخ عبدالحق شرروبرق اور حضرت امام ربانی قہرآسمانی ثابت ہوئے، اور انگریزی دور کے اس متحدہ قومیت کے فتنے کے لیے امام احمد رضا سدِّ سکندری بن کر کھڑے ہوگئے۔ امام احمد رضا نے اس شدت سے اس دین بیزار طوفان کا مقابلہ کیا کہ زور ٹوٹ کر رہ گیا۔ (دیکھئے رسائل رضویہ جلد دوم)

اپنے ان آقاؤں کی خوشنودی لوٹنے کے لیے ان حضرات نے وہ کچھ کیا کہ آج تک غیرتِ اسلامی سکتے میں ہے۔گائے کی قربانی بندکروانے لگے۔۔۔۔۔۔گاندھی کی جے کے نعرے لگانے لگے۔۔۔۔۔۔پیشانی پر قشقے کھنچوانے لگے۔۔۔۔۔۔ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا۔۔۔۔۔نجس مشرکوں کو خدا کی پاک مسجدوں میں بٹھایا گیا۔۔۔۔۔۔تلقین کی گئی کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے۔۔۔۔۔خود گاندھی کو اپنا امام مان کراس کے احکام کی تعمیل کرہی رہے تھے، مسلمانوں کو بھی کھلم کھلا ترغیب دینے لگے، برملا کہتے پھرتے تھے ہم کعبہ اور پریاگ کا فرق مٹانا چاہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ (۲۷) اعلان کرتے پھرتے کہ ملتیں اوطان سے بنتی ہیں، تبھی شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کو کہنا پڑا

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود برسر منبر کہ دین از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است (۲۸)

مولوی حسین احمد کے علاوہ مسٹر ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر روزنامہ

''زمیندار'' لاہور جیسے ذمہ دار لوگ گاندھی کی آندھی میں بہہ کر، بڑھ بڑھ کر اہلِ حرم کو سومنات کا راستہ دکھا رہے تھے، اخبار زمیندار نے یہاں تک لکھ ڈالا ؎

'' یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو مگر ہم بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا، تو مالوی ہی سہی خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے(۲۹)

یہ سیاسی پس منظر وہ درناک سانحہ ہے جس نے مذہب اسلام پر کاری ضرب لگائی، شوکت اسلام ہندستانیوں کی نظر میں گھٹائی، مسلمانوں کے اذہان سے عظمتِ دین نکالی، اور کافروں، بدمذہبوں، ملحدوں سے انس ولگاؤ کو قلوب میں جگہ دی۔ لوگوں نے دیکھا جب بڑے صاحبانِ جبہ ودستار۔۔۔۔ سخنور و مضمون نگار۔۔۔۔۔۔ ادیب وخطیب شعلہ بار، یہی کہہ رہے ہیں، یہی کرر ہے ہیں، تو ہم کس گنتی میں ہیں۔

''چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی''

دوسری طرف شدھی تحریک کے ذمہ داروں نے دیکھا تو اگرم ہے روٹی سینک لینی چاہیے۔۔۔۔۔۔ ماحول ساز گار ہے سکہ اچھال دینا چاہیے۔ انہوں نے فوراً اپنی تحریک کو دوآتشہ کر دیا، نتیجہ یہ کہ گاؤں کا گاؤں ظلمتِ کفر میں ڈوب گیا۔ یہ حالات کیوں پیدا ہوئے، حضور مفتی اعظم ہند جو ان سارے حالات کے چشم دید گواہ ہیں، نے بھی روشنی ڈالی ہے اور خوب ڈالی ہے:

''آج یہ فتنۂ خبیثہ ارتداد، تمہارے اس نامراد اتحاد اور محبت، داد غلامی وانقیاد کا نتیجہ ہے۔ سچ کہو کیا پہلے بھی کسی نام کے مسلمان کو بھی ہندو ہوتے دیکھا ہے، اللہ اکبر! دھونی پرشاد اور یہ ہمت، گھاس کے کھانے والوں میں یہ جرأت، مدعیان اسلام! تم نے انہیں جری کیا، تم نے انہیں ہمت دلائی، تم نے انہیں دلیر بنایا، ہاں، ہاں، تم نے انہیں دلیر بنایا، ہاں ہاں تم نے انہیں اُبھارا، نہ تم ان پر ایسے ہوش کھو کر فدا و نثار ہوتے، نہ وہ غافل پا کر تمہارے شکار کو تیار ہوتے۔(۳۰)

یہ بھید صاف کھل گیا کہ گندم نما جو فروش، دوست نما دشمنوں کی عاقبت نا اندیشانہ حرکتوں نے جذبۂ اسلامی اور ولولۂ مسلمانی کو کمزور کیا، جس سے شدھی سنگٹھن تحریک کو بڑھاوا ملا اور کام کر گزرنے کا موقع ہاتھ آیا۔

شدھی تحریک کا مختصر سا تاریخی تعارف یہ ہے کہ سوامی دیا نند نے ۱۰/اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی، ۱۹۱۱ء میں اسی آریہ سماج کے بطن سے شدھی تحریک کا جنم ہوا۔ اس ذیلی شاخ کا مقصد تھا مسلمانوں کو زک پہنچانا اور سیکڑوں برس پہلے مسلمان ہونے والے راجپوتوں کو دوبارہ ہندو دھرم میں شامل کرنا۔ اس تحریک کے وجود میں آتے ہی اس کی غرض و غایت کی تکمیل اور مطلوبہ مقاصد کی تحصیل کے لیے ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے، پھر کیا تھا شدھی تحریک پورے کروفر کے ساتھ میدانِ عمل میں کود پڑی، قسمہا قسم کے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے عازم سفر ہوگئی، قوت قہری کے ساتھ، عمدہ عمدہ باجے، اچھے اچھے گانے والی پری پیکر لڑکیوں کے ساتھ مسلم علاقوں کا دورہ شروع کر دیا، نرمی سے اگر بات بن گئی تو ٹھیک ہے، ورنہ مظالم کے پہاڑ بھی توڑے جانے لگے، مذکورۃ الصدر سیاسی بازیگروں اور دینی سوداگروں کو مثال میں پیش کر کے ان کی حرکات و سکنات کو شواہد بنا کر اسلام سے پھر جانے کا حکم دینے لگے۔

علامہ شرف الدین جائسی حقائق نگار ہیں:

''آج میدانِ ارتداد میں منشی رام شردھانند کا فوٹو جو جامع مسجد دہلی میں، اس کے منبر پر بیٹھے ہوئے اور لکچر دینے کا لیا گیا ہے، ملکانوں (راجپوتوں) کو دکھا دکھا کر مرتد کیا جا رہا ہے، شرم، شرم، شرم۔(۳۱)

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں کہیں کوئی آواز نہیں، کہیں کوئی احتجاج نہیں، کہیں کوئی ان مسلمانوں کا ہمدم و دم ساز نہیں، مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں، تمام خانقاہوں میں جمود طاری تھا، سارے مسلمانوں کا مقتدا بننے والے چپ سادھے بیٹھے تھے۔ مگر جیسے ہی حضور مفتی اعظم کو آریوں کی کاروائیوں کا علم ہوا اور ملک میں یہ خبر گونجی کہ ساڑھے چار

لاکھ مسلمان راجپوت، جو آگرہ، میرٹھ اور دہلی کے اضلاع میں رہتے ہیں، اس بات پر تیار ہیں کہ پھر سے ہندو دھرم اختیار کرلیں۔ یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی حضور مفتی اعظم بے چین ہو گئے اور فوراً ہی اس فتنے کی سرکوبی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اولاً ۷ جمادی الآخر، ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء کو رام پور ''دبدبۂ سکندری'' اخبار کے دفتر پہنچے اور اخبار کے ذریعے ذمہ دار مسلمانوں کو اس فتنے کے تعلق سے متنبہ کرایا۔ بعدہٗ بریلی شریف میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کی میٹنگ لی اور کیسے کیا کرنا ہے، سب کچھ طے کرنے کے بعد دس افراد کے قافلے کے ساتھ اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگئے، میرٹھ سے اپنے دورے کا آغاز فرمایا، آگرہ کو جماعت رضائے مصطفیٰ کا مرکز بنایا اور تحریک کے زد میں جتنے بھی علاقے آئے تھے مثلاً آگرہ، متھرا، میرٹھ، بلندشہر، بھرت پور، علی گڑھ، ایٹہ، گوڑگاؤں، اٹاوہ، اودے پور، میواڑ، جے پور، وغیرہ سب میں اراکین جماعت رضائے مصطفی ودیگر مبلغین نے آریہ سماجیوں کا بھرپور مقابلہ کیا۔ اور اپنے مسلم بھائیوں کے ایمان بچانے کی دینی اخلاقی خدمت میں ڈوب گئے، یہ کام پتھر کا چنا چبانے سے زیادہ سخت تھا، فرداً فرداً لوگوں سے ملنا اور ان کی آپ بیتی سننا، ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں رکھنا اور اسلام کی طرف مائل کرنا، پھر اسلام پیش کرنا اگر مان گئے تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کی سخت وسست سننے کے لیے تیار رہنا، اس میں بات بڑھنے اور بگڑنے کے خطرات سے دوچار رہنا اور پھر یہ شخص واحد کا معاملہ نہیں تھا، (جیسا کہ پیچھے گزرا) اس کے پیچھے پوری تنظیم لگی ہوئی تھی، پورا نیٹ ورک تھا جو حالات کی کڑی نگرانی کررہا تھا، گویا کہ اس راہ میں قدم رکھنا اس جمعیت کو چیلنج کرنے کے مترادف تھا، پھر ان ناہنجاروں کی طرف سے کچھ بھی ہوسکتا تھا، اتنے سامان ستم تھے اور یک جان عندلیب، حضور مفتی اعظم ہند نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ خود آگرہ میں آرام فرماتے اور مبلغین کو دوسرے مقامات پر بھیجتے رہتے، بلکہ آپ بھی کسی وفد کے ہمراہ رہتے، اللہ اکبر! مفتی اعظم کی جفاکشی، دور دراز کے مقامات کا سفر کرتے، شہر سے دور مواضعات میں جہاں نہ پختہ سڑکیں تھیں نہ

سواری کا انتظام، وہاں پا پیادہ تشریف لے جاتے، یہی وجہ ہے کہ پاؤں میں چھالے پڑے، بیمار ہوئے، مگر واہ رے دینی شغف! فکر ہے تو مسلم بھائیوں کے ایمان کی، ساری پریشانیاں برداشت کرتے رہے اور دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے، اس وقت تک گھر کا رخ نہیں کیا جب تک کہ فتنۂ ارتداد کو کچل نہ دیا، بلکہ پلٹ کروار بھی کیا، ہندوؤں میں تبلیغ کر کے بہت سارے ہندوؤں کو داخلِ اسلام فرمایا۔(۳۲)

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ سے حضور مفتی اعظم نے اس سفر کی کچھ روداد بیان فرمائی تھی، تفصیل مفتی صاحب کے زرنگار قلم سے:

''صرف ایک واقعہ سن لیں جو مجھ سے خود حضور مفتی اعظم نے بیان فرمایا تھا۔ اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلے پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ایک رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے، جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے، اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی، یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے، جا کر دیکھا ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے، متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لیے بیٹھے ہیں، ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انہیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے، یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کئے بے غیر، مجمع کو چیرتے پھاڑتے، اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے، اس سے کہا آؤ مناظرہ کرلو۔ اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں، اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر شیر بیشۂ اہلِ سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا، حضرت مفتی اعظم کی غیرتِ ملی کو جوش آیا۔ شیر بیشۂ اہل سنت سے فرمایا کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں، تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے، تو تم لوگ اس

پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اس اپنی جلائی ہوئی آگ میں کودو، جو آگ سے زندہ بچ نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے، اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کود یں، ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا، مبہوت و دم بخود رہ گیا۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے جوش میں آکر گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا ٹس سے مس نہ ہوا، کچھ دیر یہی ہوتا رہا، گانے والے گانا بھول گئے، حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں، سارا مجمع ساکت وجامد دیکھتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا، مولوی جی اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل، ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا، اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہو گئے۔ حضرت شیر بیشۂ اہلِ سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔

بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی اہلِ چین چین میں ایران میں ایرانی بھی
پر تیرے نام پر تلوار اُٹھائی کس نے بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے (۳۳)

صرف اس ایک واقعہ سے اس سفر کی جو صعوبت، بلاکشی، عزم و ہمت، اخلاص و استقلال، جوش جنوں، ولولہ صداقت، مؤمنانہ شان، کیف استغنا کا منظر سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر مفتی اعظم کے جذبۂ استقامت کو سلام کرنا پڑتا ہے۔ ان پانچ سال سے زیادہ کی مدت میں اس طرح کے بلکہ اس سے بھی بڑے بڑے واقعات سامنے آئے ہوں گے، کتنی ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں سے گزرنا پڑا ہوگا، مگر واہ رے مفتی اعظم کی قومی جاں نثاری، کسی سانحہ نے ان کے عزم جواں کو متزلزل نہ کیا، ۔۔۔۔۔۔حضور مفتی اعظم کی انتھک کوشش، اخلاص و ایثار کا یہ اثر ہوا کہ شدھی تحریک کمزور اور بے اثر ہونے لگی اور لوگ اسلام کے قریب آنے لگے۔ حضور مفتی اعظم ہند نے اپنے ہاتھوں سے سروں کی چوٹیاں کاٹیں اور اسلامی نام

رکھے، تقریباً پانچ لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر داخل اسلام کیا۔ ۱۹۲۳ء میں شروع ہونے والی اس تحریک نے کامیابی کا تاج زیب سر کئے، ۱۹۸۲ء میں اس وقت اپنے اختتام کو پہنچی، جب شدھی تحریک نیست و نابود ہوگئی۔ (۳۴)

اب مفتی اعظم کے سامنے یہ مسئلہ سب سے اہم تھا کہ ان نومسلموں میں جذبۂ دینی کیسے پائدار کیا جائے اور غیرتِ اسلامی کیسے برقرار رکھی جائے۔ اس کے لیے آپ نے شدّھی تحریک زدہ آبادیوں میں مکاتب و مدارس کا قیام اور مفت دینی کتب کی فراہمی اور اسلامی درد رکھنے والے مبلغین کا مستقل انتظام کیا، تاکہ پھر کسی باطل پرست قوت کو نقب زنی کا موقع نہ ملے۔

مولانا محمد شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں:

''اس بات کو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے محسوس کیا کہ مسلم راجپوتوں کے ذہن سے نسل پرستی کے چراغ کا خاتمہ، جذبہ اخوت اسلامی پیدا کرنے ہی سے کیا جا سکتا ہے، چنانچہ حضور مفتی اعظم ہند نے، گاؤں، گاؤں میں مدارس قائم کیے اور ان مدارس میں مستقل اساتذہ رکھے، جوان مسلم راجپوتوں کو اسلامی تعلیم دیتے رہے، جماعت رضائے مصطفٰے اپنے بجٹ سے یہ سارا خرچ پورا کرتی تھی''۔ (۳۵)

حضور مفتی اعظم کے وہ اکابر و معاصر و اصاغر جن کی چاہت و نیک خواہشات، رفاقت و والہانہ جذبات، محبت و فدائی احساسات قدم قدم پر مفتی اعظم کے ساتھ رہے، بڑی ناانصافی ہوگی اگر ہم ان کا ذکر نہ کریں، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں ۔۔۔۔ امیر ملت حضرت مولانا پیر سید جماعت علی صاحب علی پوری، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، ۔۔۔۔۔۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی ۔۔۔۔ حضرت مولانا محمد قطب الدین اشرفی ۔۔۔۔ اشرف المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی، کچھوچھوی ۔۔۔۔ استاذ العلما حضرت مولانا حسنین رضا خانصاحب ''ایڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی'' ۔۔۔۔ ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری ۔۔۔۔ ادیب شہیر مولانا ابرار حسن حامدی، تلہری ایڈیٹر ماہنامہ یادگار رضا بریلی ۔۔۔۔ مفتی پاکستان حضرت مولانا

سید احمد رضوی الوری ۔۔۔۔ حضرت مولانا سید دیدار علی الوری ۔۔۔۔۔ شیخ العلما حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوری۔۔۔۔ برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق صدیقی جبل پوری ۔۔۔۔۔شیر بیشہ اہلِ سنت حضرت مولانا حشمت علی خان پیلی بھیتی ۔ ۔۔۔۔حضرت مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی ۔۔۔۔۔حضرت مولانا عرفان علی، رضوی بیسل پوری، محقق دوراں، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بھاگلپوری ۔۔۔۔۔چودھری عبد المجید ۔۔۔۔رئیس اعظم شیروانی سہلور، وغیرہم۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنہ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخِ اسلام کا وہ رفیع مینارۂ نور ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔اس عظیم کارنامہ کو لوح سیمیں پر آب زر سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے لوگ اپنے اسلاف کے نا قابل ذکر واقعات کو بھی ذکر و تذکرے کی میز پر لا کر قابل ذکر بنانے کی نا مسعود کوشش کرتے ہیں، بلکہ اگر بعض کارناموں کی فہرست ان کے بڑوں کے ذکر سے خالی ہو تو مفروضات سے کام چلانے میں بھی وہ لوگ دریغ نہیں کرتے اور ہم ہیں کہ اپنے بزرگوں کے حقیقی واقعات، تاریخی کارناموں کو بھی کما حقہ پیش نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے بڑے سے بڑا کارنامہ پردۂ خفا میں چلا جاتا ہےاور لوگ تنقید کرتے ہیں کہ سماجی خدمت کے حوالے سے اس جماعت نے کیا کیا؟ ایک حضور مفتی اعظم کا تحریک انسداد ارتداد کا کارنامہ اتنا عظیم الشان کارنامہ ہے کہ اگر باضابطہ اس کی پیش کش ہو اور بار بار ہو تو یہ وہ سورج ہے جس کے ظہور اِجلال کے ساتھ ہی تمام چراغ گل ہو جائیں گے، اجالا ہو گا تو صرف مفتی اعظم کے کارنامے کا اوروں کے ہزاروں نہیں، لاکھوں کارناموں پر مفتی اعظم کا یہ کارنامہ تنہا بھاری ہےاور حق یہ ہے کہ سدا بھاری رہے گا۔

ایمر جنسی کا زمانہ اور مفتی اعظم کا تاریخی، تبلیغی کارنامہ

۷۷۔۱۹۷۶ء کا دور جسے ایمر جنسی کا دور کہا جاتا ہے۔ جس دورِ سراپا جور میں اِندرا حکومت نے نس بندی کا جبری قانون نافذ کیا۔خاندان کا خاندان اور گھر کا گھر اس کی لپیٹ میں آ گیا۔لوگوں کو پکڑ پکڑ کر، زبردستی ان کی نسبندی کی جانے لگی، حکومتی کارندے شہر، شہر،

گاؤں، گاؤں، محلہ، محلہ اور گھر، گھر دستک دے رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں آپ کے کتنے بچے ہیں اگر دو یا تین ہیں تو نس بندی کرا لیجیے، کہیں لالچ دے کر، کہیں ڈرا دھمکا کر آئندہ کا سلسلہ بند کیا جا رہا ہے، گورنمنٹ کے ملازمین کو سخت تاکید کی گئی کہ خود نس بندی کراؤ اور پانچ، دس آدمیوں کو پکڑ کر لاؤ، ورنہ تنخواہ روک دی جائے گی، یا ملازمت سے نکال دیئے جاؤ گے۔ حکومت کا یہ ظلم وزیادتی اتنی بڑھی کہ نئے، نویلے دولہے کی بھی نس بندی کر دی گئی، پورے ملک میں کھلبلی مچ گئی، کانگریسی مفتی جو پہلے انگریز اور اب کانگریس کے اشارۂ ابرو پر کام کرتے رہے، انہوں نے حکومتِ وقت سے سودا کر لیا اور نس بندی کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا۔ آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے ایک آواز بلند ہوتی ہے، اب تک منفی پہلو پر غور کیا گیا، اب مثبت پہلو پر غور کرنا چاہیے۔ یہ آواز تھی حضرت جی کی آواز جس غیور کان سے ٹکرائی سنسنی پھیلاتی چلی گئی۔

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی تحریر فرماتے ہیں:

''ایمرجنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی انتہا کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لیے وہ ستم ڈھائے کہ الامان والحفیظ! اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی زبانیں گنگ ہو گئیں، ابن الوقت، حکومتِ وقت کی حمایت میں اتر آئے، کرائے کے مفتی دارالافتا کی مٹی پلید کرنے لگے۔ ''(۳۶)

حکومت نے اس فتویٰ کو ذریعے بنا کر نس بندی میں اور شدت پیدا کر دی، گاؤں اور دیہات میں گھوم گھوم کر نس بندی کی جانے لگی، جب نس بندی ٹیم کی گاڑی گاؤں میں پہنچ جاتی تو لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ جاتے اور کھیتوں، جنگلوں میں چھپ جاتے۔ علمائے حق نے جب اس پر احتجاج کیا تو حکومت سخت برہم ہو گئی اور ان میں سے بعض کو جیل میں ڈال دیا اور دوسرے علمائے حق کی سخت نگرانی کی جانے لگی۔ حالات نے بہت ہی خطرناک رخ اختیار کر لیا تھا، حکومت کے خلاف آواز نکالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، ایسے میں ایک طرف مسلمانانِ ہند امید بھری نظروں سے مفتیِ اعظم کا منہ تک رہے تھے، تو دوسری طرف

حکومت کی نگاہ بھی صرف مفتی اعظم پر ٹک کر رہ گئی تھی، اس لیے صرف دربار تھا جس کا سودا کرنے میں حکومت اب تک ناکام تھی، مفتی اعظم پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ آپ نسبندی کی حمایت میں ایک بیان جاری فرماں دیں، تاکہ مسلمانوں کے لیے راستہ ہموار ہو جائے، مسلمان کھلے دل سے اس کی ضرورت کے معترف ہو جائیں، مگر ایسے نازک حالات اور اتنے حکومتی دباؤ، نیز ایمرجنسی کے قہر کے باوجود مفتی اعظم نے وہی جواب دیا جس کی اس ذات با برکات سے امید تھی، حضرت مفتی اعظم، حکومت کے مقابل کلمہ حق کہنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور بڑی بے باکی سے کام لیتے ہوئے تبلیغ حق کا فریضہ ادا کر دیا، فتویٰ لکھ دیا کہ

''ضبطِ تولید کے لیے مرد کی نس بندی یا عورت کا آپریشن متعددؔ وجوہ سے شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور یہ قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے۔قرآن عظیم میں ہے''**ولاٰمرنھم فلیغیرن خلق اللّٰہ**'' یعنی شیطان بولا میں ان کو بہکاؤں گا، تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلیں گے، تفسیر صاوی میں ہے''**من ذالک تغییر الجسم**'' اور اس میں سے ہے جسم کی تغییر اور تفسیر کبیر میں ہے''**ان معنی تغییر خلق اللہ ھھنا ھو الاخصاء، الخ**۔ یعنی اس آیت میں تغییر خلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے:''**لعن اللہ المغیرات خلق اللّٰہ**''''**ملخصاً** یعنی اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز (جسم کے قدرتی بناوٹ) کو بدلنے والی ہیں۔ ---------الحاصل نس بندی یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں، لہٰذا اس سے نفرت لازم ہے''۔(۳۷)

فتویٰ تو لکھ دیا اب اسے پھیلائیں کیسے، پریس پر پابندی، چھاپہ خانے پر پابندی، حمل ونقل پر پابندی، اِبلاغ وترسیل پر پابندی، مگر مفتی اعظم نے ان پابندیوں کی جکڑ بندیوں کے بیچ اس فتویٰ کو سائیکلو اسٹائل کرایا اور ملک کے گوشے گوشے میں جیسے بھی ہوسکا روانہ کر کے سچے مبلغ اسلام اور مخلص داعی دین کا فریضہ ادا کر دیا۔ مسلمانانِ ہند جو اس کس مپرسی کے عالم میں بریلی کی راہ دیکھ رہے تھے، جونہی مفتی اعظم کے فتویٰ کی خبر ملی خوشیوں کا سیلاب

آ گیا، مفتی اعظم ہند زندہ باد! مفتی اعظم ہند زندہ باد! کے نعروں سے فضائے ہند دہل گئی، حق وصداقت کی ترجمانی جو بریلی کا طرۂ امتیاز رہی ہے، ایک بار پھر مفتی اعظم نے خوف وہراس کے بیچ احقاقِ حق کر کے جریدۂ عالم پر بریلی کی حق کوشی کا نقش ثبت کردیا، جب حکومت کو مفتی اعظم کے اس تاریخی فتویٰ کا علم ہوا تو حکومت بے چین ہوگئی اور مفتی اعظم کے باز پرس کی سر گوشیاں ہونے لگیں، مگر چوں کہ مفتی اعظم پورے عالم اسلام میں مرکزی شخصیت تھے، آپ کی ذات شریف قطعی غیر متنازعہ تھی، آپ کا فرمودہ ایک ایک حرف، مسلمانان عالم کے لیے حرز جاں تھا، اس وقت کی صوبائی حکومت بھی اچانک کوئی اقدام کر کے بلائے ناگہانی کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ ضلع کلکٹر کے ذریعے مسلح فورس کے ساتھ حق گوئی کے اس سالارِ اعظم کی گرفتاری کی ہدایتیں جاری کیں، لیکن ایک صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر، یو پی نے مرکزی حکومت کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر مفتی اعظم کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑ گئی تو پورا ہندستان خون میں نہا جائے گا۔ حکومت کے کارندے آئے، حضور مفتی اعظم کا سامنا ہوا، ہیبت حق کے جلال سے قہری طاقت پر ناز کرنے والے مرعوب ہوگئے، پوچھا، کیا یہ فتویٰ آپ نے لکھا ہے؟ حکومت کی آنکھ میں آنکھ ڈال فرمایا: ہاں ہم نے لکھا ہے۔ سوال ہوا، ایمرجنسی کے دور، حکومت کے فرمان اور قانون کے آہنی پنجے کا آپ نے لحاظ نہ کیا ؟ ارشاد فرمایا: ہمارے نزدیک اصل چیز نظام مصطفےٰ کی حفاظت ہے، ہم قانون کے بھی وہیں تک پابند ہیں جہاں تک قانون نظامِ مصطفےٰ کا پابند ہے، حکومت کی کوئی قوت اور ایمرجنسی کی کوئی پابندی قانون مصطفےٰ کے اجرا میں ہمیں پابند نہیں کرسکتی، ہمارا تن، من، دھن، اس الٰہی قانون کے تحفظ پر نثار ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم خدا کی زمین پر، مصطفائی حکومت میں جی رہے ہیں، یہ دنیاوی حکومت آنی، جانی اور فانی ہے، مگر وہ حکومت باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی اور زمانے نے دیکھ لیا کہ جس حکومت کو مفتی اعظم نے فانی کہہ دیا تھا تھوڑے ہی دنوں میں فنا ہوگئی، جو لوگ گرفتار کرنے آئے تھے وہ گرفتار حق وصداقت ہوکر نامراد واپس ہوگئے، اس طرح حضرت کی گرفتاری کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا اور مفتی اعظم نے وہ کام کردیا

کہ تاریخ ہند کے سینے پر ان کی جرأت وبے باکی کی داستان درج ہوگئی۔

اس زندگی کے حسن کی تابندگی نہ پوچھ جو حادثوں کی دھوپ میں تپ کر نکھر گئی

حضرت شیخ الاسلام نے پوری اسلامی تاریخ کے سمندر کو چند جملوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ:

’’جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر سے پیغامِ رسول کی حفاظت فرمائی، قیصر وکسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی فاروق اعظم کے ذریعے، یونہی جب خوارج نے قرآنی آیات کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی، تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی مولائے کائنات کے ذریعے، جب یزید نے سرکشی کا سر اٹھایا، تو خدا نے اپنا دین بچایا حسین ابن علی کے ذریعے، جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل کو بچایا، امام احمد بن حنبل کے ذریعے، جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا مجدد الف ثانی کے ذریعے، جب وہابیت و قادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا امام احمد رضا کے ذریعے، جب ایمرجنسی کے دور میں خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریے کو منوانے کے لیے حکومت نے جور وستم ڈھائے تو ایسے خوف وہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعے ‘‘۔(۳۸)

حضور مفتی اعظم کے اس تاریخ ساز فتویٰ سے دیگر بے شمار فوائد کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس فتویٰ نے لاکھوں ہی نہیں، ان گنت بچوں کو پیدائش سے پہلے قتل ہونے سے بچالیا، اس لیے ہم نے اس فتویٰ کے منظر، پس منظر کو سامنے رکھ کر اپنے تحقیقی مقالہ ’’امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ‘‘ میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

’’۱۹۷۷ء کے بعد سے جو مسلم نسل کی فصل نظر آرہی ہے، جو بچے وجود میں آرہے ہیں، مفتی اعظم کے اسی تاریخی فتویٰ کی چلتی پھرتی نشانیاں ہیں، قوم مسلم کو حضور مفتی اعظم کا

شکر گزار رہنا چاہیے کہ انھوں نے ان کی گود کو سونی ہونے سے بچا کر ہمیشہ کے لیے ہری بھری کر دیا ہے۔(۳۹)

حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افق حیات سے دعوت و تبلیغ کے چند چمکتے آفتاب ہم نے پیش کیے ہیں، ضرورت ہے کہ ان دعوتی، تبلیغی لعل و گوہر سے ہم اپنے دستار عمل کو سنواریں، طرۂ علم کو سجائیں، آج دین سے دوری کا المناک ماحول پوری شدت سے حضور مفتی اعظم کو آئیڈیل بنا کر دعوت و تبلیغ کا علم تھام لینے کا تقاضہ کر رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ علما کے منصب کا اٹوٹ حصہ ہے، کہیں نہ کہیں ضرور اس منصب سے ناانصافی ہو رہی ہے کہ جہل علم کو چیلنج کر رہا ہے، حالاں کہ روشنی کی ہلکی سی کرن، پورے میدان کی ظلمت کا کلیجہ چیر دیتی ہے، تو پھر جب علم بڑھ رہا ہے تو جہالت گھٹ کیوں نہیں رہی ہے، دعوت و تبلیغ کی راہ میں ضرور کہیں ہم سے بھول ہو رہی ہے، اس کے محاکے کی ضرورت ہے۔ علما کا منصب ہی حق گوئی، حق کوشی اور حق بیانی کا منصب ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''وہ عالم جو حق بات کہنے کے موقع پر چپ رہے وہ گونگا شیطان ہے'' ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز جس طرح اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے، اور علمائے کرام ورثۃ الانبیا ہیں، اسی طرح اس پر بھی یقین کامل رکھتے تھے کہ علما کے ذمے دو فرض ہیں، ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا، دوسرا فرض مسلمانوں کو ان کی دینی باتوں سے واقف بنانا، ان پر مطلع کرنا''(۴۰)

معلوم ہوا دعوت و تبلیغ بھی اعلیٰ حضرت کی نظر میں علما پر فرض ہے، اس فرض کو ہم کتنا نبھا رہے ہیں، اس کے ساتھ کتنا انصاف کر رہے ہیں اپنا اپنا جائزہ لینے، محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

آیئے! حضور مفتی اعظم کی کتاب زندگی کو رہنما اصول مانتے ہوئے، انہیں اپنا آئیڈ

یل تسلیم کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ کے فریضے کی ادائیگی میں جٹ جائیں۔ مفتی اعظم کا فیضانِ کرم ہمارے انتظار میں ہے۔ حضور مفتی اعظم نے تقریباً ۷۵ سال (پون صدی) تک دعوت وتبلیغ فرمائی، دین وملت کی خدمت کی، اہل علم میں علم کا گوہر لٹا کر۔۔۔ عام لوگوں کو کردار کا سنگھار بخش کر۔۔۔ فقہا کو فقہ کا رمز سمجھا کر۔۔۔ صوفیا میں اصل تصوف کی روح جگا کر۔۔۔ ادبا کو ادب کی مانگ سجا کر۔۔۔۔ شعرا کو شعریت وشریعت کا ہم آہنگ بنا کر۔۔۔ غرضیکہ ہر طبقے کو اپنے محاسن واوصاف کی چاندی سے مالا مال کیا۔۔۔۔ ایک مفتی اعظم اور پورے برصغیر کی خصوصاً عالم اسلام کی خصوصاً دینی روحانی قیادت' عقل حیران ہے کہ مفتی اعظم تنہا انسارے محاذات سے کیسے نبرد آزما رہے اور جب بھی رہے سرخرو ہی رہے، ۔۔۔ عزت ان پر نچھاور ہوتی تھی۔۔۔۔ عظمت ان کی بلائیں لیتی تھی۔۔۔۔ طوفان ان قدموں پر سر پٹک کر پلٹ جاتا تھا۔۔۔۔۔ اگر کبھی بے سروسامان عقل حیران ہو جائے کہ یہ سب کیسے ہوا۔۔۔ اور کیسے ہوتا تھا۔۔۔ تو اسے مفتی اعظم کے فوز وفلاح کے ساز و سامان، قطب الارشاد کی، امام احمد رضا کی دعا اور قطب الاقطاب حضرت سید ابوالحسین احمد نوری کی بشارت سنادی جائے۔ ''اے رب کریم! مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے''۔ (دعائے رضا)

''یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔'' (بشارت نوری)

مضطرب عقل پر یقین کا کیف چھا جائے گا اور وہ بھی پکار اٹھے گی، کاش کہ میں بھی عشق کے کنبے میں پیدا ہوئی ہوتی۔

حوالے

(۱) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ص، ۳۹

(۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، حضرت سید آل رسول حسنین میاں، ص ۳۲

(۳) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت۔۔۔ مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ص ۴۰، ۴۱

(۴) حیات مفتی اعظم، مصنف، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۴۵

(۵) مفتی اعظم اوران کے خلفا مقدمہ، حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری، ص ۲۳
(٦) جہان مفتی اعظم، مضمون حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۳
(۷) جہان مفتی اعظم، مضمون حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۲
۸ پیغام رضا، مضمون، حضرت سید آل رسول حسنین میاں، ص ۲۳
(۹) جہان مفتی اعظم، مضمون، حضرت سید شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۴
(۱۰) جہان مفتی اعظم، حضرت سید شاہد علی رامپوری، ص ۱۰۴
(۱۱) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر۔ مضمون ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، ص۔ ۲۵۲
(۱۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر۔ مضمون ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، ص ۲۵۲
۱۳ تین برگزیدہ شخصیتیں، مضمون، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ص ۱۳
۱۴) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، ڈاکٹر علاؤالدین خاں، ص ۱۷۵۔۔۱۷٦
(۱۵) برکات شریعت، مصنف، مولانا شاکر علی نوری ص: ٦۷۲۔۔٦۷۳
(۱٦) رسائل نوری، ص، ۴، ۷، پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شمشاد حسین، ۱۲٦۔۔۱۲۷
(۱۷) استقامت کانپور، مفتی اعظم نمبر۔۔ مدیر، مولانا ظہیر الدین خان ۱۷۵۔۔۱۷٦
(۱۸) تاجدار اہلسنت، ناشر، رضا اکیڈمی، ٦۷، تا، ۷۷
(۱۹) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت۔۔۔ مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ۱۷۸۔۔۱۷۹
(۲۰) انوار مفتی اعظم، مضمون، مفتی محمد شریف الحق امجدی، ص: ۲٦۲
(۲۱) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ص ۲۰۱۔۔۲۰۲
(۲۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مفتی محمد مطیع الرحمان، ص: ۱۷
(۲۳) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، محمد مطیع الرحمان، ص: ۸۸
(۲۴) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۳۱
(۲۵) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۳۲
(۲٦) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۱۰۳
(۲۷) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۱۵، ۱٦
(۲۸) رسائل رضویہ، ج، دوم، مقدمہ، مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری، ص ۹
(۲۹) کلیات اقبال، مصنف، ڈاکٹر اقبال، ص: ۳۵۲
(۳۰) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۹۷
(۳۱) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵٦۹
(۳۲) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵٦۱
(۳۳) جہان مفتی اعظم، مضمون، مولانا توفیق احمد نعیمی، ص: ۸۹۷

(۳۴)انوار مفتیِ اعظم، مصنف، مفتی شریف الحق امجدی، ص: ۲۸۰، ۲۸۱
(۳۵) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص: ۱۷۲
(۳۶) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص: ۱۷۲
(۳۷) امام احمد رضا اور عشق مصطفٰی، مصنف، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفٰی نجم القادری، ص: ۴۰۷
(۳۸) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۳۱
(۳۹) تاجدار اہل سنت، ناشر، رضا اکیڈمی، ص: ۱۷۵
(۴۰) امام احمد رضا اور عشق مصطفٰی، مصنف، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفٰی نجم القادری، ۴۰۶
(۴۱) حیات اعلیٰ حضرت، مصنف، ملک العلما، مولانا سید ظفر الدین، ص: ۲۱۷

منابع ومراجع

۱۔رسائل رضویہ، ج، دوم، مصنف، امام احمد رضا، ناشر مکتبہ حامدیہ، لاہور ۱۹۷۶ء
۲۔ فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ناشر، رضا اکیڈمی ممبئ ۲۰۰۰ء
۳۔حیات اعلیٰ حضرت، مصنف، ملک العلما، مولانا سید محمد ظفر الدین، ناشر، قادری کتاب گھر، بریلی۔
۴۔مفتی اعظم اور ان کے خلفا، مصنف، مولانا محمد شہاب الدین، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۲ء
۵۔امام احمد رضا اور عشق رسول، مصنف، ڈاکٹر غلام مصطفٰی نجم القادری، ناشر، رضا فاؤنڈیشن بنگلور، ۲۰۰۳ء
۶۔پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مدیر، مولانا رحمت اللہ صدیقی، ناشر، رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، ۱۹۹۷ء
۷۔جہان مفتی اعظم، مرتب، مولانا مقبول احمد سالک مصباحی، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۲۰۰۷ء
۸۔حیات مفتی اعظم، مؤلف، مرزا عبد الوحید بیگ، ناشر، رضا دار الاشاعت، بریلی، ۱۹۹۰ء
۹۔انوار مفتی اعظم، مرتب، مولانا محمد احمد مصباحی، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۲ء
۱۰۔استقامت، مفتی اعظم نمبر، مدیر، مولانا ظہیر الدین قادری ناشر، ادارۂ استقامت، کانپور، ۱۹۸۳ء
۱۱۔برکات شریعت، مصنف، مولانا شاکر علی نوری، ناشر، مکتبہ طیبہ، ممبئ، ۲۰۰۷ء
۱۲۔تاجدار اہلسنت، مدیر، الحاج، محمد سعید نوری، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۴۲۷ھ
۱۳۔تین برگزیدہ شخصیتیں، مصنف، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ناشر، رضوی کتاب گھر، دہلی، ۱۹۹۳ء
۱۴۔مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مولانا عابد حسین مصباحی، ناشر، مکتبہ جام نور، دہلی، ۲۰۰۳ء
۱۵۔کلیات اقبال مصنف، ڈاکٹر اقبال، ناشر، ادبی دنیا، دہلی، ۱۹۷۵ء

a a a a a

☆حضرت مولانا عبدالمالک مصباحی
سنی دارالافتا، مدینہ مسجد، آزادنگر، مانگو، جمشید پور، جھارکھنڈ

حضور مفتی اعظم ہند اور مسلک اعلیٰ حضرت

حضور مفتی اعظم ہند ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ مطابق ۱۸۹۲ کو بریلی شریف کے محلہ سوداگران میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد محترم مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں۔آپ اسی عظیم باپ کے لائق فرزند ہیں۔آپ کی ولادت کی خوشخبری جس انداز سے آپ کے مرشد گرامی حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے دی۔اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ مادرزاد ولی ہیں۔سید آل رسول حسنین نظمیؔ میاں فرماتے ہیں:

قطب مارہرہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوریؔ میاں صاحب آپ کے والد محترم سے فرماتے ہیں:

> مولانا صاحب! مبارک ہو آ کے یہاں فرزند تولد ہوا ہے۔ہم نے اس کا نام ''آل الرحمٰن مصطفی رضا'' رکھا ہے۔ہم اسے سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں اپنے بیعت میں لیتے ہیں اور ساری اجازتیں اور خلافتیں عطا کرتے ہیں۔انشاء اللہ بریلی آ کر بیعت کی خاندانی رسم بھی ادا کر دیں گے۔یہ وہی دن وہی سعادت تھی۔جب بریلی کے ایک معروف ومشہور گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا۔جس کی پیدائش کی نوید میلوں دور مارہرہ میں موجود پیر روشن ضمیر نے اس بچے کے باپ کو دی تھی۔چھ ماہ بعد نوریؔ میاں بریلی شریف تشریف لے جاتے ہیں اور رسم ادا فرماتے ہیں۔[1]

آگے چل کر اس بچے نے دین کی جو خدمت انجام دی اس سے جہاں پیر روشن ضمیر کی کرامت کا ثبوت ہوا وہیں اسلام کا شجر سایہ دار خزاں کی نذر ہونے سے بھی بچ گیا۔ بلا شبہ حضرت مفتی اعظم ہند کی شخصیت ایک عالم ربانی اور مرشد برحق کی صورت میں مشہور و معروف ہے۔ اور بھلا کیوں نہ ہو کہ آپ علم و فضل کے پیکر اور تقویٰ و طہارت کے مجسمہ تھے۔ آپ کا علمی مقام کتنا بلند ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ۱۹۱۰ء میں آپ نے سب سے پہلا فتویٰ لکھا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مجدد اعظم نے اس فتویٰ کو دیکھ کر اس کی صحت اور درستگی پر مسرت کا اظہار کیا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کو انعام سے بھی نوازا اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔ اس نو عمری میں علم و فضل کا یہ کمال اسے مخصوص فضل الٰہی کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے؟

سرکار مفتی اعظم ہند نے اپنے والد کی جانشینی کا پورا پورا حق ادا کیا جس طرح سے آپ کے والد گرامی نے اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ ٹھیک اسی طرح آپ بھی اسلام پر ہونے والے ہر حملے کا جواب دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ آپ کی جوانی کے زمانے میں ہندوؤں کی طرف سے ایک ایمان سوز تحریک چلی جس کا مقصد تھا مسلمانوں کو ہندو بنانا۔ معاذ اللہ! اس تحریک کو ''شدھی سنگٹھن'' کا نام دیا گیا۔ متعدد مقامات پر ناخواندہ افراد ہندوؤں کے دباؤ اور لالچ میں آکر مرتد ہو گئے۔ مگر ہندستان کی نام نہاد مسلم تنظیموں کے اراکین کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ سب اپنی اپنی دنیا میں مست اور اپنے کاموں میں مشغول تھے حضور مفتی اعظم ہند کو جب اس کی خبر لگی تو انجام کی پرواہ کئے بغیر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ میدان میں اتر پڑے۔ آپ نے اپنے آرام و سکون کو قربان کر کے سنگٹھن کے ممبران کا پیچھا کیا۔ اس سلسلے میں آپ کو جو تکلیفیں اٹھانا پڑیں اس کی داستان نہایت دردناک ہے۔ مگر آپ ہر پریشانی کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے رہے اور مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی حقیقی معرفت کراتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور زبان حال سے کہتے رہے۔

سکوت موت ہے جہد و عمل کی دنیا میں تھکو تو اور بھی قدموں کو خار خار کرو

دین سے آپ کے تعلق خاطر، اس پر عمل اور اس کی نشر و اشاعت کے جذبہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک صاحب قلم کا یہ خراج عقیدت بصد شوق ملاحظہ فرمایئے۔

''محبت اگر صادق ہوتی ہے تو محب کا کوئی قدم محبوب کے حکم کے خلاف نہیں اٹھتا محبوب جو حکم دیتا ہے محب اس کو بجالانے کے لیے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے اور محبوب جس چیز سے روکتا ہے ذہن میں اس کا خیال لانے کو بھی جذبۂ محبت کی توہین سمجھتا ہے۔ زندگی کی کسی راہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ محبوب کے چشم و ابرو کو دیکھتا ہے کہ کہیں میرے اس اقدام سے محبوب کے چہرے پر ناراضگی کا تائثر تو نہیں ابھر رہا ہے۔

جب اس رخ سے ہم حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بانوے برس کی طویل زندگی میں ہمیں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملتا جس پر انگلی اٹھا کر یہ کہا جا سکے کہ انہوں نے یہ لمحہ احکام مصطفیٰ کے خلاف گذارا ہے۔ آخری ایام میں ضعف و نقاہت کا یہ عالم تھا کہ چند قدم چلنے کے لیے بھی سہارے کی ضروت ہوتی تھی مگر یہ اطاعت مصطفیٰ کے جذبہ کا ہی اثر تھا کہ اس قدر ضعیفی اور کمزوری کے باوجود پنجوقتہ نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور اسے اطاعت محبوب کے جذبہ کی کرشمہ سازی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ عام حالات میں چلنے کے لئے سہارے کی احتیاج کے باوجود نماز میں کسی سہارے کی ضرورت درپیش نہ ہوتی تھی اور سارے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات بغیر کسی سہارے کے کھڑے ہوکر ادا فرماتے تھے۔

عشق صادق اور محبت کامل کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ محب کی زندگی محبوب کی زندگی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ اپنی حیات کے ہر گوشہ میں محبوب

کے سنن واطوار کو اس طرح بسالے کہ اس کے معمولات ومشاغل عادات وخصائل اور اقوال وافعال کے آئینے میں محبوب کی زندگی کے خط وخال نمایاں ہوں۔ اس رخ سے جب ہم مفتی اعظم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ انہوں نے اتباع رسول کی وہ عظیم مثال قائم کی ہے کہ دنیا نے اتباع محبوب کا سلیقہ سیکھا۔ آپ ان کی کتاب زندگی کے جس ورق کو الٹکر دیکھیں سنن مصطفی کے نقش ونگار سے مزین نظر آئے گا۔
خلوت ہو یا جلوت، محفل عام ہو یا خاص، آرام وراحت کا وقت ہو یا مشغولیت ومصروفیت کا موقع، مسند افتا ہو یا سجادگی رشد وہدایت، وعظ وخطابت کا اسٹیج ہو یا شعر وسخن کی نشست، مشاغل دنیوی کا ہجوم ہو یا عبادت و ذکر کی یکسوئی، مفتی اعظم جس جگہ نظر آئیں گے مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں میں ڈھلے ہوئے نظر آئیں گے۔ ۲
عشق رسول کی انہیں اداؤں پر قربان ہونے کا نام ہے مسلک اعلیٰ حضرت اس اعتبار سے بلا کسی تردد وتامل کہا جاسکتا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی پوری زندگی مسلک اعلیٰ حضرت کی پاسبانی وترجمانی میں بسر ہوئی۔
کبھی کبھی وقت اور حالات کے بطن سے ایسی ایسی چیزیں معرض وجود میں آجاتی ہیں جن کے محاسن کی توضیح وتشریح سے دفتر کے دفتر بھر جاتے ہیں مگر پھر بھی یہی کہنا پڑتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ کیونکہ ''مسلک اعلیٰ حضرت '' دین حنیف اور صراط مستقیم کی عصری تعبیر کا نام ہے۔
موجودہ دور میں جبکہ دین اور اسلام کے نام پر بیشمار فرقے کوچہ وبازار میں نظر آرہے ہیں۔ جن کے مبلغین کا حال یہ ہے کہ ان کی زبان سے قرآن وحدیث کی اس قدر تکرار کہ سننے والا حیران وششدر رہ جائے۔ علماء اور ائمہ کی ایسی تعریف کہ بس سنتے ہی رہیے۔ نماز

اور روزہ کی ایسی نمائش کہ بس قربان ہونے کو جی چاہے۔شہد دکھا کر زہر پلانے کی ایسی تربیت کہ ابلیس بھی چکرا چکرا گرتا پھرے۔ بالخصوص ہندوستان میں دیوبندیت کی تبلیغ و اشاعت کے بعد سنی اور دیوبندی میں بظاہر کوئی امتیاز باقی نہ رہا کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو سنی حنفی کہتے اور لکھتے تھے ان کے انداز عبادت میں شیعوں یا غیر مقلدوں کی طرح سینوں سے کوئی فرق و امتیاز نہ تھا اس لئے عوام اہلسنت کے لئے مسلکِ اعلیٰ حضرت کی اصطلاح رائج کی گئی تاکہ لوگ بیک نگاہ جان لیں کہ جو مجدد اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمہ (۱۸۵۶۔۱۹۲۱ء) کی تحقیقات کو بسر و چشم قبول کرتا ہو وہ حقیقی اور اصلی سنّی ہے اور جو ان سے اصولی اختلاف رکھتا ہو وہ اگرچہ خود کو سنی کہے مگر حقیقت میں وہ سنّی نہیں۔اسی کو آسان ترین بنا کر علمائے اسلام نے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے نام سے ایک ایسی شاہراہ کی نشاندہی فرمادی جو بغیر کسی کمی اور زیادتی کے ''مذہب اسلام'' پر گامزن کردے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کیوں ؟

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

میرے خیال میں اس کا سب سے اہم اور پہلا جواب تو یہ ہے کہ

ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء.

اس سوال کو پیش کرنے سے پہلے تھوڑی دیر ٹھہر کر ذرا یہ غور کرلیا جائے کہ اگر کوئی کہے کہ علم وفن اور فقہ وحدیث کے کوہ ہمالہ تو بہت سے ہیں پھر حضرت نعمان بن ثابت ہی کو امام اعظم کیوں کہا جائے؟ اگر کوئی کہے کہ عبادت و ریاضت کے شہسوار تو بہت ہیں، تقویٰ و طہارت کے تاجدار تو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، صفحہ ہستی پر رشد و ہدایت کے روشن مینار کی بھی کمی نہیں، اعلائے کلمۃ الحق کی صدائے دلنواز بلند کرنے والوں کی بھی ایک لمبی قطار ہے پھر سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی ہی غوث اعظم کیوں؟

اس قسم کے سوالوں کے جواب میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ **ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء**۔ ان نفوس قدسیہ نے اپنے اپنے زمانوں میں دین متین کی جو

گرانمایاں خدمات انجام دی ہیں ان کے صلے میں من جانب اللہ انہیں ان القاب ومقامات علیا سے سرفراز کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس فتنہ آشوب ماحول میں جبکہ باطل کے پرستار اہل حق کا لبادہ اوڑھ کر شریعت اسلامیہ کے رخ تاباں کو گرد آلود کرنے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی شاطرانہ چالوں سے اسے بیخ وبن سے اُکھاڑ پھینکنے کی سعی بیجا کر رہے تھے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر عظمت اسلام کی سرفرازی کی خاطر میدان عمل میں اُتر پڑے اور ہزار ہا آندھیاں چلیں، لاکھوں طوفان آئے مگر آپ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ ایسے ہوش ربا حالات میں مکمل پامردی اور ثبات قدمی کے ساتھ ملت بیضاء کی آبیاری وآبپاشی میں لگے رہے اور حیات مستعار کے آخری لمحات تک ہر محاذ پر سینہ سپر رہے یہاں تک کہ پروردگار عالم نے آپ کو کونین کی سرخروئی عطا فرمائی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔

آل انڈیا سنّی کانفرنس ۱۹۴۶ء کے دستور میں سنی کی جو تعریف لکھی گئی تھی وہ یہ تھی۔

”وہ ہے جو **ما انا علیه واصحابی** کا مصداق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفائے راشدین، مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماء میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی حضرت ملک العلماء بحر العلوم فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین رامپوری حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمهم اللہ کے مسلک پر ہو“ [۳]

یہ تعریف اس کانفرنس کے دستور اور رکنیت فارم میں درج تھی جس میں پانچ ہزار سے زائد علماء ومشائخ اہلسنت، سات ہزار مفتیانِ کرام شریک تھے اور اس تنظیم سے لاکھوں افراد وابستہ تھے۔

مسلک کے حوالے سے بات تو بہت سے علماء ومحققین کی کی گئی ہے لیکن اس میں شہرت صرف اور صرف امام احمد رضا کے نام کو ملی تو بھلا اس میں واویلا مچانے کی کیا بات؟

یہ رتبۂ بلند جسے مل گیا ملا

مسلک اعلیٰ نشانے پر کیوں؟

آج غیروں کے ساتھ کچھ اپنے کہلانے والے بھی ”مسلک اعلیٰ حضرت“ کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور ”حلقۂ مریداں“ میں بھولے سے بھی کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جس سے لوگوں کے ذہن میں اس تعلق سے بدگمانی کے جراثیم پیدا نہ ہوں۔ ماضی میں تمام اکابرین اہلسنت نے اس کی تائید، توثیق، اور ترویج و اشاعت کا حق ادا کیا۔ ہندوستان تو ہندوستان عالم عرب کے جید علماء کا حال یہ تھا کہ وہ امام اہلسنت کی ذات کو معیار حق سمجھتے تھے، جیسا کہ مشہور عالم عرب حضرت علامہ سید محمد علوی مالکی علیہ الرحمہ، علمائے ہند کے نزدیک امام اہلسنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نحن نعرفہٗ بتصنفاتہٖ و تالیفاتہٖ حبہٗ علامۃ السنہ و بغضہ علامۃ البدعہ۔[۴]

ہم انہیں ان کی تصنیفات و تالیفات سے جانتے ہیں ان کی محبت سنت کی علامت اور ان سے بغض بدعت کی نشانی ہے۔

اکابرین و اساطین کے حاشیۂ خیال میں بھی جو باتیں نہیں تھیں آج کچھ ”دنیا دار“ قسم کے مولوی نما لوگ ان باتوں کو عوام و خواص میں پھیلا رہے ہیں۔ آخر کیوں یہ لوگ ایسے جسارت آمیز قدم اٹھا رہے ہیں اور کیوں اپنے اسلاف سے بغاوت کرکے انہیں اپنی قبروں میں اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں؟

اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے قرآن و سنت کی روشنی اور اقوال سلف صالحین کے تناظر میں اپنے منصب ”مجددیت“ کا حق ادا کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ کے روئے زیبا پر پڑنے والی گرد و غبار کی معمولی سی معمولی پرت کو بھی صاف کردیا اور اس میں کسی کی کسی طرح کوئی رو رعایت نہ کی، شریعت کا حکم ببانگ دہل عام کردیا۔ مثلاً

الف۔ کچھ لوگ ”کاشت مریداں“ کی افزائش و ہریالی کے لئے ”پیروں“ کو سجدہ

کی وکالت کررہے تھے اور کچھ عاقبت نا اندیش اور خوف خدا سے خالی پیر اسے عملی جامہ پہنانے میں لگے ہوئے تھے۔ایسے لوگوں کا تعاقب کرتے ہوئے آپ نے چالیس احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہوئے ''**الزبدة الزکیه لتحریم سجود التحیه**'' نامی رسالہ لکھ کر ''سجدۂ تعظیمی'' کی حرمت آشکارا کی۔نفس پرست یاروں نے دیکھا امام احمد رضا نے پیر پرستوں کی آنکھیں کھول دیں اس لئے کمر بستہ ہوگئے امام احمد رضا کی مخالفت پر!

ب۔کچھ لوگوں نے ''سماع'' کی عظمت کو پامال کرتے ہوئے ڈھول تاشے پر تھرکنے اور فاسق وفاجر قوال کی راگ پر جھومنے بلکہ ناچنے کو ''سماع'' کہکر گانے بجانے کے رسیا لوگوں کی بھیڑ اکٹھی کرنے لگے۔امام احمد رضا نے ''مزامیر والی قوالی'' کو اکابرین کے اقوال کی روشنی میں حرام بتا کر حظ نفس میں سرمست لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تو شوکت اسلام کو پامال کرتے ہوئے حلقہ مریداں پر نظریں جمانے والے اصحاب جبہ و دستار نے سب کو چھوڑ کر امام احمد رضا ہی کو ٹارگیٹ (نشانہ) بنالیا۔بس پھر کیا تھا امام احمد رضا کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگے۔

ج۔اسی ''کمپنی کے لوگ'' اپنے بزرگوں کی ''زیارت گاہ'' کو ''تجارت گاہ'' میں تبدیل کرتے ہوئے عورتوں کو بھی آستانوں اور مزارات پر بلا جھجک جانے کی اجازت دینے لگے حتیٰ کہ ''عرس مقدس'' کو ''میلا'' میں تبدیل کر بیٹھے امام احمد رضا نے احادیث کی روشنی میں اس کی مخالفت کی اور اس سلسلے میں ایک مستقل رسالہ ''**جمل النور فی نهی النساء عن زیارة القبور** (۱۳۳۹ھ)'' لکھ کر قوم کے حوالے کردیا۔بس اب کیا تھا امام احمد رضا نے عاقبت سدھارنے کی کوشش کی اور ارباب عیش ونشاط نے اسے اپنی آمدنی پر قدغن تصور کرلیا بس ڈٹ گئے میدان میں مخالفت کے لئے۔

د۔کچھ ''فیلڈ مارشل'' حضرات ''پیروں'' کا لبادہ اوڑھ کر 'مریدنیوں' کے جسم وسر پر ''دستِ مقدس'' پھیرنے کو کمالِ تبلیغ اسلام سمجھتے تھے حالانکہ یہ طریقہ روحِ اسلام کے سراسر منافی ہے۔امام اہلسنت نے اسی بات کو شریعت کی روشنی میں اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

''پردہ کے باب میں پیر وغیر پیر ہر اجنبی کا حکم یکساں ہے۔ جوان عورت کو چہرہ کھول کر بھی سامنے آنا منع ہے'' ۵ ۔

یہ بات ان مجاہدین فرحت ونشاط کے دل میں چبھ گئی اس لئے اٹھ کھڑے ہوئے اہانت وتنقیص کا علم لے کر۔

ہ۔فوٹو کی حرمت: کچھ خواہ مخواہ (خانقاہوں) کے ذمے داروں نے اپنے مریدوں کو اپنا فوٹو کھینچوا کر دینا شروع کر دیا اور اسے تبرک بنا کر رکھنے کا ذہن دینے لگے امام اہلسنت نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا ردبلیغ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''اللہ عزوجل ابلیس کے مکر سے پناہ دے دنیا میں بت پرستی کی ابتداء یوہیں ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بنا کر رکھیں۔'' ٦ ۔

اس تعلق سے آپ نے باقاعدہ ایک رسالہ ''عطایا القدیر فی حکم التصویر (۱۳۳۱ھ)'' تحریر فرما کر اس ابلیسی فکر کی تردید فرمائی۔ بس کیا تھا تازیانہ حق کی ضرب برداشت نہ کر سکے اور اتر پڑے مخالفت کا پٹارہ لیکر۔

اس طرح ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی مخالفت و معاندت کی وجوہات کی ایک لمبی فہرست ہے، بطور نمونہ یہاں چند پیش کی گئی ہیں۔

ان مثالوں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا سے مخالفت یا ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی معاندانہ تشہیر صرف اور صرف عیش وعشرت اور حصول زر میں مداخلت کی وجہ سے ہے۔ امام احمد رضا نے اصحاب جبہ ودستار کو دنیا کے گڑھے سے نکال کر جنت کی دائمی اور بہجت آمیز وادی میں پہنچانے کی سعی بلیغ کی تو یہ باتیں انہیں اپنے مفاد کے خلاف نظر آئیں، اس لیے گھریلو اور نجی محفلوں سے لیکر اسٹیجوں تک اور زبان سے لیکر قلم تک کے ذریعے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا بہانہ بنا کر افکار وتعلیمات امام احمد رضا کو نشانہ بنانے لگے۔ فیاللعجب!

کسی زمانے میں مسعود ملت ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمہ نے زیر نظر تبصرہ غیروں کے مکائد کا تجزیہ کرتے ہوئے سپرد قرطاس کیا تھا مگر ہائے افسوس اب کچھ اپنے کہلانے والے

بھی اسی روش پر چل پڑے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

''امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلکِ سلف صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے۔''[۷]

تاریخی شواہد کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حالات کچھ آج ہی کے پیدا شدہ نہیں بلکہ خود امام اہلسنت کے زمانے ہی میں ایسے عناصر سر ابھارنے لگے تھے۔ جب ہی تو آپ کو کہنا پڑا۔

اک طرف اعدائے دیں اور اک طرف ہیں حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

حضور مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کے ایک ایک لمحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ موافق اور مخالف ہر ماحول میں دین متین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ارباب اقتدار سے مصالحت، شرعی معاملات میں مداہنت غیر ضروری قسم کی حاجت وضرورت سے تو کبھی آپ نے سمجھوتہ کیا ہی نہیں۔ حق واضح ہوجانے کے بعد جس طرح سے امام اہلسنت شرعی فیصلہ سنانے میں کسی طرح کا کوئی خوف محسوس نہیں کرتے تھے بعینہٖ وہی روش آپ کے فرزند ارجمند، حضور مفتی اعظم کی تھی ''ایمر جینسی'' جیسے حالات میں جب آپ حکومت وقت سے مرعوب نہ ہوئے تو بھلا عام انسانوں کی کیا مجال جو آپ کی فکر میں ارتعاش اور قدم میں جنبش پیدا کر سکے۔ اس لئے مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر باک نہیں کہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' یعنی شریعت وسنت کی تبلیغ واشاعت ہی حضور مفتی اعظم کی زندگی کا ماحصل رہا اور اسی میں آپ نے پوری زندگی لگے رہے۔ لاکھوں فرزندان توحید کو اپنے دامن کرم سے وابستہ کر کے دین کا سرمدی پیغام آنے والی نسلوں تک منتقل کر گئے۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری

آج جبکہ علمی گہرائی کمیاب، خشیت الٰہی مفقود اور نفس پرستی بڑھتی جارہی ہے ایسے

ماحول میں محبین اسلام، اور ناشرین ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی ذمہ داری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے، جسے شدت سے محسوس کرنے اور مضبوط لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

احساس بڑھا دیتا ہے ہر درد کی شدت   محسوس کروگے تو کسک اور بڑھے گی

موجودہ حالات کے تناظر میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی عصری معنویت کو اُجاگر، افکارِ امام احمد رضا کی خوب خوب تشہیر، سنجیدہ لب ولہجہ اور علمی انداز میں مخالفین کی تردید، سائنٹفک انداز میں لوگوں کی ذہن سازی اور عوام کو شخصیت پرستی سے زیادہ حقیقت پسندی کا خوگر بنانے کی ضرورت ہے۔ ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں دو پانچ ادارے اس کے لئے کافی نہیں ہر شہر اور قصبہ میں باصلاحیت اور متحرک افراد پر مشتمل ٹیم کے مشترکہ جدوجہد۔ عصری اسباب ووسائل اور آلات سے مسلح ہو کر مختلف انداز اور زبان میں کام کرنے، وقت و حالات کے مدنظر کشادہ ظرفی اور دور اندیشی سے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے اور مسلک اعلیٰ حضرت کو عصر حاضر کی ضرورت اور ہر سنی مسلمان خواہ وہ کسی شعبۂ حیات سے تعلق رکھے اسے اس کی نشر واشاعت میں حصہ لینے کی اہمیت سمجھانے کی ضرورت ہے۔

یہ ہے دامن یہ گریباں آؤ کوئی کام کریں   موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

مصادر

۱ مفتی اعظم مفتی اعظم کیوں، پیغامِ رضا ممبئ کا مفتی اعظم نمبر

۲ استقامت کان پور مفتی اعظم نمبر ص ۶۶، بحوالہ مفتی اعظم ہند کی استقامت ۵۷۔۱۵۶)

۳ ماہنامہ سنی آواز جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۵۱

۴ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، ص ۱۶۶۔ از علامہ یٰسین اختر مصباحی، مطبوعہ۔ رضا اکیڈمی، ممبئ

۵ فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۱۰۲ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ

۶ عطایا القدیر فی حکم التصویر ص ۲۔ مطبوعہ اختر بکڈ پو، محلہ خواجہ قطب، بریلی

۷ تقدیم برامام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ص ۴۲ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ

a a a a a

☆مفتی محمد قمر الزماں نوری، قاضیٔ ادارۂ شرعیہ چتر ادرگہ کرناٹک

حضور مفتیِ اعظم کی عبقری شخصیت

تاجدارِ اہل سنت مفتیٔ اعظم کی ذات
رہنمائے اہلِ سنت مفتیٔ اعظم کی ذات
ہے امین ِ علم ودانش رازدارِ معرفت
واقف اسرارِ وحدت مفتیٔ اعظم کی ذات
مقتدائے اہلِ سنت مفتیٔ اعظم کی ذات
تھی نگہبانِ شریعت مفتیٔ اعظم کی ذات

اس کائنات رنگ وبود میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک سے بڑھ کر ایک مخصوص بندوں کو پیدا کیا، جن کا وجود، مسعود عام بندوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ انہیں مخصوص بندوں میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہلِ سنت نائب غوث اعظم قطب عالم حضور مفتیٔ اعظم ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمان محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات، ان کے حالات وکوائف کو کماحقہ احاطۂ تحریر میں لانا بہت مشکل ہے۔ بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ؂

تم نے ہر ذرّے میں برپا کردیا طوفان شوق
ایک تبسم اس قدر جلووں کی طغیانی کے ساتھ

ماہِ طیبہ کی دودھیا چاندی سے درخشانی کی بھیک مانگنے والے گدائے نازکو جان جاناں کی بارگاہ سے واپسی کی بھیک ملی کہ خود بھی چمکا اوراس کی نوری کرنوں نے کتنوں کوافق آگہی کا خورشید تابان بنادیا۔اس کی قندیل عشق کی لوَ سے کتنے چراغ چلتے گئے، انہیں چراغوں میں ایک چراغِ پرُ ضیاء حضور مفتی اعظم کی ذات بابرکات بھی ہے ۔جنہیں ہم اہلِ عقیدت ماھتاب ولایت ،آفتاب رشد وہدایت راز دار معرفت ،واقفِ اسرار حقیقت ،نائب غوث اعظم ،قطب عالم حضور مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا نوری کے دلنواز نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت: آپ کی ولادت باسعادت ہندوستان کے مردم خیز شہر بریلی میں ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۷/جولائی ۱۸۹۲ء بوقت صبح صادق بروز جمعہ المبارکہ ہوئی۔آپ کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضور اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ عنہ اپنے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ میں جلوہ کناں تھے، وہیں آپ کو خواب میں فرزند کے تولد کی بشارت ملی۔

بعض خلفائے مفتیٔ اعظم اس بشارت کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہٗ اور شیخ المشائخ فیض العارفین حضور نوری میاں قدس سرہٗ کے درمیان علمی مذاکرات رہے پھر دونوں بزرگوں کو مفتیٔ اعظم کی ولادت باسعادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام آل الرحمن بتایا گیا،خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقت ملاقات مبارکباد پیش کروں گا۔فجر کی نماز کے لیے دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ایک نے دوسرے کو مبارک باد پیش کی۔فجر کی نماز کے بعد فیض العارفین حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے ارشاد فرمایا: مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں، اگر اجازت ہو تو میں نومولود کو داخلِ سلسلہ کرلوں؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے عرض کیا: حضور! وہ غلام زادہ ہے، داخلِ سلسلہ فرمالیا جائے۔چنانچہ حضور نوری میاں علیہ الرحمہ نے مصلّے پر بیٹھے بیٹھے اعلیٰ حضرت کے

نورِ نظر لختِ جگر آل الرحمن اور مستقبل کے مفتی اعظم کو غائبانہ داخلِ سلسلہ فرمالیا۔ بعدہٗ حضور نوری میاں نے اعلیٰ حضرت کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: میری یہ امانتیں آپ کے سپرد ہیں۔ جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام آل الرحمن بتایا گیا ہے، مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے، وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہو کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا۔

چھ ماہ کے بعد حضور نوری میاں قدس سرہٗ بریلی شریف تشریف لاتے ہیں تو اس نومولود کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیکر خوب دعاؤں سے نوازتے ہیں اور چھ ماہ کی عمر مبارک میں داخلِ سلسلہ فرما کر سارے سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ آگے چل کر یہ بچہ روحانیت کا تاجدار ہوگا، جس کے فیضان کرم کی ندیاں دلوں کی بے آب وگیاہ وادی میں لالہ زاری اور سرسبزی وشادابی کی کیفیت پیدا کردیں گی۔ لیکن ''ولی را ولی می شناسد'' کے مصداق حضور نوری میاں نے ؎

بالائے سرش زہوشمندی ۔۔۔۔ می تافت ستارۂ بلندی'' کا مشاہدہ فرمالیا تھا کیونکہ وہ ''اتقوا بفراسة المومن فانه ينظر وا بنور الله'' کے آئینہ تاباں تھے۔ انہوں نے اپنی فراستِ ایمانی سے جان لیا کہ یہ معمولی بچہ نہیں ہے، ورنہ ایک چھ ماہ کے بچے کو اجازت و خلافت عطا کرنا چہ معنی دارد

تعلیم وتربیت: جب آپ نے منزل ہوش وخرد میں قدم رکھ لیا تو آپ کو زیورِ علم وادب اور تہذیب واخلاق سے آراستہ وپیراستہ کرنے کے لیے والد ماجد حضور اعلیٰ حضرت نے رسم بسم اللہ خوانی کے بعد مدرسے میں داخل کردیا۔ آپ کے اساتذہ میں برادر اکبر حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان، علامہ شاہ رحم الٰہی صاحب، حضرت مولانا بشیر احمد علی گڑھی، علامہ ظہور الحسن فاروقی قابلِ ذکر ہیں۔ ویسے تو اصل تعلیم وتربیت خود آپ کے والد ماجد حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی دی ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۱ء اٹھارہ سال کی عمر میں

تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور ۳۸ر سے زیادہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد ۱۳۲۸ھ سے دارالعلوم منظرِ اسلام میں تدریس کا آغاز فرمایا اور تقریباً بیس سال تک تشنگانِ علم کو خوب خوب سیراب کیا۔ پھر ۱۳۴۸ھ میں دارالافتاء کی ذمے داری کی وجہ سے مخصوص طلبہ تک سلسلۂ درس وتدریس محدود ہوگیا۔

آپ کی فتویٰ نویسی کی ابتدا کے تعلق سے مولانا محمود احمد رفاقتی مظفر پوری رقم طراز ہیں: ''ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی دارالافتاء بریلی شریف میں کام کررہے تھے ایک دن آپ (مفتی اعظم) دارلافتاء میں پہنچے ملک العلماء فتویٰ لکھ رہے تھے حوالہ ومراجع کے لیے اُٹھ کر فتاویٰ رضویہ الماری سے نکالنے لگے حضور مفتی اعظم نے فرمایا۔ آپ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر فتویٰ لکھتے ہیں؟ ملک العلماء نے فرمایا: اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔ حضور مفتی اعظم نے فوراً لکھ دیا۔ مسئلہ رضاعت کا تھا، یہ پہلا جواب تھا آپ کا یہ واقع ۱۳۲۸ھ کا ہے۔ اصلاح کے لیے حضور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، صحت جواب پر اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے اور صح الجواب بعون اللہ العزیز الوھاب، لکھ کر دستخط ثبت فرمایا۔ اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفیٰ رضا کی مہر مولانا یقین الدین سے بنوا کر عطا فرمائی۔ (بحوالہ استقامت مفتی اعظم نمبر)

آپ کے معاصرین بھی آپ کے تبحر علمی کے معترف رہے۔ اختلاف کی صورت میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا، جس فتویٰ پر آپ کی مہر تصدیق ثبت ہو جاتی اس میں کسی کو چوں وچرا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ آپ کی رائے سند اور قولِ فیصل کا درجہ رکھتی تھی۔

جب لاوڈ اسپیکر پر نماز کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کے سلسلے میں دو چند علماء نے اختلاف کیا اور کچھ مفتیانِ کرام نے جواز کا فتویٰ لکھا تو آپ نے بلا خوف لومۃ لائم مائک پر نماز کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا اور ہندوستان و پاکستان کے اکثر علماء نے اس کی تصدیق وتائید فرمائی۔ حضور محدثِ اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی نے بایں الفاظ تصدیق فرمائی۔ ھٰذا قول العالم المطاع وما علینا الا الاتباع۔ یعنی یہ قول اسے عالم کا ہے کہ اس کی اتباع کے علاوہ

کوئی چارۂ کار نہیں۔ کلام کی عظمت اس کے متکلم کی ذات سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ کسی ایسے ویسے کا کلام نہیں بلکہ اپنے وقت کے عظیم محدث، جلیل القدر عالم ربانی اور بیباک خطیب اور بیشمار خوبیوں کے مالک کا ہے۔

حضور مفتی اعظم جہاں علم حکمت کے کوہ گراں تھے، وہیں آپ میدانِ عمل کے شہسوار، زہد و پارسائی کے تاجدار اور تقویٰ شعاری وعفت مآبی کے عظیم پیکر تھے۔ اسی لیے حضور تاج الشریعہ نے عرض کیا ہے ؎

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

یہ کوئی شعری مبالغہ نہیں کہ جسے صرف سرسری طور سے پڑھ لیا جائے بلکہ آپ کی ذات ستودہ صفات کا مشاہدہ کرنے والوں اور آپ کی بارگاہ کے حاضر باشوں کا صحیح تجزیہ ہے۔ رخصت کے ہوتے ہوئے عزیمت پر عمل فی زمانہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مگر حضور مفتی اعظم کی ذات اس امر میں بھی بے مثال ہے۔ آپ کی شانِ عزیمت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ حج کے لیے بھی آپ نے فوٹو کھنچوانا پسند نہیں کیا حالانکہ بہت سے مفتیان کرام کے نزدیک حج کے لیے فوٹو کھینچانا جائز ہے مگر سرکار مفتی اعظم نے فرمایا: ''مجھ پر جو حج فرض تھا میں نے اسے ادا کرلیا، اب میں نے ایک نفل حج کے لیے فوٹو نہیں کھنچواؤں گا، واضح ہو اس سے قبل حضور مفتی اعظم نے دو حج کر لیے تھے مگر اس وقت فوٹو کا قانون کسی کے لیے نہیں تھا، سب لوگ بغیر فوٹو کے حج کے لیے جاتے تھے۔ یہ سن ۱۹۷۱ء کی بات ہے، جب آپ تیسری مرتبہ حج و زیارت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، آخر حکومت کو جھکنا پڑا اور آپ کو بغیر فوٹو کے حج و زیارت کی اجازت مل گئی اور سفر حج کے درمیان جہاز میں کوئی ٹکیہ وغیرہ بھی نہ لگا کر احتیاط وتقویٰ کی ایک روشن مثال قائم کی، اور آج کے چند مفتی ٹی وی پر مذہبی پروگرام کو جائز کہہ رہے ہیں اور وہ لوگ اعلانیہ ہر پروگرام کی ویڈیو گرافی کرا کے اس کو ٹی وی پر دیکھتے ہیں؟ العیاذ باللہ۔ یہ سخت ناجائز وحرام ہے۔ جب شریعت میں تصویر کشی جائز ہی نہیں ہے تو

تصویر بنانا یا بنوانا یا دیکھنا دکھانا سب حرام اور سخت گناہ کبیرہ ہے۔

سرکار مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کا ہر لمحہ دین متین کی نشر واشاعت اور سنت وشریعت صیانت وحفاظت میں گذارا ہے۔آپ کی مجلس میں کوئی آدمی تھوڑی دیر کے لیے آجاتا تو آپ اس کی ایسی اصلاح فرماتے کہ اسی دن سے وہ سنت وشریعت کا مکمل پابند بن جاتا۔جس علاقے میں ایک بار بھی آپ تشریف لے گئے الحمد للہ وہاں آج بھی مسلکِ اعلیٰ حضرت کا پرچم پوری شان وشوکت سے لہرا رہا ہے،حق گوئی وبے باکی آپ کی شانِ امتیازی ہے۔

۱۹۷۲ء کا وہ زمانہ جس میں پورے ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی ،اور حکومت ہند نے شریعت اسلامیہ میں مداخلت کرتے ہوئے نس بندی کا قانون بنانا چاہا۔بعض دنیا دار علماء جو حکومت کے سکّوں پر پل رہے تھے،انہوں نے نس بندی کے جواز کا فتویٰ دیکر ملک کے گوشے گوشے میں میڈیا کے ذریعے اس کی تشہیر کی۔ایسے نازک اور پرفتن ماحول میں سب کی نگاہیں بریلی شریف کی طرف لگی تھیں،بالآخر وہی ہوا جس کی علمائے حق کو امید تھی کہ جب نس بندی کے تعلق سے سوال نامہ بریلی شریف پہنچا تو سرکار مفتی اعظم نے حکومت وقت کی پرواہ کیے بغیر،شریعت مصطفیٰ کی پاسبانی کا حق ادا کرتے ہوئے لکھ دیا کہ نس بندی حرام حرام حرام ہے،آپ کے اس فتویٰ کے صادر ہوتے ہی ایوانِ حکومت میں ایک زلزلہ سا پیدا ہوگیا اور اندرا گاندھی کی ساری پلاننگ فیل ہوکر رہ گئی۔آپ پر حکومت کی طرف سے بہت دباؤ ڈالا گیا کہ فتویٰ بدل دیں اور گرفتاری کا وارنٹ جاری کرنے کی دھمکی بھی دی گئی مگر سرکار مفتی اعظم نے فرمایا فتویٰ تو نہیں بدلے گا۔ہاں ضرورت پڑی تو حکومت بدل جائے گی۔آپ نے اپنے فتویٰ کو سائیکلو اسٹائل کرا کے پورے ہندوستان میں پھیلا دیا۔حکومت آپ کے فتویٰ کے سامنے بے بس ہوگئی اور نس بندی کا قانون اسے واپس لینا پڑا۔اسی طرح سنگھ پروار نے مسلمانوں کو جبراً ہندو بنانے کی تحریک چلائی جس کا نام شدھی تحریک رکھا گیا تھا۔اس وقت بھی سرکار مفتی اعظم نے چند مشاہر علمائے اہلِ سنت کے ساتھ ان علاقوں کا دورہ کیا جہاں جبراً مسلمانوں کو ہندو بنایا جا رہا تھا اور تقریباً چار لاکھ مسلمانوں کو پھر سے کلمہ پڑھا کر اسلام

میں داخل فرمایا۔

الغرض سرکار مفتی اعظم کی ذات ہر جہت سے بے مثال نظر آتی ہے۔ جہاں وہ علم وفن کے گنج گراں مایہ تھے وہیں ان کی حیاتِ مبارکہ کا ہر گوشہ شریعت اسلامی کی پاسبانی کا اعلیٰ نمونہ تھا۔آپ کی ایمانی جرأت ہر قسم کی مصلحت کوشی اور چشم پوشی سے مبرّ ا تھی۔ خلافِ شرع کام دیکھ کر فوراً اس کی اصلاح فرماتے۔ اگر کوئی بغیر داڑھی والا مسلمان سامنے آجاتا تو اسے توبہ کرواتے اور داڑھی رکھنے کی تلقین فرماتے۔ یوں ہی اگر کوئی کھلے سر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو اسے سر پر ٹوپی رکھنے کی تاکید فرماتے۔ دینی محافل اور جلسوں میں اگر کسی خطیب یا شاعر سے کوئی بات خلاف شرع صادر ہوئی تو برملا اسے اسی وقت برسر اسٹیج ٹوکتے اور توبہ کراتے ، اگر کبھی کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر آجاتی تو شدت کے ساتھ اسے پردہ کرنے کی تاکید فرماتے۔

سچ کہا ہے کہنے والے نے

ان کا جلوہ اِک تجلّی ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

آج کے اس پرفتن ماحول میں جبکہ ہر طرف صلح کلیت پھیل رہی ہے ہر شخص اپنے کو آزار سمجھ رہا ہے، کوئی عالم کسی کو اپنے سے بڑا ماننے کو تیار نہیں ہے۔نئی نئی تحریکیں سنیت کا لیبل لگا کر در پردہ اہلِ سنت یعنی مسلکِ اعلیٰ حضرت کے خلاف سرگرمِ علم ہیں، بعض مفتیانِ کرام نئے مسائل کی تحقیق کے نام پر سرکارِ اعلیٰ حضرت کی تحقیقاقت کو غلط ثابت کرنے اور خود مجدد بننے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے حالات میں زمانے کو پھر سرکار مفتی اعظم کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔

میں برادرانِ اہلِ سنت سے عرض کرتا ہوں کہ سرکار مفتی اعظم سرکارِ اعلیٰ حضرت اگر چہ بظاہر ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں مگر ان کی فکر، ان کا مذہب ومسلک، ان کی تصنیفات اور کردار وعمل بالکل واضح ہے۔ہمیں کسی مفکر یا محقق یا رہنما کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں

ہے بس سرکار اعلیٰ حضرت اور سرکارِ مفتی اعظم اور اس زمانے میں ان کے جانشین حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کے احکام وفرامین کو نگاہوں کے سامنے رکھنا ہے اور اسی پر عمل کرنا ہے اور سختی کے ساتھ مسلکِ اعلیٰ حضرت پر عمل پیرا رہنا ہے۔ پھر ان شاء اللہ کوئی ہمیں گمراہ نہیں کرسکتا۔

میرے مولیٰ مسلکِ احمد رضا پر استقامت کر عطا
مفتیِ اعظم جناب مصطفیٰ کے واسطے

اللہ کریم ہمیں سرکار مفتی اعظم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے فیوض وبرکات سے فیضیاب فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ اجمعین

پیغامِ رضا، اُجّین کے مفتیِ اعظم نمبر کی اشاعت پر ہم پیر طریقت حضرت الحاج قاری لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی اور ان کے رفقاء کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

a a a a a

☆مولانا محمد ادریس رضوی، کلیان

حضور مفتیِ اعظم ہند کی حق گوئی

انیسویں صدی کی آخری دہائی ۱۸۹۲ء میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے گھر میں ایک چاند اُترا۔ ماہِ رضا کی آمد پر سب سے پہلے شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی نے امام احمد رضا کو مبارکباد کی سوغات پیش کی۔ اور نونہال کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اور آل رحمٰن ابو البرکات محی الدین جیلانی نام تجویز فرمایا۔ اس نام کے ساتھ امام احمد رضا نے مصطفٰے رضا کی عرفیت کا اضافہ فرمایا۔ جو آگے چل کر مفتیٔ اعظم ہند کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے اٹھارہ سال کی عمر میں جملہ علومِ عقلیہ وفنونِ نقلیہ پر عبور حاصل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد فتویٰ نویسی، خدمت خلق اور لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے آپ نے اپنے کو وقف کر دیا۔ اور ہندوستان کے طول و عرض میں تبلیغی دورے فرمانے لگے۔ سفر کے دوران ملک وملّت اور معاشرے میں پھیلی ہوئی بے اعتدالی، بے حیائی، عریانیت وفحاشی اور اسلامی احکامات سے مسلمانوں کی لاپرواہی دیکھ کر آپ تڑپ اٹھے۔ آپ کی زندگی کی ہر ادا شریعتِ مطہرہ اور سنّتِ نبوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ مسلمانوں کو بھی اسی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے حق گوئی کو آپ نے اپنا شعار بنایا۔ اب جہاں کہیں بھی مسلمانوں کو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھ لیتے تو آپ پر جلال طاری ہو جاتا اور حق گوئی کی تلوار بے نیام ہو جاتی تھی۔ ''مسلمان ہو کر احکامِ شریعت کی خلاف ورزی اور سنّتِ نبوی سے روگردانی کرتے ہو۔'' پھر

ہاتھ پکڑ کر بتاتے ،فکر کی آوارگی کو شریعت کی مہمیز دیتے ، چاہے وہ اپنے وقت کا حاکم اور گورنر ہی کیوں نہ ہو۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی حق گوئی سے لوگ متنفر ہوتے تھے نہ ناراض ۔ بلکہ اچھا تاثر ہی لے کر اور اپنی قسمت سنوار کر لوٹتے اور حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی حق گوئی کو اپنی لغزشوں کی تیر بہدف دوا سمجھتے تھے۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے جلال کا تیور تھم جاتا تو آپ کی ذات رافت و رحمت اور پیار و محبت کی عملی تفسیر بن جاتی ۔شفقت و محبت کی پیاری پیاری کرنیں جگمگانے لگتیں اور بربطِ دل سے پیار کے نغمے پھوٹ نکلتے ، جو سننے والوں کے دل میں حبِّ رسول کا جام بھر دیتے ، پھر نصیحتوں کے پردے میں آپ کی حق گوئی یوں لب کشا ہوتی:

’’پیارے تم مسلمان ہو، تمہارا کام ہے دوسروں کو ہدایت کے راستے پر چلانا اور حق گوئی کا پیغام سنانا ، نہ کہ بے راہ روی اور بے عملی کی روش اختیار کرنا ہے ،عزیزم! تمہارے کردار و عمل کے لہلہاتے ہوئے شجرِ بسیط پر مردنی چھا رہی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے، شعائرِ اسلامی کو چھوڑ کر بے دینوں اور گمراہوں کی راہیں اختیار کرنا تجھے زیب نہیں دیتا۔‘‘

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی زبانِ مبارکہ سے نصیحتوں کا ہیولیٰ لیے ہوئے جب اس قسم کے جملے ادا ہوتے تو سننے والوں کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور دل بھر آتا۔

خلوص ،للّٰہیت اور حق گوئی کے اس پیکرِ جمیل کے دولت سرا پر حاضری دینے کی غرض سے امیر بھی آتے تھے اور غریب بھی ، صاحبِ ثروت بھی آتے تھے اور اہلِ سیاست بھی آتے تھے۔ درسگاہوں کے مدرسین بھی آتے تھے اور میدانِ خطابت کے مبلغین بھی۔ درگاہوں اور خانقاہوں سے سجادہ نشیں بھی آتے تھے اور مساجد سے ائمہ بھی ، دار الافتا سے مفتیانِ عظام بھی آتے تھے۔ اور دینی رہنما بھی ، شاعر و ادیب بھی آتے تھے اور مبصر و نقاد بھی ، محشی و شارح بھی آتے تھے اور علم و فضل کی باکمال شخصیتیں بھی۔ مگر آپ نے کبھی کسی کو مرتبہ اور عہدہ کے لحاظ سے کوئی فوقیت نہیں دی ، بلکہ اس پاسدارِ شریعت ، ماہتابِ طریقت اور حق گوئی کے سپہ سالارِ اعظم ہمیشہ آنے والوں کے سرتاپا کو دیکھتے ، اگر ان میں سے کسی کے سر

پر ٹوپی نہیں ہوتی اور سر کھلا ہوتا، گلے یا آستین کے بٹن کھلے ہوئے ہوتے، داڑھی ایک مشت سے کم یا مونڈھی ہوئی ہوتی یا کسی کے ہاتھ کی انگلی میں سونے کی انگشتری دیکھ لیتے یا عورتیں بغیر پردہ کیے ہوئے آپ کے سامنے آجاتیں تو آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو جاتا، اور لب ہائے مبارک پر لَآ الٰہ الا اللہ، استغفر اللہ، لَاحَوْلَ وَلَا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کی تکرار شروع ہو جاتی جو اس بات کی غمّاز ہوتی تھی کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی زبان، حق بات کہنے کے لیے بے تاب ہو رہی ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے حق گوئی کی بے قرار لہریں اپنے پورے جوش وجذبہ کے ساتھ امنڈ پڑتیں۔

صاحبِ ثروت اور اہلِ سیاست کے رعب ودبدبہ اور ان کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ان میں برائیاں دیکھ کر ان سے آنکھیں موند لینا یا مریدین ومتوسلین کی بے جا خوشنودی کے لیے ان سے چاپلوسی کی باتیں کرنا یا انہیں شرع کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا اور غمِ دوراں کی تلخیوں کو جبراً برداشت کر لینا حضرت مفتیٔ اعظم ہند کا شیوہ تھا نہ کبھی آپ نے ایسا ہونے دیا بلکہ ہمیشہ حق گوئی کے محور پر رہ کر حق وصداقت کی آوازیں بلند کرتے رہے۔

جدید ذہنیّت پر مفتیٔ اعظم ہند کی حق گوئی کے اثرات

عصرِ حاضر کی مسلمان خواتین، حضرات امہات المومنین وصحابیات رضی اللہ عنہن کی سیرت سے ہٹ کر جدید کلچر کی عریانیت کو اپنا وطیرہ بنا رہی ہیں اور اسلامی وضع قطع چھوڑ کر نت نئے ملبوسات سے اپنے کو آراستہ کر کے بازاروں، سڑکوں، کلبوں اور پارکوں میں تتلیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر چہکتی پھرتی ہیں۔ یہ روش اسلامی معاشرے کی صالحیت کے لیے کسی عظیم سانحہ سے کم نہیں ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ اسی وضع داری کے ساتھ درگاہوں، خانقاہوں اور مزاروں پر حاضر نظر آتی ہیں۔ جس سے برائیوں کا تہلکہ خیز سیلاب امنڈ رہا ہے۔ جس کی رَو میں ٹھہراؤ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض ہوس پرست مردوں نے عریانیت وفحاشی کی اس ادا کو تحسین وآفریں کی داد سے نواز کر حجاب میں بیٹھی ہوئی عورتوں کو بھی پردے سے باہر آنے کی ترغیب دلا رہے ہیں۔

بے شرمی، بے حیائی اور آوارگی کے باب کو مقفّل کرنے کی غرض سے دانشورانِ ملّت کنونشن بلاتے، کانفرنس کرتے اور کمیٹیاں بناتے ہیں مگر اصلاحِ معاشرہ کے ان پروگراموں سے وہ فائدے نظر نہیں آتے جس کی معاشرے کو ضرورت ہے۔ اس کے برعکس حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی ذات جو ایک انجمن کا درجہ رکھتی تھی تنہا وہ کام کر گئی جو پوری ملّت کے لوگ مل کر نہیں کر پاتے ہیں۔ اس تعلق سے حضرت مفتی عبدالمنان صاحب بیان کرتے ہیں:

''ایک دفعہ دو اپٹوڈیٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساڑی میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لیے آئیں، آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی تو نگاہ ان پر پڑ گئی۔ فوراً رخ پھیر لیا اور سر نیچا کیے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ انداز کچھ نرم اور بے حد تحیّر آمیز تھا۔ گویا انہیں دلی تکلیف پہنچی ہو۔ جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے: نہ اللہ رسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرزِ معاشرت کی پرواہ، نہ انجام کا خیال، اتنی دور سے تنہا چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں، اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں، خیال فرمایئے ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثہ میں مر جائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں، خیال فرمایئے نہ مٹی نہ جنازہ، یوں ہی پھونک دی جائیں، یہ سب وبال ہے اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار ہوئیں اور جز بز ہوئیں۔ لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں، کرتیں کیا۔'' (ماہنامہ استقامت کانپور مئی ۱۹۸۳ء)

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے قلب کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی حق گوئی کے انمول ہیرے کی شعاعوں سے بے شمار مسلمان عورتیں فیضیاب ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ تلقین و تنبیہہ کے اس ندرت بھرے سنگم سے آبِ حیات کا سیلِ رواں جہاں پہنچا اور پہنچ رہا ہے لوگوں کی کایا پلٹ ہو جا رہی ہے۔ تاریک دل میں مشعلِ ہدایت کی نئی کرنیں جگمگانے لگتی ہیں۔ راہ بھولے ہوئے مسافروں کو اپنی منزل کا پتہ مل جاتا ہے۔ گناہ کے عمیق غار میں پڑی ہوئی عورتیں نیک و پارسا بن جاتی ہیں۔ اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والیاں اپنے دل میں خوفِ

خدا ایسا کر پیارے مدنی آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کے نقشِ قدم کو چھوڑنے والی مسلمان عورتیں اسلامی وضع قطع میں ملبوس نظر آنے لگتی ہیں۔ حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی حق گوئی ایک بار آور شجر ہے جس سے لوگ ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی حق گوئی نے حکومت کو مبہوت کر دیا

اندرا گاندھی کے دورِ حکومت میں جب جبری نسبندی کا نفاذ ہوا تو پورے ملک میں کھلبلی مچ گئی۔ حکومت کے ظلم و جور کی انتہا یہ تھی کہ بوڑھا ہو چاہے جوان سبھی کو نسبندی کی سولی پر چڑھایا جانے لگا۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی ایک طرح سے ستائے جانے لگے اور ملازمت پیشہ لوگ تو خاص طور پر قربانی کا بکرا بنا دیئے گئے تھے۔ انہیں سخت تاکید تھی کہ خود بھی نس بندی کراؤ اور پانچ دس آدمی کو پکڑ کر بھی لاؤ، ورنہ تنخواہ روک دی جائے گی یا ملازمت سے نکال دیئے جاؤ گے۔ اس عتاب کے شکنجے میں مسلمان بھی پھنسے ہوئے تھے، لہٰذا ان کی نگاہیں علمائے دین کی جانب مرکوز تھیں کہ علما اس تعلق سے کیا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ چنانچہ گندم نما جَو فروش مولویوں کی ایک ٹولی نے حکومت سے سودا کر کے نس بندی کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ حکومت اس فتویٰ کو ذریعہ بنا کر نس بندی جیسے قبیح عمل میں مزید شدّت پیدا کرنے لگی۔

گاؤں دیہات کے لوگوں میں نس بندی کے خوف سے ایسی دہشت پھیل گئی کہ وہ اپنا اطمینان و سکون بھی کھو بیٹھے، یہ منظر اس وقت اور بھی اندوہناک صورت اختیار کر لیتا تھا جب نس بندی ٹیم کی گاڑی گاؤں میں پہنچتی تھی۔ لوگ سراسیمگی کی حالت میں گھر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور کھیت، کھلیانوں، جنگلوں میں چھپ جاتے تھے۔ لہٰذا اس جبری نس بندی کے خلاف علمائے حق احتجاج کرنے لگے کہ نس بندی کے تعلق سے حکومت کا یہ طرزِ عمل نہایت ہی غلط اور شرمناک ہے۔ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور جمہوریت جبراً کوئی قانون عوام پر مسلّط کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ علمائے حق کی صدائے احتجاج پر حکومت برہم ہوگئی۔ اور ان میں سے بعض کو جیل میں ڈال دیا اور باقی دوسرے علما پر سخت نگاہ رکھی

جانے لگی ایسے ماحول میں مسلمانانِ ہند سخت کشمکش میں مبتلا تھے کہ کیا کیا جائے اور کیا نہیں؟ ایک طرف اسلام نس بندی کی اجازت نہیں دیتا، دوسری جانب حکومت کا بیجا اصرار اور نت نئی دھمکیاں نس بندی کے لیے مجبور کررہی ہیں۔ اس پُرشور و نازک وقت میں حضرت مفتیِ اعظم ہند کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اسّی سال کا ضعیف و نحیف مردِ حق اسلام کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بریلی کے دارالافتاء سے واضح لفظوں میں اعلان کردیا۔ نس بندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے" فتویٰ کا شائع ہونا تھا کہ حکومت کے ایوان میں بے چینی پھیل گئی۔ حکومت کے کارندے آپ کو گرفتار کرنے کا پروگرام بنانے لگے۔ شہر بریلی کے ڈی سی، داروغہ و دیگر اعلیٰ عہدے داران صلاح و مشورہ کے لیے آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اس ضیغم ملّت کو گرفتار کیا جائے یا نہیں؟ اگر گرفتار کیا جائے تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ آخری بات یہ ٹھہری کہ مفتیٔ اعظم کو گرفتار نہ کیا جائے کیونکہ حق گوئی کے اس سالارِ اعظم کے ہاتھوں میں اگر ہتھکڑی پڑگئی تو ان کے ماننے والوں کی ایک بڑی جمیعت ہے جو سڑکوں پر نکل آئے گی اور پورا ہندوستان خون میں ڈوب جائے گا۔ اس طرح مفتیٔ اعظم کی گرفتاری کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

حکومت کا نیا حربہ

حکومت اب اس بات کی کوشش کرنے لگی کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند کسی طرح اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیں، اس کام کے لیے حکومت کے مصاحبین اور سیاسی عمائدین حرکت میں آگئے اور مفتیٔ اعظم ہند کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے لگے۔ ان میں چند تو آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوئے مگر کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے بات زبان تک لاسکے۔ جب سب اپنی اپنی بانسری منہ میں دبائے ہوئے واپس آگئے تو خود اندرا گاندھی آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہوئی۔ حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے اندرا کو کہلا بھیجا آپ میرے لیے غیر محرم ہیں اور آپ کا میرے سامنے آنا حرام ہے۔ دوسری مرتبہ اندرا گاندھی اس اظہارِ خیال کے ساتھ آپ سے گفتگو کرنے کی تمنّا ظاہر کی کہ میں آپ سے پردے میں رہ کر باتیں کرنا چاہتی ہوں لہٰذا اجازت مرحمت فرمائیں۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے فرمایا آپ غیر محرم ہیں اور غیر محرم کی آوازیں سننا بھی میرے لیے حرام ہے۔ جب اندرا گاندھی کو بھی اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ملی تو یہ کام محکمہ سراغ رسانی (سی آئی ڈی) کے سپرد کر دیا گیا۔ چنانچہ اس محکمہ کا ایک جنٹلمین نوجوان شرٹ پینٹ میں ملبوس ہاتھ میں بریف کیس تھامے ہوئے محلہ سوداگراں بریلی شریف میں پہنچا اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے بڑے مولانا (مفتیٔ اعظم ہند کو اہلِ بریلی بڑے مولانا کے لقب سے یاد کرتے تھے) سے ملاقات کرنی ہے۔ اس وقت حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی طبیعت کافی علیل تھی اور نقاہت بھی کافی بڑھی ہوئی تھی، یہاں تک کہ چند آدمی سہارا دیتے تھے تو آپ بستر سے اٹھ کر بیٹھتے تھے۔ اس کے باوجود حضرت کو آمدِ نوجوان کی خبر دی گئی آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ نوجوان حضرت کے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے طور پر سلام کر کے اپنے لیے دعا کی درخواست کرنے لگا۔ آپ کی عادت تھی کہ پہلے دعا کا مقصد پوچھتے تھے اگر جائز کام اور نیک مقصد کے لیے دعا کرانا مقصود ہوتا تو آپ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما دیتے تھے ورنہ نہیں۔ آپ نے اس نوجوان سے دعا کا مقصد پوچھا اور ہاتھ اٹھا کر اس کے حق میں ہدایت کی دعا فرما دی، بعدہٗ وہ نوجوان بیٹھ گیا اور بتایا کہ وہ دلّی سے آیا ہے۔ اور اپنے بریف کیس سے ایک کاغذ نکال کر حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، نس بندی کی مخالفت میں ایک فتویٰ شائع ہوا ہے، جس کے متعلق مشہور ہے یہ کہ جرأت مندانہ اقدام آپ نے کیا ہے۔ حقیقت میں اسے آپ نے تحریر کر کے خود مشتہر کرایا ہے یا کسی نے آپ کو بدنام کرنے کی غرض سے ایسی حرکت کی ہے۔ اور وہ کاغذ حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی طرف بڑھا دیا۔ آپ نے اسے دیکھا اور فرمایا یہ میرا فتویٰ ہے اور میں نے ہی اسے مشتہر کیا ہے۔ اتنا سننے کے بعد نوجوان گویا ہوا۔ بڑے بڑے علما نے نس بندی کی جواز کا فتویٰ دے دیا ہے، آپ بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کرتے ہوئے اسے جواز کی صورت میں بدل دیں۔ اتنا سننا تھا کہ آپ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور پوری گھن گرج کے ساتھ فرمایا: ''میرا فتویٰ بدلتا نہیں، وقت آئے گا تو حکومت بدل دی جائے گی۔'' حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی زبان سے نکلی ہوئی بات پتھر کی لکیر

بن گئی۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد ہی اندرا گاندھی کی حکومت کا جو حشر ہوا اسے لوگوں نے جی بھر کر دیکھا۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی حق گوئی نے شیطانی خیالات کا قلع قمع کر دیا

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی حق گوئی کا ایک ایمان افروز واقعہ جو ابھی تک آپ کے مریدین و معتقدین و ارادت مندوں کے سینے میں راز بنا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت مولانا قاری محمد ظفر الدین رضوی خطیب و امام میمن مسجد کلیان بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ممبئی کے جامنی محلّے میں حضرت مفتیِ اعظم ہند اپنے ایک مرید کے یہاں قیام پذیر تھے۔ یہاں اس شمعِ ولایت کے گرد ہمہ وقت پروانوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ ضرورت مند آتے اور اپنی جھولیاں بھر کر لے جاتے۔ رشد و ہدایت کے متوالے آپ کی نصیحتوں کے آب گینوں سے اپنے دل کے نہاں خانے کو منور کرتے۔ شرفِ بیعت کے ذریعہ آپ کی غلامی میں داخل ہونے والے خوشی و مسرت کی چھاؤں میں لوٹتے تھے۔ اس روح پرور مناظر سے دو غیر مسلم مدراسی بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جو مفتیٔ اعظم ہند کی قیام گاہ کے متصّل ایک مکان میں فروکش تھے۔ آپ کے نورانی اور تابناک چہرے کو دیکھ کر وہ دل ہی دل میں مسرور ہوتے رہتے تھے۔ ایک روز حضرت مفتیٔ اعظم ہند اپنے ارادت مندوں کو اپنے دستِ حق پر بیعت فرمانے کے بعد ان مریدین و معتقدین کی لائی ہوئی مٹھائی پر فاتحہ دے کر اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ اور اپنے ایک ہاتھ کی دو انگلیوں سے (ان دونوں غیر مسلم کی جانب) اشارہ کر کے تقسیم کار سے کہا کہ ان دونوں کو بھی دو ٹکڑے دے دینا، آپ کی انگلیوں کے اشارے کو ان دونوں نے اپنے حق میں شگون سمجھ بیٹھے۔ اور سیدھے ریس کورس پہنچ گئے، وہاں جا کر دونوں نے شرط لگائی اور آن کی آن میں لاکھوں روپے کی بازی جیت گئے۔ اب گھر آ کر ان دونوں کے دل میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی قدم بوسی کا جذبہ پیدا ہوا۔ لہٰذا ایک قیمتی پھولوں کا ہار اور چند تحفے کا سامان لے کر آپ کی قیام گاہ پر آ گئے۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے ان چیزوں کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہیں؟ یہاں کس مقصد سے

لائے ہو؟ وہ دونوں ہاتھ باندھ کر کہنے لگے، مہاراج! یہ چیزیں آپ کی سیوا میں پیش کرنے کی غرض سے لایا ہوں۔ مگر کیوں؟ کس لیے؟ کون سی خوشی میں تم میرے لیے لائے ہو؟ روحانیت کے تاجدار حضرت مفتیٔ اعظم ہند پر یہ باتیں منکشف ہوگئی تھیں کہ یہ چیزیں حرام طریقے پر حاصل کیے پیسے سے خریدی گئی ہیں۔ اس لیے بار بار ان چیزوں کے لانے کا منشا دریافت کر رہے تھے۔ آخر کار دونوں نے حقیقت کی تفصیل بتادی کہ آپ کی دو انگلیوں کے اشارے کو ہم دونوں نے شگون سمجھا۔ اور اس شگون کی بنیاد پر ریس کھیلنے کا عمل کیا جس کے عوض میں لاکھوں روپے ہاتھ آگئے۔

حضرت مفتیِ اعظم ہند اسلام کے عظیم سپاہی اور حق گوئی کے ہمالیائی بلندی پر متمکن تھے۔ ایسے شیطانی خیالات کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ایسی نازیبا باتوں کے سننے سے پاسدارِ شریعت کے دل میں کسک کی ایک لہر پیدا ہوگئی، جس کی شدّت سے آپ کے چہرے پر اضطراب کی کیفیت نمایاں ہونے لگی۔ پھر آنِ واحد میں حق وصداقت کے علم بردار کی حق گوئی بباِنگ دہل پکار اُٹھی، ''ہٹاؤ جلدی ہٹاؤ ان چیزوں کو یہاں سے دور لے جاؤ۔'' یہاں بیٹھے ہوئے عقیدت مندوں نے ان دونوں کو ان کے سامان کے ساتھ کمرے سے باہر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کے جلال کا تیور تھم گیا تو آپ بڑی سنجیدگی اور متانت کے لہجے میں گویا ہوئے: ''ان دونوں کو بلاؤ۔'' دونوں آپ کے سامنے حاضر کیے گئے۔ اس دفعہ حضرت مفتیِ اعظم ہند نے حق گوئی کی للکار اور پیار و محبت کے آبشار کے ملے جلے جذبات سے ان کو مخاطب کر کے فرمانے لگے: ''اے شخص میں تمہیں تمہارے مذہب کی قسم دے کر کہتا ہوں، سچ سچ بتانا، کیا میں نے تجھے کسی قسم کا اشارہ دیا تھا؟ نہیں مہاراج! آپ کے اشارے کو ہم نے خود ہی شگون سمجھ لیا تھا، جو میری بھول تھی اور ہم نے جو کچھ کیا اپنے دل کے ارادے سے کیا ہے۔ اتنا کہہ کر وہ دونوں غیر مسلم جب خاموش ہوگئے تو حضرت مفتیٔ اعظم ہند اب علما کو متوجہ کر کے کہنے لگے۔ ''آپ لوگ ان کی باتوں پر گواہ ہو جایئے کہ میں نے ان کو کسی قسم کی برائی یا گناہ کے لیے اشارہ یا حکم نہیں دیا تھا اور آپ لوگوں کو یہ گواہی قیامت میں بھی دینی ہے۔

دین وشریعت کے نگہبان، مذہبِ اسلام کے پاسبان، روحانیت کے تاجدار، حق گوئی کے علم بردار، پیکرِ خلوص وایثار، شریعت وسنّت کے ماہتاب حضرت مفتیٔ اعظم ہند تقریباً چوہتّر سال تک دین اسلام کی خدمت انجام دینے اور حق گوئی کی صدا بلند کرنے کے بعد ۹۲ رسال کی عمر میں ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۰۲ھ م ۱۲ رنومبر ۱۹۸۱ء شب پنج شنبہ ایک بج کر چالیس منٹ پر اپنے ڈیڑھ کروڑ مریدین ومعتقدین اور لاکھوں چاہنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنی ظاہری زندگی سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگئے۔ **انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

a a a a a

☆ پروفیسر ڈاکٹر علاء الدین خاں، بریلی کالج بریلی

مفتیِ اعظم ہند اور امر بالمعروف نہی عن المنکر

آج ہم حضور مفتیٔ اعظم ہند رضی الرحمٰن کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ حقیقت میں ایسی مبارک ومسعود ساعت عطیہ الٰہیہ ہے اس لیے میں معبودِ برحق کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے اپنی حیاتِ ظاہری میں جو عظیم کارنامے اسلام اور ملّت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لیے انجام دیئے ہیں ان کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اپنی طویل عمر کو اطاعت اللہ عزّ وجل اور اتباعِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بسر کی۔ عملاً یہ ثابت کر دیا کہ اسلام آج کے سائنسی دور میں بھی قابلِ عمل ہے۔ تہذیبی جدیدیت یعنی نام نہاد نئی روشنی (جو حقیقت میں ذہن وفکر کی تاریکی ہے) نے آج انسان کو خودسر بنا کر لاشعوری طور پر انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے بغاوت کی راہ پر گامزن کر دی ہے۔ اس لیے ایمانداری، دیانت داری، اصول پسندی، عملِ صالح اور پاکیزہ اخلاق کی کوئی اہمیت نادانوں کے نزدیک نہیں ہے بلکہ تہذیبِ جدید کے فریب خوردہ سماج نے آرام وآسائش کے جدید وسائل، مال واملاک کا حصول تکمیلِ انسانیت کے لیے ضروری ولازمی مان لیا ہے۔ مگر حضور مفتیٔ اعظم ہند کی پاکیزہ ومطہر تقویٰ وورع میں رچی بسی حیاتِ مقدسہ جدید تہذیب کے ہفوات کے بطلان کے لیے بہت کافی ہے۔ کیونکہ حضور مفتیٔ اعظم ہند تہذیبِ جدید کے

مسلمہ معیار سے مستغنی تھے۔ آپ کے پاس نہ بنگلہ تھا نہ کار، نہ آپ کے پاس کوئی بنک بیلنس تھا اور نہ املاک و جائداد بلکہ خاتم زمین داری نے موروثی جاگیر قلیل کردی تھی۔ پھر بھی آپ کی زندگی اطمینان وسکون کا مینارہ تھی، جو عزت وعظمت آپ کو حاصل ہے وہ عزت وعظمت کروڑوں ایکڑ زمین پر حکومت کرنے والوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی حیاتِ ظاہری کے ایک ایک گوشہ کو دیکھیے اور ہر گوشہ کے ہر ہر پہلو اور ان پہلوؤں کے ہر ہر چیز کو دیکھیے، اعتقادات سے لے کر اعمال تک، معاملات سے لے کر حوالات تک، عبادت سے لے کر ریاضت تک آپ کی پوری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ جہاں قول وفعل میں نہ صرف کوئی تضاد ہی نہیں بلکہ آپ کا ہر فعل وعمل اور ہر قول اطاعت اللہ اور اتباعِ رسول اللہ کا شاہکار ہے۔ جن ذرّوں نے آپ کی حیاتِ مقدسہ سے اکتسابِ فیض کیا اور آپ کی تقلید کے نقش کو اپنی زندگی کے آئینہ میں عکس کیا وہ حقیقت ومعرفت کے آفتاب وماہتاب بن کر مقتدر عصر ہوئی۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کا ایک بڑا کمال یہ بھی ہے کہ آپ نے نہ صرف اپنی حیاتِ مبارکہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا آئینہ دار بنایا بلکہ لاتعداد طالبانِ حق کی زندگیوں کو مدنی تاجدار کے انوار سے سنوار کر نہ صرف انسانیت کے اعلیٰ مراتب بلکہ ولایت کی منزل تک پہنچا دیا۔

آپ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک اور نہایت ہی روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے امر بامعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ نہایت ہی مستعدی سے بروقت وبرمحل ادا کیا۔ آپ نے کبھی اس فریضہ کی ادائیگی میں وقت سے نہ تو مصالحت کی، نہ ہی دنیا اور اہل دنیا کی کسی مادی طاقت وقوت کا اثر قبول کیا بلکہ انتہائی بے باکی اور جرأت سے آپ نے فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ادا کیا۔

امر بالمعروف کے فریضہ کی ادائیگی میں آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کی سی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ نہی عن المنکر کے لیے آپ نے حضرت فاروقِ اعظم کے عزم واستقلال کو اپنا شیوہ بنایا۔ ردّ ابطال میں آپ نے حضرت علی کی شجاعت کو اپنا معیار بنایا۔ اس لیے آپ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں اپنے دور میں فقید المثال مبلغِ اسلام تھے۔ آپ کو بجا طور پر مبلغ الف ثانی کہا گیا ہے۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے ہمیشہ حق کی حمایت ہی نہیں کے بلکہ صف سے آگے بڑھ کر باطل کی سرکوبی بھی کی۔ ہمارے اس دعوے کا بین ثبوت آپ کی کثیر التعداد تصانیف ہیں۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی حیاتِ مبارکہ کا ایک اور نہایت ہی روشن و تعجب خیز پہلو یہ ہے کہ کروڑہا کروڑ افراد کے آپ مرشد و قائد ہیں۔ جو اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند کا عمل قرآن و سنّت کے عین مطابق ہے بلکہ آپ کا قول و فعل کتاب اور سنّت کی تفسیر تسلیم کیا گیا۔ علما، فضلا، مشائخ اور دانشور آپ کے عمل کو معیار قرار دیتے ہیں۔ جدید تیز رفتار ذرائع ابلاغ سے مالا مال دنیا میں کوئی فرد بھی آپ کی حیاتِ مبارکہ پر انگشت نمائی نہ کرسکا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آپ کے مخالفین بھی آپ کی حق پسندی اور جرأتِ ایمانی کے نہ صرف معترف ہیں بلکہ آپ کے مدّاح بھی ہیں۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے اسلام کی ہر بات کو برملا حق کہا۔ اور اپنی کمالِ فقاہت (جو خداداد ہے) سے حق ثابت کیا۔ خلافِ اسلام کو بلا کسی خوف و جھجک کے باطل کیا اور اس کو رد کیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تعلق سے آپ کا عمل ہمیشہ افضل پر رہا۔ آپ کی تبلیغ کا دائرہ انتہائی وسیع تھا۔ فرد، معاشرہ اور حکومتِ وقت کوئی بھی آپ کے دائرہ تبلیغ سے باہر نہ تھا۔ آپ نے ہر محاذ پر تبلیغ کی۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی کتابِ زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے لیے پیدا ہوئے، اسلام کی تبلیغ میں زندگی بسر کی۔ تبلیغِ اسلام کو پیشہ نہیں فریضہ ہی سمجھا۔ اور اس فریضہ کو اس طرح ادا کیا جس طرح ادا کرنے کا حکم اللہ عزّ و جل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صادر فرمایا ہے۔

آپ عوام میں بے انتہا مقبول تھے، آپ کی جیسی مقبولیت اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی جس کی مثال شاذ و نادر ہی مل پاتی ہے۔ باوجود اس کے عوام میں آپ کی عقیدت و محبت کی

جڑیں انتہائی گہری تھیں۔ مگر آپ نے کبھی مالی منفعت کا ذریعہ عوام کو نہیں بنایا۔ حتیٰ کہ آج کے سیاسی اور جمہوری دور میں جب کہ سیاسی اقتدار کا حصول عوام کی حمایت پر ہی منحصر ہے آپ نے کبھی بھی عوام کی حمایت کے بوتے پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چونکہ آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین اسلام کی سربلندی و سرفرازی قرار دیا تھا جس کو حاصل کرنے کے لیے آپ نے ہمہ اقسام کی قربانیاں دیں۔ فریضۂ تبلیغ کو چھوڑ کر کسی بھی مالی منفعت کو کبھی پسند نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ دنیا اور اہل دنیا کو ناپسند کرتے تھے۔ اور آپ کی ساری سعی و جدوجہد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تھی، اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آپ عمر بھر کوشاں رہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس دنیا میں رہ کر کامیاب زندگی گزاری۔ آج بھی آپ کا طریقۂ کار اور حسنِ عمل ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

a a a a a

☆ پروفیسر حضرت محمود حسین بریلوی، بریلی شریف

مفتیٔ اعظم ہند، کارناموں کا اجمالی جائزہ

مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی چودھویں صدی ہجری کی وہ مسلم الثبوت بے مثال شخصیت ہے جس کی پوری صدی میں کوئی مثال زندگی کے کسی گوشے اور شعبے میں نہیں ملتی۔ عربی، اردو اور فارسی زبان و ادب کو ان کے زبان و قلم سے جو جِلا ملتی ہے اس سے کوئی فرد و بشر انکار نہیں کر سکتا۔

ہندوستان کی تاریخ میں حضور مفتیٔ اعظم ہند کے سوا ایسا کوئی شخص گویا نظر نہیں آتا جس کی نظر تمام علوم وفنون پر یکساں محیط ہو۔ جب ہم ہندوستان کے ماہرین ادب پر محققانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بیک وقت وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں۔ مگر اس کے برعکس جب ہم حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو بیک وقت ۳۸ علوم میں ان کی مہارت تسلیم کی جاتی ہے۔ (مفتیٔ اعظم، ص: ۳۱۔ ۳۲) اور چھوٹی بڑی ۴۵ تصانیف عربی، فارسی اور اردو کے جامہ میں ان علوم سے متعلق افکار و خیالات ملبوس نظر آتے ہیں۔ قرآن فہمی، حدیث دانی، فقہی بصیرت، الغرض علومِ نقلیہ میں مہارت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ کیمیا، حیوانیات، ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، ادفاق، ہسٹری جیسے سائنس کے بیشتر علوم میں خواہ تجرباتی ہوں یا فکری ان کی صلاحیت مسلّم ہے جب کہ ان کی زندگی کا مقصد اصلاح عقائدِ فاسدہ اور فتویٰ نویسی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

مفتئ اعظم ہند علوم وفنون کے اعتبار سے کس بلندی پر فائز تھے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی طرح ان کے کتنے مخالفین تھے اس کی بھی کوئی تعداد پیش نہیں کی جاسکتی۔ حد تو یہ ہے کہ اکثر موٴرخین نے ان کی عبقری شخصیت کو نظر انداز کر دیا۔ ذاتی اور مسلکی اختلاف کے سلسلے جب دراز ہوتے ہیں تو بہت سارے حقائق بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ مخالفین اپنی جگہ لیکن حقائق اور وہ بھی علمی وادبی واشگاف ہو ہی جاتے ہیں۔

مفتئ اعظم ہند کی یہ صلاحیت خداداد تھی۔ انہوں نے صرف اپنے والد ماجد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی آغوشِ تربیت میں علومِ نقلیہ وعقلیہ کی کتابیں پڑھی تھیں۔ اس کے علاوہ حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں بریلوی، علّامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری، سیّد بشیر احمد علی گڑھی، علّامہ ظہور الحسن رامپوری کی خدمت میں زانوئے تلمّذ تہہ کیا تھا۔ یہی چند حضرات ان کے اساتذہ تھے، جن کی تربیت نے اس طرح نکھار دیا کہ علما ان کے نورِ علم سے مستفید ہونے لگے۔ عبقری ہو تو ایسا کہ عرب وعجم میں جس کے علم کا سکّہ چلے۔ ہندوستان میں جن لوگوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا ان میں مدارس کے اساتذہ سے لے کر یونیورسٹی کے اربابِ علم وفضل تک شامل ہیں۔ ان کی تو فہرست پیش کرنا مشکل ہے۔ البتہ ہندوستان کے جن علما کو انہوں نے مستفیض فرما کر اجازت سے نوازا ہے ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ الشیخ السیّد محمد مغربی مالکی مکّی

۲۔ الشیخ السیّد امین قطبی مکّی

۳۔ الشیخ السیّد عمر ہمدان مکّی

۴۔ محدّثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی

بانی جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام فیصل آباد پاکستان

رشد وہدایت کی مشغولیت بھی اپنی جگہ مسلّم تھی۔ اسلام کی نشر واشاعت زبان وقلم سے ہو، زندگی کا مطمحِ نظر تھا۔ سیکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ہزاروں بھٹکے ہوئے لوگوں کو اسلام کی راہِ صداقت پر لا کھڑا کیا۔ آپ متعدد سلاسل میں مرید بھی کرتے تھے اور سندِ

خلافت بھی عطا کرتے۔ ویسے یہ دولت ہندوستان کی عظیم خانقاہ مارہرہ مطہرہ کی سرزمین سے حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ ان کے مرشدِ اعلیٰ کا کرم ہے کہ انہوں نے ایک کروڑ سے زائد لوگوں کو سلسلۂ قادریہ میں شامل کیا۔ اور ہندو پاک اور عرب و عجم کے متعدد جیّد علماء کرام کو اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے سندِ خلافت عطا فرمائی۔

مفتیٔ اعظم ہند کے علم و فن پر دبیز پردہ ڈالنے کی مخالفین نے حد درجہ کوشش کی مگر انہیں اپنی منہ کی کھانی پڑی۔ اس میں وہ ناکام ہوئے، علم و فضل کے آفتاب کی تابانیوں کو کوئی روک نہ سکا۔ جو کھلے ذہن و دماغ کے لوگ تھے ان کے علم و فضل کی کرنوں نے ان کے اذہان و قلوب کو منور کر ہی ڈالا۔ جو لوگ مفتیٔ اعظم ہند کے علم سے مستفید ہوئے اور ان کی کتب و رسائل کی روشنی میں ان کی شخصیت کو پڑھا اور سمجھا اور اس افہام و تفہیم میں اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ وقف کر دیا ایسے لوگوں کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔

کچھ لوگوں نے تو مفتیٔ اعظم ہند کی شخصیت کو مقصودِ زندگی سمجھ کر پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ ان کی شخصیت کو سمجھا ہے اس کو انہوں نے اپنے افکار و خیالات کا درجہ دے کر صفحۂ قرطاس کی زینت بنائی ہے۔ اور بڑی اہم مبسوط کتابیں لکھ کر مصطفیٰ شناسی کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ مفتیٔ اعظم ہند نمبرات، اعلیٰ حضرت بریلی، حجاز دہلی، اشرفیہ مبارکپور، استقامت کانپور، پیغامِ رضا ممبئی کے علاوہ نوری کراچی مفتیٔ اعظم ہند کی حیات و خدمات پر مشتمل وہ دستاویزات ہیں جن کی اہمیت اصحابِ علم و فن میں مسلّم ہے۔ اس کے علاوہ اس پر بھی بہت سی ایک اندازہ کے مطابق دو درجن سے زائد کتابیں ہیں جسے مصنفین نے مفتیٔ اعظم ہند کے مختلف گوشوں پر خامہ فرسائی کر کے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے، مجلّات و رسائل کے چھوٹے چھوٹے نمبرات مستزاد ہیں۔ مصطفیٰ شناسی کا یہ سلسلہ ادھر کچھ سالوں سے ہندو پاک میں کثرت سے ہو رہا ہے۔ کراچی، اسلام آباد، لاہور اور ہندوستان میں ان پر کام کیا

جارہا ہے۔ اوران سے متعلق اکیڈمیاں اور ریسرچ سینٹر بھی معرضِ وجود میں آچکے ہیں۔ ہندو پاک میں پچھلے چند سالوں سے بہت کچھ لوگوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ لیکن مفتیٔ اعظم ہند کی ہمہ جہت شخصیت کو مدّنظر رکھتے ہوئے ابھی بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ مصطفےٰ شناسی کا یہ سلسلہ نہایت آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔ مدارس کی دنیا سے ہٹ کر ملک کی نامور یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ان کی شخصیت کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے علم وفن کے رسیا بھی مفتیٔ اعظم ہند کی تحقیق وجستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں میں یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالر کے علاوہ علماء کرام بھی شامل ہیں۔ میری معلومات کے مطابق اس وقت جہاں جہاں ان کی شخصیت اور کارناموں پر ریسرچ کرائی جارہی ہے اس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

۱۔مولانا غلام صاحب بنارس ہندو یونیورسٹی سے مندرجہ ذیل عنوان پر ڈاکٹریٹ کررہے ہیں۔ ''بریلوی علما کی ادبی خدمات''

۲۔مولانا نوشاد عالم صاحب بہار یونیورسٹی مظفر پور سے ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی کی زیرِ نگرانی مفتیٔ اعظم ہند پر ڈاکٹریٹ کررہے ہیں۔جن کے مقالہ کا عنوان یہ ہے۔ ''مفتیٔ اعظم ہند، حیات اور کارنامے''

بریلی کالج بریلی (روہیل کھنڈ یونیورسٹی) علم وتحقیق کا گہوارہ رہی ہے۔ یہاں علوم وفنون کی مختلف اصناف پر تحقیقی مقالے سپردِ قلم ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اہم علمی وادبی شخصیتوں پر بھی ریسرچ کا کام کرایا جاتا ہے۔

اردو زبان وادب اور اسلامیات کے دائرے میں اس بات کا بھی لحاظ پایا جاتا ہے کہ جہاں اسلامی دنیا کی معروف شخصیتوں کو زیرِ بحث لایا گیا، وہاں ہندی نژاد علماء اوران کی علمی وادبی کاوشوں کو خصوصیت کے ساتھ اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض ہندی نژاد شخصیتیں جو اپنا عالمی مقام ومرتبہ بھی رکھتی ہیں ہنوز تحقیق کی سطح پر متعارف نہیں کرائی جاسکی ہیں۔ تحقیق کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو

اسلامی علوم وفنون کے صحن میں ہندوستان اور ہندوستانی علماء وفضلا کی زندگی اور علمی کارناموں کا جائزہ ایک مرکزیت اختیار کرلیتا ہے۔ خصوصیت سے عربی زبان وادب میں سبک ہندی کی معنویت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

یہ ہمارے لیے بڑے فخر وانبساط کی بات ہے کہ بریلی کالج بریلی کے شعبۂ اردو میں استاد محترم ڈاکٹر نواب نظامی صاحب کی زیرِ نگرانی مفتیٔ اعظم ہند کی شخصیت اور کارناموں پر ایک ریسرچ اسکالر جناب مجیب رضا ڈاکٹریٹ کررہے ہیں۔

اس کے علاوہ شعبہ عربی وفارسی بریلی کالج بریلی کے ڈپلوما عربی وفارسی (جدید) کے نصاب میں امام احمد رضا خاں بریلوی اور مفتیٔ اعظم کے پچاس پچاس عربی اشعار اور عربی میں تحریر کردہ کتب شامل ہیں۔

مفتیٔ اعظم ہند علوم وفنون کے پیکر تھے۔ عقلی ونقلی تمام علوم میں انہیں کمال حاصل تھا۔ یہ ایک بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ ایک شخص کے اندر خداوندِ کریم نے وہ تمام صلاحیتیں یکجا کردی تھیں جو دوسروں کے اندر انفرادی طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مفتیٔ اعظم ہند ان علوم وفنون کے بحرِ ناپید کنار تھے۔

مفتیٔ اعظم ہند جس میدان میں بھی قلم اٹھایا اس پر سیر حاصل بحث کی۔ والد ماجد مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی زبردست عالمِ دین تھے ہی ان کی دینی تربیت نے بیٹے کے رگ وریشے میں دینی حمیّت کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی قرآن و حدیث اور مسائل شرعیہ کی ترویج وارتقا میں بسر کی۔

مفتیٔ اعظم ہند کو علمِ فقہ میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت تھی اگر یہ کہا جائے کہ فقہی بصیرت کی بنا پر اربابِ علم وفن میں پذیرائی ہوئی تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی اس فقہی بصیرت کا اعتراف ہر مکتبۂ فکر کے علما نے یکساں طور پر کیا ہے۔

مولانا شمس الدین جعفری جونپوری علیہ الرحمہ ۱۴۰۲/ ۱۹۸۱ء آپ کی فقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''کہ فقہ کا اتنا بڑا ماہر اس زمانہ میں کوئی دوسرا نہیں، میں مفتیٔ اعظم ہند کی خدمت میں جب حاضر ہوتا ہوں تو سر جھکا کر بیٹھا رہتا ہوں۔ اور خاموشی سے ان کی باتیں سنتا ہوں، ان سے زیادہ بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔''

آپ کی فتاویٰ کی دو جلدیں فتاویٰ مصطفویہ کے نام سے پاک و ہند میں شائع ہو چکی ہیں۔

مفتیٔ اعظم ہند اردو، عربی اور فارسی نثر میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ اس میدان میں جو آپ نے جوہر دکھائے ہیں ان کی مثال ڈھونڈنے سے کم ملتی ہے۔ خطبات ہوں یا مکتوبات، وعظ و نصیحت کی محفل ہو یا عہد و معاہدے ہر ایک موضوع پر آپ نے بہترین نثر نگاری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

مفتیٔ اعظم ہند نے جہاں ایک بلند پایہ نثر نگار تھے تو اسی کے ساتھ ساتھ تاریخ گوئی میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ آپ کو اس فن میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے مفتیٔ اعظم ہند اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرمادیا کرتے تھے۔

محدّثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی (بانی مظہرِ اسلام فیصل آباد پاکستان) کے وصال پر برجستہ درج ذیل تاریخیں استخراج فرمائیں۔

کرگیا فیضان جس کی موت سے
ہائے وہ فیض رہنما جاتا رہا
یا مجیب اغفرلہٗ تاریخ ہے
کس برس وہ رہنما جاتا رہا
دیو کا سر کاٹ کر نوری کہو
چاند روشن علم کا جاتا رہا

اس طرح مفتیٔ اعظم ہند نے بہت سی تاریخیں کہیں۔ اگر ان تمام تواریخ کو اکٹھا کیا جائے تو ایک عدیم المثال دستاویز ہوگی۔

مفتیٔ اعظم ہند کو عربی، فارسی، اردو زبانوں میں مہارت صرف نثر نگاری کی حد تک نہ تھی بلکہ وہ انہیں زبانوں کے ایک زبردست قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ جس برجستگی کی ساتھ آپ نے فارسی، اردو اور ہندی زبانوں میں شاعری کی ہے، وہی برجستگی ان کی عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ تلمیحات کا استعمال، محاورات و استعارات کی بندش نظم کلام میں جس حسن وخوبی کی ساتھ آپ نے کی ہے اس کی مثال دوسرے شعرا کے یہاں مشکل سے ملے گی۔

مفتیٔ اعظم ہند نے شاعری کے ان تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے جس پر اس زمانے کے شعرا نے اپنی اپنی صلاحیتیں صرف کرتے رہے۔

مفتیٔ اعظم ہند کے یہاں آورد نہیں بلکہ آمد تھی۔ ایک نشست میں سیکڑوں اشعار کہہ دینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ مفتیٔ اعظم ہند کے اس پہلو پر ہند و پاک کے دانشوروں نے قلم ضرور اٹھایا مگر سیر حاصل بحث نہیں کی۔ مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی نے مفتیٔ اعظم ہند کے ہندی اور عربی کلام کو یکجا کیا ہے۔ ہندوستان کے بعض دانشوروں نے اس بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ مفتیٔ اعظم ہند صرف اردو کے قادر الکلام شاعر تھے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ ہندی اور عربی کے بھی مسلّم الثبوت شاعر تھے۔ سو سے زائد عربی اشعار مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی کے پاس محفوظ ہیں۔ اسی طرح ہندی کے کثیر اشعار بھی موصوف کے پاس موجود ہیں۔ اگر اس پر مزید محنت صرف کی جائے تو مفتیٔ اعظم ہند کے ان تمام عربی و ہندی اشعار کو بھی کھوج کر نکالا جا سکتا ہے جو ابھی اہلِ علم کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اور زمانہ کی دست برد سے محفوظ ہو کر ان لوگوں کی لائبریریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں جنہیں علم سے کم، کتاب سے محبت ہے۔

(بشکریہ پیغامِ رضا، ممبئی کا مفتی اعظم نمبر)

☆غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

حضور مفتی اعظم اور ان کی تعلیمات

حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) مدبر و فقیہ اور عظیم قائد و رہنما تھے۔ آپ کی علمی جلالت، فقہی بصیرت اور بلندیِ اخلاق کا شہرہ آفاق کی بلندیوں کو چھو چکا ہے۔ آپ مختلف علوم و فنون میں مہارت تامہ کے ساتھ ہی فن افتا میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ افتا نویسی میں آپ کے خاندان کا ایک وصف رہا ہے۔ فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ''مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ نے اس گھر میں آنکھ کھولی جو تقریباً ڈیڑھ سو سال سے فقہ اور فتاویٰ کا عظیم مرکز رہا کہ آپ کے والد گرامی اعلیٰ حضرت کے جد امجد امام العلما حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہ (متوفی ۱۲۸۲ھ) اور آپ کے جد امجد امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے صرف یہی نہیں کہ فتویٰ نویسی کا گرانقدر فریضہ انجام دیا بلکہ اپنے اپنے زمانہ کے مفتیان کرام و علماے عظام سے اپنی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کا لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ رہے۔''(۱)

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ عشق و عرفان کے اس بلند منصب پر فائز تھے جہاں

آنکھوں کے حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور جلوۂ محبوب کا مشاہدہ نگاہوں کا محور ٹھہرتا ہے۔ محبت سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشار تھے اور سنتوں کے عامل، عشق سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وارفتگی و سرشاری کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت محبوب کی یادوں میں منہمک رہتے ؎

جاگ اٹھی سوئی قسمت اور چمک اٹھا نصیب
جب تصور میں سمایا روے انور یار کا

اپنے سوز دروں، عشق تپاں اور الفت سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار کے لئے نعتیہ شاعری کو ذریعہ بنایا۔ یہ جذبات و احساسات کی لطافت ہے کہ انہیں اشعار کے سانچے میں بخوبی ڈھالا جا سکتا ہے ورنہ ذوق شعری آپ کے مزاج کا حصہ نہیں۔ مگر یہاں حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، خصائص و فضائل، شمائل و پاکیزہ اذکار کی خوشبو ہے جو شعر کے لبادے میں مشامِ جاں کو معطر کر رہی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

میرے دل پر جو کبھی جلوۂ جاناں ہوگا — لمعۂ نور مرے رُخ سے نمایاں ہوگا
آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے — راہِ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت
صفحۂ دل پہ مرے نام نبی کندہ ہو — نقش ہو دل پہ مرے ان کے علم کی صورت
میری آنکھوں میرے سر پر میرے دل پر میرے جگر پر — پائے اقدس رکھ دو شاہا صلی اللہ علیک وسلم
آب بحرِ عشق جاناں سینہ میں ہے موجزن — کون کہتا ہے ہمیں آبِ بقا ملتا نہیں
مئے محبت محبوب سے یہ ہیں سر سبز — بھری ہوئی ہے شراب طہور آنکھوں میں
کھلے ہیں دیدۂ عشاق خواب مرگ میں بھی — کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں
خدا ایک پر ہو تو اک پر محمد ﷺ — اگر قلب اپنا دو پارہ کروں میں
چمک جائے دل نوریؔ تمہارے پاک جلوؤں سے — مٹا دو ظلمتیں دل کی مرے نور الہدیٰ تم ہو

حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی شاعری میں مضمون آفرینی

کے جلوے بھی ہیں اور محاوروں کا حسین امتزاج بھی، اور تنوع الفاظ کا انتخاب بھی۔ سہل پسندی اور سادگی کلام کا وصف ہے۔ فکری وسعت اور خیالات کی بلندی کے ساتھ عقائد کا برملا اظہار آپ کے کلام کو دوسروں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ کلام کی ادبی خوبیوں پر روشنی کوئی ادب شناس ہی ڈال سکتا ہے۔ نئی تراکیب کا استعمال بھی آپ کے کلام میں نمایاں ہے جس پر آپ کا نعتیہ دیوان ''سامان بخشش'' لائق مطالعہ ہے۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

صبح روشن کی سیہ بختی سے اب شام ہوئی

کب قمر نوردہ شام غریباں ہوگا

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی دینی و علمی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں فقہی تحقیق کے تمام جزئیات ملتے ہیں۔ مسائل کے ضمن میں دلائل و براہین سے استنباط کی جھلکیاں آپ کے فتاویٰ ''المکرمة النبویة فی الفتاوی المصطفویة'' (۱۳۲۹ھ) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

دین پر استقامت اور تفقہ کے لئے آپ کی ذات بے مثل اور نمونۂ عمل ہے۔ آپ کی تعلیمات قرآن مقدس، احادیث مبارکہ اور مشاہیر فقہا و محدثین کے اقوال کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ساتھ ہی امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بدعات و منکرات کے خاتمہ کے لئے تحریکِ اصلاح سے مستفیض و مستفید ہیں۔ ہم آپ کی ہمہ پہلو شخصیت کے دیگر گوشوں سے صرف نظر آپ کے ارشادات و پیغامات اور عقائد و اعمال اور کردار کی اصلاح و تربیت کے تعلق سے جو گوشے ہیں ان پر اجمالی روشنی ڈالیں گے۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی حیات طیبہ میں اتباع شریعت کا پہلو سب سے واضح و نمایاں ہے اور فرائض کی ادائیگی کا یہ عالم کہ اس میں کسی طرح کی کلفت و پریشانی کو خاطر میں نہ لایا۔ رضائے الٰہی عزوجل کے لئے عمر بھر سرگرم رہے۔ شریعت کے احکام پر عمل کا خود بھی اہتمام فرمایا اور دوسروں کو بھی ترغیب و تاکید فرمائی۔ نماز سے متعلق کسی طرح کی سستی کو روا نہ رکھا۔ فرائض میں نماز اہم فرض ہے جس کے لئے حضور مفتی اعظم خاص اہتمام فرماتے

اورخشوع وخضوع کا عالم تو بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب کی زبانی سنئے، وہ لکھتے ہیں:

''خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے پورے وجود کو عجز و درماندگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے وقوموا للّٰہ قانتین ''(۲)

زندگی کے آخری ایام میں ضعف ونقاہت کا عالم طاری ہوتا۔ اٹھتے بیٹھتے سہارے کی ضرورت ہوتی لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوتی ایسے کھڑے ہوجاتے جیسے کوئی تکلیف نہ رہی ہو اور مکمل نماز ادا فرماتے۔ آپ کے خلفا وتلامذہ جنہیں سفر وحضر میں رفاقت میسر رہی ہے وہ دورانِ سفر نماز کی پابندی کے متعلق فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا کہ ٹرین چل پڑی لیکن آپ نے نماز کیلئے پرواہ نہیں کی اور ٹرین آگے جا کر ٹھہر گئی۔ مصائب وآلام نے بھی نماز میں خلل واقع نہ ہونے دیا اور نہ ہی سفر کی صعوبتیں سدِ راہ بنیں۔ حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مدظلہ العالی فرماتے ہیں: کہ نماز کا وقت قریب آتا تو ادائیگی نماز کے لئے بے چین رہتے۔

(۳) حضور مفتی اعظم قدس سرہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث میں نماز کو دین کا ستون فرمایا اور فرمایا کہ جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز چھوڑی اس نے دین کو ڈھادیا (العیاذ باللّٰہ) دوسری حدیث میں فرمایا کہ جس نے جان کر نماز ترک کی اس نے کفر کیا والعیاذ باللّٰہ دوسروں کو نماز کی تاکید کرنے والا خود نماز چھوڑنے والا اس ایندھن کی طرح ہے جو خود جل رہا ہے اور دوسروں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔''(۴)

آپ نے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل حل فرمائے اور نو پید فتنوں کا سد باب کیا جن میں خاکسار تحریک اور اس کے بانی عنایت اللہ مشرقی کا فتنہ سر فہرست ہے۔ اسی طرح شدھی

تحریک کا قلع قمع بھی حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی خدمات کا درخشاں وتابندہ باب ہے۔آپ کی تعلیماتِ منیرہ وضوفشاں سے چند گوشے اور چیدہ چیدہ زاویے پیش کئے جاتے ہیں۔

سجدہ:

دریافت کیا گیا کہ زید کہتا ہے کہ ہندو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور ہم کعبہ میں جا کر پتھر کو سجدہ کرتے ہیں۔اس کے جواب میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے فرمایا:

''یہ شخص جلد توبہ کرے۔کوئی مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا جہت کعبہ سجدہ خدا کو کرتا ہے۔کافر بتوں کو سجدہ کرتا ہے۔ان کی پرستش و بندگی وعبادت کرتا ہے۔کعبہ جا کر پتھر کو سجدہ کرنا مسلمانوں پر محض افترا ہے جیسے کعبہ سے دور سمت قبلہ سجدہ ہوتا یوں ہی وہاں جا کر عین قبلہ کا استقبال کیا جاتا ہے۔سجدہ یہاں وہاں سب جگہ خدا ہی کے لئے ہوتا ہے۔''(۵)

قرآن مقدس، کلامِ الٰہی:

مستشرقین یورپ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صدیوں سے متحرک ہیں اور اسلام کی آفاقیت پر مضطرب، مسلمانوں کے علمی کارناموں کو دیکھتے ہوئے انہوں نے علم وفن سے مرصع ہو کر قرطاس وقلم اور تصنیف وتالیف کو ہتھیار بنایا اور اپنی کتابوں میں قرآن مقدس کو سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دینے کی کوشش کی جیسا کہ The Hundred کے مصنف مائیکل ایچ ہارٹ نے قرآن مقدس کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کیا ہے۔اسی نہج پر یورپی مصنفین و مستشرقین کا ایک طبقہ کام کر رہا ہے۔حضور مفتی اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں:

''قرآن ایسی بے مثل کتاب ہے جس کا مثل کسی سے ممکن نہیں جو ایسی چیز ہو جس کا مثل ممکن نہ ہو وہ خدا ہی کی ہوتی ہے تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن وتاباں کہ قرآن کلام اللہ ہے۔ہرگز کلام بشر نہیں۔''(۶)

قرآن مبین نے خود فصیحان عرب کو چیلنج کیا تھا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔

''اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے ان خاص بندے پر اتارا تو اس

جیسی ایک سورت تو لے آؤ“ (البقرۃ: ۲۳ / کنزالایمان)

لیکن وہ جو شعر و ادب کی زبان میں گفتگو کرتے تھے، جنھیں اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا جو زبان داں اور سخن ساز تھے وہ بے زباں ہو گئے۔ اور اعتراف کیا کہ قرآن مقدس اللہ عزوجل کا کلام ہے۔

قرآنی قوانین۔ حتمی قوانین:

قرآن مقدس کے قوانین تغیر و تبدل سے مبرا ہیں۔ اس میں زمانے کی کوئی قید نہیں۔ موجودہ دور میں باطل قوتیں قرآن کی عظمتوں اور اس کے احکامات کے روشن روشن پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے از راہِ حسد و بوجہ عناد قرآن مقدس پر تنقید کر گزرتی ہیں، ان کے فکر و خیال کے حامی ایک ناخواندہ طبقہ کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کے قوانین عہد حاضر کا ساتھ نہیں دے سکتے، حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اسی طرح کے ایک اعتراض کے جواب میں قرآن مقدس کے قوانین کی بابت تحریر فرمایا ہے:

”اعلیٰ سے اعلیٰ عقلا جمع ہو کر جو قوانین وضع کرتے ہیں کبھی فوراً کبھی کچھ دن بعد زمانہ انھیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ان میں ترمیم کریں یا منسوخ کر کے نئے قوانین بنائیں۔ مگر قرآنی قوانین ایسے قوانین نہیں جن میں کوئی تبدیلی کوئی تغیر ذرا بھی ترمیم یا کسی تھوڑی سی تنسیخ کی حاجت ہو۔ وہ آج سے تیرہ سو برس پہلے جیسے ضروری تھے ڈیڑھ ہزار برس کے قریب زمانہ گزرتا ہے آج بھی ویسے ہی ضروری ہیں۔ اور تا قیامت ان کی اسی طرح حاجت و ضرورت رہے گی۔ دنیا بھر میں قرآنی قوانین کا شہرہ ہے۔ قرآنی قوانین عالم گیر و ہمہ گیر قوانین ہیں۔ دنیا بھر کے سلاطین انھیں قوانین کی سرکار کے بھکاری ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ عناد سے تسلیم نہ کریں یا کسی قرآنی قانون کی من مانتی صورت بنالیں۔ قرآن خدا کا کلام ہونے کے ثبوت میں کسی کے کہنے کا محتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ یہ کلام خدا ہے تو اس کا کلام کلام خدا ہونا ثابت ہو وہ خود آپ اپنی دلیل ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید“ (۷)

کلمہ پڑھانے میں تاخیر:

دریافت کیا گیا کہ ایک کافرہ کو زید مسلمان کرنے کی غرض سے غسل کروا کر امام مسجد کی خدمت میں لایا امام نے فرمایا کہ بعد جمعہ مسلمان کروں گا،......اس امر پر حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے فرمایا کہ:

''زید اور اس مولوی پر توبہ وتجدید اسلام وتجدید نکاح لازم۔عورت نے زید سے جس وقت کہا تھا کہ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں اسی وقت زید پر لازم تھا کہ وہ اسے مسلمان کرتا۔ تفصیل سے تلقین اسلام پر اگر وہ قادر نہ تھا تو کلمہ طیبہ تو پڑھا سکتا تھا۔اللہ عزوجل کی توحید اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی رسالت کا اقرار تو لے سکتا تھا۔یہ ایمان مجمل کی تلقین اس کے اسلام کو کافی تھی اتنا کرنے کے بعد پھر عالم کے پاس لے جاتا کہ وہ مفصل تلقین کرتا۔جتنی دیر اس نے اسے غسل کرایا پھر عالم کے پاس لے گیا اتنی دیر کا اس کے ذمہ رضا بہ بقاء الکفر کا الزام ہے۔عالم کے پاس جب وہ پہنچی تھی عالم پر فرض تھا کہ فوراً اسے مسلمان کرتا۔''(۸)

مسلمان کو کافر کہنا:

دریافت کیا گیا کہ مسلمان کو کافر کہنا کیسا ہے؟ تو ارشاد فرمایا:

''مسلمانوں کو کافر کہنا بہت سخت شدید جرم عظیم ہے۔خود اپنے اوپر بے وجہ کی تکفیر عود کرتی ہے۔''(۹)

اللہ عزوجل کو ''خدا'' کہنا:

دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا درست ہے یا نہیں؟ تو فرمایا:

''اللہ عزوجل پر ہی خدا کا اطلاق ہوسکتا ہے۔اور سلف سے لے کر خلف تک ہر قرن میں تمام مسلمانوں میں بلانکیر اطلاق ہوتا ہے۔اور وہ اصل میں خود آ ہے جس کے معنی ہیں وہ جو خود موجود ہو کسی اور کے موجود کئے موجود نہ ہوا ہو۔اور وہ نہیں مگر اللہ عزوجل ہمارا سچا خدا۔''(۱۰)

اللہ عزوجل کو ''اللہ میاں'' کہنا:

اس مسئلے میں کہ اللہ عزوجل کو اللہ میاں کہنا درست ہے یا نہیں؟ حضور مفتی اعظم

قدس سرہ نے تحریر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ، اللہ عز وجل، اللہ عز جلالہ، اللہ سبحانہ، اللہ عز شانہ، یا جل شانہ وغیرہ کہنا چاہئے۔ عوام میں یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس سے انھیں احتراز کرنا چاہئے۔ تفصیل کے لئے احکام شریعت دیکھیں۔ اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفصل تحریر فرمایا ہے۔ گناہ نہیں مگر یہ لفظ اس کی جناب میں بولنا برا ہے۔ اس کی شان وعزت کے لائق نہیں۔''(۱۱)

آج کل جاہل تو جاہل اہل علم کہے جانے والے افراد بھی اس میں مبتلا ہیں کہ اللہ عز وجل کو ''اللہ میاں'' کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ احتیاط برتا جائے اور دینی علوم کو حاصل کرنے کے لئے جستجو کی جائے کہ علم دین ہوگا تو اس طرح کے بے ادبی کے کلمات کا صدور نہ ہو سکے گا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس سلسلے میں کافی احتیاط کی تعلیم دی ہے۔(۱۲)

کفار کے میلوں میں شرکت:

اس مسئلہ میں کہ ہنود کے میلوں میں جہاں مراسم کفریہ وشرکیہ کے علاوہ ہر قسم کے ناچ تماشے اور دیگر لہو ولعب ہوتے ہیں، مسلمانوں کا بحیثیت تماشائی یا بغرض خرید وفروخت شریک ہونا کیسا ہے؟...... حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے تحریر فرمایا:

''ایسے میلوں میں بحیثیت تماشائی جانا حرام حرام اشد حرام بہت اخبث نہایت ہی اشنع کام بحکم فقہاے کرام معاذ اللہ کفر انجام ہے۔ حدیث کا ارشاد ہے **من کثر سواد قوم فھو منھم**...''

''ان لوگوں پر توبہ تجدید ایمان نکاح لازم۔ جو لوگ تجارت کے لئے جاتے ہیں انھیں مجمع کفار سے علیٰحدہ قیام چاہئے۔ اول تو جانا ہی نہ چاہئے اور جائیں تو وہاں سے دور رہیں اس قدر دور کہ ان سے ان کے مجمع میں اضافہ ہو کر اس کی شوکت نہ ہو۔ ان کی دوکانوں سے اس کی زینت نہ ہو۔ ان کے آگے اعلان کفر نہ ہو۔ مجمع کفار محل لعنت ہے خصوصاً ایسا مجمع جو اظہار و اعلان کفر کا ہو۔ محل لعنت سے یوں بھی تو بچنا ضرور ہے اگر چہ اس وقت اظہار کفر نہ ہو۔ تجارت کے لئے اگر جاتے ہیں مجمع کفار سے بالکل علیٰحدہ جہاں سے ان کی کفری باتیں دیکھ سن نہ سکیں

راہ میں رہیں مقصد تجارت یوں بھی حاصل ہوگا اگر وہ لوگ خریدنا چاہیں گے راہ میں خریدیں گے نہ خریدنا چاہیں گے وہاں بھی نہ خریدیں گے۔ آج کل تو یہ نری ہوس خام ہے۔'' (۱۳)

مشرکین سے اتحاد وداد:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم کے عہد میں ہنود سے اتحاد کے نام پر بساط سیاست پر بہت سی تحریکیں نمودار ہو چکی تھیں اور مسلمانوں کو گمراہی کے عمیق گڑھے میں لے جانا چاہتی تھیں۔ اس نام نہاد اتحاد میں زر پرست مولوی بھی شامل تھے۔ جو ایک طرف تو عظمت خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لب کشائی کی جسارت کر رہے تھے اور دوسری طرف مشرکین سے مل کر متحدہ محاذ بنانے میں مصروف تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور حضور مفتی اعظم نے اس فتنے کے تار و پود بکھیر دیئے۔ سیاست کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے خلاف ہونے والی اس سازش کو آشکار کر دیا جس پر تفصیلی معلومات کے لیے ''فتاویٰ رضویہ'' اور ''فتاویٰ مصطفویہ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

امن وامان کی بحالی کے نام پر یہ عام ہو گیا ہے کہ نصاریٰ، ہندو اور مسلم اتحاد منایا جاتا ہے اور اس کے لئے ہندوؤں کی مذہبی تقاریب میں بھی شرکت کو ناروا نہیں سمجھا جاتا۔ دیوالی، ہولی، گنپتی وغیرہ مشرکوں کے تہواروں میں مسلمان بھی شریک ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ اشد حرام ہے اور مختلف صورتوں میں احکام شرع بھی اس کے مطابق نافذ ہوتے ہیں اس حوالے سے حضور مفتی اعظم قدس سرہ کا درج ذیل فتویٰ ضرور اس لائق ہیکہ اس پر سختی سے عمل کیا جائے اور مشرکین سے اتحاد منانے سے پرہیز کیا جائے۔

مولوی عزیز احمد خاں وکیل نے حضور مفتی اعظم کی خدمت میں یہ سوال بھیجا کہ:

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس کے متعلق کہ ایک جلوس راج گدی کا اہل ہنود نکالنا چاہتے ہیں جس میں ہندو اوتاروں کی صورت میں انسان بٹھائے جاتے ہیں اور مجمع عام اہل ہنود کا اس کے ساتھ ہوتا ہے مسلمانوں سے اصرار کیا جاتا ہے کہ وہ بحالی امن اور رشتۂ اتحاد مضبوط کرنے کے لئے اس جلوس کی جلو میں چلیں اگر مسلمان اس

جلوس کے ساتھ چلتے ہیں تو لازمی طور پر اس سے راج گدی کے جلوس کی زینت اور شہرت میں اضافہ ہوتا ہے کیا اس حالت میں مسلمان بلا ارتکاب گناہ کئے ہوئے اس جلوس کی معیت میں چل سکتے ہیں ؟ اور اگر نہیں چل سکتے تو گناہ جوان سے سرزد ہوگا وہ کس درجہ کا ہوگا ؟ بینوا توجروا

الجواب : اس کے حرام حرام حرام اشد حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں ۔ کفار کے ایسے کاموں کے محض تماشہ کے لئے وہاں چلنا تو حرام ہے ۔ نہ کہ رشتۂ اتحاد قائم کرنے کے لئے ۔ کفار سے رشتۂ اتحاد کفار ہی کا ہے مسلمان کا کسی کافر سے رشتۂ اتحاد قائم نہیں ہوسکتا ۔ اس کا مضبوط کرنا کیسا ۔ جو لوگ اس نیت سے شریک ہوئے وہ ضرور کفار سے متحد ہو گئے ۔ اسلام سے جدا ۔ ایسے امور کفار کے جلوس میں شرکت ہی نہیں اس کے جلوس میں چلنا ان کی تعظیم ہے ۔ اور ان کے ایسے امور کی تعظیم سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ۔ چاہے یہ تعظیم خود کی ہو یا حکماً ۔ آج اگر کسی حاکم کا حکم اس کے لئے مان لیا گیا اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھ لیا ہے تو کل بتوں کو سجدہ کا بھی حکم ہوگا اور ایسے بے خرد لوگ جب بھی تعمیل حکم کریں گے اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھیں گے ۔ ’’ولا حول ولا قوۃ الا باللہ‘‘ (۱۴)

بدمذہب کی اقتدا:

بدمذہب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہوئی ہو جیسے آج کل وہابی قادیانی دیوبندی رافضی وغیرہ جب تو اس کے پیچھے نماز باطل محض جیسے کسی یہودی نصرانی ہندو مجوسی کے پیچھے ۔ اس سے سلام کلام ربط ضبط اس کے ساتھ کھانا پینا راہ رسم رکھنا سب حرام ہے ۔

قال تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلاتقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظلمین (۱۵) o

نصرانی کیلئے دعاے رحمت:

اس سوال کے جواب میں کہ نصرانی کے لئے دعاے رحمت کرنا اور اسے مرحوم کہنا کیسا ہے؟ حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

''نصرانی یا کسی کافر کو مرحوم کہنا لکھنا حرام حرام حرام سخت اخبث واشنع بدکام ہے اور اس کے لئے اس کے مرنے کے بعد دعائے رحمت کرنا کرانا تکذیب قرآن ہے۔'' (۱۶)

ٹائی باندھنا:

ٹائی کی بابت حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

''ٹائی لگانا اشد حرام ہے وہ شعار کفار بدانجام ہے نہایت بدکام ہے وہ کھلا رد فرمان خداوند ذوالجلال والاکرام ہے۔ ٹائی نصاریٰ کے یہاں ان کے عقیدہ باطلہ میں یادگار ہے حضرت سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے سولی دیے جانے اور سارے نصاریٰ کا فدیہ ہوجانے کی۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ** ہر نصرانی یوں ٹائی اپنے گلے میں ڈالے رہتا ہے ہر ٹوپ میں نشان صلیب رکھتا ہے جسے کراس مارک کہتا ہے۔ ٹائی کی طرح یہ کراس مارک بھی رد قرآن ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔ کہ قرآن فرماتا ہے۔ **مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ** یہود نے نہ عیسیٰ مسیح کو قتل کیا نہ سولی دی۔'' (۱۷)

کفار سے محبت:

حضور مفتی اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں:

''کسی کافر سے دلی محبت وموالات جائز نہیں خصوصاً مرتد سے ...... کفار سے دلی محبت تو سخت اشد ہے جس پر قرآن عظیم نے فرمایا: **انکم اذا مثلھم** کفار سے دلی محبت کرنے والا انہیں کے مثل ہے اور فرمایا **فلیس من اللہ فی شیئی** یعنی اسے خدا سے کوئی علاقہ نہیں۔'' (۱۸)

قبر پر اذان:

آج کل بہت سے افراد قبر پر اذان کہنے پر معترض ہوتے ہیں اور اس تعلق سے طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا حضور سے یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے مدلل جواب تحریر فرمایا۔ آپ کے فتویٰ کا صرف ایک اقتباس تحریر کیا جارہا ہے:

''رہی اذان تو ظاہر ہے کہ وہ ذکر الٰہی وذکر حضرت رسالت پناہی جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور ذکر الٰہی کی نسبت ارشاد ہے۔ **واذکر وا اللہ عند کل شجر و حجر** ہر پیڑ پتھر کے پاس یعنی ہر جگہ ذکر الٰہی کرو۔ تو قبر کے پاس اذان دینا داخل۔ پھر اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر الٰہی دافع عذاب بلکہ خاص اذان کا دافع عذاب ہونا حدیث سے ثابت اذان ذکر حبیب علیہ الصلاۃ والسلام پر مشتمل اور ذکر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعث نزول رحمت۔ اذان دافع وحشت و باعث جمعیت خاطر اور میت پر اس وقت کی وحشت کا کیا پوچھنا **والعیاذباللہ تعالیٰ**۔ اذان سے تلقین اتم حاصل اور میت کو اس وقت تلقین کی حاجت۔ اور تلقین نزد قبر بتصریحات علما مستحب و مستحسن جس طرح ہو۔ حدیث میں ہے **مامن شیئی انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ** عذاب الٰہی سے نجات دینے والی کوئی شیئ ذکر الٰہی سے زیادہ نہیں۔ حدیث ہی میں فرمایا۔ **اذا اذن فی قریۃ اٰمنھا اللہ من عذابہ فی ذٰلک الیوم** جس جگہ اذان کہی جاتی ہے وہ جگہ اس دن عذاب الٰہی سے مامون فرمادی جاتی ہے۔ حضور کا ذکر ذکر الٰہی اور ذکر الٰہی بلاشبہ باعث نزول رحمت الٰہی وسکون وراحت قلب **قال اللہ تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**''(۱۹)

کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟:

اسلام کی حقانیت نے دلوں کو متاثر کیا۔ مادیت کے ماحول میں روحانیت کے متلاشی اسلام کی سمت مائل ہوئے۔ تلاش حق کا سفر طے کرنے والوں نے اسلام قبول کیا اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے جس سے دشمنانِ اسلام میں بوکھلاہٹ طاری ہے۔ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیل رواں پر صدیوں سے جاری کاوش کے باوجود بھی وہ بند نہ باندھ سکے نتیجتاً پروپیگنڈے کا سہارا لیا گیا۔ عصر حاضر میں میڈیا کے ذریعہ اسلام کے متعلق جو رائے پھیلائی جارہی ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں دہشت گردی، بنیاد پرستی جیسی اصطلاحات بھی مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ ہے اس جھوٹ کو بھی شدت سے عام کیا گیا کہ اسلام کے فروغ میں تلوار کا استعمال ہوا ہے اس مغالطہ کے حوالے سے حضور مفتی اعظم قدس سرہ رقم طراز ہیں:

’’اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اسلام کی روشن و پاک تعلیم اور اس کے بہتر سے بہتر صحیح اصولوں نے عاقلوں کو اس کا بندہ بنایا۔ جو ذرا بھی سمجھ رکھتے تھے اور مرض عناد میں گرفتار نہ تھے انھوں نے بصدق دل نہایت شوق و رغبت سے اس کا کلمہ پڑھا۔ ہاں جو احمق مرض عناد میں گرفتار تھے باوجودیکہ اسلام کی حقانیت ان کے دل پر آشکار ہو چکی تھی جب کسی طرح اسلام کی ضرر رسانی سے باز نہ آئے تو اسلام نے اپنے حلقہ بگوشوں کے ہاتھوں تلوار دی۔ جن کے حق میں اس طریقہ سے ہدایت ہونا تھی اور کسی طرح نہ سمجھ سکتے تھے تو وہ اس ذریعہ سے حق سمجھے کہ اگر یہ مذہب حق نہ ہوتا تو اس کے مٹھی بھر آدمی دنیا بھر کو فتح نہ کر لیتے ان کا عناد یوں تلوار کے گھاٹ اترا اور وہ سچے دل سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ اور جن کی حق میں ہدایت نہ تھی وہ یوں بھی نہ مانے اگر چہ دل سے اس کی حقانیت کے معترف ہوئے۔ تو یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اسلام یقیناً اپنی حقانیت ہی سے پھیلا۔ اس کی مثال نہ ملے گی کہ تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہو تلوار دیکھ کر بھی جس نے اسلام قبول کیا اس نے اسلام کو حق جان کر ہی قبول کیا۔ اسلام کی تلوار ہی اس کے لئے اسلام کی حقانیت کا روشن ثبوت بنی۔‘‘ (۲۰)

فیملی پلاننگ اور نس بندی سے متعلق تاریخی فتویٰ:

ایمر جنسی کے دور میں جبکہ بہت سے اصحابِ جبہ و دستار اقتدار کے آگے سرنگوں ہو چکے تھے۔ شریعت کو طبیعت سے بدلنا چاہتے تھے اور احکام شرع میں من مانی رائے شامل کر کے دشمنان اسلام کی بالا دستی تسلیم کر چکے تھے۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے شریعت مطہرہ اور اسلامی قوانین کی حفاظت وصیانت فرمائی۔ ظلم و جبر اور اقتدار کو خاطر میں نہ لایا، یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی تجدیدی خدمات کا ایک روشن باب ہے۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے عہد میں گورنمنٹ نے خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے تعلق سے نس بندی کو لازمی قرار دیا اس سلسلے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو حضور مفتی اعظم نے جو تاریخی فتویٰ صادر فرمایا اس کا ایک گوشہ ملاحظہ فرمائیں:

''بعون الملک الوہاب ،ضبط تولید کے لئے مرد کی نسبندی یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز وحرام ہے اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور قرآن و حدیث کے نص سے ناجائز وحرام ہے۔''(۲۱)

آگے قرآن و حدیث اور تفاسیر سے دلائل بھی دیئے ہیں۔مکمل فتویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ''مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ ۵۳۰۔۵۳۱ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

مرد کو مہندی لگانا:

دولہا کو مہندی لگانا کیسا ہے،اس سوال کے جواب میں فرمایا:

''مرد کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا ناجائز ہے۔''(۲۲)

مرد کے لئے انگوٹھی کی مقدار:

حضور مفتی اعظم قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''سونے کی انگشتری مرد کے لئے جائز نہیں چاندی کی انگشتری ایک نگ کی۔نگ جس قدر بھی قیمتی ہو ساڑھے چار ماشہ سے کم کی مرد کو پہننی جائز ہے۔''(۲۳)

میت کا کھانا:

اس سوال پر کہ بعض کہتے ہیں تیجے یعنی سوئم کے چنے چبانے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور میت کی فاتحہ کا کھانا کھانے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے، ارشاد فرمایا......غلط ہے۔ہاں اغنیا کو کھانا نہیں چاہئے کہ قلب میں اس سے قساوت پیدا ہوتی ہے۔(۲۴)

میت کا کھانا محتاج، مسکین اور غربا کے لیے ہے۔فی زمانہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اصحاب ثروت بھی میت کے کھانے میں شریک ہو جاتے ہیں اور جن کا اس پر حق ہے انھیں پوچھا نہیں جاتا۔اس بارے میں توجہ درکار ہے کہ حق حقدار کو ملے۔

پیر سے پردہ:

موجودہ دور میں بہت سے پیر ایسے ملیں گے جو بے پردہ عورتوں کو مرید بناتے ہیں اور عورتیں بھی پردے کا اہتمام نہیں کرتیں۔حضور مفتی اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں:

''عورت پر غیر محرم سے پردہ فرض ہے۔ پیر استاد محرم نہیں ہوتا محض اجنبی ہے جو بزرگانِ دین ہیں وہ پردہ کو لازم ہی جانتے ہیں۔ شرعاً اجانب (غیر محرم) سے پردہ لازم۔ ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ہے۔ فرماتے ہیں ستر الوجه عن الاجانب واجب علی المرأة جو عورتیں خود بے پردہ پھرتی ہیں ان کو ہدایت کرنا پیر کا کام ہے اگر وہ پردہ نہ کریں خود سامنے آئیں اور ان کی طرف دوسری نگاہ قصداً نہ ڈالی جائے تو اس پر الزام نہیں۔ بزرگان دین عورت کی آواز کو بھی عورت بتاتے ہیں اور اس کی آواز بھی سننا جائز نہیں۔'' (۲۵)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''بیشک پیر مریدہ کا محرم نہیں ہوجاتا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر امت کا پیر کون ہوگا وہ یقینا ابوالروح ہوتا ہے۔ اگر پیر ہونے سے آدمی محرم ہو جایا کرتا تو چاہئے تھا کہ نبی سے اس کی امت سے کسی عورت کا نکاح نہ ہوسکتا۔'' (۲۶)

سجدۂ تعظیمی اور قوالی مع مزامیر:

سجدۂ تعظیمی اور مزامیر کے ساتھ قوالی کے متعلق حضور مفتی اعظم قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام و ناجائز و گناہ ہے اور سجدۂ تعظیمی بھی ایسا ہی۔ ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے اگرچہ وہ لائق التفات نہیں۔'' (۲۷)

سوال کیا گیا کہ زید کہتا ہے کہ صوفیوں کو مزامیر کے ساتھ قوالی سننا جائز ہے اور بکر اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی کتاب احکام شریعت حصہ اول کے حوالے سے مزامیر کے ساتھ قوالی کو ہر شخص کے لئے ناجائز کہتا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے جواب عنایت فرمایا کہ بکر کا قول صواب وصحیح ہے اور قول زید محض باطل وقبیح وفضیح۔ (۲۸)

غلط روایات کی تردید:

روایاتِ میلاد کے حوالے سے حضور مفتی اعظم قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''وہ لوگ جو من گڑھت موضوعات بکتے ہیں اگر چہ وہ اپنے آپ کو عالم بتائیں ہر گز منبر کے مستحق نہیں نہ وہ ان کی روایاتِ کاذبہ ذکر نہ ان کا سننا جائز......وہ ذاکرین جو سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن ہوں اور کتب معتبرہ مستندہ سے روایات صحیحہ مقبولہ ومعتمدہ پڑھیں وہ علما کے اس وقت نائب ہیں انھیں منبر پر بیٹھانے میں حرج نہیں ذکر پاک کے آداب کے خلاف کوئی امر نہ کرنا چاہئے۔''(۲۹)

دریافت کیا گیا کہ شہادت نامہ، جنگ نامہ، نور نامہ، داستان امیر حمزہ پڑھنا درست ہے یا نہیں تو حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے فرمایا:

''شہادت نامہ جس میں تمام ترصحیح صحیح روایات ہوں اس کا پڑھنا اچھا ہے جیسے آئینۂ قیامت اور جو غلط و باطل روایات پر مشتمل ہو اس کا پڑھنا سخت برا اور ناجائز ہے۔ جنگ نامہ، نور نامہ دیکھا نہیں وہ اگر غلط روایات پر مشتمل ہوں تو ان کا حکم یہی ہے کہ ان کا پڑھنا جائز نہیں۔ داستان امیر حمزہ ازسرتا پا کذب و بہتان افترا و طوفان محض دروغ بے فروغ ہے اور اتنا ہی نہیں چوں کہ اس کا مصنف رافضی تھا اس میں جابجا صحابۂ کرام پر تبرا ہے اس کا پڑھنا حرام حرام ہے۔''(۳۰)

منت کی چوٹی:

اس مسئلہ میں کہ زید منت مانتا ہے کہ میرا لڑکا آٹھ سال کا ہو گیا تو فلاں بزرگ کا مرغا چڑھاؤں گا اب منت کی تاریخ سے بچے کے سر پر چوٹی رکھتا ہے......اس پر حضور مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا:

''چوٹی لڑکے کے سر پر رکھنا ناجائز ہے۔''(۳۱)

تصویر کشی:

ایک سوال کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

جاندار کا فوٹو کھینچنا کھنچوانا حرام ہے......تصویر کشی بے شک ناجائز ہے......(۳۲)

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی تعلیمات، اصلاحی خدمات اور رد بدعات و منکرات کا

موضوع کافی وسیع ہے۔ اگر آپ کی دیگر تصانیف اور فتاویٰ مصطفویہ کے تفصیلی مطالعہ کے بعد موتی چنے جائیں، ان پر تبصرہ اور تجزیہ کیا جائے تو صفحات کے صفحات پر ہو جائیں گے۔ راقم نے صرف بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور عطر کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) تقدیم فتاویٰ مصطفویہ، از مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۸۰۷

(۲) ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور، مفتی اعظم نمبر، مئی ۱۹۸۳ء، ص ۶۶۔۶۷

(۳) ایضاً، ص ۱۳۹

(۴) محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، علامہ، فتاویٰ مصطفویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۵۳۴

(۵) ایضاً، ص ۱۴ (۶) ایضاً، ص ۲۱ (۷) ایضاً، ص ۲۱۔۲۲

(۸) ایضاً، ص ۲۲ (۹) ایضاً، ص ۳۱ (۱۰) ایضاً، ص ۳۱

(۱۱) ایضاً، ص ۳۱۔۳۲

(۱۲) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں: ''زبان اردو میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں ان میں سے دو ایسے ہیں جن سے شان الوہیت پاک ومنزہ ہے اور ایک کا صدق ہوسکتا ہے تو جب لفظ دو خبیث معنوں اور ایک اچھے معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع میں وارد نہیں تو ذات باری پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا۔'' (الملفوظ، حصہ ۱، ص ۱۳۱، مطبوعہ دہلی)

(۱۳) محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، علامہ، فتاویٰ مصطفویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۹۶۔۹۷

(۱۴) ایضاً، ص ۱۰۳ نوٹ: اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں:
المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، از امام احمد رضا محدث بریلوی، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی
امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں: ''مشرکین سے اتحاد در کنار وداد حرام قطعی ہے۔''
(فتاویٰ رضویہ، جلد ۶، ص ۹۱، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

(۱۵) ایضاً، ص ۲۰۹

(۱۶) ایضاً، ص ۱۰۶۔۱۰۷

(۱۷) ایضاً، ص ۵۲۶

نوٹ: ٹائی کے موضوع پر حضور مفتی اعظم کے فتویٰ کی روشنی میں علامہ اختر رضا خاں ازہری کی تصنیف ملاحظہ فرمائیں: ''ٹائی کا مسئلہ''، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی

(۱۸) ایضاً، ص ۴۵۸۔۴۵۹ (۱۹) ایضاً، ص ۱۶۷ (۲۰) ایضاً، ص ۴۴۶

(۲۱) ایضاً، ص ۵۳۱ (۲۲) ایضاً، ص ۴۵۲ (۲۳) ایضاً، ص ۴۵۲

(۲۴) ایضاً،ص ۴۵۳ 　　نوٹ: تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: **جلی الصوت لنھی الدعوۃ امام الموت، از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا**......اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں: ''مردہ کا کھانا صرف فقرا کے لیے ہے عام دعوت کے طور جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے۔''
(احکام شریعت، حصہ دوم، ص ۱۵۳، مطبوعہ دہلی)

(۲۵) ایضاً،ص ۴۹۰　　(۲۶) ایضاً،ص ۶۳۶　　(۲۷) ایضاً،ص ۴۵۶

(۲۸) ایضاً،ص ۶۳۱　　(۲۹) ایضاً،ص ۴۳۷　　(۳۰) ایضاً،ص ۵۲۶

(۳۱) ایضاً،ص ۴۶۷　　(۳۲) ایضاً،ص ۴۴۹۔۴۸۴

a a a a a

بابِ ہفتم

امتیازات

☆ مولانا محمد حسن علی رضوی، میلسی، پاکستان

مفتی اعظم کی شانِ عبقریت

حضور پُرنور سرکار اعلیٰ حضرت، امامِ اہل سنت قدس سرہٗ اور پھر سیدنا سرکار حضور مفتی ٔاعظم علیہ الرحمۃ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ہم شکل اور شبیہ اعلیٰ حضرت ہیں اور نور العارفین، عین الذاکرین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قبلہ قدس سرہٗ کی روحانی برکات کے مصدر و منبع ہیں اسی لیے کہا گیا ہے ؎

رضا کی ہیں یہ جیتی جاگتی تصویر پہچانو
یہ سونے پر سہاگا فضل نوریؔ سے ہیں نورانی

اور یہ کہ

نوری سرکار کی نوری تنویر ہیں، شاہ احمد رضا کی وہ تصویر ہیں
سینوں کی وہ بیدار تقدیر ہیں، ہر گھڑی ہم کو ان کی ضرورت رہے

سرکار مفتی ٔ اعظم کی زیارت سے سیدنا اعلیٰ حضرت کے دیدار کی حسرت پوری ہوتی تھی۔ دونوں سرکاروں کی زیارت کرنے والوں اور دونوں تاجداروں کا سراپا لکھنے والوں نے یوں بھی عرض کیا ہے ؎

سراپا لکھ دیا ہم نے جہاں تک ہو سکا یارو
زیادہ چاہو دیکھو مصطفٰی کی شکل نورانی
ہ دیکھے چین پڑتا ہے نہ بے دیکھے قرار آئے
نظر آئے تو روتا ہوں جو چھپ جائے پریشانی

بلا شک وشبہ سرکار سیدنا مفتیٔ اعظم قبلہ قدس سرہٗ حضور پُرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی کے عکس اور آئینہ تھے ان کی ذات میں سرکار اعلیٰ حضرت کے فیوض و برکات اور انوارِ تجلیات علوم ومعارف کی جلوہ گری تھی کیوں کہ ؎

عکس ذاتِ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم تو ہیں
ان کو دیکھو حجۃ الاسلام گر پردے میں ہیں
ان میں بھی صورت رضا کی صاف آتی ہے نظر
یہ تو پردے میں نہیں ہیں وہ اگر پردے میں ہے

حضرت علیہ الرحمۃ کی روحانی اور فقہی بصیرت کا ڈنکا چار دانگِ عالم میں بج رہا ہے، ان کی شان عبقریت و برتری و بے مثالی کا جلوہ شرق وغرب میں نظر آتا ہے جسے صفِ اول کے اکابر و مشاہیر اہلِ علم وفضل وکمال نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ زیر نظر تحریر میں اس کا ایک اجمالی خاکہ آگے پیش کیا جا رہا ہے۔ استاذ الشعرا علامہ ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ؎

امامِ اہلِ سنت صدرِ ملت مفتیٔ اعظم
عرب سے تا عجم شہرہ ہے جن کی افضلیت کا
وہ ابن حضرتِ احمد رضا خاں مصطفیٰ ذی شان
امام و صدر ہے اس دور میں جو اہل سنت کا

آج کے دور میں عموماً یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مریدین اپنے پیرانِ عظام و مشائخِ طریقت کو اور تلامذہ اپنے استاتذہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں اور مختلف النوع القابات و خطابات دے رہے ہیں لیکن ہمارے حضور آقائے اکرم سرکار مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت مقدسہ ایسی نہیں جن کو مریدوں شاگردوں نے بڑھایا چرھایا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کے اکابرین ومعاصرین آپ کی شخصیت کی عظمت اور جلالتِ شان کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

نورالعارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں:

حضور سیدنا مفتیٔ اعظم قبلہ قدس سرہٗ کی ولادتِ باسعادت پر سیدنا مجددِ اعظم سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے کہا ''مولانا بریلی میں آپ کے گھر ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے۔ مجھے خواب میں بتایا گیا کہ اس کا نام آل رحمن رکھا جائے۔ پھر فرمایا جب میں بریلی آؤں گا تو اس صاحبزادے کو ضرور دیکھوں گا۔۔۔۔وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔۔۔۔مولانا صاحب آپ اس بچے کے ولی ہیں اگر اجازت دیں تو میں نومولود کو داخلِ سلسلہ کرلوں؟ سیدنا امام احمد رضا نے عرض کیا وہ غلام زادہ ہے ضرور داخلِ سلسلہ فرمالیا جائے۔۔۔۔۔سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ جب چھ ماہ بعد بریلی شریف تشریف لائے تو حضور سیدنا مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کو اپنی مبارک گود میں لے کر پیشانی چوم کر فرمایا مولانا! یہ صاحبزادہ تو مادر زاد ولی ہے برکتوں کے اعتبار سے ابوالبرکات اور مرتبہ فنائیت میں محی الدین جیلانی۔ حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قبلہ قدس سرہٗ نے بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا، مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بڑا فائدہ ہوگا، بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے۔۔۔۔یہ فیض کا دریا بہائے گا۔ تاجدار مسندِ مارہرہ مطہرہ مقدسہ سیدنا ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ نے صاحبزادے مصطفی رضا کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی گود میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مبارک ہو آپ کو یہ۔۔۔۔ قرآنی آیت ''وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ'' (سورہ طٰہ، ۲۰/۲۹) کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آگئی ہے۔

امام مجددِ دین وملت:

امامِ اہل سنّت مجددِ دین وملت کے تو آپ نامور فرزندِ دل بند ہم شکل وجانشین تھے۔ جب حضور سیدنا مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کی ولادتِ باسعادت کے بعد جب بریلی شریف مراجعت فرمائی تو اپنے فرزندِ دل بند لختِ جگر نورِ بصر کو گود مین لے کر سینہ سے لگایا آپ کی پیشانی کو چوما اور فرمایا ''خوش آمدید اے ولی کامل'' (سبحان اللہ)

سیدنا مجددِ اعظم، سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دارالافتا بریلی شریف کی روز افزوں عالمی شہرت و مقبولیت کے پیش نظر دارالافتا کا ایک بے مثال نظم جدید فرمایا اور اس کا نام رضوی دارالافتا رکھ کر فقیہ افہم، قطبِ عالم حضور سیدنا مفتیٔ اعظم قدس سرہ العزیز کو اس کا مہتمم و منصرم اعلیٰ متعین فرمایا۔ اس سے سرکار سیدنا مفتیٔ اعظم رضی اللہ عنہ کی شان و استعداد فقاہت پر حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اعتماد کا پتہ چلتا ہے۔

حضور سیدنا مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کی پرورش یوں تو علمی و روحانی خانوادہ اور مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت جیسے شیخ الفقہا و سلطان الفقہا کے آغوشِ رحمت و تربیت میں ہوئی مگر آپ نے باقاعدہ فتویٰ نویسی کا آغاز غالباً ۱۸ سال کی عمر شریف میں ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں فرمایا اور حضور سیدنا سرکار مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اپنے عظیم المرتبت والدِ گرامی کی طرح پہلا فتویٰ مسئلہ رضاعت پر ارقام فرمایا جو صحیح اور شانِ فقاہت کا آئینہ دار تھا۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے ملاحظہ فرمایا۔ فرحت و مسرت کے ساتھ فرمایا۔ اس پر اپنے دستخط کرو اور پھر خود بدولت سرکار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے صحیح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر اپنی گراں قدر تصدیق سے مزین فرمایا اور پانچ روپیہ نقد رانعام عطا فرمایا جو آج کل پانچ سو کے برابر بنتے ہیں اور ارشاد ہوا۔ مصطفی میاں تمھاری مہر بنوا کر دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنالو اس میں نقل کیا کرو۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے خود مہر کی عبارت اور نقشہ تحریر فرمایا جو یہ ہے ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمن محمد عرف مصطفی رضا'' مولانا حافظ یقین الدین علیہ الرحمۃ کے بھائی صاحب سے مہر بنوا کر عطا کی۔ اس میں سیدنا مجددِ اعظم علیہ الرحمۃ کے سیدنا مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ پر اعتماد کا پتہ چلتا ہے۔

حضور سیدنا مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظمت اور جلالتِ شان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بحر علم و تحقیق، تاجدارِ مسندِ تدریس حضور محدث اعظم پاکستان علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد قدس سرہٗ العزیز بایں علم و فضل حضور سیدنا مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت ممدوح مکرم اصول و فروعات میں مجددِ اعظم سرکار اعلیٰ حضرت

کے جانشین اور سچے نائب تھے۔ ایک بار غالباً ۱۹۵۸ء میں فقیر کے استفتا سیدنا مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ کا ایک فتویٰ ''علیہ السلام کے اطلاق'' کے متعلق فقیر کے نام آیا تھا۔ جواب بھی موجود و محفوظ ہے۔ فقیر نے صبح نمازِ فجر کے بعد حضور سیدنا محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ محمد سردار احمد صاحب قبلہ کو دکھایا، آپ نے سیدنا مفتیٔ اعظم کی تحریر شریف پہچان کر فوراً ''فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہٗ'' دستخط مبارک کو چوم لیا، آنکھوں سے لگایا۔ ایک بار فقیر نے عرض کیا حضور آپ سرکار مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کو پاکستان بلائیں۔ حضرت سیدی محدثِ اعظم کے چہرۂ پاک کی جو حالت اس وقت تھی، نا قابلِ بیان ہے۔ ایک خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا۔ وہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت ہیں، وہ مفتیٔ اعظم ہیں، وہ فوٹو کھنچوا کر تصویر بنوا کر کب تشریف لاتے ہیں؟

پاکستان میں ایک بار غالباً ٦۱۔ ۱۹٦۰ء امیں اہل سنت کے مشہور وممتاز محبوب رسالہ رضائے مصطفی چوک دار السلام گوجرانوالہ میں پاسبانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت، فاضل محقق حضرت علامہ ابو داؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب قادری رضوی مدظلہ کا ایک فتویٰ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی افضلیت پر چھپا تھا جس میں منکر افضلیت کی تکفیر کی گئی تھی۔ یہاں کے چند علما نے اس سے اختلاف کیا۔ نائبِ محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب، مفسر قرآن شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ ازہری امجدی، علامہ غلام علی اوکاڑوی، علامہ سید محمود احمد رضوی، فقیہہ العصر مفتی محمد اعجاز ولی الرضوی وغیرہ علما اور مسلم مفتیانِ کرام سے تائید حاصل کر لی۔ مگر دوسری طرف کے چند حضرات نے پھر بھی اختلاف کیا۔ یہاں حضرت علامہ مولانا پیرزادہ حافظ سید مراتب علی شاہ صاحب فاضل جامعہ رضویہ لائل پور تلمیذِ خاص محدث اعظم پاکستان بریلی شریف حاضر ہوئے اور اس پر فیصلہ کن شرعی فتویٰ حاصل کیا۔ سیدنا حضور مفتیٔ اعظم قبلہ کا قافلہ دار الخیر اجمیر شریف جا رہا تھا، حضور مفتیٔ اعظم قبلہ علیہ الرحمۃ مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب کو بھی اپنے ہمراہ اجمیر شریف لے گئے۔ پر رضوی منزل میں موجود اکابر علمائے اہل سنت مفتیانِ شریعت حضور سیدنا برہان ملت جبل پوری، فاضلِ جلیل علامہ حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ، مجاہد

ملت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمن الہ آبادی دھام نگری علیہ الرحمۃ اور بہت سے علماے کرام نے حضرت علامہ ابوداؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب کے فتویٰ کی تائید و تصدیق فرمائی۔ جب علامہ حافظ سید مراتب علی شاہ صاحب یہ فتویٰ لے کر جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور (فیصل آباد) واپس آئے۔ حضور سیدی محدث اعظم کو پیش کیا تو حضرت محدث اعظم پاکستان نے سرکار سیدنا مفتیٔ اعظم قبلہ کے فتویٰ اور دستخط مبارک کو چوم لیا آنکھوں سے لگایا اور فرمایا مولانا محمد صادق صاحب کی عید ہوگئی۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور سیدنا محدث اعظم پاکستان قدس سرہٗ کی مبارک نظر میں سیدنا مفتیٔ اعظم کی شخصیت اور آپ کے فتویٰ مبارکہ کی کیا قدر تھی۔ اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک بار بریلی شریف سے سیدنا محدث اعظم پاکستان کے نام سرکار سیدنا مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کا ایک بڑا ہی روح پرور مکتوب آیا تھا جس میں محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کو بہت بہت دعائیں دی تھیں تو دیکھا گیا کہ حضور مفتیٔ اعظم کا یہ مکتوبِ گرامی اپنے دارالمطالعہ میں تنہا بیٹھ کر بڑے کیف وسرور اور ایک خاص روحانی کیفیت سے پڑھ رہے ہیں۔ کبھی اس مکتوب کو اپنا عمامہ اٹھا کر سر پر رکھتے ہیں، کبھی کرتا کا دامن اُٹھا کر سینہ سے لگاتے ہیں، کبھی چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں اور زاروقطار رو رہے ہیں، چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کا آبشار پھوٹ پڑا ہے۔

ڈرتے ڈرتے عرض کیا، حضور یہ کیا ہے؟ بڑے ہی والہانہ انداز میں فرمایا۔ یہ میرے مفتیٔ اعظم قبلہ کا مکتوبِ گرامی ہے۔ یہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت کا ملفوف سامی ہے۔ سیدی سندی حضور محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب قدس سرہٗ کے نام شفقت و محبت سے بھرپور آتے رہتے تھے۔ حضور سیدنا مفتیٔ اعظم کس قدر غنیمت جانتے تھے، اس کا اندازہ درج ذیل چند اہم خطوط سے ہوتا ہے۔ کیا حسین اور دلربا اندازِ تخاطب ہے۔

۷۸۶

ولدی الاعز مولانا الاوحد الاسد الاسد الاسعد الارشد سعادت مآب مولوی محمد سردار احمد صاحب۔۔۔۔

السلام علیکم

مولانا برہان الحق عبدالباقی جبل پوری سے آپ کی خیریت دریافت کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا، کمزور ہو گئے ہیں اور بال سفید ہو گئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو قوت بخشے اور آپ کے فیض سے اہل سنت کو بہت بہت بہت دیر تک، عرصہ دراز دراز تک مستفید رکھے۔ لائل پور جو کبھی وہابیوں کا گڑھ سنا گیا تھا، بڑی مسرت ہوئی وہ لائل پور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے دم قدم کی برکت سے سنّیوں کا گویا مرکز بن چکا ہے۔ میں پہلے بھی سنتا رہا تھا مگر جناب حوالدار (محمد حسین صاحب) کے بیان سے اس کی تفصیلی تصدیق ہوئی خدا آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین

فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہ ۹؍رجب ۱۳۷۶ھ

ایک مکتوب میں سیدنا مفتیٔ اعظم حضور محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کو تحریر فرماتے ہیں:

۔۔۔۔السلام علیکم۔ آپ کے خط سے علالت کا حال پھر مولانا عبدالقادر صاحب (احمد آبادی) سے معلوم ہوا کہ آپ ضعیف ہو گئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو صحت و قوت عطا فرمائے اور عرصہ دراز تک آپ کو بصحت و قوت ہزاروں ہزار خدمات دین کی انجام دہی کیلئے زندہ و سلامت با کرامت رکھے۔ آپ کے فیوض سے مسلمانوں کو مالا مال فرمائے۔ آپ کے زیر اہتمام و سرپرستی مدرسہ (جامعہ رضویہ) مظہر اسلام (لائل پور) کو بیش از بیش ترقیاں بخشے۔ آپ کے اس سرچشمۂ فیوض و علوم عمل صالح سے مسلمانوں کو مستفیض فرماتا رہے۔ آمین اپنی خیر و عافیت اور متعلقین اور احباب کی خیر و عافیت سے مطلع فرماتے رہا کیجئے۔

والسلام والدعا فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہٗ۔

۲۴؍ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ؍ ۱۹۵۲ء

ایک اور تیسرے مکتوب گرامی میں سرکار سیدنا مفتیٔ اعظم قبلہ رقم طراز ہیں:

السلام علیکم

آپ کے مدرسہ اور خدماتِ دینی کا حال ہر آنے والے سے معلوم ہوتا رہا، ماشاءَ اللّٰہ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ مولیٰ تعالیٰ آپ کے فیض کو اور زیادہ سے زیادہ کرے اور دارین کی نعمتوں برکتوں سے آپ کو مالا مال کرے اور بہت بہت ترقیاں ہر قسم کی دینی و دنیوی نصیب فرمائے۔ آپ کی خدماتِ دینی کو شرف قبول بخشے اور بیش از بیش توفیقِ خیر دے اور آپ کو اس فقیر گناہ گار عصیاں کار کے لیے سرمایہ نجات بنائے۔ آپ کی دینی خدمات سن سن کر دل باغ باغ ہے۔

والسلام۔ فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہٗ۔

۱۶؍شوال ۱۳۷۴ھ

سیدنا سرکار مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے یہ وہ روح پرور سراپا وشفقت عنایات مکتوبات عالیہ ہیں جنھیں پڑھ کر حضور محدثِ اعظم روتے آنکھوں اور سینۂ مبارکہ سے لگا کر چومتے تھے اور ہر دم بریلی شریف کی یاد میں گم رہتے تھے۔

مفتیٔ اعظم قطبِ مدینہ کی نظر میں:

فقیر راقم الحروف (محمد حسن علی الرضوی میلسی) کو حاضری سرکارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ کے مبارک ایام میں قطبِ مدینہ شیخ العرب والعجم مولانا ضیاء الدین قادری رضوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری حیاتِ طیبہ کی تصحیح کرنے اور تقدیم لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت قطبِ مدینہ ایک نامور مستند عالمِ دین زبردست محدث وفقیہہ تھے۔ بایں جلالتِ شان جب کبھی فتویٰ کی ضرورت ہوتی تو اپنے خدام واحباب کو فرماتے۔ شاہزادے میاں حضرت مفتیٔ اعظم کو بریلی شریف لکھئے۔ حضرت مفتیٔ اعظم دامت برکاتہم سے فتویٰ منگوایئے۔ ایک بار ایک محفل میلاد میں سیدی حضور مفتیٔ اعظم اور حضور قطبِ مدینہ دونوں رونق افروز تھے۔ کسی نے حضور قطبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمۃ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تو سخت کبیدہ خاطر ہوئے فرمایا ''شہنشاہ (مفتیٔ اعظم) کے ہوتے ہوئے مجھ

سے طالب ہوتے ہو۔اس شخص کو سرکار سیدنا مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ سے بیعت کرایا۔

حضور قطبِ مدینہ، مدینہ طیبہ، بارگاہِ اقدس سے باہر تشریف نہ لے جاتے تھے کہ کب کہاں مدینہ طیبہ سے باہر انتقال ہو جائے۔حضور مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کی حاضری حرمین طیبین کے موقع پر آپ کے استقبال کے لئے جدہ شریف تشریف لائے یہ ہمارے حضور مفتیٔ اعظم قبلہ کا خصوص ہے، اس سے اندازہ فرمایئے، قطبِ مدینہ کی نظر میں سرکار مفتیٔ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اور کیا عظمت ہے؟

جب حضور سیدی سندی محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں صدر المدرسین الحدیث تھے، ان کے ایثار وخلوص سے متاثر ہو کر حضور مفتیٔ اعظم نے طلبہ و مدرسین کے سارے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے تھے، اس سلسلہ میں ہزاروں کے مقروض بھی ہو گئے تھے۔آپ کی دوکانیں بھی رہن ہو گئی تھیں۔حضور صدر الشریعہ قدس سرہٗ اپنے صاحبِ ثروت کاٹھیاواڑی میمن سیٹھ صاحبان کے ہم راہ عرس رضوی کے موقع پر آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت سیدنا مفتیٔ اعظم کی قیادت میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پُر انوار پر حاضری دی۔میمن سیٹھ حاجیان ہم راہ تھے۔حضور صدر الشریعہ نے اپنے مرید سیٹھ صاحبان سے فرمایا۔''حضرت مفتیٔ اعظم صاحب'' کو نذرانے پیش کریں۔سب لوگوں نے نذرانے پیش کیے اور حضرت مفتیٔ اعظم بارِ قرض سے سبکدوش ہوئے۔

برصغیر کے اکابر علما و سیدنا حجۃ الاسلام:

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۷ھ ر اگست ۱۹۲۸ء آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف اجتماع جس میں لنکا، بہار، بنگال، پنجاب، بمبئی، گجرات کاٹھیاواڑ، گونڈل، مدراس، یوپی، سی پی راجپوتانہ، سندھ سرحد کے جلیل القدر علما اکابر عمائدین شامل تھے۔اس اجلاس میں حضرت علامہ مولانا مفتی الشاہ مصطفی رضا خاں قدس سرہٗ کو مفتی اعظم صدر العلما کہا اور لکھا گیا بلکہ شہزادۂ اکبر سرکار اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام جمال الاولیا مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب

قبلہ قدس سرہٗ العزیز کے حکم سے اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں تجویز نمبر ۳ میں حضور مصطفی میاں نوری قدس سرہٗ کو صدر العلما اور مفتی اعظم لکھا گیا۔ [اخبار دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۹، جلد ۲۲، صفحہ ۶، مجریہ ۲۰ر اگست ۱۹۲۸ء]

حضور سیدنا حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب قبلہ قدس سرہٗ خود زبردست فقیہہ ومحدث بلند پایہ مفتی تھے اور حضور سیدنا مفتیٔ اعظم قبلہ کے استادِ محترم بھی تھے مگر اپنی دیگر دینی مذہبی وروحانی مصروفیات کے سبب آنے والے سوالات واستفتا اپنے برادرِ اصغر حضور مفتیٔ اعظم قبلہ قدس سرہٗ کے پاس جواب کے لیے بھیجتے تھے۔ متعدد کتابوں میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

سرکار اعلیٰ حضرت وصدر الا فاضل:

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی اہم ضروری ہے کہ مراد آباد، بدایوں، اجمیر شریف کی سنّی کانفرنسوں کے پوسٹروں اشتہاروں میں بھی آپ کو مفتیٔ اعظم لکھا جاتا تھا اور جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے سالانہ جلسوں کے پوسٹروں میں اور آل انڈیا سنّی کانفرنس کے پوسٹروں میں بھی آپ کو مفتیٔ اعظم لکھا جاتا رہا ہے۔ حضرت صدر الا فاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس میں شرکت کا جو دعوت نامہ امامِ اہل سنّت حضرت قبلہ محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد قدس سرہٗ کو ارسال فرمایا تھا اس میں خاص صدر الا فاضل کے اپنے دستِ مبارک سے حضرت مولانا شاہ علامہ مصطفی رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کو مفتیٔ اعظم لکھا ہے۔ (کتاب محدث اعظم پاکستان وکتاب مفتیٔ اعظم اور ان کے خلفاء)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے پوسٹروں میں اور علامہ ابوالبرکات سید احمد علیہ الرحمۃ کی زیر سرپرستی چھپنے والے پندرہ روزہ رضوان لاہور میں آپ کو مفتیٔ اعظم لکھا جاتا رہا ہے۔ بلکہ ایک بار حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی شیخ الحدیث

دار العلوم حزب الاحناف لاہور علیہ الرحمۃ نے حضرت قبلہ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ نے ضلع جہلم میں دیوبندیوں وہابیوں سے مناظرہ کے لیے محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا اور حضور محدث اعظم کو جو دعوت نامہ ارسال کیا اس میں مفتیٔ اعظم مفتی ہندوستان تحریر کیا تھا۔

حضرت علامہ ابو البرکات علیہ الرحمۃ مسلکِ اعلیٰ حضرت پر سختی سے کاربند تھے۔ جب لائل پور (فیصل آباد) میں جامعۃ قادریہ رضویہ قائم کیا گیا تو مدرسہ کے افتتاحی جلسہ میں علامہ ابو البرکات سید احمد قبلہ قدس سرہٗ بھی تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر مولانا سید زاہد علی شاہ رضوی پیلی بھیتی نے دعوت کی تھی۔ واپسی پر تانگہ میں فقیر راقم الحروف اور سید ابو البرکات صاحب سوار تھے۔ بار ہا بڑے عقیدت بھرے والہانہ انداز میں سرکار مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ فرماتے اب حضرت مصطفی میاں کی زیارت کیسے کریں۔ پاسپورٹ پر فوٹو کی پابندی لازمی ہے۔ اب مفتیٔ اعظم کی زیارت کیسے کریں۔ فقیر نے کہا گورنر امیر محمد خاں آپ کے عقیدت مند ہیں۔ بغیر فوٹو پاسپورٹ بنوائیں، فرمایا یہ دو حکومتوں کا معاملہ ہے۔

حضرت علامہ مولانا قاری سید محمد خلیل الکاظمی محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے ممتاز عالم دین تھے ان کے مختلف مسائل پر کافی خطوط اور فتاویٰ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں۔ خاص یہ ہے کہ اکثر خطوط اور فتاویٰ میں لکھا ہے کہ بریلی شریف حضرت مفتیٔ اعظم دامت برکاتہم کی خدمت میں استفسار کر کے تصحیح فرمالیں یعنی حضرت محدث امرہوی علیہ الرحمۃ بھی سرکار مفتیٔ اعظم کو مفتیٔ اعظم مانتے تھے اور ان کے فتویٰ کو حرفِ آخر سمجھتے تھے۔ خانقاہ عالیہ رضویہ آستانہ عالیہ اعلیٰ حضرت کا اتنا ادب واحترام کہ امروہہ سے ٹرین پر سوار ہو کر بریلی شریف اسٹیشن پر اترتے اور اپنی پٹلیا ہاتھ میں لے کر آستانہ اعلیٰ حضرت تک پیدل چل کر حاضر ہوتے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

امام المتکلمین محدث اعظم مولانا علامہ ابو المحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم کچھوچھوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور جلالتِ شان سے کون واقف نہیں۔ حضرت ممدوح بھی مسلکِ اعلیٰ حضرت کے گہرے رضوی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سیدنا سرکار مفتیٔ

اعظم کی شخصیتِ مقدسہ کی عظمت اور مفتیٔ اعظم کی فقہی بصیرت اور شانِ افتا کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے مفسد و ناجائز ہونے پر حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ کے فتویٰ مبارکہ پر بدیں الفاظ تائید و تصدیق فرماتے ہیں۔ ھذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع یہ ایک ایسے عالم کا فتویٰ ہے جن کی حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں ماہنامہ ''سنّی'' لکھنؤ میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر اہتمام کانفرنس کی روداد شائع ہوئی تھی محدث اعظم کچھوچھوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا ''یہ مجھ سے ناانصافی اور مجھ پر زیادتی ہے کہ صدارت کے لیے میرا نام تجویز کیا گیا عین ممکن تھا کہ میں منتظمین کانفرنس کے اس اقدام پر واک آؤٹ کر جاتا مگر کیا کروں اس عظیم و جلیل شخصیت نے مجھے کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا صدر بنایا ہوا ہے جن کا علم سے بڑھ کر عمل، فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے مصطفیٰ رضا اور زبان ہزاروں برکتیں لینے لگتی۔'' ملخصاً

فقیر ۱۴۰۱ھ ربیع الآخر میں آخری زیارت و ملاقات سے مشرف ہوا۔ ۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ / ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء کو یہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا۔

ع زمین ہند میں تھی آخری صورت یہ نورانی

a a a a a

☆ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

میرے مفتیِ اعظم یادوں کے جھروکے سے

یوں تو بے شمار شخصیتیں ہیں جن کے ذکر و تذکرے سے کان لذت اندوز، دل محظوظ اور روح راحت فروز ہو جاتی ہے۔ بہت سے اللہ کے محبوب بندے ایسے بھی ہیں جن کے اخلاق و سیرت کے بیان سے زبان لطف آشنا، ذہن کیف بداماں، قلب نور فشاں اور ضمیر وجد کناں ہو جاتا ہے۔ لیکن ان میں مفتیِ اعظم کا جواب کہاں، وہ اتنے محاسن کے مجموعہ اور اوصاف کے حامل تھے کہ ان کے نقشِ پا کی شوخی ان کی موجودگی کا پتہ دیتی تھی۔ فضاؤں کی نشیلی ادائیں ان کے متلاشیوں کی رہنما بن جاتی تھیں۔ ان کے وجودِ مسعود کی طراوٹ سے ماحول کی پلکیں ایسی بھیگ جاتی تھی کہ دیر تک ان سے شریعت کی لطافت کی خمار ٹپکتا تھا اور اس کی نکہت ریزی پکار اٹھتی کہ روحِ چمن یہاں ہے۔ فضائل جن کے دامن سے لگ کر مچل اٹھتے تھے۔ خوبی جن کی صحبت پا کر خوشی سے اچھل پڑتی تھی۔ آج علم کی دو چار شاخوں تک رسائی کے بعد لوگ پھولے نہیں سماتے ہیں، عمل میں دو چار قدم بڑھا دینے کے بعد اتنی بلندی پر خود کو محسوس کرنے لگتے ہیں کہ جہاں سے تمام قد بونے نظر آتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ علم جس پر ناز کرے وہ ہیں مفتیِ اعظم، عمل جس پر رشک کرے وہ ہیں مفتیِ اعظم، تقویٰ جس پر فخر کرے وہ ہیں مفتیِ اعظم۔ یہی وجہ ہے کہ مفتیِ اعظم کی یاد دلوں کو سرور، قلوب کو نور بخشتی ہے۔ ان کے ذکر و تذکرے سے محفل گرم رہتی ہے۔ ان کی میٹھی میٹھی باتوں سے عقیدت مندوں کا

سینہ روشنی کا مدینہ بنا رہتا ہے۔ چھتیس سال ہونے والے ہیں ان کی وفات کو، اس چھتیس سال کے اندر کتنی یادوں کے چراغ نہ گل ہوئے ہوں گے، مگر مفتیٔ اعظم ہیں کہ ان کی یادوں کی شمع آج بھی دلوں کے محراب اور تصورات کے منبر پر روشن ہے۔

عالم یہ ہے کہ بات روحانیت کی چلے تو مفتیٔ اعظم کی روحانیت جانِ محفل ہوتی ہے، بحث تقویٰ و پرہیزگاری کی آئے تو مفتیٔ اعظم کا تقویٰ اس باب کا تتمہ ہوتا ہے، بات خاکساری وملنساری کی ہو تو مفتیٔ اعظم کی سادگی و ذرہ نوازی اس عنوان کا خلاصہ ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے ان کا جلوۂ زیبا دیکھا ہے آج تک کوئی حسین سے حسین تر جلوہ ان کی آنکھوں کو نہیں بھاتی۔ وہ لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ایک تھے، وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کے معمہ کو جو دم زدن میں حل کردے وہ ذات مفتیٔ اعظم کی ذات، جہاں چلے جاتے دیوانوں کی بارات اتر پڑتی، جہاں قدم رکھ دیتے جلوؤں کی برسات ہوجاتی، جو دیکھ لیتا اس کی عید ہوجاتی۔ ان سے ملاقات میں نائب غوثِ اعظم کی ملاقات کا لطف ملتا تھا۔ اسی لیے ایک بار جو مل لیتا، بار بار ملنے کو تڑپتا رہتا۔ وہ شفقت ورحمت کا چھلکتا ہوا جام تھے، ہر تشنہ کام جہاں فائز المرام ہوتا تھا۔ جن کے میکدۂ عرفان کا میکش ایسا سیراب ہوتا تھا کہ پھر تشنہ لبی اس کے قریب نہیں جاتی تھی۔ جہاں جرعہ جرعہ، گھونٹ گھونٹ نہیں بلکہ جام پر جام لنڈھایا جاتا تھا اس میکدہ بخش پیر کا نام ہے مفتیٔ اعظم۔ اب تو لوگ بوند دو بوند کو ترستے ہیں، پیر کی دید کی آرزو میں مرتے ہیں، مگر مفتیٔ اعظم کی کرم گستری کو سلام کہ آپ کے مرید کو یہ اطمینان ہے کہ اس نے جی بھر کے آپ کا نظارہ کیا ہے، فیضانِ نظر سے سیراب ہوا ہے اور آپ کے مصافحہ کی لذّت قلب وروح کی گہرائی تک اس نے محسوس کی ہے۔ علم کا جوہر، عمل کا سمندر، خلوص کا پیکر، وفا کا مصدر، گمرہوں کا رہبر، ہادیوں کا سرور، محبت کا خوگر، شفقت کا جوہر، اپنے عہد میں فائق وبرتر، صاحبِ ممتاز فکر ونظر، اعلیٰ حضرت کا پسر، اہل سنّت کا تاجور، مگر قوم وملّت کا ہمدم وہمدرد ایسا کہ کیا غریب اور کیا امیر، کیا رئیس اور کیا فقیر جو چاہتا مل لیتا، بلا تکلف دعا کی درخواست کردیتا، بس عرض کی دیر ہوئی کہ ارشاد کے پھول برسنے لگتے، گذارش ختم ہوتی

کہ دعا کے لیے گلِ کرامت کی پتیاں ملنے لگیں۔

ملّت کا درد، دین کی تڑپ، مسلک کی فکر، قوم کا غم انہیں کہاں کہاں لیے پھرتا تھا۔ باآں ضعف ونقاہت جہاں جہاں ضرورت پڑتی کشاں کشاں تشریف لے جاتے، جس جگہ پہنچ جاتے خوشیاں امنڈ پڑتیں ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے مسیحا مریض کے پاس آ گیا ہو، مشکل کشا حاجت روائی کے لیے پہنچ گیا ہو۔ خورشید اندھیرے میں کھل گیا ہو، سمندر پیاسوں کے قریب ہو گیا ہو۔ کسی پریشان کی آنکھ میں آنسو آئے ان کی روح مضطرب ہو جاتی تھی۔ کسی غریب کی پیشانی پر سلوٹ آئے ان کا دل ٹوٹ جاتا تھا۔ یہ انسانیت نوازی، یہ غریب پروری، یہ بے خبروں کی خبر گیری، یہ بے سہاروں کی حوصلہ افزائی مفتیٔ اعظم کی وہ عظیم صفت تھی، جس نے مفتیٔ اعظم کی عقیدت کا دیا طوفان کی زد پر بھی جلائے رکھا ہے، جس نے ان کی یادوں کی خوشبوؤں کو کلیجے میں بسائے رکھا ہے۔ اس لیے آج بھی وہ اپنے مریدوں کے حریمِ روح میں زندہ ہیں، چاہنے والوں کے مشکوٰۃِ دل میں فروزاں ہیں۔ عقیدت مندوں کی عقیدت، ضرورت مندوں کی ضرورت، غریب کی غربت، مفلسوں کا افلاس، بیواؤں کی آہ، یتیموں کے نالے، گردشِ ایام کے ماروں کی فریاد آج پھر کسی مفتیٔ اعظم کی متمنی ہے جو اس کی کٹیا میں آ کر، اس کے ٹوٹے ہوئے دل کے نشیمن میں بیٹھ کر اس کے ویران گھر کو رشکِ اِرم بنا دے۔ ان کے جمالِ سیرت کی یہ کیفیت! کہ کیا بچہ اور کیا بوڑھا، کیا چھوٹا اور کیا بڑا جو چاہتا قریب ہو جاتا اور جلالتِ علم کی یہ شان کہ علم کا کوہِ گراں، عمل کا نیّر تاباں بھی نظر کی تاب نہیں لا پاتا، نظر اٹھا دیتے تو نخوتِ علم کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا، بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا، للکار دیتے تو پورے ماحول پر سکتہ چھا جاتا، چمکار لیتے تو ایسے ویسوں کا بھی گلِ مراد کھل جاتا۔ وہ چاہتے تو فرشِ مخمل پر سوتے مگر کانٹوں بھری راہ انہوں نے گوارہ کیا، اور اپنی شبانہ یومیہ محنت وریاضت سے قوم کی دینی، روحانی زندگی میں فصلِ گل ولالہ کی تخم ریزی کرتے رہے۔ ان کے ایک ہاں یا نا پر لاینحل مسائل کی گتھی سلجھتی تھی۔ فقہ کا وہ آسمان جس کی بلندی کو جھانکتے ہوئے اوروں کے سروں سے ٹوپیاں گر پڑتی تھیں، مفتیٔ اعظم اس آسمان سے تارے توڑتے

اور دامنِ مسائل کو گل و گلزار بنا دیتے تھے۔ اعلامِ زمانہ کا وہ معتمد علیہ جن کے خوانِ علم کی ریزہ خوری نے کتنے گونگے کو صاحبِ زبان، کتنے بے حس کو صاحبِ دل، کتنے ذروں کو آفتاب، کلیوں کو رشکِ گلاب اور قطروں کو خزِ سمندر بنا دیا، پھر کیوں نہ لوگ ان کے جوٹھے کو ترسیں، دیوانے خوب جانتے تھے کہ ان کی پی ہوئی چائے کی ایک چسکی بھی آبِ حیات سے کم نہیں ہے۔ میں نے جو دیکھا ہے اور جن یادوں کی جھلکیوں سے میرے شبستانِ حیات میں مسرتوں کا سویرا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ جب کبھی ظلماتِ فکر میں گھرتا ہوں، یادوں کی لو تیز کر دیتا ہوں، پھر تو جیسے میرے گرد و پیش خوشیوں کا چراغاں ہو جاتا ہے۔ دیپ سے دیپ جلنے لگتے ہیں اور میں نشاط کی چاندنی میں ڈوب کر نکھر جاتا ہوں۔ یوں تو ہر لائق پیر کے مرید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے پیر پر ناز کرے مگر جس پیر پر مرید ہی نہیں پیروں کے پیر بھی فخر کرتے ہیں وہ ہیں میرے مفتیٔ اعظم! تقریباً دس سال کی میری عمر تھی جب میں نے پہلی بار حضور مفتیٔ اعظم کو دیکھا تھا، چونکہ بفضلہٖ تعالیٰ ذہین وفطین تھا اس لیے معاملے کی نزاکت کو سمجھتا تھا، لیکن پھر بھی مفتیٔ اعظم کی ذات کو سمجھنا، قطب زماں کی صفات کا ادراک کرنا، میری ننھی عمر کے لیے مشکل ہی نہیں غیر ممکن تھا، ان کی قربت میں عمر گزار دینے کے بعد بھی جب ان کی حقیقت کے فہم سے لوگ عاجز و درماندہ ہیں تو پھر میں کہاں، میری عمر و فراست کہاں! تاہم مشاہدات کی جو کرنیں لوحِ ذہن پر مرتسم ہیں وہ انمٹ ہیں اس لیے میرے ساتھ میرے چند ساتھیوں کو بھی اچھی طرح یاد ہے کہ جامعہ قادریہ مقصود پور (مظفر پور، بہار) میں خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم، حضرت مفتی محمد اسلم صاحب بانی و مہتمم جامعہ کی دعوت پر حضرت تشریف لائے تھے، جامعہ کے در و دیوار تو نشاط و انبساط سے ہمکنار تھے ہی پورا قصبہ اور علاقہ خوشی کی ترنگ میں ڈوب کر بہاریہ ترانے گا رہا تھا۔ خوش بختی سے حضرت کو ناشتہ وغیرہ کھلانے کا ایک موقع مجھے بھی میسر آیا۔ دسترخوان پر اہلِ سنّت کے نجوم و کواکب اور شمس و قمر جلوہ گر تھے۔ استاذ العلماء حضرت مفتی محمد اسلم صاحب قبلہ حضرت کے بالکل سامنے، قریب میں بیٹھے تھے۔ سرکار مفتیٔ اعظم جوں ہی کوئی ہڈی چوس کر دسترخوان پر ڈالتے، حضرت مفتی صاحب قبلہ جیسے انتظار ہی

میں ہوتے فوراً ان نیم ریزہ ہڈیوں کو اٹھاتے اور دیر تک چوستے رہتے۔ دیگر حاضرین علما بھی اس نادر و نافع موقع کو جیسے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ ادب آگیں مسابقتی منظر سے پورا ماحول گلنار بنا ہوا تھا۔ ہم نوخیز طلبا کیا جانتے تھے کہ نائب غوثِ اعظم کے لعابِ دہن نے ان ہڈیوں، دسترخوان کے ان پس خوردوں میں کیسی کیسی تاثیریں اور تنویریں بھر دی ہیں۔ اب یہ برکاتِ مفتیٔ اعظم سے سراپا تبرکات بن چکے ہیں۔ سچ پوچھیے تو ہمارے ذہن میں جوٹھے کا عمومی تصور چھایا ہوا تھا۔ ناگاہ جیسے پردہ ہٹا اور اتنی اچھی طرح سمجھ میں آیا کہ جن کے جوٹھے کے لیے علم بھی ترستا ہے اور عمل بھی، جن کی ریزہ خوری کے لیے فکر بھی پیاسی ہے اور نظر بھی، جن کی جرعہ نوشی کے لیے فتویٰ بھی آس لگائے ہے اور تقویٰ بھی، جن کے پس خوردہ کے لیے خطابت کی گھن گرج، فصاحت کا طمطراق اور بلاغت کا طنطنہ بھی دریوزہ گر ہے وہ یقیناً اپنے دور کی عظیم اور نامی گرامی ہستی ہے۔ مفتیٔ اعظم کے عرفان کا یہ پہلا دریچہ تھا جو شنید سے نہیں دید سے ہم پر کھلا تھا۔ اور اب دلِ دیوانہ مزید تاخیر کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا۔ مرید ہونے والوں کی صف میں ہم بھی شامل ہو گئے۔ مفتیٔ اعظم کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال لیا اور ہمیشہ کے لیے قادری فقیروں کی لائن میں لگ گئے۔ اب احساس ہوتا ہے کہ ؎

عطائے رب سے، دستِ مصطفٰے سے ہم نے پایا ہے
امام احمد رضا اور مفتیٔ اعظم کی غلامی

جلسے کے اختتام پر لوگ اپنے اپنے گاؤں، اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ہر زبان پر حضور مفتیٔ اعظم ہند کی زیارت اور شرفِ بیعت کا عقیدت فزا اور ہدایت زا تذکرہ تھا۔ ایک سجی سجائی، گدّا و گاؤ تکیہ لگی بیل گاڑی پر دو تین ضعیف، من بھاتی صورت والے حضرات بیٹھے تھے، جو ظاہری چہرے مہرے اور جسمانی وضع قطع سے عالمِ دین، عابد شب زندہ دار معلوم ہوتے تھے۔ حضور مفتیٔ اعظم سے جدائی پر ان کے مژگانِ چشم مسلسل موتیوں کی مالا نچھاور کر رہے تھے۔ فراق کی آگ سے سکون کا نشیمن لگاتار دھواں اگل رہا تھا، آنکھیں برس رہی تھیں اور وہ کہہ رہے تھے، مفتی محمد اسلم صاحب کے احسان کے بوجھ سے

قیامت تک یہ علاقہ اور ہم لوگ سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ان کی سعی و محنت سے شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدارِ اہل سنّت کا قدم اس کوردہ خطے میں تجلّی ریز ہوا، زندہ ولی کی زیارت و بیعت کی بے بہا دولت سے ہم لوگ مالا مال ہوئے، وہ نور کا چہرہ اور پھولوں کا بدن خدا کرے ہمیشہ ہماری زندگی میں گہر پاش رہے۔ ہم لوگوں نے جس نوری پیکر کو اذہان وقلوب میں بسایا ہے اس کی رنگینی ولطافت فلاحِ دارین کی ضمانت ہے۔ وہ یوںہی وفورِ بے خودی میں محوِ خود کلامی تھے مگر شدتِ جذبات سے سننے والوں کے دل پگھل رہے تھے۔ ایک بار پھر ہم لوگوں کی نوعمر عقیدت کو احساس کی جِلا ملی کہ جب ایسے ایسے لوگ، ایسا ایسا کہہ رہے ہیں تو وہ لازماً بہت بڑے بزرگ ہیں۔ خیالات کی دہلیز پر تجلّیاتِ یقین کے کارواں اسی طرح اترتے رہے اور عقیدت رفتہ رفتہ نہ صرف منزلِ شباب کو چھوتی رہی، بلکہ پختہ اور راسخ ہوتی رہی۔ ۱۹۷۴ء میں تعلیمی سلسلہ کو مزید آگے بڑھانے کے لیے شہرِ مرشد، شہرِ آرزو، شہرِ محبت بریلی شریف حاضر ہو گیا۔ ہمارے چھوٹے سے گاؤں (ردولی شریف، ضلع سیتامڑھی، بہار) میں اس وقت تقریباً ایک درجن بریلی شریف کے فارغین علما تھے اور ہمارے علاقے میں بریلی شریف کے سند یافتگان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ وہ تمام فارغین بھی اپنی جلوت وخلوت، نشست و برخاست میں سرکار مفتیٔ اعظم ہند کا مبارک ذکر بار بار کرتے رہتے تھے۔ جذبۂ شوق کو مہمیز لگا ہم بھی بریلی شریف وارد ہو گئے۔ غائبانہ جیسا سنا تھا وہاں پہنچ کر اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ مفتیٔ اعظم کے دیدار کے لیے اب انتظار کا کرب سہنا نہیں تھا، جب بھی حضرت موجود ہوتے، کلاس سے فرصت کے بعد ہم دو ساتھی حضرت کی نشست گارہ پر حاضر ہو جاتے۔ حضرت تعویذ لکھ رہے ہوتے، قلم نقوش طرازی میں کاغذ کا بوسہ لے رہا ہوتا۔ زبان درودِ پاک کی نغمہ سرائی میں محو ہوتی، لوگ دکھ بیان کر رہے ہوتے، مفتیٔ اعظم درد کا درماں بنے ہوتے۔ کوئی آنکھ قطرہ ہائے غم لٹا رہی ہوتی، مفتیٔ اعظم پیار کی شبنم بانٹ رہے ہوتے۔ کوئی دعا کی درخواست کر رہا ہوتا، مفتیٔ اعظم دعا کے پھول پیش کر رہے ہوتے، کبھی مہمانوں کے قافلے اتر رہے ہوتے مفتیٔ اعظم خوش آمدید کہہ رہے ہوتے۔

مصروفیتوں کا ہجوم مگر پیشانی پر کوئی بل نہ شکن، کثرتِ کار وافکار مگر کہیں کوئی گھبراہٹ نہ الجھن، تمام کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پاتے رہتے۔ ان کے کام کا تنوع دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پورے عہد کی ہمہ نوعی مشکل کشائی کا فریضہ خدائے قدیر نے ان کے سپرد کررکھا تھا۔ ایک بجے تک ہم دونوں ان مناظر کے گل بوٹوں سے دامنِ نظر سنوارتے اور پھر ظہر کی نماز کے لیے اپنی اپنی مسجد چلے جاتے۔ حضور مفتیٔ اعظم کی ایک ایک ادا نرالی تھی، وہ خود تو شریعت مطہرہ کا پیکرِ مجسم تھے ہی، جو بھی آتا اسے بھی شریعت وسنّت کی تاکید فرماتے، تعویذ بھی دیتے اور ساتھ ہی نماز کی پابندی کا حکم بھی فرماتے۔ ان کی بارگاہ میں آنے والا ادب کے سانچے میں ڈھل ہی کے آتا تھا، پھر بھی غفلت سے اگر گلے کا بٹن کھلا رہ جاتا، یا ہاتھ میں چین والی گھڑی ہوتی تو ان کے جلال کا عالم دیدنی ہوتا۔ ایسے موقع پر کچھ مخصوص بول تھے جو از خود ان کی زبان پر جاری ہوجاتے تھے اور جب وہ سنبھل جاتا تو لطف وکرم کا ایسا مظاہرہ فرماتے کہ جسے ابھی ڈانٹ رہے تھے اب اسی کو پیار کی ٹھنڈی پھوار میں نہار رہے ہوتے۔ ان کے اس الطافِ کریمانہ اور نوازشِ فیاضانہ پر سنگ دل سے سنگ دل بھی پسیج جاتے تھے، دل ایسا صیقل ہوجاتا کہ برسوں کا پاپی بھی نسخۂ صافی کی تاثیر سے چمک چمک اٹھتا تھا۔ وہ ایسے رحیم وکریم تھے کہ مانگنے والوں کو مانگنے کی نوبت بھی نہ آتی تھی کہ گوہرِ مقصود سے دامن آباد ہوجاتا تھا۔ ان کی شانِ کریمی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ ہم جس محلہ میں رہتے تھے (محلہ بھوڑے خاں) وہاں جب بھی کسی نے حضرت کی دعوت کی خواہش کی اور بابو بھائی (حضرت کے خادم) کے ذریعہ ہم نے حضرت سے پیش کش کی تو حضرت نے قبول فرمائی۔ اب تو دعوتوں میں معیار دیکھا جانے لگا ہے، پھر اسی اعتبار سے ترجیح عدم ترجیح، اقرار یا انکار کا مرحلہ آتا ہے مگر حضرت نے کبھی نہیں دیکھا کہ دعوت دینے والے کی مالی پوزیشن کیا ہے، خلوص سے دعوت دی گئی محبت سے قبول کر لی گئی، اس لیے غریب سے غریب بھی ان کو دعوت دینے کی تمنا رکھتا تھا۔ آج بھی بہت سارے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اس حالت میں دعوت کی کہ گھر میں بچھانے کو صحیح چٹائی بھی میسر نہ تھی، مگر حضرت کے مبارک قدم

اور پُرخلوص دعا کی برکت سے آج وہ فلک شکوہ بلڈنگ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ وقتِ دعوت ہم پاؤں رکشا لے کر جاتے، حضرت تیار ہوتے، رکشا پر بیٹھتے، حضرت کے حکم پر بازو میں مَیں بیٹھتا اور حضرت کو لے کر آ جاتا، نہ کوئی لاؤ لشکر، نہ شاہی کروفر، نہ ہٹو بچو کا زور، نہ دھرو پکڑو کا شور، نہایت سکون سے آتے بغایت اطمینان تشریف لے جاتے۔ اب سے تقریباً چالیس (۴۰) برس پہلے بریلی کی سڑکیں آج جیسی نہ تھیں، ٹوٹی پھوٹی، ٹیڑھی میڑھی اور اس پر کھڈا کھدی کی مہربانی سے سڑک کا چہرہ ہی نہیں انگ انگ داغدار تھا، پھر آج کی ٹاٹا سومو نہیں جو سڑک کی جنبش کا احساس نہیں ہونے دیتی، پاؤں رکشا کی سواری کہ جس کی ہر حرکت بیٹھنے والوں کو متاثر اور مضطرب کرتی ہے، مگر واہ رے مفتئ اعظم کی سادگی و شگفتگی، کبھی کسی آرام دہ سواری کا مطالبہ نہیں فرمایا، خود تکلیف گوارہ کیا مگر دوسرے کی تکلیف برداشت نہ کیا۔ ایک بار ہم لوگ حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب کے پاس منظرِ اسلام کے دارالافتاء میں بیٹھے تھے، وہاں سے حضرت کا کاشانہ اور دارالافتاء بالکل نظر کے سامنے تھا۔ ایک عورت ساتھ میں ایک بچہ لے کر آئی جسے کتّے نے کاٹ لیا تھا، ماں کی ممتا بے قرار کہ کیسے اندر جا کر حضرت کو اپنی مصیبت کی خبر دوں، بے صبری میں اس نے دروازے پر دستک دی، اندر سے بابو بھائی آئے، عورت کی فریاد سنی مگر ان سنی کر دی، غصے میں کچھ کہہ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اب وہ عورت پھر انتظار میں رہی کہ دوبارہ دروازہ کھلے، مگر جب ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ دوسرے دروازے سے اندر داخل ہوگئی، اپنی تکلیف اور بابو بھائی کا سلوک ایک ہی زبان میں یکلخت کہہ سنایا۔ حضرت اپنے جلالِ پُرجمال کا لطیف غلاف ڈالے فوراً باہر تشریف لائے اور اس لڑکے کے پاس چبوترے پر یونہی بلا تکلف بیٹھ گئے۔ جہاں پر کتے نے کاٹا تھا کچھ پڑھتے ہوئے گیلی مٹّی کے ڈھیلے کو اس جگہ پر پھیرنے لگے۔ اس عمل سے فراغت کے بعد جب ڈھیلا پھوڑ کر دیکھا گیا تو اس میں کتّے کے رنگ کے چند بال تھے۔ کل پھر آنے کی ہدایت کر کے حضرت اندر تشریف لے گئے۔ حضرت کو یونہی چبوترہ پر بیٹھا دیکھ کر ہم لوگ قریب جمع ہو گئے تھے۔ اب اندر سے بابو بھائی پر برسنے کی آواز صاف باہر سنائی دے رہی

تھی۔تم نے ہم سے ملنے والے کو انتظار کی ایسی زحمت کیوں دی۔ ہمارے مہمان کے ساتھ تم نے ایسا سلوک کیوں کیا۔ میرے دروازے پر آنے والے کی دل آزاری کیوں ہوئی۔مت پوچھیے بابو بھائی کی لجاجت! وہ معذرت پر معذرت کرتے رہے، ندامت کے آنسو بہاتے رہے۔ جب آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا وعدہ کیا تو حضرت کا جلال ٹھنڈا ہوا۔جس کے لیے لوگ اپنی آنکھوں کا فرش بچھاتے ہوں وہ ایک غریب کی خاطر یونہی چبوترے پر بیٹھ جائے اور اس کی دلبستگی میں کوئی کسر نہ باقی رکھے، چراغ لے کے ڈھونڈھ لیجیے مفتیٔ اعظم کے سوا کوئی اور نہ ملے گا۔کیا وسعتِ قلبی اور دریا دلی تھی مفتیٔ اعظم میں۔ان کی بارگاہ میں آنے والا من وتو کی تمیز سے بے نیاز ہو جاتا تھا، سب پر ان کی یکساں نظرِ عنایت ہوتی تھی۔صرف ایک بار ہم نے حضرت کو بہت جلال میں دیکھا تھا، وہ منظر جب بھی یاد آتا ہے مجھ پر جلالِ مومن کی ہیبت سی طاری ہو جاتی ہے۔محلہ سوداگران کے سکھ برادری کی دو بوڑھی عورتیں، سفید لباس میں ملبوس، پردہ کے اہتمام کے ساتھ اس وقت رضا مسجد اور حضرت کے گھر کے کونے پر حاضر ہوتیں جب حضرت عصر کی نماز کے لیے نکلتے۔حضرت جونہی اس جگہ پر پہنچتے وہ عورتیں گلاب کا پھول پیش کرتیں، حضرت قبول فرماتے اور نماز کے لیے چل دیتے۔ایک دن ایک بھینس بیچ میں آڑے آگئی، وہ کون سی گھڑی تھی، حضرت نے ایک عصا رسید کیا، خدا جانے وہ عصائے کلیم تھا یا اژدہائے غضب کہ بھینس چیختے چلّاتے، دوڑتے بھاگتے دور جا کر کھڑی ہوئی اور پیچھے مڑ کر حضرت کو دیکھنے لگی، حضرت نے بھی ایک نظر ڈالی اور مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔وہ جلال و جمال کا سنگم تھے، مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا جب جمال پر جلال غالب آیا ہو، اور اگر ایسا ہوتا بھی تو وہ لمحہ آنی اور فانی ہوتا، پھر اس کے بعد وہی نرمی وہی ملائمت، وہی رحمت وہی شفقت۔کہاں تک پینتالیس سال پہلے کی بکھری کڑیوں کو سمیٹا جائے۔خلاصہ یہ کہ ان کا سایہ اک تجلّی تھا، ان کا نقشِ پا اک چراغ تھا۔وہ جدھر چل دیتے تھے روشنی ہی روشنی ہو جاتی تھی۔وہ اگر اس پر فخر کرتے کہ ''پدرم سلطان بود'' تو بجا طور پر ان کو اس کا حق حاصل تھا، مگر انہوں نے شاہی پر فقیری کو ترجیح دی اور فقیری میں شاہی کا مزہ لوٹنا

ہی پسند فرمایا۔ جنہوں نے ایمر جنسی کے قہر بداماں دور اور نس بندی کے سراپا جور ماحول میں تحفظِ دین وسنّت اور استقامت علی الشریعت کا ایسا عملی مظاہرہ فرمایا کہ حکومتِ وقت کے فیصلے بدل گئے۔ آج مسلم نسل کی لہلہاتی فصل ان کے اُسی تاریخ ساز فتویٰ کی زندہ یادگار اور تابندہ نقوش ہیں۔ انہیں پوری دنیا مفتیٔ اعظم ہند کہتی ہے مگر میرا ایقان انہیں مفتیٔ اعظم عالم کہہ کر بھی اہتمامِ ذوق کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ جن کی نسبتِ ارادت کو میں اپنی دینی واخروی سعادت کی ضمانت سمجھتا ہوں۔ ان کی بارگاہ میں یہ عریضہ پیش کرتے ہوئے گفتگو ختم کر رہا ہوں کہ

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں
تیرے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں

a a a a a

☆مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، بدایوں یوپی

سرکار مفتی اعظم ہند کی صوفیانہ زندگی اور اس کے تاباں نقوش

پورے برصغیر کی معروف و مشہور شخصیات میں ایک اہم اور عظیم شخصیت کا لقب ''سرکار مفتی اعظمِ ہند'' ہے...... ہر خوش عقیدہ مسلمان اس لقب سے واقف ہے...... جیسے ہی یہ لقب بولا جاتا ہے...... ویسے ہی اس کا ذہن اس ذات گرامی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جس نے اپنی پوری زندگی خدمت خلق اور حاجت روائی کے لئے وقف کر دیا تھا...... ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کا ہوتے ہوئے بھی ان کا نہیں تھا...... جب خود ان کی ذات ان کی نہیں تھی...... تو ان کی زندگی کی ساعتیں ان کی کب ہوتیں؟...... ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال اُبھر رہا ہو کہ ایسی زندگی بھی کوئی زندگی ہے جو اپنی زندگی ہو کر بھی اپنی نہ ہو بلکہ کسی اور کی زندگی ہو...... لیکن میرا اپنا نظریہ اس تعلق سے میں یہ ہے کہ مزہ خود کھانے میں نہیں آتا ہے بلکہ دوسروں کو کھلانے میں آتا ہے...... گلاب کو دیکھئے کس قدر خوبصورت ہوتا ہے...... اس کا رنگ بھی کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے...... اس کی پنکھڑیاں کس قدر نازک ہوتی ہیں، جب گلاب کھل جاتا ہے تو چمن میں بہار آجاتی ہے اور گلشن میں مہک پیدا ہوجاتی ہے...... گلاب کی خوشبو کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے؟ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے......؟ نہیں! یہاں غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ خود گلاب اپنی خوشبو اور اپنی رعنائیوں سے کس قدر مستفید ہوتا ہے؟ یہ کوئی بتا سکتا ہے؟ ظاہر ہے ہر کوئی یہی کہے گا کہ گلاب سے خود گلاب کو، کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے اور

ایسا ہو بھی نہیں سکتا ہے کہ گلاب خود اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے نمود پاتا ہے……اسی سے ملتی جُلتی ایک اور مثال بھی ہے……شمع خود جلتی ہے مگر کس کے لئے؟ اپنے آپ کے لئے یا کسی دوسرے کے لئے؟ ظاہر ہے ہر شخص کا یہی جواب ہوگا کہ شمع خود اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جلتی ہے……میرے مرشد گرامی سرکار مفتی اعظم ہند ایک مسکراتا گلاب تھے……اور جلتی ہوئی شمع تھے……اللہ اکبر ……اللہ اکبر……وہ کتنے عظیم تھے کہ ان کا نام اور لقب لیتے ہی نگاہوں میں شوق انگڑائی لینے لگتا ہے اور دلوں میں محبت اور وفاشعاری کی موجیں اُچھلنے لگتی ہیں ……نام ان کا ہوتا ہے اور دل میرا……لقب ان کا ہوتا ہے اور دیدۂ حیرت میرا…… یادیں ان کی ہوتی ہیں اور اشکوں کا سیلاب میرا ہوتا ہے…… یہ رشتہ…… یہ تعلق اور یہ ربط کس قدر پاکیزہ ہے؟ تقدس مآب ہے……کیسا سنہرا ہے؟ اس رشتے کے تقدس پہ حیات کی ساری رعنائیاں قربان۔

جب نام و لقب میں اس قدر تاثیر ہے……دلکشی اور جاذبیت ہے تو پھر ان کی شخصیت کا کیا عالم ہوگا؟ اور ان کی ذات مقدسہ میں کس قدر خوبیاں ہوسکتی ہیں؟ ذرا اندازہ لگایئے اور سوچیے۔

کہا جاتا ہے نام ذات تک پہنچنے کا سہارا ہوتا ہے اور لقب کسی شخصیت تک لے جاتا ہے جس کا نام اس قدر تاباں ہو اور جس کا لقب اس قدر درخشاں ہو تو پھر اس کی زندگی کیسی ہوگی …… اس کے لمحاتِ حیات کیسے ہوں گے؟ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ذات بھی حیرت زا ہوگی اور اس کی شخصیت بھی حیرت کدہ……

سرکار مفتیِ اعظم کی زندگی کا کوئی ایک رُخ ہو تو اس پر کچھ کہا جائے اور کچھ لکھا جائے یہاں تو ان کی پوری زندگی ہی آئینہ حیرت ہے اور ہمہ خانہ آفتاب ہے جس زاویہ سے دیکھیئے ایک بحر زخار ہے اور موجیں مارتا ہوا سمندر ہے اور ایک ایسی بلند چوٹی ہے جہاں کسی کا پہنچنا مشکل ہی نہیں مشکل تر ہے۔ دشوار ہی نہیں دشوار تر ہے۔ نہ زبان میں اتنی طاقت اور نہ میرے پاس لفظوں کا اتنا ذخیرہ کہ ان کی شخصیت کی صحیح تصویر بنا سکوں ……بہر حال جو

ہوسکتا اور جو میری صلاحیت کے دائرے میں ہے وہی میں اس نیت کے ساتھ کر رہا ہوں تا کہ میرے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوجائے اور میرا نام بھی ان کے مدح خوانوں میں شامل ہوجائے۔

صوفیانہ زندگی کے تاباں نقوش

میرے مقالہ کا عنوان ہے ''حضور مفتیِ اعظم ہند کی صوفیانہ زندگی اور اس کے تاباں نقوش'' اس عنوان پر لکھنے سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ صوفی کیا ہوتا ہے؟ اور صوفیانہ زندگی کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اس وضاحت کے بعد ہی تاباں نقوش کے بارے میں کچھ بتایا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دور حاضر میں ایسے صوفیا پائے جاتے ہیں جن کے کردار و عمل سے ''صوفی'' کی وضاحت مشکل ہوجاتی ہے اور اس کی شفافیت گرد وغبار کی تہوں میں چھپ جاتی ہے۔

صوفی کون ہوتا ہے؟

صوفی کے آخر میں ''یائے نسبتی'' اور ''صوف'' کا معنی اون ہے اس اعتبار سے اس کا معنی یہ ہوگا کہ صوفی جو اون کا کپڑا پہنے ہے۔

یہ توضیح باعتبار لفظ ہے اور باعتبار لغت ہے چونکہ کسی زمانہ میں زیادہ تر صوفیائے کرام اونی لباس اور اونی چادر و کمبل استعمال کیا کرتے تھے اس لئے ایسوں کو ''صوفی'' کہا جاتا تھا مگر از روئے شریعت صوفی وہ ہوتا ہے جو منسوب الی اللہ ہو یعنی اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہو۔ اس کی باطنی زندگی بھی یاد الٰہ میں گزرتی ہو اور ظاہری زندگی بھی ...... دین کا کام ہو یا دنیا کا کام ہو۔ صوفی خلوت میں رہے یا جلوت میں رہے ...... سفر میں رہے یا حضر میں ...... اس کا ظاہر اور باطن یکساں ہوتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ اس کے دل میں کچھ ہو اور زباں پر کچھ۔ بلکہ اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ جو بولتا ہے وہی کرتا ہے اور جو کرتا ہے وہی بولتا ہے ...... صوفی شریعت کا پابند ہوتا ہے وہ فتویٰ پر بھی عمل کرتا ہے اور تقویٰ پر بھی عمل کرتا ہے ......

حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان اس معنی میں صوفیِ باصفا تھے کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ صاف شفاف اور چاند کی چاندنی کی مانند اجلا تھا...... شبنمی قطروں کے دامن پہ دھبہ ہوسکتا ہے مگر حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی اس قسم کی آلودگیوں سے پاک تھی...... بے لوث اور منزہ تھی...... دیکھنے والوں نے دیکھا ہے اور سننے والوں نے سنا ہے کہ مرشد گرامی کی حیات پاک اندرون خانہ بھی ویسی تھی، بیرونِ خانہ جیسی تھی...... یہ خوبی بھی بہت بڑی خوبی ہے...... یہ ہنر بھی بہت بڑا ہنر ہے...... یہ بات سب کو معلوم ہے دیکھنے والوں کی شہادت معتبر ہوا کرتی ہے اور سننے والوں کی روایت بھی لائق استناد ہوا کرتی ہے...... حضور مفتیِ اعظم کے اس دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً ۳۶ر سال ہو چکے ہیں اب تک کوئی ایسا انسان سامنے نہیں آیا ہے جس نے ان کے ظاہری اور باطنی زندگی پر کوئی غلط تبصرہ کیا ہو...... جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ ان کی زندگی کا یہ زاویہ ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے...... جو زندگی صوفیوں کی ہوتی ہے اسی کو ''صوفیانہ زندگی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضور سرکار مفتیِ اعظم کی ''صوفیانہ زندگی'' کے یہ وہ ''تاباں نقوش'' ہیں جو دور ہی سے چمکتے، دمکتے دکھائی دیتے ہیں اور اس روشنی میں متلاشیانِ حق کا کارواں رواں دواں نظر آتا ہے۔

ہوسکتا ہے...... کسی کے ذہن میں یہ تردد ابھر رہا ہو......

میاں!...... میں نے بہت سے انسانوں کو دیکھا ہے...... ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے مگر اپنے ظاہر کو اس طرح سجا کر رکھتے ہیں کہ کسی کو ان کے دل کی کیفیت کا اندازہ ہی نہیں ہو پاتا ہے۔

اس بارے میں، میں کہوں گا

ہاں!...... ایسا بھی ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ دل میں چھپے ہوئے چوروں کو زیادہ دنوں تک دبا کر نہیں رکھا جاسکتا ہے...... زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے...... کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی وقت دلوں کا حال زبان کے راستہ سے باہر آ ہی جاتا ہے۔ حضور مفتیِ اعظم کے یہاں اس قسم کی کوئی بات نہ کل سامنے آئی تھی اور نہ کسی کتاب میں آج

تک پڑھنے کو ملی ہے......اس لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان کا دل بھی فطری صلاحیتوں سے پُر تھا اور ظاہری زندگی پر بھی فطری صلاحیتوں کے خوشگوار اثرات نمایاں تھے

صوفیوں کو کیسا نہیں ہونا چاہیے؟

اس دور میں صوفیوں کی کمی نہیں ہے ایک کی تلاش میں باہر نکلتے ہیں تو راستوں میں بغیر تلاش کئے ہوئے ہزاروں مل جایا کرتے ہیں لیکن اس بھیڑ میں وہ صوفی نہیں ملتا ہے جس کی ہمیں تلاش ہوتی ہے......تلاش کئے بغیر جو ''صوفیاء'' ملتے ہیں......ان میں بعض وہ ہوا کرتے ہیں جو اپنے سروں پر بھاری بھرکم زلفوں کا بوجھ رکھتے ہیں اور اس قدر لمبی ٹوپی پہنتے ہیں جو بوقت ضرورت دامن کا بھی کام کرتی ہیں......کیا ایسوں کو ''صوفی'' کہا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں......!

بعض وہ ''صوفیا'' ملتے ہیں جو مروجہ قوالیوں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور دوران قوالی رقص بھی کیا کرتے ہیں کمر لچکاتے ہیں ہاتھوں کو فضا میں لہراتے ہیں کیا ایسے ہی صوفی ہوا کرتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں!

بعض ایسے بھی صوفی دیکھنے کو ملتے ہیں جو اپنے مریدوں سے سجدہ کراتے ہیں اور خواتین سے پاؤں دبواتے ہیں یہ علم تصوف کا کونسا رنگ ہے جو اس صوفی کے رگ وریشہ میں خوں بن کر دوڑ رہا ہے...... یہ صوفیاء نذرانے بٹورنے میں سب سے آگے ہوتے ہیں اور عمل میں سب سے پیچھے ہوتے ہیں......کیا انہیں ''صوفی'' کہا جائے گا جو بزرگوں کے مزارات پر بیٹھ کر زائرین کو لوٹتے ہیں اور نت نئے حیلوں، بہانوں سے روپے کماتے ہیں......کیا یہ حضرات صوفی کہلانے کا استحقاق رکھتے ہیں جو عالیشان کوٹھیوں میں رہتے ہیں قالین اور مخمل کی چادروں پر بیٹھتے ہیں۔ انہیں اس بات کی فکر نہیں ہوتی ہے کہ قوم کہاں جا رہی ہے؟ ملت کا کیا حال ہے؟ سماج میں کون بیمار ہے؟ اور کس پر کون سی مصیبت آپڑی ہے؟ ان تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر ناؤنوش میں غرق اور گاؤتکیہ لگائے ''صوفیاء'' ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ ریاکاری ہے......مکاری ہے......خالص دنیاداری ہے۔

قوم کا حال بھی برا ہے ایسوں کو ہی صوفی مانتی ہے......ایسوں کے یہاں جا کر دیکھئے عورتوں کا ایک جم غفیر ہوتا ہے......روپے دیتی ہیں اور تعویزات لیتی ہیں......کام ہو جانے کے لالچ میں کیا کیا نہیں کرتی ہیں......الامان الحفیظ......آئے دن اخباروں میں خبریں چھپتی ہیں۔ جادوٹونے کا علاج ومعالجہ کرنے والے اپنا اشتہار چھپواتے ہیں اور ہر کام کی گارنٹی لیتے ہیں اپنی دوکانیں سجائے بیٹھے ہیں......انہیں مسموم حالات سے متأثر ہو کر حضور مفتیِ اعظم نے یہ اشعا کہے ہیں......درج ذیل اشعار سے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ؎

رہنماؤں کی سی صورت راہ ماری کام ہے
راہزن ہیں کو بکو اور رہنما ملتا نہیں

اہلے گہلے ہیں مشائخ آج کل ہر ہر گلی
بے ہمہ و با ہمہ مردِ خدا ملتا نہیں

ہیں صفائے ظاہری کے ساز و ساماں خوب خوب
جس کا باطن صاف ہو وہ باصفا ملتا نہیں

برزباں تسبیح در دل گاؤ و خر کا دور ہے
ایسے ملتے ہیں بہت اس سے ورا ملتا نہیں

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میرا مرشد وہ مرشد تھا جن کا باطن صاف تھا اور آپ باصفا تھے اور کیوں نہ ہو کہ یہ صفائے قلبی آپ کو اپنے اجداد کرام سے وراثت میں ملی تھی......

حضرت بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں

آپ کے دادا حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے، صاحب تصانیف کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے۔

مولوی رحمان علی صاحب اپنی کتاب ’’تذکرہ علمائے ہند‘‘ میں فرماتے ہیں:

ذہن ثاقب ورائے صائب داشت......خدائے تعالیٰ وے را بعقل معاد ومعاش ممتاز اقران آفریدہ بود......علاوہ شجاعت جبلی، صفت سخاوت، تواضع و استغناء، موصوف بود۔عمر گراں مایہ باشاعت سنت وازالۂ بدعت بسر بود......آپ تیز ذہن، درست رائے، رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاد ومعاش کی دانش وری میں اپنے زمانہ والوں سے ممتاز بنایا تھا۔ان میں فطری شجاعت کے ساتھ سخاوت، تواضع اور بے نیازی بھی تھی۔اپنی پوری عمر سنت کی حمایت بدعت کی نکایت میں بسر کی۔آپ کے دادا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ عارفِ کامل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے سالکان راہِ جذب اور رہروان راہ سلوک دونوں آپ کی عظمت وسیادت کے معترف تھے۔ چہرہ دیکھ کر نوشتہ تقدیر پڑھ لیتے اور حال کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھ لیتے۔

(جہان مفتی اعظم ص ۲۴۱)

جہاں تک ''حضور مفتی اعظم'' کے والد گرامی ''امام احمد رضا فاضل بریلوی'' کی بات ہے تو اس بارے میں عرض ہے......

آپ اپنے وقت کے قطب تھے اور ولی کامل تھے......آپ کی زندگی صحیح معنوں میں ''صوفیانہ زندگی'' تھی اور ایک ایک لمحہ ذکر وفکر کی لذتوں سے آشنا تھا اور یاد جاناں سے معطر تھا ......ظاہر ہے خاندان میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے......وہ اپنے خاندان کے بڑوں کی صلاحیتوں اور استعدادوں کو لے کر آتا ہے اور شعور کی منزل میں آنے کے بعد جب اپنے گھر اور خاندان کو اسی ماحول میں دیکھتا ہے جس ماحول کا نشہ ان کی فطرت میں پایا جاتا ہے تو بچہ خاندانی اوصاف وکمالات اور صلاحتیوں کو بڑی تیزی کے ساتھ اپنی شخصیت میں جذب کر لیتا ہے اور خود کو اسی ماحول میں ڈھال لیتا ہے جس ماحول سے اسے فطری مناسبت حاصل ہوتی ہے اس لئے ان دلائل کی روشنی میں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ میرے سرکار مفتی اعظم کی کل زندگی ''صوفیانہ

زندگی'' سے عبارت تھی ...... گھر کا جو ماحول ہوتا ہے بچے پر اسی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں ...... یہ بات سب کو معلوم ہے کہ گھڑے میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے پانی ہوتا ہے تو پانی ٹپکتا ہے اور دودھ ہوتا ہے تو دودھ ٹپکتا ہے ...... صوفیانہ زندگی کے اثرات تاباں اور درخشاں ہوتے ہیں۔

تاباں نقوش

شاہانہ ٹھاٹ باٹ۔ امیرانہ شان وشوکت اور پر تکلف زندگی کا نام ،،صوفیانہ زندگی،، نہیں ہے بلکہ صوفیانہ زندگی وہ زندگی ہوتی ہے جو ذکر وفکر، خلوص وللٰہیت اور عشق ومحبت سے عبارت ہو۔ جس میں جمالیات، دلکشی اور شگفتگی پائی جاتی ہو۔ اس طرح کی زندگی سب کو کہاں نصیب ہوتی ہے؟ بلکہ اسے نصیب ہوتی ہے جو صاحب ذوق اور اہل دل ہوا کرتا ہے ...... جس کا دل روشن ہوتا ہے اس کی زندگی بھی روشن ہوتی ہے اس کی شام اور صبح بھی تابناک ہوا کرتی ہے کسی کی صوفیانہ زندگی کا آغاز اچانک نہیں ہوتا ہے بلکہ آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ ہوتا ہے اور اس طرح کی زندگی کی شروعات ایام طفولیت ہی سے ہو جاتی ہے اور اس کے اثرات بہت ہی دور سے محسوس ہونے لگتے ہیں بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کے ایسوں کی زندگی متحقق ہونے سے پہلے ہی اپنے اثرات کو نمایاں کر دیتی ہے ...... جن لوگوں نے حضور مفتی اعظم ہند کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا ہے اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی زندگی ''صوفیانہ زندگی'' تھی اور اس کے نقوش انتہائی تاباں اور درخشاں تھے مثلاً

الف ...... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے رب قدیر کی بارگاہ میں گڑ گڑا کر دعا کی ...... اے کارساز حقیقی! توغفور رحیم ہے۔، خداوندا! بادشاہا! بندہ نوازا! تو جبار وقدیر ہے۔ تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ تو نے اپنے کرم سے ایک حسین اور قیمتی نعمت حامد رضا کی شکل میں دی ہے ...... لیکن میں چاہتا ہوں ...... تو مجھے ایک اور ایسی نعمت عطا فرما جو پوری دنیا میں تیرے دین کو سرخرو کرے۔ جو تیرے ذکر سے زمین ہند کے ہر خطے کو آباد کرے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی دعا قبول ہوئی اور پھر اسی سال حضور مفتی اعظم کی ولادت پاک

ہوئی۔ ان کے آنے سے صحن رضا میں خوشیوں کے فوارے اُبلنے لگے...... اور شادمانیوں کی بارات اُترنے لگی۔(جہانِ مفتی اعظم ص ۶۳)

رب قدیر سے دعا...... وقت سحر...... اور دعا بھی کس کی......؟ امام اہلسنت کی......! مجدد دین وملت کی...... اعلی حضرت کی......! اور مانگا بھی کیا؟...... ایک پھول جیسا شہزادہ ......! جو دین کو سرخرو کردے اور زمین ہند کو اللہ پاک کے ذکر سے آباد کردے۔

دعا کے ایک ایک لفظ سے حضور مفتی اعظم کی صوفیانہ زندگی اور اس کے تاباں نقوش پر روشنی پڑتی ہے...... جمال ودلکشی، حسن وجاذبیت اور رعنائیوں کا انعکاس ہوتا ہے...... آنے والا ابھی آیا نہیں ہے مگر ان کے خوبصورت نقوش دکھائی دینے لگے ہیں...... دعا میں...... کبھی شگفتہ لفظوں میں...... اور کبھی خواب میں...... اور تعبیر میں...... اللہ اکبر...... کیا شان ہے؟ اور کیا جمالِ دلربائی ہے؟

ب...... حضور مفتی اعظم ہند کی ولادت سے قبل سیدی سرکار اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک شب خواب دیکھا کہ آسمان کی بلندی سے ایک روشن وتابناک چاند دھیرے دھیرے زمین کی طرف آرہا ہے اور پورے طور پر اُتر کر آغوش میں سما گیا ہے ......آپ کے اس خواب کی تعبیر یوں بیان کی گئی ہے۔

ایک ہونہار اور کامیاب ترین بچہ کا تولد ہونے والا ہے...... ماہنامہ استقامت کے مفتی اعظمِ ہند نمبر میں ڈاکٹر قمر الھُدیٰ فریدی نے اسے یوں تحریر کیا ہے..

اس خواب اور اس کی تعبیر کو پڑھنے کے بعد ہر کوئی اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ خوبصورت چاند سے مراد سرکار مفتی اعظم ہند کی ذات مبارکہ ہے اور ان کی عظیم شخصیت ہے اور حیات پاک ہے اس لئے کہ ذات، وجود، حیات اور شخصیت ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے صرف ان کی ذات کی تعبیر چاند سے نہیں کی گئی ہے بلکہ اس تعبیر میں وجود بھی شامل ہے حیات اور شخصیت بھی ......اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ صوفیانہ زندگی کے تاباں نقوش کا ایک حصہ وہ ہے جس کو ہم

چاند سے تعبیر کر سکتے ہیں اور خوشبوؤں سے تشبیہ دے سکتے ہیں

ج...... ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذاکرت رہے پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے۔ اسی شب عالم خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نو مولود کا نام ''آل الرحمٰن'' بتایا گیا۔ خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقت ملاقات مبارکباد پیش کروں گا...... فجر کی نماز کے لئے جب دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوگئی۔ اور وہیں ہر ایک نے ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کی۔ فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے امام احمد سے ارشاد فرمایا......

مولانا صاحب آپ اس بچہ کے ولی ہیں اگر اجازت دیں تو میں نو مولود کو داخل سلسلہ کرلوں؟

امام احمد رضا قدس سرہ نے عرض کیا:

حضور غلام زادہ ہے۔ اسے داخل سلسلہ فرما لیا جائے

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے مصلی ہی پر بیٹھے بیٹھے مفتی اعظم ہند کو غائبانہ داخل سلسلہ فرمالیا۔ حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے...... جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام ''آل الرحمٰن'' بتایا گیا ہے لہٰذا نو مولود کا نام ''آل الرحمٰن'' رکھیے۔ مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے...... وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہو کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ پہنچی تو سید المشائخ قدس سرہ نے نو مولود کا نام

ابوالبرکات محی الدین جیلانی منتخب فرمایا...... (جہان مفتی اعظم ص ۳۰)

خواب میں بتایا گیا نام.................آل الرحمٰن

حضرت نوری میاں نے آپ کا نام......''ابوالبرکات محی الدین''رکھا

اور خود اعلیٰ حضرت نے''مصطفےٰ رضا خاں''رکھا اور''محمد''کے نام پر عقیقہ ہوا۔

جو باتیں پیش کی گئیں جو اسماء والقاب بتائے گئے ان میں سے ہر ایک اسم ولقب ''صوفیانہ زندگی''کو بتا رہا ہے......جس طرح نور کی کرنیں صاحب نور اور ذات ضوفشاں تک پہنچا دیتی ہیں ......ٹھیک اسی طرح تاباں نقوش اس ذات تک رسائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جہاں وہ ذات مقدسہ جلوہ بار ہوتی ہے۔

آل الرحمٰن..................

عام رحمتوں والا......اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ غمگسار ہوگا۔زخموں کا مداوا کرنے والا ہوگا۔دُکھ درد میں ساتھ دینے والا ہوگا۔غریب پرور ہوگا۔کرم وبخشش والا ہوگا اور ایسا ہوگا کہ اس کے در سے کوئی مایوس نہیں جائے گا اور ان کے چاہنے والوں کی تعداد اس قدر ہوگی کہ حدوشمار سے ماسوا ہوگی یہ بات کسی بتانے والے نے بتائی ہے۔کس نے بتائی ہے،اس کا پتہ سب کو ہے......جب کسی بزرگ کو خواب میں کوئی نام یا لقب بتایا جاتا ہے تو وہ غیبی اشارہ ہوتا ہے......اس لقب پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے مگر اعتراض کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ اعتراض سے پہلے اس پر خوب اچھی طرح سے غور کرلیں کہ جب کوئی لفظ ترتیب وترکیب میں آتا ہے تو وہاں اس لفظ کا معنی مراد لیا جاتا ہے موصوف نہیں ......الرحمٰن اگرچہ اللہ تعالی کی صفت ہے مگر یہاں صاحب صفت یعنی موصوف مراد نہیں بلکہ اس کا لغوی معنی مراد ہے۔

ابوالبرکات..............

برکتوں والا......ایسا کون ہوسکتا ہے؟ وہی ہوسکتا ہے جس کی زبان پاک شیریں ہوتی ہے اور جس کا دامنِ کرم وسیع ہوتا ہے......وہ بولے گا تو پھول جھڑے گا اور دیکھے گا تو اس کی آنکھوں سے نور برسے گا اور جن کے سروں پر اس کا دست پاک ہوگا وہ اپنے زمانے کا معتبر

ہوگا، جنہیں وہ چاہ لے گا پھر اس کا خریدار کوئی نہیں ہوسکتا۔

محی الدین جیلانی............

وہ دین کو جلا بخشے گا......اس کی ذات سے فیض کا دریا بہے گا وہ نیکیوں کو فروغ دے گا۔ جو اس کے قدموں میں ہوگا، اوجِ ثریا پر ہوگا......ماہ نیم شب بھی اس پر رشک کرے گا ......وہ غوث پاک کا غلام ہوگا......اس کی آنکھوں میں غوثِ پاک کا جلوہ ہوگا......

محمد

محمد کے نام پر عقیقہ ہوا اس نام کی برکت ہے اور بہت بڑی برکت ہے جس کا نام محمد ہوتا ہے وہ جنتی ہوتا ہے اس کیلئے جنت کی بشارت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے: فی حدیث معضل اذا کان یوم القیامۃ نادی مناد محمد ! قم فادخل الجنۃ بغیر حساب فیقوم کل من اسمہ محمد یتوھم ان النداء لہ فلکرامۃ محمد ﷺ لا یمنعون۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی ندا کرے گا اے محمد! کھڑے ہو کر جنت میں بغیر حساب داخل ہو جاؤ۔ تو ہر وہ شخص کھڑا ہو جائے گا جس کا نام محمد ہے، یہ خیال کر کے کہ یہ بلاوا میرے لئے تھا۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی کے پیش نظر ان کو روکا نہ جائے گا۔ (جہان مفتی اعظم ص ۱۰۳)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آپکا نام ''مصطفیٰ رضا خاں'' رکھا۔

☆☆☆☆☆☆

عمومی طور پر انسانی زندگی کو تین حصوں میں بانٹا جاتا ہے:

پہلا حصہ......ایام شیر خوارگی سے تا اختتام نشوونما

دوسرا حصہ......ایام شباب

تیسرا حصہ......ایام کہولت تا اختتام عمر طبعی

شیر خوارگی سے نشوونما تک کا زمانہ وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں بچوں کے جسم و اعضا اور قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے......جس طرح بچوں کے ظاہری جسم اور اعضائے انسانی میں

بڑھوتری ہوتی ہے اسی طرح اس کے ذہن کی بھی نشو ونما ہوتی ہے……اس عمر میں بچوں میں نقل کرنے کی عادت سی ہوتی ہے جس طرح وہ کسی کو کرتے دیکھتا ہے……اسی طرح وہ بھی کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر کوئی بڑا ہنستا ہے تو بچے بھی اسی طرح ہنسنے کی کوشش کرتے ہیں…… جوں جوں عمر میں پختگی آتی ہے اسی کی مناسبت سے نقل کرنے کی قوت میں بھی رفتار آتی ہے……یہی وہ عمر ہوتی ہے جس میں خاندانی اوصاف وکمالات قوت سے فعلیت کی جانب رواں دواں ہوتے ہیں ……جیسا گھر کا ماحول ہوتا ہے جس طرح کی فضا گھر میں ہوتی ہے بچے اسی سے متأثر ہوتے ہیں …… یہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے……آپ نے خارجی ماحول سے جو اثرات قبول کیے وہ اثرات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہی وہ اثرات ہیں جس سے ان کی صوفیانہ زندگی تشکیل پاتی ہے……ذیل میں کچھ اسی قسم کی شہادتیں پیش کی جارہی ہیں، جن سے آپ کی خوبصورت زندگی پر مکمل روشنی پڑتی ہے۔

☆ ۲۵ ؍ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ چھ ماہ تین یوم کی عمر شریف میں سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگشت شہادت آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے دہن مبارک میں ڈالی ۔مفتی اعظم شیر مادر کی طرح چوسنے لگے سید المشائخ نے داخل سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

(جہانِ مفتی اعظم ص ۱۰۳)

☆ سید المشائخ حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مفتی اعظم کو بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا: یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہونگے یہ فیض کا دریا بہائے گا۔

یہاں غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ سید المشائخ حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں علیہ الرحمۃ نے جو ارشاد فرمایا اس کے ایک ایک لفظ سے حضرت مفتی اعظم کی زندگی اور حالات کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے اس تناظر میں جو زندگی ہمارے سامنے آتی ہے اس

زندگی کو ہم کیا کہیں؟ حضرت نوری میاں کا اپنی انگشت مبارک کا دہن پاک میں دینا اور پھر حضرت نوری مفتی اعظم کا اس مبارک انگلی کو شیر مادر کی مانند چوسنا بڑا معنی خیز ہے......ولی بتانا ......دین کی خدمت کرنے والا اور مخلوق خدا کو فیض پہنچانے والا بتانا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے...... ذہن وفکر میں اس کے پسِ منظر سے ایک ایسی ذات کا تصورا بھرتا ہے جو ذات سرچشمۂ علم وحکمت ہو......فیض رسا اور ہدایت دہندہ ہو...... یہی ان کی صوفیانہ زندگی ہے اور اس کے تاباں نقوش ہیں......حضور مفتی اعظم ہند کی ذات و شخصیت وہ وسیع آسمان ہے جس میں ان گنت ستارے اور آفتاب و ماہتاب تیرتے دکھائی دیتے ہیں......کیا شان زیبائی ہے؟ کیسا دلربا انداز ہے؟......میرے مفتی اعظم نے نگاہوں سے بھی پیا ہے اور کتابوں سے بھی سیکھا ہے......جس میں والد مکرم کی دعائیں۔سید المشائخ کی بشارتیں اور گھر کے دوسرے افراد کی تمنائیں شامل تھیں ......خارجی تجربات، داخلی احساسات اور قلبی جذبات کی رنگارنگی پائی جاتی ہے۔جوں جوں کاروانِ حیات آگے بڑھتا رہا، ان کی شخصیت میں نکھار اور قوس قزح کی رنگینیوں میں اضافہ ہوتا رہا......ابھی نشوونما کی منزل میں ہیں...... ایام تربیت میں ہیں...... گھر کے ماحول کا تجربہ کر رہے ہیں ان کے سامنے جو آتا ہے وہ عظیم دکھائی دیتا ہے دین کی خدمت کرنے اور فکر وشعور سے کام لینے والا نظر آتا ہے اور لبوں پر اللہ، اور ذکر الٰہی کے جلوے لیے ہوتا ہے...... ان کی صوفیانہ زندگی کوئی عارضی اور وقتی زندگی نہ تھی بلکہ وہ مادر زاد زندگی تھی ......جب اس طرح کی زندگی کسی کو نصیب ہوتی ہے......وہ انمول ہوتی ہے......نادر ونایاب ہوتی ہے اور لاکھوں میں ایک ہوتی ہے جو ڈھونڈے سے نہیں ملتی ہے......ابھی صوفیانہ زندگی زیر تربیت ہے تشکیل کے مرحلوں میں ہے مگر اس کے آثار اور نقوش بہت ہی تاباں ہیں۔ جو دیکھتا ہے لب کشاں ہوتا ہے...... کوئی کہتا ہے...... بڑا مبارک بچہ ہے......اپنے وقت کا ولی کامل ہے......اس کی ذات سے فیض کا دریا بہے گا......لوگ دنیا کی تمازتوں سے پریشاں ہو کر اس کے دامن میں پناہ لیں گے اور بھولا ہوا سبق انہیں یاد آئے گا......ایسے ہی ماحول میں سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین و

ملت اپنے شہزادۂ اصغر فرمایا کرتے تھے: میں دین کا ادنیٰ خادم ہوں اور میری دلی تمنا یہ ہے کہ میرا یہ بیٹا بھی دین کی خدمت کو اپنا شعار بنالے......

جب والدین اور گھر کے افراد کے سامنے کوئی مقصد ہوتا ہے یا کوئی ہدف ہوتا ہے تو پھر والدین اپنے بچوں کی تربیت اسی انداز میں کیا کرتے ہیں...... گویا والدین اپنے بچوں کو مستقبل کے لئے تیار کرتے ہیں اور وہ ساری چیزیں جن کی انہیں مستقبل میں ضرورت پڑسکتی ہے انہیں فراہم کرتے ہیں...... دین یوں ہی نہیں پھیلتا ہے بلکہ اس کے لئے علم وحکمت کی ضرورت پڑتی ہے......دلائل وبراہین کی حاجت ہوتی ہے اور اس میدان میں سب سے اہم اور ضروری جو چیز ہوتی ہے وہ پیشکش کا بہتر انداز ہوتا ہے اور تبلیغ کا خوبصورت اسلوب ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ہم کو کامیابی کی ضمانت دیتی ہیں اور جب اس میں خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں تو انسان اپنے اہداف سے بہت دور چلا جاتا ہے اور اپنا مقصد بھول جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے اور فضل وکرم ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اور ان کے گھر کے افراد نے اپنے مقصد کو پیش نظر رکھا اور پھر اسی مقصد کے پیش نظر نظام تربیت کو انجام دیا......اور کیوں نہ دیتے کہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ الامور بمقاصدھا کہ انسانی زندگی کا ہر ایک امر اپنے مقصد سے مربوط ہو کر مہتم بالشان ہوا کرتا ہے......حضور مفتی اعظم ہند کی تعلیم وتربیت اور شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں بھی یہ مقاصد اہم رول ادا کررہے تھے...... پورے نظام تربیت پر غور کیجیئے تو آپ یہی محسوس کریں گے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے نور نظر اور لخت جگر کو دین کا سپاہی بنایا اور ان کی ذات وشخصیت کی اس انداز میں تشکیل کی منزلوں سے گزارا کہ ان کی شخصیت نادرونایاب اور عجوبہ روزگار ہوگئی......علم وحکمت فکر وشعور اور فیض وبرکت کا سرچشمہ بن گئی......اور پھر حضور مفتی اعظم کی زندگی کا ایک ایک رخ اس قدر صاف وشفاف ہوتا چلا گیا کہ جس پر چاند کی چاندنی۔گلوں کی بہار نثار ہونے لگی......خورشید تاباں کی کرنوں میں تلویث آلائش کا گماں ہوسکتا ہے مگر سرکار مفتی اعظم کی صوفیانہ زندگی پر کہیں بھی انگلی نہیں رکھی جاسکتی ہے......واہ کیا زندگی ہے؟......کیسی رعنائی ہے؟......کس قدر

خوبصورت انداز ہے؟ کہ ان کی زندگی کے اس پہلو کا تصور آتے ہی قلب وروح میں بالیدگی پیدا ہوجاتی ہے اور ذہن و دماغ میں ایسا نشاطیہ پہلو نمایاں ہوجاتا ہے کہ اس کیفیت سے متأثر ہوکر نوک قلم سے جو لفظ نکلتا ہے بولتا ہوا اور مہکتا ہوا نکلتا ہے اور چاندنی بکھیرتا ہوا نکلتا ہے...... میں سمجھتا ہوں یہ صرف میری ہی کیفیت نہیں ہے بلکہ ان کے ہر ایک سوانح نگار کی ہوتی ہوگی ......ان کی حیات و خدمات پر لکھنے والے لکھ رہے ہیں اور پڑھنے والے پڑھ رہے ہیں مگر ان میں سے کسی کو سیری نصیب نہیں ہوئی ہے بلکہ میرا تجربہ یہ ہے کہ جو تشنگی شروعات میں ہوتی ہے اس میں کمی واقع ہونا تو درکنار بلکہ جوں جوں قلمی سفر جاری رہتا ہے اور قلم ودوات کا کارواں جس منزل پر رکتا ہے، اس کی تشنگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہر ایک منزل پر اہلِ قلم کی تشنگی کا یہی عالم ہوتا ہے...... یہ حال اور یہ کیفیت اس کی ہوتی ہے جو اس راہ کا مسافر ہوتا ہے تو پھر اس ذات گرامی کا کیا حال ہوگا جو اس راہ میں شمع کی حیثیت رکھتی ہے......سرکار مفتی اعظم ہند نے اس عمر میں اپنی شخصیت میں بکثرت علوم وفنون کا اضافہ کیا اور فکر وشعور...... تحقیق وتلاش ......اور نقد ونظر سے اپنی شخصیت کو نہ صرف آشنا کیا بلکہ اسے کمال، مہارت اور استادانہ صلاحیتوں سے مالا مال کیا ......اس منزل پر میرے مرشد گرامی کو جس ذات گرامی نے دیکھا وہ حیرت زدہ ہوگیا اور کوئی حیرت میں کیوں نہ پڑتا کہ ان کے سامنے ایک ایسا خوبصورت خوشنما ہیرا تھا جسے کمال فن سے تراشا گیا تھا اور اس کی تاباں کرنیں مختلف سمتوں میں پڑ رہی تھیں۔

دوسرا حصہ......ایام شباب

ایام شباب سے کون واقف نہیں ہے......اس منزل پر آنے کے بعد بہت سارے لوگ بے راہ روی کا شکار ہوجاتے ہیں اور بہت سے لوگوں کی زندگی فتنوں سے دوچار ہوجاتی ہے......یہی وہ منزل ہوتی ہے...... کہ انسان قدم کہیں رکھتا ہے اور پڑتا کہیں ہے۔ اس قسم کی بے راہ روی اس زندگی میں عمومی طور پر پائی جاتی ہے مگر دور حاضر کی تیز رفتار روشنی اور حد سے زیادہ متجاوز ترقی میں یہ بے راہ روی کئی گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے......اس منزل پر وہی سلامت

رہتا ہے اسی کا دامن تار تار ہونے سے محفوظ رہتا ہے جس کی تربیت قرینہ سے کی جاتی ہے اور وہ بھی سلامت رہتا ہے جس کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اہداف اور مقاصد اہم رول ادا کرتے ہیں......اس منزل پر قدم رکھتے ہی بہت سی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوجاتا ہے یعنی خود کی زندگی خود کی نہیں ہوتی ہے بلکہ اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ کسی اور کے لئے نذر ہوجاتا ہے۔ بیوی کے لئے اور بچوں کے لئے...... جہاں انسان کو اور ذمہ داریاں نبھانی پڑتی ہیں وہیں بچوں کے معاملات کی نگرانی بھی ان کی زندگی کا ایک حصہ بن جاتی ہے......میں نے بہت سے انسانوں کو دیکھا ہے جو اس زندگی میں آنے کے بعد مایوسیوں کا شکار ہوجاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی افراد دیکھنے کو ملے ہیں جو اس راہ میں آنے کے بعد ٹوٹ جاتے ہیں اور چور چور ہوجاتے ہیں......

حضور سرکار مفتی اعظم ہند اس زندگی میں بھی کمال رکھتے ہیں اور اس میں جمال و رعنائی، شگفتگی اور حسن و زیبائی لانے میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں......زندگی میں ایسا بھی موڑ آتا ہے کہ انسان کو جانا کہیں ہوتا ہے چلا کہیں جاتا ہے...... یہ اس منزل کی عمومی حالت ہوتی ہے جسے عام طور پر انسان اس منزل کی خصوصیت کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے اور ایسا انسان جو اس عمومی حالت سے اپنے آپ کو سلامتی کے ساتھ بچا کر واپس لے آتا ہے......وہ عام انسان نہیں ہوتا ہے بلکہ انفرادیت کا حامل ہوتا ہے اور ندرت و کمال سے متصف ہوتا ہے......حضور مفتی اعظم نے اپنی زندگی کے اس موڑ کو بھی اوروں کے لئے لائق اتباع کر دیا ہے اور یہ ایسا جمال جہاں آرا ہے کہ جو قابل رشک جناں ہے......اس منزل پر قدم رکھتے ہی ایک ایسی شخصیت کا تصور ابھرتا ہے جو تقریباً چالیس علوم و فنوں میں مہارت رکھتی ہے......

۱۸ رسال کی عمر میں آپ کی شادی ہوجاتی ہے اس طرح آپ کے اوپر دوہری ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے ......مدرسہ منظر اسلام سے فارغ ہوئے اور اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات بھی انجام دیئے جن لوگوں نے حضور والا سے پڑھا ہے ان کے تأثرات بتاتے ہیں کہ سرکار مفتی اعظم کا انداز تدریس بڑا خوبصورت ہوا کرتا تھا جو سبق پڑھایا کرتے تھے اسے ذہنوں میں

اتار دیا کرتے تھے اور دلوں میں بسا دیا کرتے تھے...... سبق پڑھا دینا کتابوں کو سمجھا دینا تو آسان بات ہے لیکن فن کے تقاضوں کو پورا کر دینا اور اسے طلباء کی شخصیت کا ایک اہم حصہ بنا دینا...... بہت بڑی بات ہے یہی سرکار مفتی اعظم ہند کا کمال تھا...... اور لاجواب ہنر تھا......

صوفیانہ زندگی کے تاباں نقوش میں سے ایک نقش تاباں یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس قسم کی زندگی کے مالک ہوتے ہیں...... وہ اپنے اندر استفادہ کی توانائی زیادہ پاتے ہیں...... اس میں صرف توانائی اور طاقت ہی نہیں پائی جاتی بلکہ اس تعلق سے ملکہ بھی پایا جاتا ہے...... اس بات کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی کے پاس بندوق ہو اور وہ اس بندوق کو چلانا نہیں جانتا ہے تو ظاہر سی بات ہے اس کے پاس بندوق رہنے سے فائدہ کیا ہے؟ اس کے برخلاف جو چلانا جانتا ہے اس کے پاس بندوق رہنے سے بہت زیادہ فائدہ ہے...... یہی صورت اس کی ہوتی ہے جو صوفیانہ زندگی رکھتا ہے وہ استفادہ کا بھی مالک ہوتا ہے اور افادہ کو بھی خوب جانتا ہے حضور سرکار مفتی اعظم کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں...... استفادہ بھی اور افادہ بھی ...... انہیں دونوں قوتوں کے نتیجے میں آپ کی شخصیت میں فہم و ادراک...... قوت اظہار اور ابلاغ کا کمال پایا جاتا تھا۔ ابھی آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال کی ہے دارالافتاء پہنچے اس وقت حضور ملک العلماء فتاوی رضویہ کا مطالعہ فرما رہے تھے اس سے آگے دیکھیے حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

نوعمری کا زمانہ تھا۔ میں کسی کام سے دارالافتاء گیا دیکھا کہ ملک العلماء فتاوی رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں ...... میں نے کہا تو کیا آپ فتاوی رضویہ دیکھ کر فتوی لکھ رہے ہیں ا......نہوں نے فرمایا...... ہاں ...... میں فتاویٰ رضویہ دیکھ کر فتویٰ لکھ رہا ہوں آپ بغیر دیکھے لکھ دیں تو جانوں ...... مجھے ایک سوال دیا اور میں نے برجستہ جواب لکھ دیا اور سائل کے حوالہ کر دیا...... سائل فتویٰ لے کر امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت میں پہنچے آپ نے فرمایا یہ فتویٰ کس نے لکھا ہے؟ حالانکہ آپ نے تحریر سے پہچان لیا تھا کہ یہ فتویٰ شہزادۂ گرامی کا لکھا ہوا ہے...... سائل نے جواب دیا حضور چھوٹے میاں نے لکھا ہے یہ اس دور کی بات ہے جب

حضور حجۃ الاسلام کو بڑے میاں اور مفتی اعظم کو چھوٹے میاں کہا جاتا تھا......سائل گیا اور مفتی اعظم کو بلا کر لے آیا......جب وقت کے امام اور کشور علم و حکمت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو یہاں کا معاملہ ہی عجیب وغریب تھا......امام وقت کے چہرہ ومہرہ سے بشاشت ٹپک رہی تھی۔ اور خدوخال سے فرحت وانبساط کے انوار چمک رہے تھے۔امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے شہزادۂ گرامی کو سینہ پاک سے لگایا اور جبین ناز کا بوسہ لیا اور اسی دن سے فتوی نویسی کی خدمت بھی آپ کے سپرد فرمادی......اپنے فرزند اصغر کو انعام واکرام سے نوازا اور نام کی مہر بھی بنوا کر دے دی......آپ اس حیثیت سے تقریباً ۱۲/سال تک امام احمد رضا کی صحبت سے استفادہ فرماتے رہے......کسی بڑے کی صحبت پُر تاثیر ہوتی ہے خوشگوار اور فرحت انگیز ہوتی ہے...... یہ بات حقیقت ہے مگر اس کی تاثیری کیفیت میں اس وقت اور بھی زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے...... جب کوئی چھوٹا اپنے آپ کو خالی تصور کرتا ہے یعنی دل کو بھی خالی رکھتا ہے اور دماغ کو بھی......اور جب کوئی چھوٹا بڑے کی بارگاہ میں اس حیثیت سے جاتا ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ہمارے پاس بھی علم ہے فکر ہے اور شعور وادراک ہے...... ہمارا بھی ایک رتبہ ہے...... ایک منصب ہے اور ہم کسی سے کم نہیں ہیں۔ایسی صورت میں بزرگوں کی ذات و شخصیت سے فیض و برکت کے جو چشمے اُبلتے ہیں نہ چھوٹوں کے دل میں پہنچتے ہیں اور نہ دماغ میں ......جس کی زندگی صوفیانہ زندگی ہوتی ہے وہی صحبتوں سے کماحقہ استفادہ کرتے ہیں اور جو نخوت فکر ونظر کا شکار ہوجاتا ہے وہ استفادہ تو درکنار صحبت میں بیٹھنے کے لائق بھی نہیں رہتا ہے......

ایسا انسان کسی کے لئے مفید نہیں ہوسکتا ہے نہ سماج ومعاشرہ کے لئے۔نہ تہذیب وتمدن کے لئے۔نہ خود اپنی زندگی کے لئے اور نہ خود اپنے آپ کے لئے......ایسوں کا وجود ایک ناسور ہوتا ہے جو جماعتی نظام کو رفتہ رفتہ اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔اس کے بول اور اس کی تحریر سے تعفن اُٹھتا ہے......معلوم ہونا چاہیے کہ ایسوں کی غذا کیا ہوتی ہے؟ مرکز سے دوری......بڑوں سے نفرت اور سچوں سے عداوت اور اسلاف کے نظریوں سے انحراف۔

یہ دور بڑا بھیانک دور ہے آج کی فضا شدید ظلمتوں اور تہ بہ تہ تاریکیوں سے عبارت ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ صوفیانہ زندگی اپنائی جائے تواضع اور انکساری سے کام لیا جائے۔ کہا جاتا ہے جب اندھیرے چھاجاتے ہیں اور تاریکیوں کا بسیرا ہوجاتا ہے تو کسی کی صوفیانہ زندگی کا ماہتاب درخشاں ہوتا ہے اور ان کے کردار وعمل ستارے بن کر چمکتے ہیں اور ظاہر ہے اس قسم کی تابانی اور درخشانی صرف مفتی اعظم کی صوفیانہ زندگی میں پائی جاتی ہے تو پھر کیوں نہیں ان کی زندگی کو اپنائیں؟ اور اپنے قلب ونظر میں بسائیں؟

جس کی زندگی صوفیانہ ہوتی ہے...... وہ خدا ترس ہوتا ہے...... اللہ تعالی سے ڈرتا ہے...... امانتوں میں خیانت کرنے سے ڈرتا ہے...... ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے...... وہ اسے بڑی ہی دیانت داری سے دوسروں تک پہنچا دیتا ہے...... حضور مفتی اعظم کی زندگی کا یہ رخ بھی درخشاں دکھائی دیتا ہے...... جب مفتی اعظم کی عمر ۳۰ سال کی ہوئی تو امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ۱۳۴۰ھ میں وصال ہوگیا اس طرح امام اہلسنت کی صحبت میں رہنے کا شرف کس قدر حاصل ہوا؟ اس کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں آخر کے ۱۲ سال یعنی ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ھ تک مکمل طور پر صحبت اختیار کی...... اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں سالوں میں فتوی نویسی کا کام آپ کے سپرد تھا...... ان سالوں سے پہلے کے سالوں میں بھی امام اہلسنت کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے اس دوران جو علمی فنی تہذیبی جواہر پارے دستیاب ہوئے اور امام اہلسنت کی زبان فیض ترجمان سے جو ،،در نا سفتہ،، حاصل ہوا ...... اسے اپنی شخصیت کے تشکیلی عناصر میں شامل کرلیا ...... یہ وہ جواہر پارے اور انوار و لمعات تھے جو دن کے اجالوں میں بھی چمکتے تھے اور رات کی تاریکیوں میں بھی ...... محسوس ظلمتوں میں بھی ان کی تجلیات پائی جاتی تھیں اور غیر محسوس اندھیروں میں بھی ...... انہیں تجلیات کا نتیجہ تھا کہ حضور مفتی اعظم ہند کی صوفیانہ زندگی اجلی تھی اور صاف شفاف بھی ...... شباب کی رعنائیوں اور جوانی کی انگڑائیوں میں ایسی صاف ستھری زندگی کا پایا جانا ایک کرامت ہے اور ایک کرشمہ ہے

الملفوظ کی تدوین

الملفوظ کیا ہے؟ سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مجلسی گفتگو میں جو ارشادات فرمائے ہیں اور زبانی طور پر جو تحقیقات بیان کئے ہیں سرکار مفتی اعظم نے انہیں ارشادات کو جمع فرمادیا ہے جو چار جلدوں پر محیط ہے اور ہر عام وخاص کے یہاں پڑھا جاتا ہے اہل علم اور ارباب دانش نے بھی اسے قبولیت کی نظروں سے دیکھا ہے اور وقت کے محققین نے بھی اسے قلب ونظر میں سما رکھا ہے اس میں ایسے ایسے جواہر پارے اور علمی فنی نکات ہیں جن کے مطالعہ کرنے سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور بھر جاتا ہے اس میں علمی، تہذیبی اور روحانی غذائیت پائی جاتی ہے۔ اس میں کیسے کیسے مضامین پائے جاتے ہیں اس کا اندازہ درج ذیل تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے۔

جامع ملفوظات حضور مفتی اعظم کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ مجلس میں بیٹھنے والے کسی سائل کے سوال کو ''عرض'' اور اعلیٰ حضرت کے جواب کو ''ارشاد'' سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ سوالات کے درمیان کوئی فنی ترتیب نہیں ہے اس لئے اعلیٰ حضرت کے ارشادات علم و فن کے بے شمار اصناف پر مشتمل ہیں اور رنگا رنگ پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح چارسو صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ کتاب میں پھیلے ہوئے ان منتشر مباحث کو مندرجہ ذیل اصناف میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

(۱) حکایات وقصص (۲) معارف قرآن (۳) مباحث حدیث (۴) عقائد و ایمانیات (۵) فقہی مسائل (۶) تاریخ (۷) تصوف (۸) رد فرقہائے باطلہ (۹) ہیئت و فلسفہ (۱۰) بیرونِ ہند کا سفرنامہ۔ (جہان مفتی اعظم ص ۶۸۶)

الملفوظ کے علمی اور فنی ذخائر پر بحث کرنا الگ نوعیت رکھتا ہے۔ لیکن اس پر ایک اور پہلو سے بھی بحث کی جاسکتی ہے۔

الف یہ ارشادات بعینہ امام اہل سنت کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے لفظوں ترکیبوں اور جملوں میں ہیں...... تو پھر ظاہر ہے یہ ان کے روشن دماغ، بلند خیال، متوازن فکر،

گہری سوچ، کشادہ قلبی، سوزش دل، سینہ پر وقار، اور اجلی حیات کے بہتر ترجمان ہیں اور صبح قیامت تک رہیں گے جب الفاظ کسی فرحت انگیز اور نشاط آمیز شخصیت کو چھو کر آتے ہیں تو ان لفظوں میں تاریکی نہیں ہوتی ہے بلکہ ان میں اجلا پن ہوتا ہے اور خوشبوؤں میں بسا ہوا ہوتا ہے اور لفظوں کے جھروکوں سے کسی کی تابشیں دکھائی دیتی ہیں اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے...... یہ الفاظ نہیں ......نور ونکہت کے ابلتے ہوئے چشمے ہوتے ہیں اور خوشبوؤں کے بھنڈار ہوا کرتے ہیں۔ جہاں یہ ہوتے ہیں وہاں خوشبو ہوتی ہے اور انوار وتجلیات پائے جاتے ہیں جن کے قلب ونظر کے آنگن میں ان کا بسیرا ہوتا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتے ہیں یہ لازوال دولتیں اور سرمدی نعمتیں ہوتی ہیں......مقام غور یہ ہے کہ یہ نعمتیں برسوں مرشد گرامی کے قلب ونظر میں رہی ہیں یہی مرشد گرامی کی صوفیانہ زندگی ہے......

ب اور ایسا بھی امکان ہوسکتا ہے کہ کہیں کہیں امام اہلسنت کے الفاظ نہ ہوں مگر یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ سرکار مفتی اعظم نے جن مفہومات کو اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے ان لفظوں کا بھی کرشمہ کم نہیں ہے اس کرشمہ کو بھی ''صوفیانہ زندگی'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس پہلو سے ثابت ہوا کہ ''الملفوظ'' اسی صوفیانہ زندگی کا ''نقش تاباں'' ہے اس کا ایک جمالیاتی پہلو یہ بھی ہے کہ ''الملفوظ'' کو اعتباریت کی سند حاصل ہے وہ یوں کہ یہ امام اہلسنت کے دور حیات ہی میں یعنی ۱۳۳۸ھ میں منظر عام پر آچکا تھا

حضور مفتی اعظم اور ایام کہولت وشیخوخیت

طبعی عمر کے اعتبار سے شباب کے آخری اور شیخوخیت کے ابتدائی سالوں کو ''کہولت'' کا دور کہا جاتا ہے اور یہ دور عمر طبعی کے ۴۰ سال کے بعد شروع ہوجاتا ہے جو ۶۰/سال تک چلتا ہے اور پھر ۶۰ سال کے بعد ''شیخوخیت'' کا زمانہ آجاتا ہے یہ دور پختگی کا دور ہوتا ہے عزم اور حوصلہ کا دور ہوتا ہے۔ عمر میں پختگی کے ساتھ ساتھ ذہن وفکر، شعور وادراک، استعداد و صلاحیت اور فکر وتدبر میں بھی پختگی آجاتی ہے......احساسات وجذبات اور تجربات میں بھی وسعت وکشادگی پیدا ہوجاتی ہے......یہی دور قیادت اور سیادت کا دور ہوتا ہے......یہی زمانہ

کامل استعداد کا ہوتا ہے۔ یہی افادہ واستفادہ کا دور ہوتا ہے......سرکار مفتی اعظم کی یہی وہ زندگی ہے جس سے ہزاروں کو فیض پہنچا ہے لوگوں کو ہدایت ملی ہے اور نہ معلوم کتنوں کو صحیح راستہ ملا ہے آپ کی ذات سے ہزاروں کی پیاس بجھی ہے تشنگی دور ہوئی ہے......اسی دور حیات کو امام اہلسنت کی دعا اور حضرت نوری میاں کی بشارت سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ آپ نے دین کی خدمات انجام دی اور خدا کے بندوں کو اپنے فیوض و برکات سے نوازا ہے......آپ کی صوفیانہ زندگی میں نکھار آیا ہے اور رونق و بہار آئی ہے...... حضور مفتی اعظم احساسات و جذبات، اصول ونظریات اور عملی تجربات کے پیکر تھے اور نور ونکہت کے سراپا تھے اپنے آپ میں ایک انجمن اور محفل خوباں کی شمع تھے۔ دین کی خدمت اور اس کے فروغ وارتقاء میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا......

بیعت وارشاد

فن تصوف کی یہ ایک اصطلاح ہے اور اس کے معنی ومفہوم سے بہت سارے انسان واقف ہیں ۔ نہ صرف اس سے نظریاتی طور پر واقف ہیں بلکہ عملی طور پر بھی اس سے واقف ہیں ......عمومی طور پر کسی پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو ''بیعت'' کہا جاتا ہے بیعت کبھی بھی رسمی انداز میں نہیں ہونا چاہیئے کے رسم بہر حال رسم ہے اس سے کسی بھی صورت میں فلاح و بہبودی اور خیر و برکت حاصل نہیں ہوتی ہے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ رسمی طور پر بیعت ہونے کے بجائے حقیقی طور پر بیعت ہونا چاہیے...... بیعت کا ایک مفہوم اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ باطنی فیوض و برکات کے مضبوط سلسلہ سے اپنے آپ کو منسوب کرنا ہے بیعت کے اس مفہوم کے پیش نظر کچھ مزید باتیں سامنے آتی ہیں جو ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

الف...... ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیئے بلکہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیے جو عالم ہو اور مسائل شرعیہ کو خوب اچھی طرح جانتا ہو اس کی وجہ یہ ہے جب پیر ہی اپنی اصلاح اپنے آپ نہیں کرسکتا ہے تو اس سے کسی اور کی اصلاح کب ممکن ہوسکتی ہے؟

ب......پیر فاسق و فاجر نہ ہو اور کسی بھی صورت میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو کہ کسی کو

پیر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعظیم واجب ہو جاتی ہے۔ جب پیر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو شریعت کی رو سے اس کی تعظیم کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ کسی ایسے کو پیر بنانا چاہیے جس کی تعظیم شرعی اعتبار سے جائز ہو ممنوع نہ ہو۔

ج......سلسلۂ فیوض و برکات ایسا ہو جس سے منسلک ہوتے ہی فیض کا پہنچنا شروع ہو جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب یہ سلسلہ متصل ہو یعنی اس سلسلہ کے مشائخ میں سے کوئی شیخ ایسا نہ ہو جو غیر سنی صحیح العقیدہ ہو کہ ایسی صورت میں سلسلہ فیض رک سا جاتا ہے

حضور مفتی اعظم ایسے پیر اور مرشد تھے جو جامع شرائط تھے اسی لئے ان کی ذات گرامی سے فیض و برکت کا ایک سمندر سا جاری ہو گیا جو بھی ان سے بیعت ہوا وہ نہال ہو گیا اور ان کے عقیدہ و ایمان کی سوکھی کھیتیاں سبز و شاداب ہو گئیں اور عشق و وفا کا اجڑا دیار پھر سے آباد ہو گیا اور دلوں کے آنگن میں پژمردہ کلیاں مسکرانے لگیں اور پھر شگفتہ پھولوں نے جوبن و بہار کو زندہ کر دیا......ہندوستان میں پیر تو بہت ہیں مگر مفتی اعظم جیسا کوئی پیر نہ ان کے دور میں تھا اور نہ ان کے بعد ہوا اور نہ آج کے دور میں ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات گرامی سے فیوض و برکات کا جو سلسلہ جاری ہوا وہ کبھی نہ رکا......اس دریائے فیض سے کتنے لوگ سیراب ہوئے اسے بتانا غیر ممکن نہ سہی مگر مشکل ضرور ہے......سرکار نوری نے جو فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہوا کہ یہ بچہ مبارک بچہ ہے اور اس کی ذات سے ہزاروں فیض یاب ہوں گے۔

کسی سے بیعت ہو جانے کے بعد ذمہ داری کم نہیں ہوتی ہے بلکہ میرا ماننا ہے کہ ذمہ داری اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے پیر کے اوپر بھی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور مرید کے اوپر بھی ...... اسی لئے ''بیعت'' کے ساتھ ''ارشاد'' کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے ارشاد کا صرف یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ کسی مرید نے کچھ پوچھا اور اسے اس کا جواب دے دیا۔ یہ تو نہایت ہی سادہ سی بات ہے اور ایسا تو کوئی بھی کر سکتا ہے......کسی سوال کا جواب دے دینا...... نہایت ہی ہلکی سی ذمہ داری ہے......اصل ذمہ داری تو یہ ہے کہ مرید کے لڑکھڑاتے قدموں کو سنبھال لے......اسی کا نام ''ارشاد'' ہے اس کا کوئی ایک روپ نہیں ہوتا ہے بلکہ مختلف انداز

اور مختلف روپ میں ارشاد پایا جاتا ہے...... جہاں جس روپ کی ضرورت ہوتی ہے اسی کا استعمال کیا جاتا ہے یہ پیر کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرید کی رہنمائی کس طرح کرے گا؟ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیر کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے۔ جیسا وہ کہے ویسا ہی یہ چلے کہ راستہ کے نشیب وفراز کو پیر ہی جانتا ہے اور مرید کے مزاج کو بھی وہی جانتا ہے

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ''ارشاد'' بھی صوفیانہ زندگی کا ایک اہم ''نقش تاباں'' ہے سرکار مفتی اعظم ارشاد کی ذمہ داری کو بہتر انداز میں انجام دیا کرتے تھے کیوں کہ ان کا مبارک دل ''امام احمد رضا فاضل بریلوی '' کے ''سنہری ارشادات'' سے تاباں اور درخشاں تھا......

حضور مفتی اعظم ہند کی ''صوفیانہ زندگی'' کے نقوش ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان سب کا احاطہ تو مشکل کام ہے اور اس مقالہ میں اس کی گنجائش بھی نہیں ہے...... بہر حال موضوع اور عنوان کے تعلق سے جو باتیں میرے ذہن میں آئیں میں نے انہیں بیان کر دیں...... میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے عنوان کا پورا حق ادا کر دیا ہے کہ یہ عنوان وسیع عنوان ہے...... میرے پاس نہ علم ہے اور نہ لفظوں کا ذخیرہ ہے...... اختتامیہ کے طور پر ایک بات اور کہہ دینا مناسب تصور کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ

صوفی وہ ہوا کرتا ہے جو حق کی آواز پر لبیک کہتا ہے جو نہ خطروں کو دیکھتا ہے اور نہ مشکلات سے گھبراتا ہے بلکہ اپنی جان کو جوکھم میں ڈال کر دین کی حفاظت کرتا ہے اور بے خطر ہوکر نمرود کی آگ میں کود جاتا ہے...... ۱۹۴۷ء میں انگریزوں کے تسلط سے ہمارا ملک آزاد ہوا...... ہم نے اور ہمارے وطنی بھائیوں نے سوچا تھا کہ اب ہم کھلی اور صاف ستھری فضا میں سانس لیں گے ...... ہوا یہ کہ مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے کی تحریک چلائی گئی ...... جسے تحریک شدھی کا نام دیا گیا...... یہ مذموم رویہ ہندوستانی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے اس آندھی کو روکنے کیلئے کون سامنے آیا؟ اور کس نے اپنی ایمانی اور روحانی طاقت وتوانائی سے ظالموں کے پنجوں کو روک دیا...... یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں مگر یہ

بات طے ہے کہ اس ظلم کو وہی روک سکتا ہے جو صوفی با صفا ہوتا ہے اور دشمنوں کے نرغہ میں وہی مسکرا سکتا ہے جو حق آشنا اور عارف باللہ ہوتا ہے...... وہی سینہ سپر ہوسکتا ہے جو حسینی کردار کا حامل ہوتا ہے...... ایسا انسان واقعی طور پر اپنے دور میں افضل ہوتا ہے اور اشرف واعلیٰ ہوتا ہے اور جو اپنی جماعت کا معتمد علیہ ہوتا ہے اور جس کی زندگی ''صوفیانہ زندگی'' ہوتی ہے ...... دعا ہے مولیٰ تعالیٰ میرے قرطاس وقلم کو قبولیت عطا کرے اور میری تحریروں میں جان ڈال دے آمین...... آمین...... ثم آمین

a a a a a

☆حضرت علامہ شبنم کمالی

ہم شبیہہ غوثِ اعظم حضور مفتیٔ اعظم

وہ حضرات جنہوں نے حضور مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے ایّام دیکھے ہوں گے تو وہ تو کب کے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ اب ان کی بیان کردہ روایتیں ہی مل سکیں گی۔ جن لوگوں نے ان کی جوانی کے ایّام دیکھے، ان میں ممکن ہے کچھ لوگ ابھی بہ قیدِ حیات ہوں اور وہ اب بھی اپنا بیان دے سکیں۔ مگر آپ کی ضعیفی و پیری کا عالم اور قبل وفات کے آخری ایّام کا مشاہدہ کرنے والے تو ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، مگر وہ صاحبِ علم حضرات ہیں تو انہیں بھی کچھ کرنا چاہیے۔ بہت سے لوگ اپنی پوری ذمے داری اور ایمان داری کے ساتھ مفتیٔ اعظم کی سیرت اور کارناموں کی ترتیب میں مصروف ہیں۔ بعض لوگوں نے کام مکمل بھی کر لیا ہے۔ میں نے حضرت کی سیرت اور کرامت پر بہت سی کتابیں دیکھی ہیں۔ سرِ دست میرے پاس دو کتابیں ہیں۔ ایک کتاب مولانا مفتی شریف الحق امجدی صاحب کی ہے۔ ''مفتیٔ اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینہ میں'' جو محض ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے مگر مختصر ہونے کے باوجود جامع سیرت اور حالات کو حاوی ہے۔ دوسری تحقیقی کتاب ''حیاتِ مفتیٔ اعظم'' ہے۔

مرزا عبد الوحید بیگ رضوی نے حیاتِ مفتیٔ اعظم کے نام سے تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مفتیٔ اعظم کی حیات اور کارناموں کو جمع کر دیا ہے۔ جسے آٹھ حصوں میں تقسیم کرنے کا خیال ظاہر فرما ہے، اس کا پہلا حصہ ۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے، جسے جناب حاجی اقبال

احمد نوری صاحب نے ادارہ تحقیقاتِ مفتیٔ اعظم ہند بازار صندل خاں بریلی شریف سے ۱۹۹۰ءمیں شائع کیا ہے۔

میں نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کے بارے میں تین مقالات لکھے ہیں۔ پہلا مقالہ ''یادوں کے چراغ''، جو رسالہ رفاقت پٹنہ کے مفتیٔ اعظم نمبر میں شائع ہوا۔ دوسرا مقالہ ''مفتیٔ اعظم کی خصوصیات'' جو استقامت کانپور کے مفتیٔ اعظم نمبر میں شائع ہوا اور اسی سے رسالہ حجازِ جدید دہلی نے اپنے مفتیٔ اعظم نمبر میں شائع کیا اور تیسرا مقالہ ''مفتیٔ اعظم کی روحانیت'' (یا روحانی خدمات) کے عنوان سے رسالۂ اعلیٰ حضرت بریلی شریف کے مفتیٔ اعظم نمبر میں اشاعت پذیر ہوا۔ ابھی لکھنے کے لیے اور بھی عنوانات میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ ادھر میرے حقیقی ماموں زاد بھائی عزیزی مولانا رحمت اللہ صدیقی سلمہ المولی القوی نے ''پیغامِ رضا'' کے مفتیٔ اعظم نمبر کے لیے مجھ سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی لیکن پیغامِ رضا کے مفتیٔ اعظم نمبر کی کتابت آخری مرحلے میں ہے، اسے جلد سے جلد طباعت و اشاعت کی منزلوں سے گزارنا ہے۔ یہاں میرا یہ حال کہ مصروفیاتِ کثیرہ ہیں اور وقت بہت ہی کم ہے اس لیے قلب و دماغ نے جس بات کے لکھنے پر اتفاق کیا میں نے قلم کو آمادہ کرلیا۔ یہ سوچ کر کہ میرا نام بھی حضرت کے مدحت نگاروں کی فہرست میں آجائے۔ کچھ حاضر ہے، مقصد محض حصولِ سعادت ہے۔

اسمِ گرامی:۔ میں نے سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اب تک خواب کی حالت میں نہیں دیکھا لیکن حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو بار بار بیداری میں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا اور کلام کرنے اور سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس مقالے کے لیے کتابوں سے مستند روایتوں کی مدد لینی پڑی۔

اعلیٰ حضرت مارہرہ مطہرہ میں قیام فرماتے وہیں ایک رات درمیانی شب میں ایک عظیم اور مبارک خواب دیکھا۔ خواب کی تعبیر آپ پر القا ہوئی تھی۔ وضو کر کے شکرانے کی دو رکعت نماز ادا کی۔ دونوں رکعتوں میں سورۂ رحمٰن کی تلاوت مکمل فرمائی، دعا کے بعد اپنے اس

پیدا ہونے والے بیٹے کا نام آلِ رحمٰن تجویز کرلیا۔ مگر اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا لیکن اللہ والوں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔ اسی لیے اپنے عہد کے ایک اہم ترین بزرگ سیّد المشائخ سیّدنا ابوالحسین احمد نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ نے بعد نمازِ فجر مسجد سے باہر نکلتے وقت مارہرہ شریف ہی میں اعلیٰ حضرت کو خوشخبری دیتے ہوئے کہا تھا، ''مولانا صاحب آپ بریلی تشریف لے جایئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک مبارک و مسعود فرزند عطا فرمادیا ہے، نومولود کا نام آلِ رحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی رکھنا۔ میں بریلی آکر اپنے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کردوں گا۔'' حضرت نوری میاں پر اعلیٰ حضرت کا آلِ رحمٰن نام رکھنا منکشف تھا جبھی تو آلِ رحمٰن میں اضافہ کے ساتھ اس نام کے رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ پھر عقیقہ کے وقت اعلیٰ حضرت نے اپنے اس بیٹے کا عقیقہ ''محمد'' کے نام پر فرمایا۔

پھر فتویٰ نویسی کے وقت حضور مفتیٔ اعظم کو اجازت دے کر اعلیٰ حضرت نے جوان کے نام کی مہر بنوادی تھی وہ مکمل اس طرح تھی ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آلِ رحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا'' اعلیٰ حضرت نے اس کام میں اوّلیت حضرت مولانا سیّد ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہٗ العزیز کے عطا کردہ نام کو دی اور اپنی طرف سے دیا ہوا نام بعد میں ملا دیا۔ یہی مقامِ ادب بھی تھا جو اعلیٰ حضرت کا خاصہ اور طرۂ امتیاز تھا۔

مشابہت غوثِ اعظم

حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبدالقادر ہے مگر محی الدین جیلانی بھی نام کا ایک جزو بن کر علَم خاص کی صورت اختیار کرگیا ہے۔ اس طرح حضور غوثِ اعظم کے اسمِ مبارک ''محی الدین جیلانی'' کے ساتھ حضور مفتیٔ اعظم کے نام کی مشابہت ظاہر ہوگئی۔ امام العارفین، قدوۃ السالکین سیّدنا ابوالحسین نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ نے مفتیٔ اعظم کا یہ نام بے سوچے سمجھے نہیں رکھا تھا۔ عالمِ کشف میں حال و مستقبل سے آگاہی کے بعد صورت وسیرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے غوثِ اعظم کے ساتھ مشابہت دیکھی ہوگی۔ جب ہی یہ مبارک نام زبان پر آیا ہوگا۔ پھر جب حضور نوری میاں مارہرہ مقدسہ سے بریلی شریف تشریف لائے، اس

وقت مفتیٔ اعظم کی عمر شریف چھ ماہ اور تین دن کی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے مفتیٔ اعظم کو حضرت کی گود میں دیا تھا، حضرت نوری میاں دیر تک پوری توجہ سے دیکھتے رہے پھر پیشانی چوم کر امام احمد رضا سے فرمایا تھا، ''مولانا یہ مادرزاد ولی ہے۔ برکتوں کے اعتبار سے ابوالبرکات ہے اور مرتبہ فنائیت میں محی الدین جیلانی ہے۔''

۲۵/ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ کی مبارک تاریخ کا یہ عظیم واقعہ اس لحاظ سے اور بھی باعظمت بن جاتا ہے کہ اسی تاریخ میں حضرت نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ نے حضور مفتیٔ اعظم کو بیعت کر کے تمام سلسلوں کی اجازت وخلافت سے نوازا تھا اور اِس موقعہ سے بھی ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے اسمِ گرامی سے موسوم فرمایا تھا۔ پھر اس نام رکھنے کی وجہ بھی بتا دی تھی۔

خود اعلیٰ حضرت نے بھی پیار سے فرزند کو مارہرہ مطہرہ سے واپسی کے بعد پہلی ملاقات یا پہلے دیدار میں ''خوش آمدید ولیٔ کامل'' کے جملہ سے مشرف فرمایا تھا۔ اسے باپ بیٹے کی بات کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ولی را ولی می شناند، ولی کو ولی پہچانتا ہے کے مقولے پر محمول کیا جائے گا لیکن حضرت نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق، تائید اور تشریح کو عرفانی اور روحانی سند سمجھ کر اپنی خوبیٔ قسمت پر اعلیٰ حضرت نے بھی ناز فرمایا ہوگا۔

پھر اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے پیارے فرزند کو جملہ سلاسل کی اجازت وخلافت دے کر قیدِ مکرر یا لطف پیہم کی لذت اور عزت عطا فرما دی تھی۔

نیابتِ غوثِ اعظم

سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبتِ خاص، عقیدتِ قلبی اور محبتِ صادقہ کی وجہ سے حضور مفتیٔ اعظم کو غوثِ اعظم نے وہ اعزاز وشرف بخشا کہ بہت سے ایسے حضرات جو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں مرشد کی تلاش میں سرگرداں تھے انہیں خواب کے ذریعے ہدایت و رہنمائی کی کہ ''بریلی جا کر مصطفےٰ رضا سے بیعت ہو جاؤ وہ ہمارے نائب ہیں۔''

بہت سے خوش نصیب حضرات جنہوں نے خواب میں حضور غوثِ اعظم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ان کا بیان ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری رحمۃ اللہ

علیہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بالکل ہم شبیہہ ہیں۔ قد و قامت میں بھی، شکل و صورت میں بھی مشابہ نظر آئے۔ اس نوعیت کے دو واقعات طمانیتِ قلب اور دلیل کے طور پر پیش ہیں۔

جناب حاجی محمد تقی صاحب جو الہ آباد کے رہنے والے تھے کراچی سے حج کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے۔ جب وہ مدینہ منورہ میں پہنچے اور عصر کی نماز مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کے بعد باہر نکلے تو حضور مفتئ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی حالانکہ اس سال حضور مفتئ اعظم بریلی شریف ہی میں قیام پذیر تھے۔ مفتئ اعظم اپنے ساتھ پھر مسجد نبوی میں لے گئے، اس کے بعد ان کو آنکھیں بند کر لینے کا حکم دیا۔ آنکھیں بند کیں، نصیبہ جاگا، سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے مزارِ اقدس کے سامنے اپنے کو موجود پایا۔ غوثِ اعظم مزارِ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ غوثِ اعظم کا دیدار ہوا، دیر تک زیارت کا شرف حاصل رہا۔ پھر غوثِ اعظم ان کا ہاتھ پکڑ کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی دربار میں لے گئے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ دل آرا سے آنکھیں مشرف ہوئیں۔ پھر جب عالمِ مسرّت و شادمانی میں نعرۂ یارسول اللہ لگانے کے بعد آنکھیں کھلیں تو حضور مفتئ اعظم کا خیال آیا مگر ان کو موجود نہ پایا۔ یہی جناب حاجی تقی صاحب بڑے ہی اعتماد اور وثوق کے ساتھ کہتے تھے کہ حضور سیّدنا غوثِ اعظم اور حضور مفتئ اعظم میں ایسی کامل مشابہت ہے جیسے آئینہ میں صورت دیکھنے والا اپنے عکس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ گویا یہ اپنا آنکھوں دیکھا حال بتا رہے ہیں۔

الحاج حافظ نواب رحمت نبی خاں صاحب بریلوی مرحوم نے مرشدِ کامل کی تلاش میں بغداد کا سفر کیا۔ دربارِ غوثِ اعظم میں حاضری دی اور رہبری کی درخواست کی۔ خواب میں حضرت سیّدنا غوثِ اعظم نے نواب صاحب کو مخاطب فرما کر حضور مفتئ اعظم کی جانب اشارہ کیا اور یہ کہا کہ جا کر ان سے بیعت ہو جاؤ، یہ میرے نائب ہیں۔ اس طرح خواب میں غوثِ اعظم اور مفتئ اعظم دونوں کو دیکھا۔ سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں ۱۹؍ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ کو حضور مفتئ اعظم کی بارگاہ میں حاضری دے کر بیعت و ارادت کا شرف حاصل کیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ نواب رحمت نبی خاں صاحب نے اپنی تصنیف ''شیخ عالم درقبائے

مفتیٔ اعظم‘‘ میں بھی کیا ہے اور لوگوں سے اکثر خود بھی بیان فرمایا۔

اسی طرح وہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ جب حضور مفتیٔ اعظم کسی کو بیعت فرماتے تھے تو یہ کہتے تھے ’’کہو میں نے اپنا ہاتھ غوثِ اعظم کے ہاتھ میں دیا۔‘‘ ایک مرید کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ میں ہاتھ تو دے رہا ہوں مفتیٔ اعظم کے ہاتھ میں، پھر یہ جملہ کیسے بولوں جب کہ حضرت ہی نے ہمیشہ سچ بولنے کی تاکید کی ہے۔ اس خدشے کا ازالہ حضور مفتیٔ اعظم نے یوں فرمادیا کہ قادری حسن و جمال اور نقش نگار کو نمایاں کر دیا۔ پھر غوثِ اعظم کا جلوہ مفتیٔ اعظم کے سراپا میں اور بھی واضح ہو گیا۔ اس طرح فنافی الغوث کا حسین منظر بھی اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ بزرگانِ دین اولیاء اللہ کے یہاں کبھی کبھی ایسے مناظر بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں کہ توجہ خصوصی سے من وتو کا فرق اور عمر کی کمی بیشی کا فرق آنِ واحد میں ختم ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے حضور مفتیٔ اعظم نے مرید کے خطراتِ قلبی سے آگاہ ہو کر اسی طرح کی توجہ خصوصی فرمائی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

سیر الارض

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں مستند طریقہ سے یہ روایتیں آئی ہیں کہ وہ ایک ہی وقت میں کئی کئی جگہ تشریف فرما ہوتے تھے اور مصیبت زدہ لوگوں کی دستگیری فرماتے تھے۔ خاص کر ایک رمضان المبارک میں افطار کے موقع سے ستّر افراد کی دعوت قبول کرنا، سب میں شرکت فرمانا، سب کے گھر جانا، پھر اپنی خانقاہ میں ہی موجود رہنا بہت ہی مشہور کرامت ہے۔ شبیہہ غوثِ اعظم حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی زندگی میں اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو اہل علم، خداترس اور تقویٰ شعار حضرات سے تقریری اور تحریری طور پر معلوم کر کے احاطۂ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ اس کرامت کو سیر الارض کہتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ العالی وہ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے گیارہ سال چند مہینے مفتیٔ اعظم کے دولت کدے پر قیام فرمایا۔ سفر، حضر میں اکثر و بیشتر ساتھ رہے، وہ بھی ۳۵ رسال کی عمر سے ۴۶ رویں سال کی عمر تک جو نہایت ہوشمندی کی عمر

ہوتی ہے۔ مفتی صاحب نے اپنی کتاب ''مفتیٔ اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینہ میں'' حضرت عالی مرتبت مفتیٔ اعظم کے سیر الارض کے دو واقعات تحریر فرمائے ہیں۔ اس میں ایک تو شنیدہ ہے مگر وہ بھی اس شخص سے جس کے ساتھ حالتِ حج میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ دوسرا واقعہ چشم دید ہے جو عرسِ رضوی کے موقع سے مفتیٔ اعظم کے اپنی قیام گاہ کی طرف چلے جانے اور پھر خانقاہ کی بالائی چھت سے اترنے کے متعلق ہے جس واقعہ نے مشاہدین کو حیرت زدہ اور دم بخود کر دیا تھا۔ ان حیرت زدہ لوگوں میں حضرت مولانا شریف الحق صاحب خود بھی تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے مصنفین حضرات نے بھی بہت سے واقعات اس سلسلے میں تحریر فرمائے ہیں کچھ ''حیاتِ مفتیٔ اعظم'' میں بھی موجود ہیں۔ میں یہاں کسی بھی واقعہ کو لکھ کر اپنی باتوں کو طویل کرنا نہیں چاہتا۔ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم کو اللہ تعالیٰ نے سیر الارض کا کمال بھی عطا فرمایا تھا۔ وہ بیک وقت بریلی شریف اپنی قیام گاہ میں موجود رہ کر مکّہ مکرمہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں ارکانِ حج ادا کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ مدینہ منورہ میں سرکار ابد قرار کے روضۂ پُرانوار پر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے بھی نظر آئے۔ شناسا لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں، باتیں ہوئیں، پھر ان ہی لوگوں نے ذکر بھی فرمایا۔

جے پور، راجستھان میں ایک ہی وقت دو صاحبان کے یہاں دعوت میں شرکت بھی فرما رہے ہیں۔ پھر اپنی قیام گاہ میں تشریف فرما ہو کر اسی رات کلکتہ میں موجود رہ کر اپنے مرید کے بیٹے کو آزاد کرا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک ہی دن میں جب کہ آپ کوہِ بھوانی پر مقیم ہیں وہ ۶/رجب کی تاریخ ہے اسی دن حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے عرس کے موقع سے اجمیر شریف میں قل وفاتحہ کی تقریب میں شریک ہیں۔ یقیناً یہ واقعات حضور غوثِ اعظم کے ساتھ کرامت میں بھی مشابہت پر دلالت کرتے ہیں۔

علوم وفتاوے

حضور مفتیٔ اعظم نے ۱۸/سال کی عمر سے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور ایک لاکھ سے زائد فتاوے تحریر کیے۔ آپ کے فتاوے کی دو جلدیں ''فتاویٰ مصطفویہ'' کے نام سے شائع ہو چکی

ہیں، بقیہ منتظرِ اشاعت ہیں۔ چالیس علوم میں آپ کو دسترس اور مہارت حاصل تھی۔ ان علوم کو آپ نے اپنے والدِ محترم امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سے اور دیگر اساتذہ کرام سے حاصل فرمائے تھے۔ پھر آپ ان تمام علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہو گئے۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد بھی تیس بتائی گئی ہے۔ مگر آپ کے بہت سے فتاوے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ابھی میرے پیشِ نظر حضور مفتیٔ اعظم کا ایک فتویٰ ''کتابچہ'' کی صورت میں موجود ہے جس کا نام ''مسئلہ اذانِ ثانی'' ہے اس کے اندازِ تحریر، حسنِ بیان، دلائل کی پختگی، احقاقِ حق اور اعلیٰ حضرت پر یہ الزام کہ آپ نے کئی ہزار مسلمانوں کو کافر بنایا اس کی تردید اور رفعِ الزام اتنے مختصر اور جامع طور پر پیش کرنے ہی پر بحث کی جائے تو ایک ضخیم اور مستقل کتاب ہو سکتی ہے۔

درس وتدریس

حضور مفتیٔ اعظم کی حیاتِ مبارکہ پر نگاہ ڈالی جاتی ہے تو پوری زندگی جدوجہد، تبلیغِ دین، جہاد فی سبیل اللہ، فتویٰ نویسی اور تعویذ نویسی کا مرقع نظر آتی ہے۔ خصوصاً یوپی کے مختلف اضلاع کا سفر، آریہ لوگوں سے مناظرہ، مقابلہ اور مجاہدہ میں اوقاتِ عزیزہ کا صرف کرنا اور لاکھوں کافروں کو حلقۂ اسلام میں لے آنا یہ حضور مفتیٔ اعظم کا ایسا کارنامہ ہے جس پر حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مکمل چھاپ نظر آتی ہے۔ دبدبۂ سکندری رام پور ۱۹۲۳ء کی فائلیں اس کی آئینہ دار ہیں۔

اِن کاموں سے جو اوقات یا ایّام خالی رہ گئے اور حضور مفتیٔ اعظم بریلی میں قیام فرما رہے تو درس وتدریس کا کام بھی باضابطہ جاری رہا۔ طلبائے عزیز کے درس کی باتیں تو رہنے دیجیے۔ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچا ہوا ہے کہ مدارس بریلی شریف منظرِ اسلام اور مظہرِ اسلام کے اساتذہ کرام نمازِ عشا کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضری دے کر باضابطہ درس کا شرف حاصل کرتے تھے۔ خاص کر اشکال اور عقدۂ لاینحل میں استاذ العلما اور محققِ اعظم کی بارگاہ میں حاضری دے کر معلومات کا خزانہ حاصل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اجِلّہ حضرات بھی

نصف شب سے کچھ پہلے یا بعد میں بارگاہِ مفتیٔ اعظم میں حاضر ہوتے تھے۔ اور زانوئے تلمذ تہ کر کے حصولِ علم سے بہرہ ور ہوتے تھے، اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ہاں اس پر غور کیجیے کہ اس سے حضور مفتیٔ اعظم کی غوثِ اعظم کے ساتھ کس قدر مشابہت نظر آتی ہے۔

کرامتِ عظمیٰ

عَمِ مکرم، استاذِ محترم حضرت الحاج مولانا حافظ صوفی سیّد الزماں صاحب حمدوی پوکھریروی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا ''حضور مفتیٔ اعظم کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ ان کا کوئی قول یا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنّت کے خلاف کبھی نہیں ہوا۔ ان کی زندگی کے شب و روز کے لمحات کو دیکھ کر حضور سرورِ عالم کی سنّتوں کا بہ خوبی علم حاصل کیا جا سکتا تھا، یہی قول دوسرے قابلِ قدر بزرگوں کا بھی ہے۔''

حضور مفتیٔ اعظم کی زندگی سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ایک کھلی ہوئی کتاب تھی۔ وہ تقویٰ اور اتباعِ سنّت کا اس دور میں عظیم شاہکار تھے۔ حضرت کے علم و فضل، اخلاق و کردار، توکل و استغنا، ایثار و سخاوت، مجاہدانہ ریاضت، حق گوئی و بے باکی، تبلیغ دین، حزم و تقویٰ کو دیکھ کر ہر اہل علم اور صاحبِ بصیرت یہ کہنے میں حق بہ جانب ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم واقعی شبیہہ غوثِ اعظم تھے۔ اہل معرفت، صاحبِ کشف اور خواب میں غوثِ اعظم کی زیارت کرنے والے حضرات کو اقوالِ صادقہ کی بنا پر حضور مفتیٔ اعظم صورت اور سراپا میں بھی شبیہہ غوثِ اعظم تھے۔ ''رضی اللہ عنہما''

خلاقِ کائنات ان پر ابدالآباد تک رحمت و انوار کی بارش برسائے اور ان کے فیوض و برکات سے ہم لوگوں کو زندگی کے تمام لمحات میں پھر بعد وفات حشر تک بہرہ ور فرمائے۔ آمین

(بشکریہ: پیغامِ رضا ممبئی کا مفتی اعظم ہند نمبر)

a a a a a

☆مولانا محمد آصف رضا نوری

حضور مفتیِ اعظم ہند اور شانِ انفرادیت

حضور مفتی اعظم ہند کے وصال کو تقریباً ۳۰ ؍سال ہو چکے ہیں ......ان سالوں میں نہ جانے کتنے لوگ اللہ کو پیارے ہوئے ہوں گے؟ اور نہ معلوم کتنے افراد اپنی اپنی قبروں میں آرام فرما ہو گئے ہوں گے؟ مگر ان میں سے بہت کم ہی لوگ ہوں گے جن کا تذکرہ زبانوں پر ہوگا۔اور جن کے ذکر و فکر کی محفلیں سجتی ہوں گی مگر حضور مفتیِ اعظم ہند کو آج تک دنیا نہ بھول سکی ہے اور نہ قیامت تک بھول پائے گی ......اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اوروں کا معاملہ اور ہے اور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کا معاملہ کچھ اور ہے...... ’’یہی کچھ اور‘‘ ان کی شانِ انفرادیت کو ثابت کرتا ہے۔شان انفرادیت کا مطلب ہے...... جو شان عالی وقار سرکار مفتیِ اعظم ہند کو ملی ہے......وہ شان وشوکت کسی اور کو نہیں ملی ......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ شان کون سی شان ہے؟ جو مفتیِ اعظم کو ملی ہے کسی اور کو نہیں ملی ......وہ شان ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

حضور مفتی اعظم اللہ سے خوش تھے اور اللہ پاک ان سے خوش تھا اور جب اللہ پاک کسی بندہ سے خوش ہوتا ہے تو اللہ جبرئیل سے ارشاد فرماتا ہے میں فلاں بندہ سے خوش ہوں تو بھی میرے فلاں بندہ سے خوش ہو جا اور فرشتوں کے درمیاں جا کر اعلان فرما دو فلاں بندہ سے اللہ پاک محبت کرتا ہے اور میں بھی محبت کرتا ہوں اے فرشتوں تم لوگ بھی اللہ پاک کے محبوب بندہ سے خوش ہو جا اور ان سے محبت فرما......فرشتے زمین کے ہر ایک علاقہ میں پھیل

جاتے ہیں اور اس فلاں بندہ کی محبوبیت کا اعلان فرما دیتے ہیں اسی اعلان محبوبیت کا کرشمہ ہے کہ پورے روئے زمین میں حضور مفتی اعظم ہند کی شانِ انفردیت کا ڈنکا بجتا رہا ہے اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک بجتا رہے گا۔ اسی محبوبیت کو ہم شانِ انفرادیت سے تعبیر کرتے ہیں جو حضور مفتیِ اعظم ہند کو حاصل تھی۔ یہ شانِ انفرادیت کسی کو بہ آسانی نہیں ملتی بلکہ اس کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کڑی سے کڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ مشکل سے مشکل آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ عیش و آرام کی زندگی کو چھوڑ کر کانٹوں بھری راہ پر چلنا پڑتا ہے اور انگاروں پر قدم رکھنا پڑتا ہے...... تب کہیں جا کر کسی کو یہ شانِ انفرادیت ملا کرتی ہے۔ اس راہ کا مسافر وہ ہوتا ہے جو شریعت کے قوانین اور اصول کا التزام رکھتا ہے۔ شریعت کا التزام ہی شانِ انفرادیت کا پہلا زینہ ہوتا ہے...... اس کے بعد ہی طریقت کی منزل آتی ہے...... جو شریعت پر عامل نہیں ہوتا ہے...... اسے طریقت کی ہوا بھی نہیں لگتی ہے...... کوئی پہلی منزل پر قدم رکھے بغیر دوسری منزل پر کیسے قدم رکھ سکتا ہے...... حضور مفتیِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ تا زندگی شریعت پر عامل رہے غیر شعوری میں بھی آپ کا کوئی قدم شریعت کے دائرہ سے باہر نہیں نکلا ...... نماز اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے اور ایسا فرض ہے جس کے بجا لانے سے اللہ بھی خوش ہو جاتا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہو جاتے ہیں یہی وہ نماز ہے جس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے اور مومنین کے لئے معراج ہے اور معراج سے یہاں مراد اللہ تعالی کی قربت ہے۔ حضور مفتیِ اعظم ہند کو نماز سے والہانہ محبت تھی جب تک نماز کی ادائیگی نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک آپ کو چین نصیب نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی دل کو قرار ملتا تھا...... دورِ حاضر میں مسلمانوں کی اکثریت سفر میں نماز کا بہت کم اہتمام کر پاتی ہے...... جب کہ حضور مفتی اعظم ہند کا یہ عالم تھا کہ پہلے نماز اس کے بعد ہی سفر ہو...... سفر کے شروع کرنے میں بھی یہی حال تھا درمیان سفر میں بھی اور سفر کے آخری پڑاؤ میں بھی یہی صورت ہوا کرتی تھی...... آپ ٹرین میں سفر کرتے تھے تو جہاں نماز کا وقت ہوتا تھا فوری طور پر ٹرین سے اُتر جایا کرتے تھے اور نماز ادا کرتے تھے۔ اس

کے بعد ہی سفر کیا کرتے تھے۔اس دوران انہیں اس بات کی فکر نہیں ہوتی تھی کہ ٹرین رکے گی یا چلی جائے گی؟......ان کی کتابِ حیات میں اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں اگر ان سب کو اکٹھا کر دیا جائے تو خود ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

حاجت روائی......اس سے مراد اللہ پاک کے بندوں کی ضرورتوں کا احساس کرنا اور اس کے مداوے کے لئے کوشش کرنا ہے......میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہیں صرف اور صرف اپنی ضرورت دکھائی پڑتی ہے ان کی نگاہ میں دوسروں کی ضرورت کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے اسی عدم احساس کا نتیجہ ہے کہ بہت سارے لوگ بھوکے پیاسے، روتے اور بلکتے رہتے ہیں اور مالدار طبقہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر دادِ عیش دیتا رہتا ہے۔ مریدین کہاں جارہے ہیں، کیا کر رہے ہیں؟اور کون کس مصیبت میں گرفتار ہے دور حاضر کے پیروں کو اس کی خبر نہیں...... بلکہ ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنے عقیدت مندوں کی جھرمٹ میں بیٹھ جاتے ہیں اور عیش کوشیوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور دوسروں کے مصائب دیکھ کر بھی ان کے کانوں پر جوئی تک نہیں رینگتی۔حاجت روائی کیا ہوتی ہے انہیں اس بات کی خبر نہیں ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ حاجت روائی ایک ایسا عمل ہے جو اللہ پاک کو محبوب ہے......اس بارے میں حضور مفتیِ اعظم کا عمل یہ ہوتا تھا کہ جس کی جو ضرورت ہوتی تھی حتی المقدور آپ اسے پوری کیا کرتے تھے......حاجت روائی صرف مال سے نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی دولت و ثروت سے ہوتی ہے بلکہ اس کے بارے میں ایک عام نظریہ یہ ہے کہ پہلے حاجت روائی کے مواقع تلاش کیے جائیں کہ حاجت روائی کہاں کی جائے اور کہاں نہ کی جائے ؟ان تمام چیزوں کا علم پیر صاحبان کو ہونا چاہیئے......

حضور مفتیِ اعظم ہند ملک کے کسی بھی گوشے میں جلوہ بار ہوتے ......ان کے قریب حاجت مندوں کا ایک جم غفیر ہوا کرتا......کسی نے کہا: حضور! میرا لڑکا مجھے پریشان کرتا ہے، نہ بات مانتا ہے اور نہ کام کرتا ہے......کوئی عرض گذار ہوتا حضوار! مجھے شوہر پریشان کرتا ہے یا کوئی مرد کہتا ہے حضور! مجھے بیوی پریشان کرتی ہے......ابھی دوسرے کی بات پوری نہیں

ہو پاتی کہ فوری طو پر تیسرا عرض کرتا: حضور! میری یہ چیز کھوگئی ہے...... غرض یہ کہ مداوا کرنے والا ایک ہے کوئی اس کا نائب نہیں......کوئی کمپاؤنڈر نہیں......سننا بھی خود ہی ہے اور مرض کی تشخیص بھی خود ہی کرنی ہے تعویز بھی لکھنا ہے دم بھی کرنا ہے اور پانی پڑھ کر بھی دینا ہے ......یعنی سب کچھ خود ہی کرنا ہے عام حالت میں بھی مداوا کیا جاتا ہے مگر اس میں وہ شان نظر نہیں آتی ہے جس کی ہمیں تلاش ہے......مخصوص حالت میں اور وہ بھی ایسی حالت میں جہاں مداوا کرنا مناسب نہیں اس کے باوجود مداوا کرنا کس قدر شان انفرادیت کا حامل ہے؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے وہ کون سی حالت ہوتی ہے جہاں کسی کی حاجت روائی مناسب نہیں ہوتی ہے؟ اس بابت یہی کہا جاسکتا ہے کہ انسانی حیات میں اس قسم کے واقعات سیکڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

جب کوئی انسان سفر کے لئے پابہ رکاب ہو اور سواری تیار ہو اس وقت انسانی فطرت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ پہلے وہ کام کیا جائے جو سامنے درپیش ہے اور بقیہ کاموں کو التوا میں ڈال دیا جائے......یہی وہ حالت ہوتی ہے جس میں درپیش کام کے علاوہ کسی اور کام کو انجام دینا مناسب نہیں ہوتا ہے اور اس وقت اور بھی زیادہ غیر مناسب ہوتا ہے جب کہ ٹرین کا وقت ہو جائے کہ ٹرین اپنے شیڈول کے مطابق چلا کرتی ہے کسی کا انتظار نہیں کرتی ہے......سیدی حضور مفتیِ اعظم ہند کی عادت کریمہ تھی کہ جب کوئی حاجت منداس حالت میں آتا تو پہلے اس کی حاجت روائی فرماتے ......اس کے بعد ہی سفر کے لئے روانہ ہوتے اس بات کی کوئی فکر نہیں کرتے کہ ٹرین رکے گی یا نہیں، سواری ملے گی یا نہیں؟ جیسا کہ بنارس کا ایک واقعہ ہے کہ

جمعہ کا دن تھا مدنپورہ ہٹیہ والی مسجد میں آپ نے جمعہ کی نماز ادا کی ......کاشی وشوناتھ سے آپ کو بریلی جانا تھا۔ کار مسجد کے دروازہ پر تیار کھڑی تھی اور کاشی وشناتھ کے چلنے کا ٹائم ہو چکا تھا......اتنے میں کچھ لوگ آ گئے کسی کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی، کوئی اپنی گود میں بچہ لیے ہوا تھا اور کسی نے تعویز کی فریاد کی۔ حضور مفتیِ اعظم نے کسی کو منع نہیں فرمایا بلکہ جس کی جو حاجت تھی پوری فرمادی......تعویز دی، دم کیا اور پانی بھی پڑھ کر دیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا

چلو۔ کاشی وشناتھ کے چلنے کا جو ٹائم تھا اس سے آدھا گھنٹہ زیادہ ہو چکا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ مدنپورہ سے جنکشن تک راستہ بھی طے کرنا ہے ...... بنارس کوئی ایسا ویسا شہر نہیں تھا کہ کوئی آسانی کے ساتھ جنکش تک پہنچ جائے۔ بنارس بھیڑ بھاڑ کا شہر ہے اور شہر کا جام ہونا روز کا معمول تھا۔ اہلِ عقیدت کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اب ٹرین نہیں مل سکتی، مگر جب حضور مفتی اعظم ہند جنکشن پہنچے تو ٹرین چلنے کو تیار تھی۔ جو لوگ اسٹیشن تک چھوڑنے گئے تھے انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ ٹرین چھوٹی نہیں تیار کھڑی ہے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ٹرین حضرت ہی کے انتظار میں کھڑی ہو۔ حضرت نے جیسے ہی ٹرین میں قدم رکھا، ٹرین چلنے لگی ...... یہ آنکھوں دیکھا حال ہے۔

کیا یہ محض اتفاق تھا؟ یا اس کے پیچھے بھی کوئی راز چھپا ہوا ہے؟ اگر یہ محض اتفاق ہوتا تو اس طرح کے واقعات ایک دو سے زیادہ وجود میں نہیں آتے اور یہاں کا حال یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات بہت ہیں ...... اس لئے میں اسے محض اتفاق ماننے کو تیار نہیں ...... یا تو یہ کشف پر مبنی ہیں یا پھر آپ کی کرامت ہے اور کشف بھی تو ایک کرامت ہی ہے کہ کشف بھی سب کو حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ اسے ہوتا ہے جو صاحب دل ہوتا ہے جس کا نفس پاکیزہ ہوتا ہے اور جب ذہن وفکر میں انوار و تجلیات چھا جاتے ہیں تب کہیں جا کر کسی کو کشف حاصل ہوتا ہے ''کشف'' کے تعلق سے علامہ جرجانی فرماتے ہیں

الکشف فی اللغظ رفع الحجاب و فی الاصطلاح ھو الاطلاع علی ما وراء الحجاب من المعانی الغیبیة والامور الحقیقیة وجودا شھوداً۔

(التعریفات پی ڈی ایف فائل نمبر ۱۱۷۸)

کشف کا معنی از روئے لغت ''حجاب'' کا اٹھ جانا ہے اور اصطلاح میں پس پردہ کے اُمورِ حقیقیہ اور معانی غیبیہ پر مطلع پانا ہے وجود کے اعتبار سے یا پھر شہود کے اعتبار سے حضور مفتیِ اعظم کو معلوم ہو جاتا تھا کہ ٹرین کی کیا پوزیشن ہے؟ لیٹ سے جائے گی یا پھر ٹائم پر

جائے گی؟ اس لئے آپ مطمئن رہا کرتے تھے اور حاجت روائی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جہاں تک کرامت کی بات ہے اس بابت علامہ جرجانی فرماتے ہیں:

۱۱۷۰ الکرامۃ ھی ظھور امر خارق للعادۃ من قبل شخص غیر مقارن لدعوی النبوۃ... فما لا یکون مقروناً بالایمان والعمل الصالح یکون استدراجاً ومایکون مقروناً بدعوی النبوۃ یکون معجزۃً.

(التعریفات پی ڈی ایف فائل)

کرامت خلاف عادت امور کا کسی شخص کی طرف سے ظاہر ہونا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ظہور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کرنا مقصود نہ ہو بلکہ اس سے ایمان اور عمل صالح کی تبلیغ مقصود ہو اور جس کے پس پردہ ایمان یا عمل صالح نہیں ہوتا ہے وہ کرامت نہیں بلکہ ''استدراج'' ہوتا ہے اور جب اس سے مقصود نبوت کا اثبات ہو تو یہ معجزہ ہے......ٹرین کا نہ چلنا اور کسی کے انتظار میں رک جانا خلاف عادت ہے اس لئے یہ کرامت ہے......ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ جس شخص کے انتظار میں ٹرین رکی ہوئی ہے وہ صاحب ایمان ہے اور عمل صالح والا ہے......ایسی ذات گرامی جس سے کشف اور کرامت کا ظور ہوتا ہے وہ عام انسانوں کی مانند نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کی شان ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے...... لا جواب اور بے مثال ہوتی ہے ......حضور مفتیِ اعظم شریعت کے پابند تھے اور ان کا کوئی بھی عمل شریعت کے دائرہ سے باہر نہیں جاتا تھا نہ شعوری طور پر اور نہ غیر شعوری طور پر......یہی وہ اسباب و علل ہیں جن کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ حضور مفتیِ اعظم انفرادی شان و شوکت کے حامل تھے۔

زمینوں کا جیتنا اور ان پر قبضہ کرنا آسان ہوتا ہے......اس کا سبب یہ ہے کہ زمین گولی اور بارود سے جیتی جا سکتی ہے، فوج اور لشکر کشی سے میدان فتح کیا جا سکتا ہے مگر دلوں کو جیتنے کے لئے نہ گولی کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ بندوق کی ...... گولا اور بارود بھی یہاں کوئی کام نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ دل کوئی میدان نہیں یہ کوئی زمین نہیں اور نہ یہ کوئی علاقہ ہے جسے

جیتنے کیلئے فوج ولشکر کی ضرورت پڑتی ہو۔ دل تو اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس نے سب کو وجود کی نعمت سے نوازا ہے اور جس کے دستِ قدرت نے اپنے کرشموں سے کائنات کے انگ انگ کو حسن وجاذبیت کا آئینہ بنایا ہے......اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ حضور مفتیِ اعظم نے زمین نہیں دلوں کو جیتا ہے اور دلوں کو اپنے قبضہ میں لیا ہے......ان کی ذات ایسی ذات ہے ان کی شخصیت ایسی شخصیت ہے جو دلوں میں بستی ہے اور ذہنوں میں جلوہ بار ہوتی ہے وہ ایک پرنور شخصیت کے مالک تھے۔ اُجالوں کا مخزن تھے۔ علم وحکمت کا سرچشمہ تھے، ندرت وکمال کا آئینہ تھے ......ایسی شخصیت جہاں بھی ہوتی ہے وہ مر کے بھی مرتی نہیں ہے۔ وہ زندہ رہتی ہے۔ مگر کہاں زندہ رہتی ہے؟ ذہن وفکر میں زندہ رہتی ہے۔ شعور وادراک میں زندہ رہتی ہے اور دل کے نہاں خانوں میں زندہ رہتی ہے۔ ان کی زندگی کے ثبوت کے لئے یہ شعر کافی ہے کہ

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

خدا ان کے فیض و برکت کو سلامت رکھے اور یونہی ان کے انوار وتجلیات جاری و ساری رہیں کہ ان کے مزار پاک پر حاضر ہونے کے بعد ایمان کو سلامتی نصیب ہوتی ہے اور عقیدہ میں پختگی آتی ہے اور روح کو تازگی نصیب ہوتی ہے ہم بھی ان کے در کے بھکاری ہیں ...... بڑوں کو دینے کے بعد جو بھی بچ جائے اسی میں سے ایک آدھ دانہ مجھ غریب کو بھی نصیب ہو جائے یہی میرے لئے بہت کچھ ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند زندہ باد ان کی انفرادیت پائندہ باد

a a a a a

☆مولانا احمد رضا نوری عرف بھائی جان

حضور مفتیِ اعظم ہند......جنہیں دیکھ کر خدا یاد آئے

ولی کون ہوتا ہے؟ اور اس کی پہچان کیا ہوتی ہے؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور سب سے نازک تر مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی عام انسان کو اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ کسی ولی کی جانچ کرے اور اس کی پہچان نکال کر لائے کہ ہاں ہاں یہ ولی ہے اور وہ ولی نہیں ہے ......اگر عام شخص کو اس کی اجازت دے دی جاتی ہے تو اس جہاں سے امن وامان اُٹھ جائے گا اور پھر دنیا میں جنگل راج پھیل جائے گا......نہ کوئی کسی کا بن کر رہے گا اور نہ کوئی کسی کو اپنے دامن میں پناہ دے گا......کہ اللہ والوں کو صرف دیکھا جاتا ہے انہیں جانچا نہیں جاتا ہے ......وہ لوگ نادان ہوتے ہیں جو اپنے سے بڑوں کو جانچتے ہیں......اس لئے ہمیں اس بات کا عزم کر لینا چاہیے کہ ہم جانچ کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ ماننے آئے ہیں اور ان کی غلامی اختیار کرنے آئے ہیں۔

اگر ہم کسی کی جانچ کریں بھی تو کس بنیاد پر کریں؟ ہمارے پاس جانچ کرنے کا معیار بھی کیا ہے؟ کیا کرامت معیار ہے؟ نہیں قطعی نہیں! کرامت کسی بھی دور میں ولی ہونے کا معیار ہی نہیں ہے تو پھر آج ہم اسے کس لیے معیار تسلیم کر لیں؟

ہاں ہاں......اس بات کی وضاحت ضرور ملتی ہے کہ ولی وہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے......اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ولی کا کردار وعمل شریعت کا آئینہ ہوتا ہے۔ یعنی پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ان کے وقتوں میں پڑھے۔ واجبات، مستحبات اور سنتوں کو

بجالائے۔ولی کا کوئی عمل ایسا نہ ہو جو خلافِ سنت ہو اور شرعی آداب کے برعکس ہو......ایک شخص حضرت جنید بغدادی کی خانقاہ میں پہنچا ہے اور کئی دنوں تک قیام پذیر رہا۔اس نے حضرت جنید بغدادی کے عمل پر کڑی نگاہ رکھی......قدم کس طرح اٹھتا ہے؟ کیسے اٹھتا ہے؟اور کہاں پڑتا ہے؟نو وارد مسافران تمام چیزوں کو بڑی باریکی سے دیکھتا رہا......تقریباً ہفتہ دس دنوں کے بعد حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا......

حضور مجھے جانے کی اجازت دی جائے میں رختِ سفر تیار کر چکا ہوں۔

حضرت جنید بغدادی نے ارشاد فرمایا:

میرے بھائی اور رک جاؤ اس قدر جانے کی جلدی کیا ہے ابھی تو تم سے کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے تم میری خانقاہ میں آئے تمہارے آنے کا کیا مقصد تھا؟ وہ ابھی تک سربستہ راز بنا ہوا ہے بتاؤ تو سہی۔تمہارے آنے کا مقصد کیا تھا؟ وہ مقصد پورا ہوا یا نہیں اور بغیر مقصد حاصل کئے جانے کی تیاری ہو رہی ہے آخر کیوں؟ اور رکو اپنے مقصد کو حاصل کرو تب جانے کی بات کرنا......

حضرت جنید کی باتوں سے اس نو وارد مسافر کو حوصلہ ملا......ہمت ملی اور اس نے عرض کیا: میرے دل میں مرید ہونے کا شوق ہوا۔میں نے سوچا...... ہرایرے غیرے سے تو مرید نہیں ہوا جا سکتا۔مرید ہونے کے لیے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے اور شیخ بھی ایسا ہو جس کے ساتھ کرامتیں بھی ہوں۔یعنی جس سے کرامتوں کا صدور ہوتا ہو۔اس لیے جب تک اس بات کی تحقیق نہ کرلوں کہ کون ایسا انسان ہے جو شیخ بنائے جانے کے لائق ہے۔شیوخ تو بہت ملتے ہیں مگر کوئی ایسا شیخ نہیں ملتا ہے جو با کرامت شیخ ہو۔میں نے آپ کی خانقاہ میں قیام کیا، آپ کو دیکھا۔آپ کی زندگی کی ساعتوں کو دیکھا اور خوب دیکھا۔مگر مجھے وہ چیز نہیں ملی جسے میں تلاش کرنے کے لیے یہاں تک پہنچا۔مجھے آپ کے یہاں کوئی کرامت نظر نہیں آئی......

حضرت جنید بغدادی نے ان کی باتوں کو سن کر ارشاد فرمایا:

جتنے دنوں تک تم میری خانقاہ میں رہے ان دنوں میں میری کوئی نماز تم نے قضا ہوتے

ہوئے دیکھی؟ عرض کیا نہیں!...... میرا کوئی قدم شریعت کے خلاف اُٹھتے ہوئے دیکھا؟ عرض کیا نہیں!...... میری زباں سے کوئی ایسا کلمہ نکلا جو شریعت کے خلاف ہو؟ عرض کیا نہیں! ...... میں نے کسی ایسی چیز کو دیکھا جس کا دیکھنا شرعی اعتبار سے جا:ئز نہ ہو عرض کیا نہیں۔

بتاؤ اس سے بڑی کرامت اور کیا ہوسکتی ہے؟ حضرت والا کے اس ارشاد گرامی کا اس شخص پر اس قدر اثر ہوا کہ فوری طور پر قدموں پر گر گیا اور عرض کیا حضور غلطی ہوئی۔ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ ولی وہ ہوتا ہے جو کرامت دکھاتا ہے۔ مگر مجھے آج معلوم ہوا کہ نہیں میں غلطی پر تھا بلکہ ولی وہ ہوتا ہے جو شریعت کا پابند ہوتا ہے اور ولی وہ ہوتا ہے جس کا ایک ایک قدم شریعت کے دائرہ میں اُٹھتا ہے...... بس حضور مجھے نشانِ منزل مل گیا اور مقصود حاصل ہوگیا۔ مجھے اب کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے دامن میں جگہ دے دیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے اسے مرید کیا اور اپنے غلاموں میں قبول فرمالیا......

اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ

ولی وہ ہوتا ہے جو پورے طور پر احکام شریعت پر عامل ہو اور اس کا کوئی کام شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو...... اس کے برخلاف جو احکام شریعت کی پرواہ نہیں کرتا ہے نماز اور روزہ سے دلچسپی نہیں رکھتا ہے بلا سے اپنے گروپ اور اپنی جماعت میں کچھ بھی ہو مگر شریعت کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں...... کوئی عزت اور کوئی وقار نہیں

کرامت...... سلوک کی سترہویں منزل ہے جو اس منزل پر فائز ہوتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے کامل نہیں کہ ابھی کمال کے لئے اسے ۸۱ منزلوں کو طے کرنا ہوگا اس کے بغیر کسی کا ولی کامل ہونا دشوار تر ہے۔ ان لوگوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے جو کرامت ہی کو سب کچھ تسلیم کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کل ولایت بس یہی ہے اس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں ہے...... یہ خام خیالی ہے اور اسی کو کمال فن تصور کرلیا گیا ہے یہ تو دور حاضر کا مزاج ہے اس مزاج نے کتنے ہی کامل ولیوں کو ولایت کی صف سے خارج کر دیا اور ناقص کو ولایت کی صف میں شامل کر دیا ...... اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جو سچ ہے اس کا اعتراف کرنا چاہیے اور حق بات

کے کہنے اور ماننے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم اپنی توجہ اس ذات گرامی کی طرف مبذول کرتے ہیں ......حالانکہ میں نے مفتیِ اعظم ہند کو دیکھا نہیں ہے مگر انہیں ضرور دیکھا ہے جنہوں نے مفتی اعظم کو دیکھا ہے، جنھوں نے حضور مفتی اعظم کی صحبت پائی ہے......میرے والد ماجد پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت مولانا لیاقت رضا صاحب نوری مفتیِ اعظم کے مرید و خلیفہ ہیں۔اور حضور مفتی اعظم ہند کی صحبت بابرکت میں ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ گذرا ہے۔

ان کی زبانی میں نے سنا ہے کہ مفتیِ اعظم کی ذات ایسی ذات تھی اور ان کی شخصیت ایسی شخصیت تھی جسے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا......اور بہت بھٹکے ہوئے لوگ آپ سے ہدایت پاتے تھے......اور تشنہ لبوں کو شاد کامی مل جایا کرتی تھی......اور ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں ہے کہ یہ باتیں مسلمات میں سے ہیں......کہ جہاں شمع جلتی ہے وہاں پروانوں کا ہجوم ہوجاتا ہے۔ جہاں چشمہ ہوتا ہے پیاسے وہیں اکٹھا ہوتے ہیں۔خوشبو اپنے وجود کا اعلان نہیں کرتی۔ جب چمن میں گلاب کھلتا ہے تو اس کی خوشبو سے پورا چمن مشکبار ہوجاتا ہے۔

اہلِ علم اور صاحب رشد و ہدایت اس بات سے واقف ہیں کے مفتیِ اعظم کے حریم دل میں کون جلوہ نما تھا ......؟ ہاں یہ وہی تو ہے جو شخصیت کو تابناک بنا رہا ہے اور استعدادوں کو پُر ضیا کر رہا ہے......ان کے مبارک سینہ میں دل نہیں ایمان دھڑکتا تھا......عشق و عرفان اور ذکر و فکر دھڑکتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہو؟ ......حضور مفتی اعظم کی پیشانی میں حق کی تجلّی کو بآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔حضور مفتی اعظم ہند عارف باللہ، حق آشنا اور اسرارِ الٰہی و محبت رسالت پناہی کے پیکر مجسم تھے......بلکہ میں کہتا ہوں کہ مفتیِ اعظم ہند ان عظیم افراد میں سے ایک تھے جن کے دلوں میں اللہ پاک نے ایمان کو نقش فرمادیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے **اولٰئك کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منه** ......جس کے دل میں ایمان نقش ہے اور ایمان کا مطلب توحید اور رسالت بھی ہے تو ظاہر سی بات ہے جو ان کے قریب جائے گا وہ توحید اور عشق کے جلوؤں سے نہال ہوجائے گا اور ایمان کے نور سے اس کا سینہ معمور

ہوجائے گا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور مفتیِ اعظم ٹرین سے سفر فرما رہے تھے۔ آپ نیچے کی سیٹ پر جلوہ بار تھے اور ایک پنڈت جی بھی اسی بوگی اور اسی کمپاؤنڈ میں اوپر والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اس کے چہرے سے حیرت کا اظہار ہونے لگا اور متعجبانہ انداز میں کسی آواز کی طرف کان لگانے لگے...... جب اسے اپنی منزل کا نشاں نہ مل سکا تو پنڈت جی اپنی سیٹ سے نیچے آئے اور حضور مفتیِ اعظم ہند کے قریب بیٹھ گئے...... بیٹھتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا کہ اسے اپنی منزل مل گئی ہے۔ تھوڑا اور قریب ہوئے اور اپنا کان حضرت والا کے سینۂ مبارک کے قریب کرتے ہوئے کہا: مولوی صاحب! یہ آواز کیسی ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ کے ذکر کی آواز ہے، جو عشق مولیٰ میں دھڑکتا رہتا ہے...... پنڈت جی نے کلمۂ حق پڑھا اور اسلام کے دامن میں داخل ہو گئے...... اس سفر میں آپ کے خادم ''بابو میاں'' تھے۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ حضور مفتیِ اعظم کی وہ عظیم شخصیت تھی جنہیں دیکھتے ہی خدا یاد آجاتا تھا...... کسی کے ولی ہونے کی یہی تو پہچان ہے۔ اس سے اور زیادہ جامع و مانع پہچان اور کیا ہوسکتی ہے...... خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس پاک پروردگار نے ایسا قائد و رہنما دیا جو اپنے دور میں مرشد اعظم تھا اور ولی کامل تھا...... اور آپ کی سب سے بڑی کرامت پابندیِ شریعت تھی اور جواز کے مواقع پر بھی تقویٰ پر عمل فرماتے تھے۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنے دور میں سب سے بڑے متقی تھے۔ اس لئے خدا کی بارگاہ میں مکرم تھے کہ جو جتنا بڑا متقی ہوتا ہے اُتنا ہی بڑا مکرم ہوتا ہے...... ہمیں ناز ہے اپنی جماعت پر کہ اس کی پاسبانی سرکار اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم فرما رہے ہیں ...... اس لئے ہم اعلیٰ حضرت والے ہیں اور مفتی اعظم والے ہیں......

اعلیٰ حضرت کے جو نقشِ کفِ پا تک پہنچے — وہ بایں سلسلہ محبوبِ خدا تک پہنچے
دیدہ و دل جسے کرنا ہو منور لوگو — وہ بریلی کی ضیا بار فضا تک پہنچے
ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس دہر میں تھک جاؤ گے — ایسا مرشد نہ زمانے میں کہیں پاؤ گے

جب کبھی شہر بریلی کی طرف جاؤ گے ان کے روضے پہ مدینے کی ہوا کھاؤ گے

ہمیں ناز ہے اس بات پر کہ ہماری پاسبانی اعلیٰ حضرت اور مفتیِ اعظم کے مقدس ہاتھوں میں ہے۔ جب ان دونوں کی پاسبانی ہے تو پھر ہمارا کون کیا بگاڑ سکتا ہے؟ اور کس کے بازو میں اتنی ہمت ہے؟ جو کوئی ہمارا بال بیکا کر سکے؟ کس کے منھ میں زباں ہے؟ جو کچھ بول سکے...... اس کے باوجود اگر کوئی کچھ بولتا ہے تو پھر دین اور دنیا میں خسارہ اس کا نصیب ہے ...... حق سے بدک کر کوئی کہاں جا سکتا ہے؟ جہاں بھی جائے گا وہیں سے دھتکار ملے گی۔ محرومیت اور یاسیت اس کے ساتھ رہے گی اس لئے کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر وہی سکّہ چلتا ہے جو بریلی میں ڈھلتا ہے اور جس پر اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند کی مہر ہوتی ہے۔ ہمیں افسوس ہے ان لوگوں پر جو اعلیٰ حضرت سے اپنی وفاداری تبدیل کر رہے ہیں اور جدید روشنی کی سمت بڑھ رہے ہیں۔ یہ جدید روشنی سراسر تاریکی ہے، اندھیرا ہے۔ اور عشق وعرفان سے دور کرنے والی ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت حق کا مینار ہے۔ جو اس مینار سے کد رکھے گا وہ اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔ اور دارین کی روسیاہی اس کے گلے کا ہار بن جائے گی۔

حضور مفتیِ اعظم ہند اللہ کے ولی کامل تھے...... مرشد برحق تھے...... غوثِ اعظم کا جلوہ تھے...... خواجہ غریب نواز کی کرامت تھے...... اور نوشہِ بزم قادریت تھے...... حضور مفتی اعظم ہند کو ان کے آقاؤں نے خوب نوازا، خوب سنوارا اور انھیں کردار وعمل کے اعتبار سے پوری اُمت کے لیے نمونہ بنایا۔ ان کے آقاؤں نے انھیں خوب فیض یاب کیا۔ اور انھیں قاسم فیض کا منصب عطا کیا۔ یہی وجہ ہے جو ان سے قریب ہوا خلق کا امیر ہو گیا۔

جہانِ مفتیِ اعظم میں بدایوں کے حوالہ سے ایک واقعہ درج ہے:

رئیس نام کے ایک شخص جو بدایوں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اپنے حوالہ سے بیان کیا میں اپنے پاکستانی رشتے داروں کے ساتھ ''حضور مفتی اعظم'' کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت بیعت فرما رہے تھے اور میں چپ چاپ کھڑا تھا...... حضرت نے مجھے دیکھا، میں سہم گیا۔ بغیر کسی ارادہ کے چادر پکڑ لی اور مرید ہو گیا...... مگر دل میں یہ خلجان رہا کہ میں

مرید ہوا یا نہیں؟ اسی کشمکش میں بدایوں آ گیا اور اپنے کاموں میں لگ گیا اس کے باوجود دل کا خلجان اور ذہنی کشمکش بڑھتی رہی۔ ایک شب میں نے خواب دیکھا۔ اور بزرگوں کی ایک لمبی صف دیکھی سب سے آگے سرکار ہیں اور آخر میں مفتی اعظم ہیں، یہ جماعت بڑی نورانی جماعت تھی اتنے ہی میں میری نیند کھل گئی اس خواب کا اثر مہینوں میرے ذہن و دماغ پر رہا ......اس خواب کے بعد میرے دل کا خلجان جاتا رہا۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی میں مرید ہو گیا............

ہندوستان میں سلسلۂ قادریت کی اشاعت و ترویج اور اس کا فروغ وارتقاء جس قدر آپ کی ذات بابرکت سے ہوا۔ شاید ہی کسی کی ذات سے ایسا فروغ ہوا ہو...... یہ صرف یقین ہی نہیں بلکہ تاریخی حقیقت ہے۔ اس حقیقت کا انکار سورج کے وجود سے انکار جیسا ہے۔ اس ترقی یافتہ عہد میں بھی ان کی یادوں کے چراغ سے سینے روشن ہیں۔ ان کی ذات پوری اسلامی برادری کے لیے آئینۂ عمل ہے۔ جو لوگ ان سے سچی عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے مسلک یعنی مسلکِ اعلیٰ حضرت کے سختی سے عامل ہیں ان پر حق کی راہ کبھی اوجھل نہ ہوگی۔ خود والد ماجد کی زندگی کو دیکھتا ہوں تو مجھے رشک آتا ہے۔ ان کے سینے میں حضور مفتی اعظم کی اُلفت و محبت کا چراغ پورے شباب پر روشن ہے اور والد ماجد اُٹھتے بیٹھتے آقائے کریم حضور مفتی اعظم ہند کی مدح سرائی کرتے رہتے ہیں۔ ان کی انھیں خصوصیات کی وجہ سے خلق خدا ہجوم در ہجوم کی شکل میں ان کی سمت جھکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ پوری فیاضی کے ساتھ حضور مفتی اعظم ہند کا فیضان بانٹ رہے ہیں۔ ربّ کائنات ہمیں حضور مفتی اعظم ہند کے غلاموں میں شامل فرمائے اور والد ماجد کے فیضان صحبت سے خوب خوب فیض یاب کرے۔ آمین

a a a a a

☆مولانا محمد آل مصطفیٰ رضوی
مدرسہ رضائے مصطفیٰ محمد پور مبارک پرشوتم پور مظفر پور بہار

حضور مفتیِ اعظم ہند کی حیات کا امتیازی پہلو

ولادت:

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ولادت ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۷؍جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق علامہ حسن رضا خاں قادری کے دولت سرائے اقدس پر رضا نگر محلہ سوداگران بریلی شریف میں ہوئی۔

اسم گرامی:

حضور اعلیٰ حضرت نے آپ کا نام محمد تجویز فرمایا اور اسی نام پر عقیقہ بھی ہوا، جبکہ سید ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز فرمایا۔ والد ماجد نے ہی عرفی نام مصطفیٰ رضا رکھا، اور فن شاعری میں آپ نے اپنا تخلص ''نوری'' پسند فرمایا۔ اور عرفی نام ہی مشہور ہوا۔ بعد میں عرفی نام کے علاوہ مفتیٔ اعظم کا لقب آپ کا علم بن گیا۔ آپ کی تاریخ ولادت **وسلام علی عبادہ الذین اصطفی** (۱۳۱۰ھ) سے نکلتی ہے۔ جس وقت آپ کی ولادت ہوئی والد گرامی کی عمر مبارک تقریباً اڑتیس سال تھی۔ آپ کی ولادت کے بعد والد گرامی کل تقریباً تیس سال (۱۳۴۰ھ) تک حیاتِ ظاہری میں رہے۔ جس وقت آپ کی ولادت ہوئی بڑے بھائی حضرت حجۃ الاسلام کی عمر تقریباً ۱۸؍سال تھی۔ امام احمد رضا نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کو بڑے نازوں سے پالا پوسا، آپ کو اپنے برادر اکبر کی محبتیں بھی میسر رہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، جبھی تو حج بیت اللہ کی جب دعا کی، تو اپنے چھوٹے بھائی کو فراموش نہ کیا۔ ان کے لئے بھی دعا مانگی۔

حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں جب اعلیٰ حضرت دارالافتاء میں تشریف فرما ہوتے۔ تو کبھی کبھی شہزادۂ اصغر حاضر ہوتے، بارگاہِ رضا میں، شہزادۂ رضا کی حاضری کا اتنا پیارا انداز ہوتا کہ قربان ہونے کو جی چاہتا، جو بھی دیکھتا پکار اٹھتا کہ بلاشبہ یہ مادرزاد ولی کامل ہیں، عارف حق آگاہ اور مرشد ربانی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور سے ایسا عرفانی عمل متوقع نہیں ہوسکتا تھا، فرماتے ہیں کہ آہستہ سے آتے، اور دوزانوں مؤدب سرکار رضا میں بیٹھ جاتے، یعنی شریر بچوں کی طرح نہ ہنگامہ کرتے، نہ کاندھوں پر دوڑتے نہ سامان کو اُٹھاتے پھینکتے اور اس وقت آپ کی عمر ۴ رسال کے قریب تھی، سارے احباب و تلامذہ نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ولادت پر امام احمد رضا خاں کو مبارک بادیں پیش کیں۔ امام احمد رضا نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک کرے میں دین کا ادنیٰ خادم ہوں اور میری دلی تمنا ہے کہ میرا بیٹا بھی دین کی خدمت کو ہی اپنا شعار بنائے۔"

ابتدائی تعلیم:

چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں آپ کی رسم تسمیہ خوانی خود امام اہل سنّت نے ادا کی اور حضور حجۃ الاسلام کو آپ کی تعلیم ونگہ داشت کے لئے خاص طور پر متعین کیا۔ تین سال میں تکمیل ناظرہ قرآن کریم کرلیا۔

اساتذہ کرام:

حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اصل تربیت تو اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ سے پائی۔ علوم دینیہ کی تکمیل بھی اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے کی۔ جن دیگر نامور، مشہور زمانہ اور قابل اساتذہ کرام سے خصوصی درس لیا ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

شمس العلماء علامہ ظہور الحسین فاروقی رامپوری، مولانا رحم الٰہی منگلوری، تلمیذ مولانا عبدالعزیز انبیٹھوی مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ مولانا لطف اللہ علی گڑھی، حجۃ الاسلام

علامہ حامد رضا خاں بریلی شریف۔ (حیات مفتی اعظم ہند کی ایک جھلک، مرزا عبد الوحید بیگ، ص ۵، مطبوعہ بریلی)

بیعت وخلافت:

۲۵/ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ چھ ماہ تین یوم کی عمر شریف میں سید المشائخ حضرت شاہ ابو الحسین نوری رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ (حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبد الوحید بیگ)

اجازت وخلافت رضا:

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے نور نظر، لخت جگر، خلف اصغر مفتی اعظم کو جمیع اور ادواشغال، اوفاق واعمال اور جمیع سلاسل طریقت میں ماذون ومجاز بنایا۔ (محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین، جلد ا، ص ۶۷، مطبوعہ لاہور)

فراغت:

حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں بہ عمر ۱۸/ سال خدا داد ذہانت، ذوقِ مطالعہ، لگن اور محنت، اساتذہ کرام کی شفقت ورافقت، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ کی توجہ کامل اور شیخ مکرم سید المشائخ قدس سرہ کی عنایت کے نتیجہ میں جملہ علوم وفنون منقولات ومعقولات پر عبور حاصل کر کے مرکز اہل سنت دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے تکمیل فراغت پائی۔

علوم وفنون:

برصغیر میں معقول ومنقول علوم وفنون کی جتنی مشہور اسناد ہیں ان میں سے سلسلہ تلمذ بریلوی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہر فن اور ہر علم کی سند عالی ہے۔ اور پھر اسی ایک سلسلے سے تمام معقول ومنقول کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ گویا سلسلہ تلمذ بریلوی جمیع علوم وفنون کا جامع ہے۔ ذیل میں ان علوم کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے بریلوی سلسلہ تلمذ کے واسطے سے نہ صرف حاصل کئے بلکہ ان میں درجہ اختصاص حاصل کیا۔ اور تقریباً چالیس علوم وفنون میں مہارت بہم پہنچائی جو درج ذیل ہیں۔

(۱)علم القرآن (۲)علم الحدیث (۳)اصول الحدیث (۴)فقہ حنفی (۵)جملہ کتب فقہ متداولہ مذاہب اربعہ(۶) اصول فقہ(۷)علم تفسیر (۸) علم العقائد والکلام (۹)علم النحو(۱۰)علم صرف (۱۱)علم معانی (۱۲)علم بیان (۱۳)علم بدیع (۱۴)علم منطق (۱۵)علم مناظرہ (۱۶)علم فلسفہ(۱۷)علم حساب (۱۸)علم ہندسہ(۱۹)علم سیر (۲۰)علم تاریخ (۲۱)علم لغت (۲۲) ادب (۲۳)اسماء الرجال (۲۴)نظم عربی (۲۵)نظم فارسی (۲۶)نظم ہندسہ (۲۷)نثر عربی (۲۸)نثر فارسی (۲۹)نثر ہندی (۳۰)خط نستعلیق (۳۱)تلاوت مع تجوید (۳۲)علم الفرائض (۳۳)علم عروض (۳۴)علم قوانی (۳۵)علم تکسیر (۳۶)علم التوقیت (۳۷)زیجات (۳۸)ہیات کی والد ماجد سے تحصیل کی (۳۹)علم تصوف اور سلوک کی تعلیم حضرت ابوالحسین احمد نوری میاں اور والد ماجد سے لی۔

دیگر علوم وفنون کی تحصیل اساتذہ سے کی۔

فتویٰ نویسی:

۱۳۲۸ھ میں فراغت کے بعد پہلا قلم برداشتہ فتویٰ رضاعت کے مسئلے پر لکھا۔ جواب کی صحت پر امام احمد رضا نے مسرت کا اظہار فرمایا اور خود ہی مہر بنوا کر عطا کی امام احمد رضا کی کامیابی پر علامہ نقی علی خاں جو خوشی ہوئی تھی۔امام احمد رضا کو چھوتے شہزادے کی کامیابی پر بھی وہی خوشی ہوئی۔

۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ تک ۱۲/سال امام احمد رضا کی زیر نگرانی فتویٰ لکھا، اور تربیت بھی حاصل کی۔

۱۳۲۹ھ کو عم مکرم علامہ حسن رضا قادری کا وصال ہوا تو حجۃ الاسلام منظر اسلام کے مہتمم ہوئے اور علامہ مصطفی رضا خاں نوری کو فتویٰ نویسی اور امام احمد رضا خاں کی اعانت تفویض ہوئی۔(پھر امام احمد رضا کے وصال کے بعد ۱۳۴۰ھ سے باضابطہ فتویٰ نویسی کا آغاز کیا)

تلامذہ:

۱۔محدث اعظم پاکستان مفتی سردار احمد رضوی پاکستان

۲۔مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد رضوی شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور

۳۔افقہ الفقہاء مفتی سید افضل حسین رضوی مونگیری

۴۔مفتی الحاج مبین الدین رضوی امروہی

۵۔فقیہ عصر مفتی احمد جہانگیر خاں رضوی

۶۔شیخ المحدثین علامہ مفتی محمد تحسین رضا خاں رضوی بریلی شریف

۷۔شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی گھوسی

۸۔فقیہ اسلام تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری بریلی شریف

۹۔محدث کبیر مفتی محمد ضیاء المصطفیٰ رضوی گھوسی

۱۰۔فقیہ ملت قاضی عبد الرحیم بستوی

۱۱۔مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی

۱۲۔بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مبارک پور

۱۳۔مفتی محمد رجب علی رضوی نانپاروی

۱۴۔یادگار سلف مولانا محمد حبیب رضا خاں رضوی بریلی شریف

۱۵۔مفتی ابرار حسین صدیقی تلہری

۱۶۔شیخ العلماء مفتی غلام جیلانی گھوسوی

۱۷۔استاذ العلماء مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی

۱۸۔شیخ الحدیث مولانا غلام یزدانی گھوسوی

۱۹۔مولانا غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی

۲۰۔مولانا معین الدین خاں اعظمی

۲۱۔مفتی محمد طاہر حسین اشرفی رضوی

۲۲۔مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کشن گنج بہار

۲۳۔ قاضی مرزا پور مفتی عبدالخالق رضوی مدھو بنی بہار

۲۴۔ مولانا حسن منظر قدیری

۲۵۔ مولانا عبدالحمید رضوی دیناج پوری

۲۶۔ صوفی باصفا مفتی محمد صالح رضوی شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی شریف

۲۷۔ مولانا مظفر حسین غازی پوری کراچی پاکستان

۲۸۔ مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی

۲۹۔ مفتی ریاض احمد سیوانی

۳۰۔ مفتی عبدالغفور بہاری

۳۱۔ مولانا محمد انور رضوی ٹانڈوی

۳۲۔ مولانا رئیس الدین رضوی پورنوی

۳۳۔ قاری امانت رسول پیلی بھیت

۳۴۔ سید شاہد علی رضوی رامپوری

۳۵۔ مولانا لطف اللہ قریشی رضوی علی گڑھی

۳۶۔ مولانا قدرت اللہ رضوی

۳۷۔ بدر العلماء بدر الدین رضوی گورکھپوری

۳۸۔ مولانا محمد حنیف قادری

۳۹۔ ناصر ملت مولانا محمد خالد علی خاں رضوی بریلی شریف

۴۰۔ ریحان ملت علامہ مفتی ریحان رضا خاں بریلی شریف

۴۱۔ مناظر اعظم ہند حشمت علی خاں پیلی بھیت

۴۲۔ فقیہ عصر مولانا اعجاز ولی خاں رضوی بریلی

۴۳۔ مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی

۴۴۔ مولانا محمد ابراہیم خشتر صدیقی

۴۵۔مولانا محمد منظور احمد رضوی

خلفاء:

۱۔برہان ملت حضرت علامہ مفتی برہان الحق رضوی جبلپوری
۲۔صدر العلماء حضرت علامہ مفتی سید غلام جیلانی میرٹھی
۳۔شمس العلماء حضرت مفتی قاضی شمس الدین رضوی جونپوری
۴۔مجاہد ملت حضرت علامہ مفتی محمد حبیب الرحمٰن رضوی اڑیسوی
۵۔حافظ ملت حضرت علامہ مفتی عبد العزیز رضوی محدث مرادآبادی
۶۔امین شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین قادری مظفر پوری
۷۔حبیب ملت حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ قادری بہاری
۸۔سید العلماء حضرت علامہ مفتی سید آل مصطفٰی برکاتی مارہروی
۹۔استاذ علماء حضرت علامہ مفتی عبد الرؤف قادری بلیاوی
۱۰۔شیر بہار حضرت علامہ مفتی اسلم رضوی مظفر پوری
۱۱۔شیخ العلماء حضرت علامہ مفتی یونس قادری سنبھلی
۱۲۔مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد حسین قادری سنبھلی (رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین)

تصنیفات اور حواشی:۔

آپ کی تحریر حواشی: وں اور فتاویٰ میں آپ کے والد ماجد مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔فقہی جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے۔اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی، امام غزالی کی نکتہ سنجی، امام رازی کے وقت نظر، اور امام سیوطی کے وسعت مطالعہ کی جلوہ گری بھی ہوتی ہے۔آپنے اپنی گوناگوں مصروفیات اور ہمہ جہت مشاغل لے باجود مختلف موضوعات پر تصنیفات وتالیفات کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)فتاویٰ مصطفویہ کامل تین جلدیں (۲)وقعات السنان (۳)ادخال السنان

(۴)الموت الاحمر، ہشتاد بیدو بند بر مکاری دیوبند(۵)المفوظ کامل (۶)الطاری الداری لھفوات عبدالباری (۷)القول العجیب فی جواز التثویب (۸) سامان بخشش (۹)تنویر الحجہ بالتواء الحجہ (۱۰)طرق الھدی والارشاد(۱۱)وقایہ اہل السنہ (۱۲)اشد الباس علی عابد الخناس (۱۳)القثم القاصم للداسم القاسم (۱۴)نفی العار من معائب المولوی عبدالغفار (۱۵)مقتل کذب وکید(۱۶)حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ(۱۶)الکاوی فی العاوی والغاوی (۱۷)نور الفرقان بین جند الا لہ واحزاب الشیطان (۱۸) الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی (۱۹)الہی ضرب بہ اہل الحرب(۲۰)نہلیۃ السنان(۲۱)سیف القہار علی العبید الکفار (۲۲)النکتۃ علی مراء کلکتۃ(۲۳) مقتل اکذب واجہل (۲۴)القسورہ علی ادوار الحمر الکفرۃ (۲۵)شفاء العی فی جواب سوال بمبئی (۲۶)وہابیہ کی تقیہ بازی(۲۷)الحجۃ الباہرہ(۲۸) داڑھی کا مسئلہ(۲۹) طرد الشیطان (۳۰) کانگریسوں کا رد(۳۱) کشف ضلال دیو بند (حواشی وتکمیلات الاستمداد)(۳۲)حاشیہ فتاوٰی رضویہ جلد چہارم(۳۳) حاشیہ فتاوٰی عزیزیہ (۳۴) مسائل سماع (۳۵) نور العرفان(۳۶) مسلک مرادآباد پر معطر ضانہ ریمارک(۳۷)حاشیہ تفسیر احمدی (۳۸)صلیم الدیان لتقطیع حیالۃ الشیطان

امام احمد رضا قدس سرہ کو اپنے فرزند اصغر مفتی اعظم کی فقاہت وثقاہت پر اس نوعیت کا اعتماد تھا کہ اپنے فتاوٰی پر ان کی تائیدی دستخط کرواتے تھے۔ (پندرہ روزہ رفاقت یکم فروری ۱۹۸۲)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل اپنے خلف اصغر مفتی اعظم ہند سے لکھوائے اوران کی تصدیق وتصویب فرما کر اپنے دستخط کئے۔

رجب ۱۳۳۹ھ میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ نے متحدہ ہندوستان کے لئے دار القضاء شرعی قائم فرمایا اور بعض علماء کرام کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ مفتی امجد علی رضوی اعظمی کو پورے متحدہ ہندوستان کے لئے قاضیٔ شرع بنایا اور حضور مفتیٔ اعظم ہند علامہ محمد مصطفی رضا خاں نوری حضرت علامہ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری علیہم

الرحمہ والرضوان کو دارالقضاء کے مفتی اور معین القاضی کی حیثیت سے مامور فرمایا۔

اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے اس کی بنا پر یہ تقرر عمل میں آیا ہے۔ (پندرہ روزہ، رفاقت یکم فروری ۱۹۸۲ء)

مولانا مصطفی رضا کو مفتی اعظم کا خطاب:

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۷ھ اگست ۱۹۲۸ء کو خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی کے عظیم الشان اجتماع میں ہزاروں کید تعداد میں اہل اسلام شریک تھے۔ مقامی علماء کرام، اولیاء عظام، مشاہیر قوم کے علاوہ لنکا، بنگال، بہار، بمبئی، پنجاب، گجرات، کاٹھیاواڑ، گونڈل، مدارس، یوپی، راج پوتانہ سرحد کے جلیل القدر فضلاء وعمائدین قوم بھی حاضر جلسہ تھے۔ اس تاریخی اجلاس میں حضرت مولانا محمد مصطفی رضا نوری قدس سرہ کو مفتی اعظم اور صدر العلماء نہ صرف کہا گیا بلکہ شہزادہ اکبر حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے حکم سے اس اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں۔ ان میں تجویز نمبر ۳ میں آپ کو صدر العلماء اور مفتی اعظم لکھا گیا۔

حج وزیارت:

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے تین حج کئے۔ پہلا حج ۱۹۴۵ء میں، دوسرا حج ۱۹۴۸ء میں اور تیسرا حج ۱۹۷۱ء میں ''فوٹو کی قید'' کے بعد بلا فوٹو کیا۔

وصال:۔

آپ چودہ ۱۴ محرا لحرام ۱۴۰۲ھ / ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر چالیس منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۱ سال تھی۔

a a a a a

☆ محمد صلاح الدین رضوی
استاذ جامعہ ضیائیہ فیض الرضا ددری، ضلع سیتامڑھی بہار

حضور مفتیِ اعظم ہند کی بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے جن افراد نے تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی اختیار کر کے رضائے الٰہی کی نعمت سے سرفراز ہوئے اور ایک عالم کو اپنے فیضان سے سیراب کیا، انھیں شخصیات میں حضور مفتی اعظم ہند کا بھی شمار ہوتا ہے۔ آپ کا دل یادِ الٰہی و محبت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے معمور تھا۔ آپ تقویٰ و پرہیزگاری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کی ہر ادا سُنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبارت تھی۔ بلکہ آپ سنّت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجسم پیکر تھے۔ آپ کی زندگی کی ہر سانس سے خشیتِ الٰہی کا زمزم ٹپکتا تھا۔ رخصت کے باوجود آپ نے عزیمت پر عمل کیا۔ اس کے بے شمار شواہد کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ذیل میں چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔

دہلی کی فتح پوری مسجد میں جب حضرت محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی آمدِ مبارک ہوئی تو آپ کی زیارت کے لیے عقیدت مندوں کا ہجوم امنڈ آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد کسی غیر مسلم کے ہاتھوں سے بنی ہوئی چائے آپ کی خدمت میں پیش کی گئی جسے پینے کے لیے آپ تیار ہو گئے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا حضور بریلی کے مفتی اعظم ہند تو غیر مسلم کے ہاتھوں سے بنی ہوئی چائے نہیں پیتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مفتی اعظم ہند کا غیر مسلموں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے نہیں پینا ان کا تقویٰ ہے اور میں جو غیر مسلم کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے پینے جا رہا ہوں تو یہ ان کا فتویٰ ہے، پھر اطمینان سے

چائے پینے لگے۔(تجلیات مفتی اعظم ہند)

اسی طرح ایک سفر میں حضور محدثِ اعظم ہند اور حضور مفتی اعظم ہند نمازِ عصر کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ گئے۔ کسی نے وہیں پر آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی تو حضور محدثِ اعظم ہند نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی، جب کہ حضور مفتی اعظم ہند چائے کی پیالی لے کر مسجد کے باہر تشریف لے گئے اور چبوترے پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ کسی کے پوچھنے پر حضور محدثِ اعظم ہند نے ارشاد فرمایا میں اعتکاف کی نیت کرنے کے بعد ہی مسجد میں داخل ہوا کرتا ہوں اور معتکف کے لیے مسجد کے اندر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں اور مفتی اعظم ہند نے بھی اعتکاف کی نیت کر لی تھی لیکن انھوں نے تقویٰ پر عمل کیا ہے۔(تجلیاتِ مفتی اعظم ہند)

بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ دو عورتیں بے برقع تعویذ لینے کے لیے آئیں آپ نے فوراً نگاہیں جھکالیں اور پندرہ منٹ تک سر جھکائے ہوئے ان کی سرزنش کرتے رہے۔(فتاویٰ بحر العلوم جلد خامس)

ایک مرتبہ حیدرآباد دکن کی مشہور خانقاہ یحیٰی مسکن میں آپ تشریف فرما ہوئے وہاں بہت سے دیگر علما و مشائخ بھی موجود تھے کہ اچانک آپ کی نگاہ سامنے دیوار پر آویزاں ایک ایسے طغرے پر پڑی جس میں یہ شعر لکھا تھا:

اچھے تو بخشے جائیں گنہگار منہ تکیں
اے رحمتِ خدا تجھے ایسا نہ چاہیے

تو کسی کی ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر آپ نے استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ لاالٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے فوراً سر کو جھکا لیا، آپ نے پھر سر کو اٹھایا اور توبہ توبہ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لاالٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے سر کو جھکا لیا اور غضبناک آواز میں ارشاد فرمایا، اس کو کس نے لگایا ہے، فوراً اتار کر پھینکو رحمتِ خدا کے ساتھ ایسے نازیبا کلمات کا استعمال ہرگز جائز نہیں۔ اس لیے صاحبِ خانہ (مولانا سیّد محمد قادری)

اس سے توبہ کریں۔ آپ کے ارشاد پر انھوں نے اس طغرے کو اتارا اور بارگاہِ ایزدی میں توبہ واستغفار کیا۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا لوگو گواہ رہنا کہ میں بھی توبہ کرتا ہوں کہ اس شعر میں رحمتِ خدا کا لفظ بھی آیا ہے، جس کا ادب ہر لحاظ سے ضروری ہے، جب کہ اس کے لیے میری زبان سے اتارو پھینکو کا لفظ نکل گیا ہے جو خلافِ ادب ہے۔ تو آپ لوگوں کو گواہ بنا کر میں بھی توبہ کرتا ہوں پھر آپ نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ (تجلیاتِ مفتی اعظم ہند، ص:66)

اسی طرح 1955ء کا واقعہ ہے کہ آپ لکھنؤ سے بریلی شریف واپس ہو رہے تھے، مفتی شریف الحق امجدی اور مفتی مجیب اشرف بھی ساتھ تھے جوں ہی آپ حضرات اسٹیشن پہنچے گاڑی کُھل گئی۔

جلد بازی میں آپ حضرات فوجی ڈبہ ہی میں داخل ہوگئے، آپ کے مخلصین نے تھوڑی سی جگہ خالی کرائی جہاں آپ تشریف فرما ہوئے۔ پھر فوجیوں نے اپنی آپسی گفتگو میں حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی شانِ مقدس میں کچھ نازیبا کلمات استعمال کرنے لگے تو آپ فوراً غضبناک ہو کر کھڑے ہوگئے اور ارشاد فرمایا، خبیث چپ رہ، زبان بند کر، خبردار حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کے الفاظ کبھی نہ نکالنا۔

ایک فوجی نے کہا بڑے میاں آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں، ہم لوگ تو عیسائیوں کے پیغمبر کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، آپ کے پیغمبر محمد صاحب کے بارے میں تو ہم نے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا، عیسائی خبیث ان کو پیغمبر نہیں بلکہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں ان کو پیغمبر تو ہم ہی لوگ مانتے ہیں اور ہر پیغمبر کی تعظیم وتوقیر ہمارے مذہب میں فرض ہے جس طرح ہم اپنے پیغمبر کے بارے میں کسی ادنیٰ گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے اسی طرح حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں بھی کوئی نازیبا کلمہ سننا گوارہ نہیں کر سکتے۔

اس ہمت وشجاعت، جرأت مندی اور حق گوئی کا ان فوجیوں پر اتنا زیادہ اثر پڑا کہ سب کے سب ہیبت زدہ ہو کر خاموش ہوگئے اور معافی مانگنے لگے۔ (تجلیاتِ مفتی اعظم ہند، ص:66)

آپ کے اس تقویٰ و پرہیز گاری سے متاثر ہو کر حضرت تاج الشریعہ ارشاد فرماتے ہیں:

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی
اک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

یہ تقویٰ و پرہیز گاری، تصلب فی الدین اور حضور سیّد المرسلین کی سیرتِ مبارکہ کے ساتھ غایت درجہ کی محبت بھی بارگاہِ ایزدی میں آپ کی مقبولیت کی بہت مضبوط دلیل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰیO فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی۔ (النّٰزِعٰت: 40/41)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

یٰاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃًO فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (الفجر، 27/28/29/30)

اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔

اطمینان والی جان سے مراد وہ ہے جو ایمان و ایقان پر ثابت رہی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے حضور سرِ اطاعت خم کرتی رہی۔

اس طرح کے مومن سے یہ جملے اس وقت کہے جائیں گے جب کہ ان کی موت کا وقت آ چکا ہوگا۔

آپ کے تئیں اہل حق کی دیوانگی اور ان میں آپ کی زبردست مقبولیت بھی ربّ کائنات کی بارگاہِ قدس میں آپ کی مقبولیت پر روشن دلیل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَہُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔

(مریم، 96)

بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا۔

یعنی انھیں اپنا محبوب بنائے گا اور اپنے بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔

اور ارشادِ نبوی ہے:

ربّ کائنات جب اپنے کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ارشاد فرماتا ہے اے جبرئیل فلاں بندہ میرا محبوب ہے تو بھی اس سے محبت کر۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر وہ آسمانوں میں اعلان فرمادیتے ہیں کہ اے آسمان والو فلاں بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کردی جاتی ہے۔

(بخاری و مسلم)

بارگاہِ ایزدی میں آپ کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ ان باتوں سے بھی ہوجاتا ہے:

میرے وطنِ عزیز پوکھریرا سیتامڑھی بہار میں جب آپ کی آمد پر بہار ہوئی تو ہر طرف خوشیوں کی لہر دوڑ آئی اور آپ کے گرد دیوانوں کا ہجوم اُمنڈ آیا۔

اسی موقع پر میرے مکان کی تعمیر ہوئی تھی، میرے والد گرامی جناب سہراب عالم قادری نے اس نئے مکان کو آپ کے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمانے کے لیے آپ کی خدمت میں درخواست کی۔ جب آپ یہاں پہنچے تو عصر کا وقت ہوچکا تھا اس لیے فوراً ہی آپ نے وضو بناکر نماز ادا فرمائی پھر لوگوں کو بیعت سے مشرف فرمایا۔

اس کے بعد میرے والدِ گرامی نے فاتحہ کے لیے ایک چھوٹی سی سینی میں بوندی لاکر آپ کے سامنے رکھ دی پھر جب آپ نے فاتحہ پڑھی تو اس بوندی میں برکت کا یہ حال ہوگیا کہ جب انھوں نے اسے تقسیم کرنا شروع کیا تو بھر بھر چلّو بانٹنے کے باوجود وہ ختم نہ ہوئی آخر کار مجبور ہوکر وہ پوری سینی ہی لوگوں کے حوالے کردی کہ آپ لوگ خود ہی بانٹ لیں مجھ سے نہ ہوسکے گا۔

پھر آپ نے اس مکان میں خیر و برکت کی دعا فرمائی تو اس کا اتنا عظیم الشان اثر رونما ہوا کہ یہاں مال و دولت کی فراوانی آئی اور میرا پورا مکان خوشحال ہوگیا۔

میرے گاؤں سے آپ کو کہیں اور بھی جانا تھا، وہاں کے چند افراد آپ کو لینے کی لیے

پہنچ بھی چکے تھے لیکن آپ لوگوں کو بیعت سے مشرف فرمانے میں مشغول تھے آپ نے جب ان لوگوں کی بے چینی محسوس کی تو ابھی کچھ لوگوں کا شرفِ بیعت حاصل کرنا باقی ہی تھا کہ انھیں چھوڑ کر آپ کار میں بیٹھ گئے۔

اب ڈرائیور نے جب کار اسٹارٹ کرنی چاہی تو بڑی کوششوں کے باوجود بھی وہ کار اسٹارٹ نہ ہوسکی تو کار سے اتر کر باقی ماندہ لوگوں کو بھی بیعت سے مشرف فرمایا۔اس کے بعد پھر کار میں بیٹھے اور ڈرائیور کو مخاطب کر کے فرمایا، گاڑی اسٹارٹ کرو تو اسٹارٹ کرتے ہی گاڑی فوراً اسٹارٹ ہوگئی اور بغیر کسی دقت کے وہ آگے کو بڑھنے لگی یہاں تک کہ آپ وقت پر منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔

اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ یہ سب کچھ اہل پوکھریرا کی نظروں کے سامنے ہوا۔

مولانا شبنم کمالی پوکھریروی نے بھی سفرِ پوکھریرا میں آپ کا ایک چشم دید واقعہ خود راقم الحروف سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے مدرسہ سے اپنے گاؤں آرہا تھا کہ راستے ہی میں معلوم پڑ گیا کہ سرکار مفتی اعظم ہند پوکھریرا تشریف لائے ہوئے ہیں اور آج ہی کہیں جانے والے بھی ہیں۔

اس خوش کن خبر کو سنتے ہی بڑی تیزی کے ساتھ میں قدم بڑھانے لگا کہ کسی طرح حضرت سے ملاقات ہوجائے تو بڑی خوش نصیبی کی بات ہوگی۔ابھی میں کافی دور ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت پالکی سے کہیں تشریف لے جارہے ہیں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اب ملاقات نہ ہوسکے گی لیکن زمانہ نے دیکھا کہ اچانک پالکی ٹھہر گئی پھر تیز چلتا ہوا میں حضرت کی بارگاہ تک پہنچ ہی گیا۔

سلام ومصافحہ کے بعد میں نے اپنا مختصر تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے حضور کے ہم نام ہونے کا شرف حاصل ہے تو حضرت مسکرادیئے اور پالکی بڑھانے کا حکم دیا۔

پالکی کا بڑھنا تھا کہ میں حیرت زدہ رہ گیا کیوں کہ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یقیناً آپ میری دلی کیفیت سے واقف ہوچکے تھے اور مجھ پر ہی کرم فرمانے کے لیے پالکی رکوائی گئی تھی۔

انھیں کا بیان ہے کہ مولانا شبیہ القادری کے گھر عرصہ دراز تک کسی فرزند کی ولادت نہ

ہوسکی تھی جس کی وجہ سے وہ کافی پریشان رہا کرتے۔ جب جامعہ قادریہ مقصود پور مظفر پور میں آپ کا ورودِ مسعود ہوا تو اولادِ نرینہ کی تعویذ لینے کے لیے وہ بھی آپ کی خدمتِ مبارکہ میں پہنچے۔ آپ حاجت مندوں کو تعویذ عطا فرمانے میں مصروف تھے اور مولانا شبیہ القادری ملاحظہ فرماتے رہے لیکن اپنے لیے کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوسکی تو سرکار مفتی اعظم ہند نے خود ہی ان کی طرف توجہ دی اور فرمایا مولانا آپ کو بھی تعویذ کی ضرورت ہے۔

یہ سنتے ہی وہ حیرت زدہ رہ گئے اور دل ہی دل میں عرض کرنے لگے سرکار جب آپ خود ہی میری دلی کیفیات سے باخبر ہیں تو زبان سے کیا عرض کروں۔

پھر آپ نے انھیں ایک تعویذ عطا فرمائی جس کے نتیجے میں ان کے گھر ایک بیٹے کی ولادت ہوئی۔

مولانا قمر الزماں اعظمی بیان فرماتے ہیں کہ سرکار مفتی اعظم ہند ایک مرتبہ بذریعۂ بس الہ آباد جمنا ندی کے پُل سے گزر رہے تھے۔ مجھے بھی آپ کی ہمراہی کا شرف حاصل تھا، نمازِ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے مجھے نماز کے لیے بس رکوانے کا حکم دیا تو بس روکنے کے لیے میں نے ڈرائیور سے باتیں کیں لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے بس روکنے سے انکار کر دیا کہ یوں ہی کافی دیر ہو چکی ہے اب مزید تاخیر کی گنجائش نہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ ابھی میں ڈرائیور سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک ایک دھچکے کے ساتھ بس رک گئی۔

پھر زمانے نے دیکھا کہ آپ بلا تاخیر بس سے اترے اور نقاہت و کمزوری کے باوجود وضو بنانے کے لیے پُل کی بلندی سے ندی میں اترتے چلے گئے۔

وضو کے بعد اطمینان وسکون کے ساتھ آپ نے نماز ادا فرمائی۔ اس درمیان ڈرائیور کی تمام کوششوں کے باوجود بس اسٹارٹ نہ ہوئی لیکن نماز کے بعد آپ کے سوار ہوتے ہی وہ اسٹارٹ ہوگئی۔

دربھنگہ بہار کے رہنے والے ماسٹر عبد المالک رضوی جو آپ کے بہت ہی مخلص مرید ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں تین چیزوں

کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ پہلی تعلیمی محکمہ میں ملازمت کے لیے، دوسری بی۔ ایڈ میں کامیابی کے لیے اور تیسری اولادِ نرینہ کی پیدائش کے لیے۔

پھر جب آپ نے دعا فرمائی تو اُس کا اتنا شاندار اثر رونما ہوا کہ شفیع مسلم ہائی اسکول دربھنگہ کے ہیڈ ماسٹر نے خود ہی مجھے بلوا کر درخواست لکھوائی اور بڑی آسانی کے ساتھ تقرری نامہ میرے حوالے کر دیا۔

اور بی۔ ایڈ کے ریزلٹ میں امید سے کہیں زیادہ نمبرات حاصل ہوئے کہ جنھیں دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔

پھر دو بیٹیوں کے بعد لگا تار تین فرزندِ ارجمند بھی پیدا ہو گئے۔

اسی طرح پوکھریرا سیتامڑھی بہار کے رہنے والے آپ کے ایک اور مخلص مرید حضرت مولانا احمد علی رضوی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ سخت ترین بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں سے دکھایا لیکن صحت یاب نہ ہو سکا۔ میرے والد گرامی مولانا مطیع الرسول ان دنوں بریلی شریف رہا کرتے تھے۔ انھوں نے مجھے علاج کے لیے وہیں بلوا لیا، وہاں کے ڈاکٹروں نے بھی بڑی کوشش کی لیکن صحت یاب نہ ہو سکا تو میں زندگی سے مایوس ہو گیا اور ایسا لگنے لگا کہ اب میں بچ نہیں سکوں گا۔

لیکن قادرِ مطلق کا فضل و کرم تو دیکھیے کہ سرکار مفتی اعظم ہند ہر دن ظہر سے عصر کے بعد تک رضا جامع مسجد ہی میں رہ کر قوم کی دعوت و ارشاد فرماتے اور لوگوں کی مشکلات سن کر دعا و تعویذ سے نوازتے۔

میں بھی امید کی شمع جلائے دعا کرانے کے لیے حضرت کی بارگاہ میں ہر دن پہنچتا لیکن کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔

ایک دن جب وہاں سے نکل کر محلّہ سوداگراں کی گلیوں میں پہنچا تو اچانک سنہپور دربھنگہ کے رہنے والے مولانا ظفر عالم رضوی سے ملاقات ہو گئی جو گجرات رہا کرتے تھے لیکن ان دنوں بریلی شریف ہی آئے ہوئے تھے۔ ملاقات ہوتے ہی انھوں نے مجھ سے نوکری کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے جواب دیا نوکری کی کیا فکر کروں یہاں تو زندگی

سے ہی مایوس ہو رہا ہوں۔ پھر میں نے ان کو اپنی پوری صورتِ حال بتا دی تو انھوں نے حضور مفتی اعظم ہند ہی سے دعا کرانے کا مشورہ دیا۔ میں نے کہا وہاں کچھ عرض کرنے کی ہمت ہی نہیں ہو پاتی ہے، تو وہ خود ہی مجھے لے کر حضرت کی بارگاہ میں پہنچے، اس وقت آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ مولانا ظفر عالم نے خادم سے میری پریشانی بیان کی اور میری صحت و سلامتی اور نوکری کے لیے آپ سے دعا کرا دینے کی ان سے درخواست کی۔

خادم کی درخواست پر تھوڑی دیر کے لیے آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور دعا کے بعد حجرے میں تشریف لے گئے۔

مولانا ظفر عالم کو آپ کی دعا پر کتنا بھروسہ تھا کہ دعا کے بعد ہی انھوں نے مجھ سے فرما دیا کہ جائیے اب آپ کا بیڑا پار ہو گیا۔

اس کے بعد میں اپنے گاؤں میں آ گیا، یہاں آتے ہی بخار، کھانسی اور دیگر تمام امراض بالکل دور ہو گئے اور میں پورے طور پر صحت مند و تندرست ہو گیا، پھر آج تک کسی بھی سخت بیماری میں مبتلا نہ ہوا۔

نوکری کے بارے میں بھی آپ کی دعا قبول ہوئی کہ گھر پہنچتے ہی مختلف جگہوں سے سرکاری نوکری کی پیش کش ہونے لگی لیکن میں نے اپنے گاؤں کے ہی ایک سرکاری ادارہ مدرسہ رحمانیہ حامدیہ میں رہنے کو ترجیح دی جہاں آج بھی تدریسی فرائض انجام دینے میں مصروف ہوں۔

اور آپ کی دعا سے مال و دولت میں برکت کا بھی یہ حال ہو گیا کہ میرے گھر میں کبھی بھی پیسے کی کمی محسوس نہ ہوئی اور آج تک کسی سے قرض لینے کی بھی نوبت نہ آئی۔

a a a a a

☆محمد صدیق رضوی

رشتوں کی افادیت

چاہ۔ چاہت اور چاہنا...... اس طرح کے اور بھی الفاظ ہیں جو اردو زبان میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں فارسی اور عربی زبان و ادب میں بھی بولے جاتے ہیں...... زبان کے بدل جانے سے تلفظ اور لفظوں میں تبدیلی تو ہوسکتی ہے مگر اس کے معنی و مفہوم میں تبدیلی کا امکان نہیں پایا جاتا ہے...... چاہنا کسی بھی زبان میں ہو دو دلوں کے بیچ ایک ''پاکیزہ رشتہ'' کا نام ہے اس سے مراد ایک ایسا ''رشتہ'' ہوتا ہے جو ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتا ہے...... یہ ایک ایسا رشتہ ہوتا ہے جو نہایت صاف شفاف ہوتا ہے جو دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا اور تلوار سے زیادہ تیز ہوتا ہے...... اس رشتے میں بہر حال ''احتیاط'' شرط ہے اس میں نہ افراط کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں تفریط کی گنجائش ہوتی ہے بلکہ طبعی طور پر یہ اعتدال اور توازن کا متقاضی ہوتا ہے...... یہ رشتہ بنتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے...... میں نے رشتوں کو بنتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور بگڑتے ہوئے بھی دیکھا ہے جب کوئی رشتہ دنیوی اور ذاتی منفعت کے ساتھ وجود میں آتا ہے تو جب تک یہ منفعت رسا ہوتا ہے قائم رہتا ہے اور جہاں منفعت متأثر ہوتی ہے وہی رشتے ٹوٹنے کے کاگار پر آجاتے ہیں...... مگر جب یہی رشتہ اسلام اور ایمان کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے تو اس میں پائیداری ہوتی ہے۔

جب آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ پاک پہنچے تو آپ نے خالص ایمان اور اسلام کی بنیاد پر انصار اور مہاجرین کے مابین ایک رشتہ قائم کر دیا وہ رشتہ اخوت کا رشتہ تھا...... بھائی چارگی کا رشتہ تھا...... اسی رشتے کی بنیاد پر کہا گیا: **انما المومنون اخوة** کہ مومن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں...... حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کا قائم کیا ہوا رشتہ اس قدر مضبوط اور مستحکم ہوا کہ انصار میں سے ہر ایک نے اپنی جائداد میں اپنے مہاجر بھائی کو شریک کرلیا۔ انسانی تاریخ ایسی مثال سے آج تک خالی ہے اور قیامت تک ایسی مثال سامنے نہ آئے گی۔

رشتوں کی نوعیتیں

جب ہم رشتوں کی نوعیتوں کو تلاش کرنے نکلتے ہیں تو عقلی اعتبار ے رشتوں کی نوعیتیں الگ الگ نظر آتی ہیں ذیل میں رشتہ کی نوعیتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

الف......ایک بھائی کا دوسرے بھائی سے رشتہ

ب......ایک بہن کا اپنے بھائی سے رشتہ

ج......ایک بیٹے کا اپنے باپ اور ماں سے رشتہ

د......ایک بیٹی کا اپنے والدین سے رشتہ

س......ایک پڑوس کا دوسرے پڑوس سے رشتہ

ش......ایک مزدور کا اپنے مالک سے رشتہ

ص......ایک شاگرد کا اپنے استاذ سے رشتہ

ض......ایک مرید کا اپنے پیر سے رشتہ

اوپر جن رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان رشتوں کی بنیاد اسلام پر رکھی جائے اور انہیں شریعت کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ رشتے محکم اور مضبوط ہو سکتے ہیں پائدار اور غیر فانی ہو سکتے ہیں اور جب ان رشتوں کو ذاتی منفعت رسانی کے تناظر میں برتا جاتا ہے تو پھر ان رشتوں میں دراڑیں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں اور رشتے ٹوٹتے اور بکھرنے لگتے ہیں...... بسا اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ طرفین میں غلط فہمیاں پیدا کر دی جاتی ہیں اور اس وقت تک اغیار اپنے ناپاک ارادوں کو انجام دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں...... جب تک کہ دونوں میں جدائی نہیں ہو جاتی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک، دوسرے کے لئے جانی دشمن نہیں ہو جاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک اپنے اپنے موقف پر اٹل رہتے

ہیں اور آپس میں بات چیت کی راہ ہموار نہیں کر پاتے ہیں اور ہر ایک کو اس وقت ہوش آتا ہے جب رشتے تاش کے پتوں کی مانند بکھر جاتے ہیں اس وقت ہوش میں آنے سے کیا حاصل ہوگا ؟ جب کہ معاملہ کہیں سے کہیں تک پہنچ جاتا ہے خدا خیر کرے اور رشتوں کے حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے......

سرِ دست مجھے ان تمام رشتوں پر تفصیل سے گفتگو کرنا نہیں ہے بلکہ اس وقت مجھے صرف ایک رشہ پر گفتگو کرنی ہے اور وہ ''ایک مرید کا اپنے پیر سے رشتہ'' ہے۔

ایک مرید کا اپنے پیر سے رشتہ

یہ رشتہ بھی دوسرے رشتوں کی مانند پاک اور تمام اندیشوں ے منزہ ہوتا ہے اس رشتہ کی شروعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک تقدس مآب عمل سے ہوتا ہے......اس عمل کی تفسیر اس طرح ہے اسلامی تاریخ میں ''بیعت رضوان'' مشہور ہے حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ حدیبیہ کے مقام پر قیام پذیر ہیں آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار مکہ سے بات کرنے کیلئے بھیجا کہ ہم کوئی لڑنے کیلئے نہیں آئے ہیں ہمارے آنے کا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے بات چیت کی تو کفار مکہ نے عمرہ ادا کرنے سے منع کر دیا اور حضرت عثمان غنی سے کہا آپ چاہیں تو خانہ کعبہ کا طواف کرلیں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر لیں ......اس اجازت کے باوجود حضرت عثمان غنی نے فرمایا:

ماکنت لافعل حتی یطوف رسول اللّٰہ

''میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک میرا محبوب اللہ کا رسول طواف نہیں کر لیتے۔

(ضیاء النبی چہارم ص ۱۴۰)

حضرت عثمان غنی کو واپسی میں دیر ہوگئی اور ادھر یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا......حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک ہم عثمان

کے خون کا بدلہ نہ لے لیں اس وقت تک ہم اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے......آپ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے بیعت لی......اس کے بعد اپنے داہنے دست پاک کے بارے میں فرمایا

اللھم ھٰذہ عن عثمان فانہ فی حاجتک وحاجت رسولک۔

اے اللہ یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے حکم کی تعمیل میں گیا ہے۔(ضیاء النبی جلد چہارم ص ۱۴۳)

یہی پیر اور مرید کے رشتہ کا ماخذ اور اصل ہے حضرت عثمان غنی کی جانب سے بیعت کا لیا جانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ کافروں نے عثمان کو شہید نہیں کیا ہے اور یہ صرف افواہ ہے اور بیعت اس لئے لی گئی تا کہ کفار مکہ نفسیاتی طور پر دباؤ میں آجائیں اور عمرہ کی اجازت دیدیں یا پھر کسی سمجھوتے کے لئے تیار ہو جائیں......بیعت وارشاد کا یہ سلسلہ جو یہاں سے چلا تو کہیں اور کسی مقام پر رکا نہیں بلکہ اب تک چل رہا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مرید پر لازم ہے کہ اپنے پیر کی بات مانے اور ان کے حکم کی تعمیل میں سر دھڑ کی بازی لگا دے اگر چہ جان جوکھم میں پڑ جائے اور خطروں سے کھیلنا پڑے جیسا کہ حضرت عثمان غنی نے کیا......ذرا انداز غلامی تو دیکھئے کہ انہوں نے اجازت ملنے کے باوجود خانہ کعبہ کا طواف نہیں کیا۔

بیعت کا مطلب پیر کے ہاتھوں اپنے آپ کو بیچ دینا ہے اور زندگی بھر کے لئے غلامی کو قبول کر لینا ہے اور ان کی مرضی سے اپنے کاموں کو انجام دینا ہے......دنیا کے کاموں کو بھی اور آخرت کے کاموں کو بھی ......حضرت امیر خسرو کی کیا والہانہ عقیدت تھی کہ انہوں نے حضرت خواجہ نظام الدین کے نعلین پاک کو حاصل کرنے کے لئے اپنا سارا ساز وساماں قوالوں کو دے دیا......اور جب حضرت خواجہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اس انداز میں کہ سر پر نعلین پاک رکھا ہوا تھا......یہ غلامی کیسی غلامی تھی ......یہ عقیدت کس قدر سچی اور گہری عقیدت تھی......مرید ہو تو ایسا......جو پیر کی ہر بات کو مانے اور ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دے

حضور مفتی اعظم شیخ طریقت کی حیثیت سے

سرکار مفتی اعظم فقید المثال عالم دین ...... دینی فہم وفراست میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے ...... فتویٰ نویسی میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا...... فکر واستدلال اور تحریری نظم و ضبط میں نہ کوئی ان کے برابر تھا...... ان کے جملے اور تراکیب نپی تلی ہوا کرتی تھیں ...... جو بات فرمایا کرتے تھے استدلالی انداز میں کہا کرتے تھے...... اس میں کسی بھی زاویہ سے کوئی لچک نہیں ہوتی تھی ...... اس اعتبار سے ان کی تحریر پائیدار اور مضبوط ہوا کرتی تھی اسی لئے اہل علم وکمال نے آپ کو ''مفتی اعظم'' کہا...... اب رہی شیخ طریقت کی...... تو اس بارے میں عرض ہے آپ واقعی طور پر شیخ طریقت تھے اور پیر کامل تھے اور جامع شرائط تھے...... آپ کی ذات ستودہ صفات مظہر اخلاق نبوت تھی۔ شریعت پر بھی عامل تھے اور سلوک میں بھی کامل تھے اسی لئے مرشد گرامی سرکار نوری میاں نے فرمایا تھا...... یہ مخلوق کی خدمت کرے گا اور فیض و برکت کا دریا بہائے گا ...... جیسا انہوں نے فرمایا ویسا ہی ہوا ...... اور سرکار اعلیٰ حضرت نے دعائے سحر گاہی میں فرمایا تھا: ایک ایسا بچہ عطا فرما جو تیرے دین کی خدمت کرے ...... انصاف پسند نگاہ نے دیکھا کہ حضور مفتی اعظم نے دین اور ملت کی بے پناہ خدمت کی ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ وارتقاء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے...... دینی خدمت نے جہاں انہیں بلایا سر کے بل پہنچے...... آرام اور گاؤ تکیہ کو تج دیا سب کچھ قربان کر دیا...... آپ نے اس کام کے لئے نہ سفر کی صعوبتوں کا خیال کیا اور نہ ہی راہ بھری کانٹوں کی پرواہ کی ...... انہیں فکر تھی تو صرف اس بات کی فکر تھی کہ دین کی خدمت ہوتی رہے اور عشق ووفا کی صیانت ہوتی رہے جس کے دل میں دینی خدمت کا جذبہ ہوتا ہے وہ منکسر المزاج ہوتا ہے اور تواضع ان کی طبیعت کا ایک حصہ ہوتا ہے فخر ومباہات اور ناز وانداز والے لب ولہجہ سے پرہیز کرتا ہے ایسا کوئی انسان برسوں کے بعد وجود میں آتا ہے اسے خاندانی نسبت اور وجاہت پر بھی فخر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اس بات کا قائل ہوتا ہے کہ جب ہمارا کام اور کردار وعمل ان کے جیسا نہیں تو پھر ہمیں ان کی ذات وشخصیت اور علمی فنی اور تہذیبی احوال وآثار سے خود کو منسوب

کرنے کا حق کب حاصل ہوتا ہے؟

مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ

سرکار مفتی اعظم ہند کسی ریلوے اسٹیشن پر نماز پڑھ رہے تھے اور ریل چلنے کو تیار کھڑی تھی مگر مفتی اعظم ہر غم سے بے نیاز ہو کر نہایت ہی اطمینان وسکون کے ساتھ نماز میں مشغول تھے۔ اسٹیشن پر جو مسلمان اور غیر مسلم تھے سب کے سب حضرت ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔......کوئی کشمکش میں گرفتار تھا۔ کسی کی آنکھوں سے تعجب کا اظہار ہو رہا تھا اور کوئی سوالیہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا غرض یہ کہ جو بھی تھے سب کے سب حیرت واستعجاب میں تھے۔ حضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ ایک صاحب سامنے آئے عرض کیا حضور! کیا آپ اعلیٰ حضرت کے بیٹے ہیں؟ اس سوال پر آپ اشک بار ہو گئے اور ارشاد فرمایا:

''جی لوگ کہتے ہیں! لیکن میں کہاں اس لائق کہ اعلیٰ حضرت کا بیٹا کہلاؤں؟ وہ آسمان تھے اور ناچیز زمین پر کھڑے ہونے کے بھی لائق نہیں ہے۔

اس واقعہ کو محض واقعہ نہ سمجھا جائے دیکھنے والی نگاہوں نے کچھ دیکھا جبھی تو انہوں نے پوچھا اور یہ پوچھنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت سے واقف تھے......ان کے علم وفن فقہ وتدبر اور عمل وغیرہ سے بھی آشنا تھے اور ہوسکتا ہے انہیں اس بات کا بھی علم ہو کہ ''حضور اعلیٰ حضرت'' بھی ٹرین سے اُتر کر نماز ادا کیا کرتے تھے اور مفتی اعظم ہند بھی اتر کر اسٹیشن پر نماز ادا کر رہے ہیں...... اس قدر قریب مماثلت تو صرف اولاد ہی کو حاصل ہوسکتی ہے اور مفتی اعظم ہند نے جواب دے کر اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ کوئی اپنے آپ کو کسی کا بیٹا اس وقت کہے جب بیٹا باپ کی شان کا مظہر ہوا......اس جواب میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی بیٹا اپنے باپ کے بڑے ہونے پر فخر نہ کرے کہ ''پدرم سلطان بود ترا چہ مرا چہ'' کہ میرا باپ بادشاہ تھا اس سے نہ تجھے کوئی فائدہ ہوگا اور نہ مجھے کوئی فائدہ ہوسکتا ہے ......جب کسی کو کوئی فائدہ ہی حاصل نہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم یا کوئی اور کہے: میرا باپ بادشاہ تھا............

سرکار مفتی اعظم ہند کے جواب میں بڑا گہرا راز پوشیدہ ہے اور ایسے اسرار و رموز مضمر ہیں کہ اگر وہ رموز طشت از بام ہو جائیں تو ایک جہانِ حیرت آباد ہو جائے انہیں اسرار میں سے چند باتیں پیش ہیں......شاید اس کے بیان کرنے سے دلوں کا اضطراب سکون سے بدل جائے۔

یہ کہ ایسا جواب اسی کا ہوسکتا ہے جس کی عادت میں ''خود احتسابی'' شامل ہو اور اپنے ہر عمل اور ہر رویہ کو اپنی زندگی کا آخری رویہ سمجھتا ہو اور جس کی زندگی میں ''خود احتسابی'' کی گنجائش نہیں ہوتی ہے اس کا جواب ایسا نہیں ہوسکتا ہے جیسا کہ سرکار مفتی اعظم ہند نے دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر بیٹا اپنے باپ کی شان کا مظہر نہیں ہے باپ کے علم و عمل، فکر و شعور اور تہذیب و تمدن میں سے کوئی حصہ اسے نہیں ملا ہے تو پھر اس پر لازم ہے کہ بیٹا اپنے آپ کو چھپائے اور اپنے آپ کو شریف باپ کا بیٹا نہ بتائے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنا باپ ہی بدل دے بلکہ اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کردار و عمل سے اپنے باپ کی شخصیت کو بدنام نہ کرے ورنہ لوگ یہی کہتے ہوئے نظر آئیں گے کہ ایک ولی کے گھر میں شیطان پیدا ہوا ہے پہلے اپنے کردار میں سدھار لائے پھر کہے کہ میں ان کا بیٹا ہوں۔

میں نے یہ بات اس لئے بیان کی ہے کہ باپ اور بیٹے کا رشتہ اٹوٹ ہوتا ہے، مضبوط ہوتا ہے، پاکیزہ ہوتا ہے۔ جو کبھی ٹوٹتا نہیں ہے مگر پابندی یہ بھی کہ اس رشتے کو بدنام نہ کیا جائے۔ اس کے تقدس کی حفاظت کی جائے۔

ٹھیک اسی طرح پیر اور مرید کا رشتہ ہوتا ہے جو اٹوٹ اور پائدار ہوتا ہے یہ رشتہ روحانی رشتہ ہوتا ہے اور محبت کی مضبوط ڈور سے بندھا ہوتا ہے اس کی پاکیزگی کو ہمیں برقرار رکھنا ہے اور اس کے تقدس پر کسی طرح کی ضرب نہ آئے اس بات کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے...... یہ رشتہ فیض و برکت کا رشتہ ہے عشق و محبت کا رشتہ ہے اور یہ روحانیت کا رشتہ ہے خدائے پاک اس رشتہ کو برقرار رکھے اور اس کی برکتوں سے ہم سب کو مالا مال کرے۔

رشتہ کو مضبوط کرنے والی صورتیں

صرف پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے یہ رشتہ مضبوط نہیں ہوتا ہے بلکہ اس رشتہ کو مضبوط

رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم بہت کچھ کریں اور جو بھی کریں محض اللہ پاک کی رضا کے لئے کریں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کریں۔

......پیر جو ارشاد فرمائے اور جو کرنے کو کہے اس پر عمل کریں کیوں اور کیسے کے چکر میں نہ پڑیں کہ اس طرح کے سوالات کسی بھی صورت میں مناسب نہیں کہ پیر خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیوں کہہ رہا ہے اس کے اس کہنے کے پیچھے کیا راز ہے؟ اور کیا مصلحت ہے؟ یہ جاننا پیر کا کام ہے کسی بھی مرید کے جاننے کا کام نہیں ہے، اسے تو صرف کرنا ہے۔ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے، یہ پیر پر چھوڑ دیا جائے۔ افسوس ان مریدوں پر ہے جو پیر کے ارشادات پر عمل کرنے کے بجائے تنقید پر تنقید کرتے رہتے ہیں جو نہ پیر کو چھوڑتے ہیں اور نہ پیرزادوں کو بخشتے ہیں......

......پیرزادہ صرف پیرزادہ ہی نہیں رہتا ہے بلکہ اس کا بھی کوئی پیرزادہ ہوتا ہے خدا جسے چاہتا ہے۔ اپنی نعمت اور رحمت سے نواز دیتا ہے اس لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ پیر مریدوں سے اپنے لئے جس سلوک اور رویے کی امید رکھتے ہیں ویسے ہی ان کے لئے بھی مناسب ہے کہ اپنے پیرزادوں سے وہی رویہ اور سلوک کو روا رکھیں جو اپنے مریدوں سے روا رکھتے ہیں قدرت کے اس نظام میں بھی مصلحت ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اگر پیرزادوں کو صرف پیرزادہ ہی بنا دیا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ ان کے مزاج میں کبر وغرور کا شائبہ آجائے اور جب کسی کو ان کا پیرزادہ بنا دیا گیا تو اس سے بہت حد تک کبر وغرور کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اس لئے کہ بات دونوں طرف برابر ہو جاتی ہے اگر وہ پیر تو یہ بھی پیر......اگر وہ پیرزادہ تو یہ بھی پیرزادہ......کوئی کسی کے مقابل نہیں ہوتا یا پھر یہ کہا جائے کہ ہر کوئی کسی کے مقابل ہو سکتا ہے...... یہ ایک لمحہ فکریہ ہے ہر انسان کو چاہیئے کہ اپنی زندگی کو اسی نہج پر ڈھالے اور فکر و شعور سے کام لے......اسی موقع کے تعلق سے مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے جسے میں بیان کر دینا مناسب تصور کرتا ہوں......فن تصوف کے امام حضرت ضیاء الدین نخشبی فرماتے ہیں:

بشنو بشنو خواجہ حسن بصری میگوید تا من بیاد خود آمدم بر ہر کہ چشم من افتاد اورا بہتر

ازخود دانستم مگر مگر یک روز خود را بہتر از یکے دانستم درحال الزام از وبخوردم وآنچناں بود کہ روزے حبشے را دیدم برلب آبے نشستہ و قرابہ پیش خود نہادہ وزنے پہلوئے نشاندہ ہر بار ازقرابہ چیزے می کشید وتجرع می کرد۔ درخاطر من بگذشت اگرچہ عالم از من بہتر است، من بارے ازیں حبش بہترم کہ ہرگز بدیں طریق ننشستہ ام کہ قرابہ پیش وعورتے بہ پہلوئے ہم ۔بدیں میاں کشتی در دریا غرق شدن گرفت ودراں کشتی ہفت کس بودہ اند۔آں حبشی برفور خودرا درآب انداخت۔وشش کس را از غرقاب بکشید وروئے سوئے من کرد وگفت اے حسن !شش کس را من کشیدم اگرتو از من بہتری آں یکے را تو بکش............

(سلک السلوک، سلک چہاردہم ص ۱۵ از حضرت ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمۃ)

ترجمہ: سنو، سنو حضرت حسن بصری فرماتے ہیں مجھے خوب یاد ہے میں جسے بھی دیکھتا اسے اپنے سے بہتر جانتا......مگر ایک روز میں نے خود کو کسی سے بہتر جانا۔اسی وقت مجھے اس سے یہ طعنہ ملا کہ میں نے ایک حبشی کو دریا کے کنارے بیٹھا دیکھا: اس نے اپنے سامنے ایک صراحی رکھی تھی اور اپنے پہلو میں کسی عورت کو۔ میرے دل میں یہ خیال آیا اگرچہ سارا عالم مجھ سے بہتر ہے مگر میں اس وقت اس حبشی سے بہتر ہوں کہ میں اس طور پر کبھی نہیں بیٹھا کہ سامنے صراحی ہو اور پہلو میں عورت ......اسی دوران ایک کشتی دریا میں ڈوبنے لگی ......اس میں ۶ / ۷ لوگ سوار تھے اسی وقت حبشی نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور ان سب کو باہر نکال لایا۔ پھر اس نے چہرہ میری جانب کیا اور کہا......اے حسن اگر تو مجھ سے بہتر ہے تو اس ایک کو ڈوبنے سے بچالے۔

اس واقعہ میں اس بات کا درس ملتا ہے کہ انسان کسی بھی حال میں اپنے آپ کو بہتر تصور نہ کرے بلکہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے کہ ہم سے بھی کوئی بہتر ہے......مگر افسوس ہے کہ دور حاضر میں کوئی ایسا ملتا نہیں ہاں ہاں! سرکار مفتی اعظم کی یہ شان تھی کہ انہوں نے ہمیشہ تواضع اور انکساری سے کام لیا ہے جب کبھی خود بینی کا جذبہ کسی میں دیکھتے تو فوری طور پر تنبیہ فرماتے جیسا کہ ایک عالم صاحب نے ایک مجلس میں مجھ سے کہا کہ ایک انکم ٹیکس آفیسر تھے،

بریلی شریف کے رہنے والے تھے اور سرکار مفتی اعظم کی بارگاہ کے حاضر باش تھے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا سید سخاوت صاحب جو جامع مسجد بریلی کے امام تھے ایک دن محلہ کے کچھ لوگ مفتی اعظم کی بارگاہ میں پہنچے...... اور ان سب نے سید صاحب کی شکایت کی۔ شکایت سننے کے بعد فرمایا:

میں سید صاحب کو خوب جانتا ہوں ایسے نہیں ہیں جیسا آپ کہہ رہے ہیں وہ میرے عرفاتی بھائی ہیں یعنی میرے ساتھ حج میں شامل رہے ہیں۔ ان کے لئے اس طرح کی شکایت مناسب نہیں۔

چند ثانیے کے لئے دل میں بہتری کا خیال آتے ہی منجانب اللہ جو تنبیہ کی گئی اس بات کا اندازہ ہو گیا ہوگا مزید اس کی وضاحت کی اب ضرورت نہیں رہی...... اور سرکار مفتی اعظم ہند نے اہلِ محلہ کو جس انداز میں نصیحت فرمائی اس سے بھی نصیحت پکڑنے کی ضرورت ہے کہ کسی کے تعلق سے دل میں بدگمانی پیدا نہ کرے اور زبان پر کوئی حرف شکایت نہ لائے...... یہ نصیحت ایک عالم دین کی ہے مفتی اعظم کی ہے اور شیخ طریقت کی ہے اور اپنے دور کے بہت بڑے پیر کی ہے ایک ایسے مقدس انسان کی ہے جنہوں نے خدمت خلق کا بیڑا اپنے نازک کاندھوں پر ڈال رکھا تھا جو مرید اپنے پیر کے اس عمل اور رویہ کو اپناتا ہے وہ اپنے دور کا بھلا انسان ہوتا ہے نیک اور صالح انسان ہوتا ہے ہم ایسے ہی بھلے انسان کے جذبات اور اس کی عظمتوں کو سلام کرتے ہیں...... جو اپنے مرشد کی تعلیمات سے بے بہرہ رہا ہے وہ کبر و غرور اور نخوت کی جال میں پھنس جاتا ہے پھر اس سے جو نقصان ہوتا ہے وہ بڑا نقصان ہوتا ہے یہ نقصان صرف فرد اور فردیت تک ہی محدود نہیں رہتا ہے بلکہ اس کی بے راہ روی میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے پوری جماعت کو نقصان ہوتا ہے دور حاضر میں جماعتی انتشار کا ایک سبب یہی کبر و غرور اور فکر و شعور کی نخوت ہے جو کہیں افراد کے مزاج کی زینت بنی ہوئی ہے اور کہیں ادارہ کی شناخت ہے اور کہیں گروپ میں ریڑھ کی ہڈی بنی ہوئی ہے...... یہ کبر و غرور اور نخوت فکر و فن کسی بھی دور میں زینت کے اسباب میں سے نہیں رہے ہیں اس سے نہ

افراد میں حسن وجاذبیت نمایاں ہوتی ہے اور نہ جماعت میں دلکشی پیدا ہوتی ہے۔ سرکار مفتی اعظم نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں ؎

وہ حسیں کیا جو فتنے اُٹھا کر چلے ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

حسن کا معیار فتنوں کو جگانا نہیں، بلکہ فتنوں کو مٹانا ہی حسن کا معیار ہے...... آج کہاں کہاں فتنہ نہیں ہے گھر سے باہر تک فتنوں کا جال پھیلا ہوا ہے ذہنوں میں شرارتوں نے اپنے بال و پر پھیلا لیے ہیں اور دلوں میں منفی جذبات منصوبوں کی تشکیل کر رہے ہیں اور ان تمام فتنوں کا ایک ہی حل ہے بریلی کو نیچا دکھانا...... مسلک اعلی حضرت کو مٹانا اور حضور تاج الشریعہ کی شخصیت کو مجروح کرنا ہے حسام الحرمین کے دفاعی مورچے کو تباہ و برباد کرنا ہے اور غیروں سے راہ ورسم پیدا کر کے سنیت کے تاج محل کو زمیں بوس کرنا ہے یہ زمانہ کا مزاج بنتا جا رہا ہے اور افراد کے ذہنوں میں یہ زہر اُنڈیلا جا رہا ہے...... یہ لمحۂ فکریہ ہے جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور حسن تدبیر سے فتنوں کو مٹانے کی ضرورت ہے...... مگر یہ کیسے ممکن ہوگا؟ اسی امکانی صورت کو تلاش کرنا ہے آپ بھی تلاش کریں اور ہم بھی تلاش کریں۔

آج کا دور غیر اخلاقی اور کبر وغرور کا دور ہے افراد اور گروپ دونوں اپنے اپنے دائرہ میں مست ہیں اور اپنی انانیت کے سہارے اپنی زندگی کو داؤں پر لگائے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کو نہ بڑے کی فکر ہے اور نہ جماعت کی طرف کوئی دھیان دے رہا ہے کون کدھر جا رہا ہے؟ کس کا کیا نظریہ ہے؟ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ایسے مخدوش اور مسموم ماحول میں حیات وزیست کی جو پوزیشن ہے اس بات کا اسی کو اندازہ ہے جو انصاف پسند ہے اور جس کے دل میں قوم اور ملت کا درد ہے۔

افراد نے اپنی جماعت کو پس پشت ڈال دیا ہے جب کہ اصولی طور پر اپنی جماعت اور خاص طور پر سواد اعظم کے مزاج کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جو جماعت کہے اور جس جانب جماعت کا اشارہ ہو اسی جانب رخ کرنا چاہیے۔ تحریر میں بھی اور تقریر میں بھی...... فکری اعتبار سے اور عملی اعتبار سے بھی...... یہی سوچ مثبت سوچ ہوتی ہے اراسی کو تعمیری سوچ سے

تعبیر کیا جاتا ہے مگر افسوس ہوتا ہے ہماری جماعت اہلِ سنت کے درمیاں سے یہ سوچ مفقود ہوتی جارہی ہے اور نتیجہ کے طور پر جو بے راہ روی سامنے آرہی ہے اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ جو سوچ ہمارے درمیاں سے رخصت ہو چکی ہے اس کی بازیافت کے لئے کوشش کریں ورنہ افراد میں ہر ایک مخالف گروپ کے لئے لقمۂ تر بن جائیں گے۔اس کے بعد اگر ہم بیدار ہوتے ہیں تو اس سے کیا نتیجہ سامنے آئے گا؟

جماعتی سوچ بیدار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا کوئی نہ کوئی قائد ہو جسے مرکزی حیثیت حاصل ہو ایک ایسا انسان ہمارے درمیاں ہونا چاہیے جس پر سب کا اعتماد ہو۔ عوام بھی اس پر اعتماد کرے اور خواص بھی بھروسہ کرے......اس کے لئے ایک ایسی ذات کو سامنے رکھنا ہوگا جسے من جانب اللہ قبولیت عامہ حاصل ہو ہماری جماعت میں ایسا کون ہے؟ ایسوں کی تلاش میں جماعت کے ہر ایک فرد کو سامنے آنا ہوگا ہم کہیں وہ کہیں اور سب کہیں کہ ہاں! وہ ذات گرامی ہے یا یہ کہیں کہ یہ ذات گرامی ہے جبھی بات بنے گی اس کے علاوہ بات بنتی نظر نہیں آرہی ہے جماعت کا بہت کچھ بگڑ چکا ہے اس لئے جلد ہی کوئی ایسا کام کریں جس سے بات بن جائے اور جماعتی نظام میں سدھار پیدا ہو جائے......کھیت اور کھلیان کے لٹ جانے کے بعد ہوش آئے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا ہم خیر کی امید رکھتے ہیں شاید ایسی کوئی کرن سامنے آجائے جس سے جماعتی اندھیرے کافور ہو جائیں اور ہر چہار جانب اُجالے پھیل جائیں۔

ہمارے بزرگوں نے ایک نظام دیا ہے۔ایک راستہ دیا ہے کہ جب مایوسی کے بادل چھا جائیں اور ہر طرف ناامیدی کے اندھیرے پھیل جائیں اور اس قسم کی مصیبت سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئے تو بزرگوں کے دامن میں پناہ لی جائے اور ان کی حیات مستعار سے روشنی حاصل کی جائے کہ اللہ کے بندے جس طرح سے اپنی زندگی میں عوام وخواص کی رہنمائی کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح بعد وفات بھی اپنے چاہنے والوں کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں ان کے لئے حیات وممات برابر ہیں کہ کل بھی ان کی ذات اجالوں سے تعبیر کی جاتی تھی اور آج بھی اجالوں سے تعبیر کی جارہی ہے ان کے فیض کا دریا کل بھی جاری تھا اور آج بھی

جاری ہے...... کمی ان میں نہیں ہے بلکہ کمی ہم میں پائی جاتی ہے دور حاضر میں قائد بننے کا تو دعوی کررہے ہیں مگر ہمیں ان سے لو لگانے کا سلیقہ نہیں آیا ہے اور نہ اس بات کا علم ہے کہ ان سے مانگیں تو کس طرح مانگیں؟ اس کا طریقہ اور سلیقہ کیا ہے؟ کہ بات بھی بن جائے اور بگڑتی ہوئی ساکھ میں سدھار بھی آ جائے

جب ہم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور ظاہری طور پر اس سے نجات کی کوئی راہ نہیں ملتی ہے تو صدقہ کرتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے ہیں...... یہ مصیبت جس سے ہماری جماعت اُلجھی ہوئی ہے قحط سالی اور بارش کے نہ ہونے سے کسی طرح کم نہیں ہے کہ اس کے مضر اثرات وقتی ہوا کرتے ہیں اور اس کے مضر اثرات وقتی نہیں دیرپا ہوتے ہیں اور اس کے اثرات بد میں نسلیں گرفتار ہو جاتی ہیں...... یہ زہریلی گیس کے رسنے جیسا ہے جس سے بچے بھی ٹیڑھے پیدا ہو رہے ہیں ...... کچھ اسی طرح کی صورت حال یہاں بھی ہے کہ ہمارے مسموم اثرات سے طلباء بھی متأثر ہو رہے ہیں اور اسی نہج پر فراغت بھی حاصل کررہے ہیں کبھی اس بات پر غور کیا گیا کہ کل اس کا انجام کیا ہوگا؟ اگر نہیں تو آج ہی اور ابھی غور کرلیں اور طلباء کے ذہن کو خراب نہ کریں اسی میں بھلائی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف سے عرض کیا گیا جب لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جائیں اور نیکیوں کی طرف کسی قسم کی توجہ نہ کریں تو اس وقت کیا کرنا چاہیے؟

آپ نے فرمایا:

ان کے سامنے بزرگوں کے حالات اور واقعات بیان کئے جائیں تاکہ ان کے سخت دل نرم ہو جائیں اور پھر ان میں رقت کی کیفیت بیدار ہو جائے ...... میں سمجھتا ہوں اسی قسم کے حالات آج ہمارے سامنے ہیں لہٰذا ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ہم اپنے پیر و مرشد سے لو لگائیں ان کے ارشادات و فرمودات کو اپنے دلوں میں بسائیں اور ان کے کردار و عمل سے اکتساب نور و ضیاء کرتے رہیں کہ جب ان کی یادوں کے چراغ ہمارے دلوں میں روشن

ہوں گے تو ہمیں ضرور رہنمائی ملے گی اور ہم میں ضرور سدھار آئے گا۔

اپنے دل میں بزرگوں کی یادوں کے چراغ روشن کرنے کے مختلف طریقے ہیں:

اسلام کے ارکان اور فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کریں اور وقت کی پابندی کا اہتمام کریں خاص طور پر پنجوقتہ نمازیں باجماعت اور ان کے وقتوں پر ادا کریں......میں سمجھتا ہوں ہر شیخ طریقت اپنے مریدوں کو اس بات کی تاکید کرتے ہیں اور جو پیر نماز پڑھنے کی تاکید نہ کرے وہ پیر ہی نہیں ہے اور نہ وہ شیخ طریقت ہے۔

گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے پرہیز کریں خاص طور سے چغلی، غیبت، زنا، اور جھوٹ بولنے سے سخت پرہیز کریں کہ جو گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے نہیں بچتا ہے وہ اعتماد کے لائق نہیں ہوتا ہے اور نہ کوئی ان پر بھروسہ کرسکتا ہے......

شجرہ خوانی اور تصور شیخ کی عادت ڈالیں کہ کبھی کبھی تصور شیخ حقیقت میں تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ حضور شمس العلماء نے ایک مرتبہ فرمایا:

ایک شرابی تھا جو ہر وقت شراب کے نشہ میں مست رہا کرتا تھا صبح کیا اور شام کیا اس کی ساعت ایک جیسی ہوا کرتی تھی......اس کے دل میں کسی شیخ طریقت سے مرید ہونے کا جذبہ بیدار ہوا......اور وہ پیر کی تلاش میں نکل پڑا۔ خدا کی توفیق شاملِ حال تھی انہیں پیر ملا بھی تو صادق اور شیخ کامل۔ شرابی نے عرض کیا: میں مرید ہونا چاہتا ہوں مگر ایک شرط کیساتھ کہ آپ شراب پینے سے منع نہ فرمائیں۔ پیر نے کہا: مجھے یہ شرط منظور ہے۔ مگر میری بھی ایک شرط ہے کہ شراب پیو اور ضرور پیو مگر میرے سامنے ہرگز نہ پینا......ان دونوں شرطوں کے ساتھ پیر نے مرید کیا اور وہ مرید ہو گیا......ایک دن تو وہ مرید شراب پیے بغیر رہ گیا، اور جب دوسرا دن آیا تو مرید بے چین ہو گیا شراب کی لت اتنی بری ہوتی ہے کہ جب تک وہ نہ ملے تو اس کی زندگی کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہے، خیر کسی طرح اس نے شراب کا انتظام کیا اور گلاس میں شراب لے کر جیسے ہی اس نے شراب پینے کا ارادہ کیا اس کے سامنے پیر کھڑا نظر آیا۔ اس نے فوری طور پر گلاس پھینک دیا اور پیر سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا......اسی طرح جب بھی وہ شراب

پینے کا ارادہ کرتا اس کے سامنے اس کا پیر نظر آجاتا .... بالآخر اس نے شراب پینا بند کردیا اور اپنے پیر کے مخلص مریدوں میں شامل ہوگیا۔

اس واقعہ سے اس بات کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ ''پیر'' کیا ہوتا ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ ان کی ذات وشخصیت سے فیض جاری ہوتا رہتا ہے چاہے پیر اس دور کا ہو یا کسی اور دور کا ہو بشرطیکہ وہ پیر شریعت کا پابند ہو یہ اور بات ہے کہ ان کے فیوض وبرکات کا ہمیں یا کسی اور کو احساس نہ ہوتا ہو......احساس کا نہ ہونا اور بات ہے اور فیض کا جاری رہنا دوسری بات ہے

اب بھی سچا غلام زندہ ہے

اس جہانِ فانی میں اگر چہ لوگوں کے دل ودماغ میں فتور بھرا ہوا ہے اور ہر ایک اپنے اپنے نفس اور خواہشات کا غلام ہے اور ذاتی منفعت ہے۔اس کے باوجود ابھی دنیا میں ایسے افراد بقید حیات ہیں جو مخلصانہ انداز میں دین وسنیت کا کام کررہے ہیں اور اسلام وسنیت کی تبلیغ وارشاد میں مصروف ہیں جو جس حیثیت کا مالک ہوتا ہے اس کی اسی حیثیت کے اعتبار سے اس کی خدمات کا دائرہ بنتا ہے......وسیع ہوتا ہے اور پھیلتا ہے تو پھر پھیلتا ہی رہتا ہے اور کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جب ان کی نیتوں میں کھوٹ ہوتی ہے اور خلوص ووفا کا زور ٹوٹتا ہے تو ان کا بنا بنایا زاویہ ٹوٹ جاتا ہے اور خوبصورت دائرہ بکھر جاتا ہے......اس طرح کے کون ہوتے ہیں؟ اور کہاں رہتے ہیں؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں...... ہاں لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ ایسی ہستیاں کہاں بنتی ہیں؟ اور کہاں بستی ہیں؟

یہ بات بڑوں کی ہے اور بڑے ہی جانیں
ہم چھوٹے ہیں اس لئے چھوٹی بات کرتے ہیں

کرناٹک کے بھدراوتی میں سنیت زندہ ہے اور مسلک اعلی حضرت کے ماننے والے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں ان کی زبانوں پر ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کا سرمدی نغمہ جاری رہتا ہے۔شعوری طور پر یہ نغمہ ان کی زبان سے تو جاری رہتا ہی ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر شعوری طور پر بھی یہ نغمہ جاری ہوجاتا ہے، حالانکہ کرناٹک کا صوبہ بریلی شریف

یو پی سے بہت دور ہے۔ پھر بھی دیارِ مرشد سے ایسی خوشبو پھوٹتی ہے کہ یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور پھر اس کے احساس سے ہمارے پژمردہ دلوں میں کیف ونشاط کی کلیاں مسکرا اُٹھتی ہیں ...... میں کرناٹک کا رہنے والا ہوں مجھے بریلی اور بریلی کے مردِ مجاہد کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اور نہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو جانتا تھا اور نہ امام عشق ومحبت سے واقف تھا ...... مگر قدرت کا ایسا نظام ہے کہ جب وہ کسی کو دنیا کے خطے میں پہنچانا چاہتا ہے تو کسی نہ کسی بہانے پہنچا دیتا ہے اور اپنے محبوب بندوں کی شہرت وہاں تک کر دیتا ہے جس کے بارے میں بندہ گمان بھی نہیں کرسکتا ہے یہ اس کا کرشمہ ہے اور اس کی نعمت ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

بریلی شریف اُتری بھارت میں ہے اور کرناٹک ہندوستان کا جنوبی علاقہ ہے دونوں میں کافی فاصلہ ہے میں نے بریلی کو کس طرح جانا اور مسلک اعلیٰ حضرت سے کس طرح آشنائی ہوئی؟ یہ بھی اس کا فضل ہے جسے میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ پاک نے اپنی نعمتوں کو بیان کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے: **واما بنعمة ربك فحدث** کہ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو...... بریلی شریف سے واقف ہونا ایک نعمت ہے اعلیٰ حضرت اور ان کے مسلک کو جاننا اس کی دوسری نعمت ہے حضور مفتی اعظم ہند کے دامن سے کسی نوع وابستہ ہونا یہ تیسری نعمت ہے اور جو بیچ میں واسطہ ہے یہ چوتھی نعمت ہے۔

پیر طریقت حضرت صوفی لیاقت رضا نوری مدظلہ العالی

مرشد گرامی ہمارے اور ہمارے علاقہ کے لئے ایک عظیم نعمت کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے ہی ہمیں بتایا کہ مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے اور اس پر چلنے میں کیا فائدہ ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ مسلک دنیا کے لئے بھی نعمت ہے اور آخرت کے لئے بھی نعمت ہے کیونکہ مسلک اعلیٰ حضرت ہمارے دلوں میں رسول کی محبت کو جاگزیں کرتا ہے اور عشق کی جوت جگاتا ہے شریعت پر چلنا سکھاتا ہے اور طریقت کے رموز بتاتا ہے...... لیاقت ملت ہمارے پیر ومرشد ہیں اور مفتی اعظم ہند کے سچے غلام ہیں انہوں نے مختلف انداز سے مسلک اعلیٰ حضرت کے خدمات انجام دیئے ہیں ...... مثلاً

بھدراوتی میں جن کے گھروں میں غیروں کے ''تراجم قرآنی'' تھے حضرت نے اعلان فرمادیا کہ پرانے ''تراجم قرآن'' دے جاؤ اور اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' لے جاؤ اِدھر دو اور اُدھر لو......ایک ہاتھ سے دو اور دوسرے ہاتھ سے لو......کوئی ہدیہ نہیں اور کوئی پیسہ نہیں اس طرح آپ نے بھدراوتی ہی نہیں بلکہ پورے کرناٹک میں ''کنز الایمان'' کو پہنچادیا......یہ خدمت بھی دین کی بہت بڑی خدمت ہے اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی خدمت ہے اور یہ ایسی خدمت ہے جس کے اثرات میں دیر پائی ہے۔ مرشد گرامی نے جذبۂ خدمت دینی کا دلوں میں طوفان برپا کردیا ہے۔ ان کی کوششوں کی برکات آج ہر سمت دیکھی جارہی ہے۔ آج نغماتِ رضا سے پورا کرناٹک گونج رہا ہے۔ صبح وشا مصطفیٰ جانِ رحمت کی صداؤں سے فضا گونجتی رہتی ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے نعروں سے فضا مہکتی رہتی ہے۔ ان کی نوازشات کی ایک طویل فہرست ہے۔ اگر سب بیان کی جائیں تو کتاب تیار ہوجائے۔ ذیل میں حضرت کی نگرانی وسرپرستی میں چلنے والے اداروں کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے:

- ☪ انجمن پیغامِ رضا ٹرسٹ بھدراوتی، کرناٹک
- ☪ انجمن پیغامِ رضا (یوتھ ونگ) بھدراوتی، کرناٹک
- ☪ انجمن پیغامِ رضا (شاخ) شیموگہ، کرناٹک
- ☪ انجمن پیغامِ رضا (شاخ) شکاری پوری، کرناٹک
- ☪ انجمن پیغامِ رضا (شاخ) باناوار، ضلع ہاسن
- ☪ انجمن پیغامِ رضا ٹرسٹ (شاخ) ہتّل شریف، شکاری پور، ضلع شیموگہ
- ☪ انجمن پیغامِ رضا، نزد: چاند شہید درگاہ مفتی اعظم روڈ، گومتی پور، احمد آباد، گجرات
- ☪ انجمن پیغامِ رضا سنی چیریٹیبل ٹرسٹ، میسور روڈ، بنگلور
- ☪ انجمن پیغامِ رضا شاخ مڈیوال بنگلور
- ☪ تنظیم پیغامِ رضا کوٹ سفیل روڈ، مدار شاہ بابا کا ٹیکرا، مدینہ مسجد، سورت
- ☪ رضا اسلامک لائبریری، سنی چوک مسجد کامپلکس بھدراوتی، کرناٹک

- مدرسہ فیضان رضا، قلعہ، بھدراوتی کرناٹک
- رضوی نوجوان کمیٹی رجسٹرڈ، یقین شاہ کالونی بھدراوتی کرناٹک
- مدرسہ مالک دینارامیر جان کالونی، بھدراوتی
- سنّی رضوی نوجوان کمیٹی، کلّہال، بھدراوتی، کرناٹک
- خواجہ غریب نواز کمیٹی اربلچی، بھدراوتی، کرناٹک
- رضا نوجوان کمیٹی، ارے تول، بھدراوتی
- غوث ورضا ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ، ارلے ھلی بھدراوتی، کرناٹک
- سنّی سادات نوجوان کمیٹی (اعلیٰ حضرت نگر) سادات کالونی، بھدراوتی، کرناٹک
- مدرسہ غوثیہ رضویہ، پیپرٹون بھدراوتی، کرناٹک
- تحریک نوری، چکمگلور، کرناٹک جامعہ رضویہ کنزالایمان، چکمگلور، کرناٹک
- انجمن فیضانِ رضا، بالے ہنور، ضلع چکمگلور، کرناٹک
- انجمن فیض رضا، 131 ایکڑ، کڈور، ضلع چکمگلور
- انجمن رضائے خواجہ، بیرور، ضلع چکمگلور
- انجمن کنزالایمان، کوڈی کیمپ، تریکرہ، ضلع چکمگلور
- مدرسہ کنزالایمان، اُپلّی، ضلع چکمگلور
- انجمن غلامانِ رضا، تریکرہ ضلع چکمگلور
- رضا نوجوان کمیٹی، بالے ہنور، ضلع چکمگلور
- انجمن برکاتِ رضا، ہولےنرسی پور، ضلع ہاسن کرناٹک
- بڑا مکان درگاہ شریف کمیٹی، ہولےنرسی پور ضلع ہاسن
- مدرسہ لیاقت رضا، ہولےنرسی پور، ضلع ہاسن
- رضا نوجوان کمیٹی ہولےنرسی پور، ضلع ہاسن
- لیاقت رضا ٹرسٹ ہولےنرسی پور، ہاسن

- مدرسہ فیضانِ رضا، ہولے نرسی پور، ضلع ہاسن
- امام احمد رضا فاونڈیشن کُنّور ضلع ہاسن
- حضرت خواجہ غریب نواز کمیٹی کنور ضلع ہاسن
- مدرسہ رضویہ غریب نواز کنور ضلع ہاسن
- انجمن فیضانِ رضا، باناوار، ضلع ہاسن
- مدرسہ فیضان رضا، حیات نگر، ہولے نرسی پور، ضلع ہاسن
- مدرسہ فیضانِ نوری (بالغان) رضوی گلی ہولے نرسی پور
- مدرسہ خاتونِ جنت، ہولے نرسی پور، ضلع ہاسن
- جامعہ سیدہ عائشہ صدیقہ، امیر محلہ ضلع ہاسن، کرناٹک
- انجمن عاشقانِ رسول کھجور والی مسجد، اجین ایم پی
- بزمِ ریحانِ ملت، رضا نگر، اجین، ایم پی
- بزمِ رضا، جامع مسجد روڈ، اجین، ایم پی
- غریب نواز نوجوان کمیٹی، کھجور والی مسجد، اجین، ایم پی
- انجمن غلامانِ نوری، کے آر، پیٹ ضلع منڈیا، کرناٹک
- مدرسہ نوری، کے آر پیٹ، ضلع منڈیا
- انجمن فیضان رضا، ٹیپونگر، ضلع شیموگہ کرناٹک
- مفتی اعظم اکیڈمی، رضا جامع مسجد روڈ، پرمودے منگلور
- البتول عربک اسکول ہرپن ہلی، ضلع داونگرے، کرناٹک
- رضا نوجوان کمیٹی، مسجدِ رضا RML نگر، شیموگہ، کرناٹک
- مرکزِ اہلِ سنت، نور الھدیٰ عربک کالج کالی داس نگر، ہری ہر
- جامعہ بابُ العلم، جی پے پالیہ، ضلع ٹمکور، کرناٹک
- اعلیٰ حضرت اکیڈمی، آرٹی نگر ایل آر بنڈے بنگلور

☪ انجمن سنی رضوی، بلکور، ضلع چتر ادرگہ، کرناٹک

☪ قادریہ اکیڈمی رجسٹرڈ، رانی بنور، ضلع ہاویری

☪ انجمن فیضانِ اعلیٰ حضرت فونٹن سرکل، میسور، کرناٹک

☪ انجمن غلامانِ اعلیٰ حضرت، کنکا نگر، بنگلور

☪ کنز الایمان اسلامک لائبریری، ساگر، ضلع شیموگہ

☪ مفتی اعظم ہند کمیٹی رجسٹرڈ، پرمودے منگلور، کرناٹک

☪ مسلکِ اعلیٰ حضرت کمیٹی، ہمت نگر، گجرات

☪ کنز الایمان لائبریری DKM ہاسپٹل کے سامنے، سورت، گجرات

☪ مدرسہ گلشنِ برکاتِ رضا، بی بلاک بھیستان اواس (گلستان) سورت، گجرات

☪ مدرسہ رضائے مصطفیٰ، کرلے ہلی، ضلع داونگیرہ

☪ حضرت رحیم اللہ شاہ قادری ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ، نیلور، ضلع داونگیرہ

☪ دار العلوم اہلِ سنت جامعہ حضرت بلال، سرالکپہ

مرشد گرامی کا یہ بھی کرم ہے کہ انہوں نے نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ کے مسائل سے آگاہ کیا مجلسی گفتگو میں بتایا اور مذکورہ مسائل سے متعلق کتابیں بھی مفت تقسیم کیں۔

مسلکِ اعلیٰ حضرت حقائق ومعارف کی اشاعت کرکے آپ نے پورے ہندوستان میں اسے عام کیا۔اس طرح مسلکِ اعلیٰ حضرت سے گھروں اور دلوں کو روشن کیا۔

اب ''مفتی اعظم ہند نمبر'' کی اشاعت کر رہے ہیں جو کافی ضخیم ہے اس کی اشاعت کروانے میں مصروف ہیں جو عن قریب شائع ہو کر ہمارے ہاتھوں میں ہوگا۔ اس نمبر سے بھی لوگوں کو معلومات حاصل ہوں گے۔اور حضور مفتی اعظم ہند کا فیضان خوب عام ہوگا۔

جہاں ہم اپنے پیر ومرشد کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں وہیں ہم حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے پیر ومرشد کی آواز پر لبیک کہا اور نمبر کی ترتیب وتدوین ،مضامین کی فراہمی اور تقدیم و طباعت میں اہم رول ادا کیا

......اگر آپ نہ ہوتے تو ہمیں کافی دشواریوں کا سامنا ہوتا۔ میں ان کے کس کس کرم کا ذکر کروں؟ ان کے کرم کے ذکر کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

آخر میں اللہ پاک سے دعا ہے کہ ''یہ رشتہ جو بریلی شریف، مسلک اعلی حضرت اور مفتی اعظم ہند'' سے قائم ہوا ہے، پائدار رہے اور تا دیر قائم رہے۔ اس لیے کہ جس گھر کے دروازے پر حضور مفتیِ اعظم ہند کا نام کندہ ہوتا ہے وہاں بدعقیدگی داخل نہیں ہوتی اور وہ گھر بے برکتی کا کبھی شکار نہیں ہوتا۔ ربّ کائنات تاحیات حضور مفتی اعظم ہند کا بنائے رکھے اور ان کے طفیل مرشد گرامی کے فیضان سے ہماری حیات کے اوراق روشن و منور ہیں۔

a a a a a

باب ہشتم

ادبیات

☆علامہ سید اولادِ رسول قدسی

نیو یارک، امریکہ

حضرت نوری بریلوی اپنے کلام کے آئینے میں

ادب اور شاعری کے مابین وہی رشتہ ہے جو ایک جسم اور روح کے درمیان ہوتا ہے۔ جس طرح روح کے انسلاک سے جسم میں زندگی کی لہر دوڑتی رہتی ہے اور روح کے افتراق سے موت واقع ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح شاعری ادب کی حیات کا باعث ہے اور اس کے عدم سے ادب کی موت۔ شاعری ادب میں نکھار لاتی ہے اور اسے مرصع و مزین بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ یہ امر مبنی بر حقیقت ہے کہ ادب شاعری کے بغیر ادھورا اور نامکمل ہے۔ یہی سبب ہے ہر دور میں شاعری کا سراغ ملتا ہے اور شعراء کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے۔

اربابِ شعر و ادب سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فنونِ شاعری میں نعت گوئی کو ایک اہم اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ نعت گوئی کوئی فنِ جدید یا نوزائیدہ فن نہیں ہے بلکہ رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ زریں میں بھی نعتیہ شاعری عروج و ارتقاء کی منزل پر فائز تھی۔ اس کی بین دلیل بارگاہ رسالت کے مہتم بالشان شعراء کے مقدس کلام ہیں جو آج بھی تاریخ کے سنہرے صفحات پر روشن و نمایاں ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت امام غزالی اپنی مایۂ ناز تصنیفِ لطیف ''احیاء العلوم'' میں بیان فرماتے ہیں: قالت عائشة رضی الله عنها کان اصحاب رسول الله ﷺ یتنا شدون عنده الاشعار وهو یتبسم'' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ صحابۂ کرام سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اشعار پڑھتے تھے اور مسکراتے تھے۔

کتاب ''مظہر الحق'' کے مندرجہ ذیل اشعار بھی میرے دعوے کی پشت پناہی کے لیے

معاون ثابت ہوں گے۔

شعر ہا علی گفت حسین و حسن گفت انس گفت اویس قرن

شعر کہ حسانِ عرب گفتہ است سید کونین پذیر فتہ است

منع ز اشعار نہ کردش نبی نہی ازاں کارنکردش نبی

بلکہ برو کرد ہزار آفریں سید کونین ِ رسولِ امیں

علاوہ ازیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابۂ کرام کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا میں قصائد لکھنے کی روحانی سعادت حاصل رہی مگر زرقانی کی روایت کے مطابق دربارِ رسالت کے شعراء میں تین صحابۂ کرام کے اسماء مخصوص اور قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرجی اور حضرت حسان بن ثابت بن منذر عمر و انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ وہ قابلِ تعریف حضرات تھے جو سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس نعتوں کے پہلو بہ پہلو کفار کے شاعرانہ حملوں کا بھی اپنے فصیح وبلیغ قصائد کے ذریعہ دنداں شکن جواب دیا کرتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک خود فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اشعار کے ذریعہ مشرکین کی ہجو کرو کیوں کہ مومن اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا ہے اور تمھارے اشعار گویا کفار کے حق میں تیروں کی مار کے برابر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ وہ خوش نصیب نعت گو صحابیٔ رسول ہیں کہ جن کو خود سرکار نے سید الشعراء کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح جہاں تک بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعرا کا تعلق ہے ان میں مقبول ومشہور ترین شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ رہے۔ آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے اشعار سے خوش ہو کر نہ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمائی: ایدہ بروح القدوس یعنی یا اللہ! حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرما اور نیز یہ ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ میری طرف سے کفارِ مکہ کو اپنے اشعار کے ذریعہ جواب دیتے رہتے ہیں اس وقت تک جبریل علیہ السلام ان کے ہمراہ رہا کرتے ہیں بلکہ

سرکار آپ کو منبرِ رسول پر بٹھا کر اپنی نعت سماعت فرمایا کرتے اور انعام و اکرام سے بھی نوازا کرتے تھے۔ یوں تو آپ کی کہی ہوئی نعتیں احادیث کے زریں صفحات میں موتیوں کی طرح ضوبار ہیں لیکن آپ کے مندرجہ ذیل اشعار زبانِ زد خاص وعام ہے ؎

واحسن منك لم ترقط عینی   واجمل منك لم تلد السناء

خلقت مبرأً من کل عیب   کانك قد خلقت کما تشاء

ھجوت محمداً برّا ر ء وفا   رسول اللہ شمیتهٗ الوفاء

یعنی اے اللہ کے محبوب! میری آنکھ نے آج تک آپ سے زیادہ حسین وجمیل نہیں دیکھا اور نہ کسی عورت نے آپ سے زیادہ حسین وجمیل بچہ جنا۔

آپ ہر قسم کے عیب سے پاک پیدا کیے گئے

گویا آپ کو آپ کے منشا کے مطابق وجود بخشا گیا

اے رسولِ خدا کے دشمن! تو نے برائی کی ہے کس کی؟ محمد کی! جو سراپا کرم ہیں۔

ہم قارئین کی معلومات کے اضافے کی خاطر چند مشہور صحابۂ کرام کے ایسے نعتیہ اشعار پیش کر رہے ہیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ وارفتگی وشیفتگی کی عکاسی کر رہے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارِ غار اور رفیق حوض کوثر ہونے کے ساتھ ساتھ خلیفۂ اول بھی ہیں۔ جن کے بارے میں ارشادِ نبی ہے: ما طلعت الشمس ولا غربت علیٰ احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبیاً۔ یعنی کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جس پر سورج طلوع وغروب ہوا ہو۔ یہاں تک کہ وہ ابوبکر سے افضل ہو مگر یہ کہ وہ نبی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبر انبیاء کرام کے بعد سارے انسانوں میں افضل واعلیٰ ہیں آپ وفورِ عشقِ رسول میں فرماتے ہیں ؎

باعین فابکی ولا تساٗمی   وحقِ البکاء علی السیدی

علیٰ خیر خندف عند البلاء   امسی یغیب فی لحد

فصل الملیك ولی العباد   وربّ العباد علی احمد

یعنی اے آنکھ تو اس قدر رو کہ آنسو نہ تھمیں۔ قسم ہے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رونے کے حق کی۔ خندف کے اس بہترین فرزند پر تو آنسو بہا جو غم والم کے ہجوم میں سرِ شام قبر کی آغوش میں چھپا دئے گئے۔ مالک الملک، شہنشاہِ حقیقی، بندوں کا والی پروردگار! تو احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیج۔

حضرت فاروقِ رضی اللہ عنہ جو رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے محبوب صحابی ہیں کہ جن کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ یعنی بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے عمر کی زبان و دل پر حق قائم فرما دیا ہے۔ دیکھیے کس والہانہ انداز سے آپ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کے گوہرِ گرانمایہ پیش کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

الم تر ان اللہ اظھر دینہ ۔۔۔ علیٰ کل دینٍ قبل ذالک حائدٖ
واسلبہ من اھل مکۃ بعد ما ۔۔۔ تداعو الیٰ امرٍ من الغیِّ فاسد
غداۃ اجال الخیل فی عرصاتھا ۔۔۔ مسومۃ بین الزبیر و خالد
فامسیٰ رسول اللہ قد عزز نصرہ ۔۔۔ وامسیٰ عداہ من قتیل و شارد

یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا ہر اس دین پر جو اس سے پہلے تھا حق سے پھرا ہوا۔ اور اللہ نے اہلِ مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم کر دیا جب ان لوگوں نے گمراہی کے خیالِ فاسد یعنی قتل پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور پھر وہ صبح، جب گھوڑے اس کے میدانوں میں جولانیاں دکھانے لگے جن کی باگیں زبیر وخالد کے درمیان چھوٹی ہوئی تھیں۔ پس رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو اللہ کی نصرت نے غلبہ بخشا اور ان کے دشمن مقتول ہوئے اور شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلے۔

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم جو سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد، محبوب صحابی اور خلیفۂ چہارم ہیں، کس قدر محبت آمیز لب ولہجہ سے نعتِ رسولِ مقبول پیش کر رہے ہیں، فرماتے ہیں ؎

امن بعد تکفین النبی و دفنہ ۔۔۔ باثوابہٖ اُسی علی ھالکٍ سویٰ
زرانا رسول اللہ فینا فلن نریٰ ۔۔۔ بذالک عدیلاً حبیبنا من الرّویٰ

وکان لنا کالحصن من دون اهله له معقل حر زحریز من الروی
وکنا نراہ نری النور و الهدیٰ صاحباً مساءً راح فینا او اغتدیٰ
لقد غشیتنا ظلمة بعد موته نهاراً فقد زادت علی ظلمة الدجیٰ
فیاخیر من ضم الجواغ و الحشا ویاخیر میت ضمة التراب والثریٰ

یعنی نبی کو کپڑوں میں کفن دینے کے بعد میں ان کے فراق میں غمگین ہوں جنھوں نے خاک کو اپنا مسکن بنالیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی مصیبت ہم پر نازل ہوئی اور جب تک ہم زندہ ہیں ان جیسا ہرگز نہیں دیکھیں گے۔

ہم جب ان کو دیکھتے تو سراپا نور و ہدایت کو دیکھتے، صبح بھی، شام بھی۔ جب وہ ہم میں چلتے پھرتے یا صبح کو گھر سے نکلتے۔

ان کی رحلت کے بعد ہم پر ایسی تاریکی چھا گئی کہ جس میں دن کالی رات سے زیادہ تاریک ہو گیا۔

انسانی بدن اور اس کے پہلو جتنی شخصیتوں کو چھپائے ہوئے ہیں ان میں سب سے بہتر آپ ہیں اور آپ ان تمام رخصت ہونے والوں میں سب سے بہتر ہیں جنھیں خاک نے اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی محبوب و مشفق چچا اور قابلِ فخر صحابی ہیں۔ جن سے سرکار کو بے پناہ محبت تھی۔ اسی غایتِ محبت کی وجہ سے آپ نے حضرت وحشی سے فرمایا تھا کہ تم میرے سامنے نہ بیٹھا کرو کیوں کہ تمھیں دیکھ کر میرے چچا کی یاد مجھے تڑپاتی ہے۔

واضح رہے کہ حضرت وحشی نے جنگِ احد میں حضرت ہندہ کے ایما پر دھوکے سے حضرت امیر حمزہ کو شہید کر دیا تھا۔

آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کس قدر سرشار تھے، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں ؎

حمدت الله حین فوأدی الی الاسلام والدین المنیف

لدین جاء من رب عزیز خبیر بالعباد بھم لطیف
اذا تلیت رسائله علینا تحدر مع ذی اللب الحصیف
رسائل جاء احمد من هداها بآیات مبینة الحروف
واحمد مصطفیٰ فینا مطاعاً فلا تغشوه بالقول العنیف
فلا واللہ نسلمهٔ لقوم ولمّا نقض فیهم بالسیوف

یعنی میں نے خدا کا شکر ادا کیا اس نے میرے دل کو اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی۔

اس دین کو جو بھی عظمتیں حاصل ہیں وہ پروردگار کی جانب سے ہیں جو تمام بندوں سے باخبر اوران پر مہربان ہے۔

جب اس کے پیغامات کی تلاوت ہمارے سامنے کی جاتی ہے تو ہر صاحبِ عقل اور صائب الرائے کے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

وہ پیغامات جن کی ہدایتوں کو احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے وہ واضح الفاظ و حروف والی آیتوں میں درخشاں ہیں۔

اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں ایسے برگزیدہ ہیں کہ جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا اے کافرو! اپنی باطل بکواس سے ان پر غلبہ مت حاصل کرو، تو خدا کی قسم ہم ان کو اس قوم کے حوالے کبھی نہیں کریں گے جن کے بارے میں ہم نے ابھی تلواروں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین صاحب زادی تھیں۔ جن سے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا: **فاطمه بضعة منی** یعنی فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر ملال سے متاثر ہو کر کس قدر اندوہناک انداز میں حضرت فاطمہ قلم برداشتہ اظہارِ خیال فرماتی ہیں۔ دیکھیے ؎

ماذا علیٰ من شم تربة احمد الا یشم مدیٰ الزمان غوالیا
صبت علّی مصائب لو انها صبت علی الایام عدن لیالیا
اغبرا فاق السماء و کُوِّرت شمس النهار و اظلم الازمان

ولارض من بعد النبی کئیة اسفاً علیه کثیرة الاحزان
فلیبکهٖ شرق البلاد وغربها یا فخر من طلعت له النیران
یاخاتم الرسل المبارك صنوة صلّٰی علیك منزّل القرآن

یعنی جس نے ایک مرتبہ بھی خاکِ پائے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سونگھ لی تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے۔

(حضور کی جدائی میں) مجھ پر ایسی مصیبتیں ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ مصیبتیں ''دنوں'' پر ٹوٹتیں تو دن راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہو گئیں اور دن کا سورج لپیٹ دیا گیا اور سارا زمانہ تیرہ و تار ہو گیا۔

اور زمین نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مبتلائے درد وغم ہے۔ ان کے غم میں سراپا ڈوبی ہوئی ہے۔

اب آنسو بہائیں مشرق ومغرب بھی ان کی جدائی پر۔ فخر تو صرف ان کے لیے ہے جن پر روشنیاں چمکیں۔

اے آخری رسول! آپ برکت وسعادت کی جوئے فیض ہیں آپ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود وسلام بھیجا ہے۔

مذکورہ بالا اشعار کی تشریح وتوضیح کے لیے دفاتر کے دفاتر بھی ناکافی ہیں۔ ان اشعار کے لفظ لفظ سے جہاں محبتِ رسول کے سوتے پھوٹتے ہیں وہیں اپنے اندر مطالب ومفاہیم کا بحرِ ناپید کنار لیے ہوئے ہے۔ کسی اور موقع سے صحابۂ کرام کی نعت گوئی مع تشریح پیش کی جائے گی۔ یہاں تو صرف اتنا بتانا مطمحِ نظر ہے کہ نعت گوئی کی روایت کوئی نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے۔ مذکورہ شواہد سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نعت گوئی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہدِ پاک میں بھی بے پناہ مقبول تھی۔ اب پورے دعوے کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعتیہ شاعری کی ابتداء عربی شعراء سے ہوئی پھر بتدریج یہ فن ارتقائی منزل طے کرتا ہوا فارسی شعراء تک پہنچا پھر رفتہ رفتہ اردو شعراء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور آج اس فن نے دنیا میں اپنی مضبوط شناخت قائم کر لی ہے اور اپنی

اہمیت وافادیت کا لوہا منوالیا ہے۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ بعض ہمدردانِ ادب نے یہ کہہ ڈالا کہ اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت نئی ہے، تو ایسے لوگوں کے لیے جواباً اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ انہیں تاریخ سے کوئی آشنائی ہے اور نہ حقائق سے کسی قسم کا تعلق۔ حالانکہ یہ کہا جائے تو قطعی بے جا نہ ہوگا کہ اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود اردو شاعری۔

اگر تاریخ ادب کا بالاستعیاب مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ناقابلِ انکار ہوگی کہ اردو کی اشاعت میں صوفیائے کرام نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے اور اردو حقیقتاً ایسی ہی تقدس مآب شخصیتوں کے زیرِ سایہ پلی بڑھی اور پروان چڑھی کیوں کہ ان ذواتِ مقدسہ کا مقصد اصلی خلقِ خدا کی خدمت اور دینِ متین کی ترویج واشاعت کرنا تھا اور ان کی تبلیغ کا میڈیا کوئی اور زبان نہیں بلکہ اردو ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں آج بھی حمدیہ اور نعتیہ اشعار کی کثرت نظر آتی ہے۔ ان صوفیائے کرام میں حضرت فرید گنج شکر، امیر خسرو، شرف الدین احمد یحییٰ منیری، حمید الدین ناگوری، بندہ نواز گیسودراز وغیرھم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اب ہم ذرا اٹھارہویں اور انیسویں صدی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان ادوار میں اردو شاعری بلاشبہ انتہائی عروج پر تھی اور ہر چہار جانب غزل گوئی کی دھوم ہی نہیں مچی ہوئی تھی بلکہ اس کی دھاک جمی ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود ایسے وقت بھی ہمارے سامنے بیشتر ایسے خوش نصیب نعت گو شعراء کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے کہ جن لوگوں نے نعت گوئی کو اپنا مشغلہ بنا کر جہاں نعتیہ شاعری کو جلا بخشی وہیں اردو ادب کے بیمار جسم میں تازہ روح پھونک دی۔ اس دور میں سرِ فہرست محسن کاکوروی، صوفی منیری، امیر مینائی، بیدم شاہ وارثی کے اسماء شمار کیے جاسکتے ہیں۔

مگر یہاں ایک الگ المیہ ہے کہ دنیائے ادب نے نعت گو شعراء کو ایسا مقام نہیں دیا جس کے وہ متحمل تھے اور جس کی ان کی فکری کاوشیں متقاضی تھیں۔ جب ہم مذکورہ نعت گو شعراء اور حضرت نوری بریلوی کے مابین تقابلی تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند کا کلام یقیناً فصاحت وبلاغت کا جامع اور فنّی نقطۂ نگاہ سے مابہ الامتیاز کی حیثیت رکھتا

ہے۔ بھلا کیوں نہ ہو حضرت والا اس مایۂ ناز ہستی کے چشم و چراغ ہیں جنہیں نعتیہ شاعری کے میدان میں امامت وصدارت حاصل تھی تبھی تو ان کے کلام کو دنیا کلام الامام اور امام الکلام سے یاد کرتی ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو قطعی غلط نہیں ہوگا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا کلام اپنے زمانے کے جملہ نعت گو شعرا سے ہر اعتبار سے ممتاز ہے بلکہ سچائی یہ ہے کہ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری اردو نعتیہ شاعری کا نقطۂ آغاز ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان وادب کی تاریخ میں پانچ زبانوں میں نعت گوئی کا شرف آپ کے سوا دنیا کے کسی نعت نگار کو حاصل نہیں۔ آپ کی کہی ہوئی نعت لم یات نظیر کرفی نظر اور قصیدۂ معراجیہ آج بھی دنیائے ادب کے لیے ایک چیلنج ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا بدل صبحِ قیامت تک کوئی پیش نہیں کرسکتا۔ امام احمد رضا کے کلام کی خوبیاں اربابِ نظر سے مخفی نہیں۔ پھر کسی موقع سے ان شاء اللہ اس پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ نمونے کے چند اشعار ذیل میں ملاحظہ کریں۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

ہمیں اے رضاؔ ترے دل کا پتہ چلا بمشکل درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا

OOOO

ذرّے جھڑ کر تیری پیزاروں کے
تاجِ سر بنتے ہیں سیّاروں کے
میرے آقا کا وہ در ہے جس پر
ماتھے گھِس جاتے ہیں سرداروں کے

میرے عیسیٰ ترے صدقے جاؤں
طور بے طور ہیں بیماروں کے

oooo

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تم کو دیکھا ہوگیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا
جو گدا دیکھ لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
اے رضاؔ یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے
نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سِر عیاں ہوں معنی اوّل و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

oooo

لَمۡ یَاتِ نَظِیۡرُکَ فِیۡ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
اَلۡبَحۡرُ عَلیٰ وَالۡمَوۡجُ طغیٰ من بیکس وطوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
بس خامۂ خامِ نوائے رضؔا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

کسی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ وہ شخص شاعر ہو ہی نہیں سکتا جو عشق کی منزل سے نہ گذرا ہو۔ جو اشعار عشق سے خالی وعاری ہوتے ہیں وہ بالکل بے معنی اور پھیکے لگتے ہیں۔ جب عام شاعری کے لیے عشق ایک ناگزیر امر ہے تو پھر نعتیہ شاعری کے لیے عشق جزء لاینفک سے کم نہیں۔ وہ نعتیہ اشعار مقبول خاص وعام ہوتے ہیں جو عشقِ نبی سے سرشار ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب تک شاعر کا سینہ عشقِ مصطفیٰ کا مدینہ نہ بنے وہ نعت نہیں کہہ سکتا اور اگر کہہ بھی لے تو اس کے اشعار میں نہ کیف ہوگا اور نہ وجد۔

نعتیہ شاعری کے لیے عشقِ رسول شرط اول ہے۔ ثانیاً یہ کہ نعتیہ شاعری ایک بہت ہی مشکل اور نازک فن ہے۔ اس سلسلے میں عرفی کا نظریہ یہ ہے ’’نعتیہ شاعری تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔‘‘

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت پابندی ہے۔

(سہ ماہی فکر وتحقیق، اپریل مئی جون ۲۰۱۴ء، ص ۱۷۸۔۱۷۹)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی شاعری ہر زمانے کے نعت نگاروں کے لیے چراغِ

ہدایت ہے۔انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھا ہے ؂

پیشہ میرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کے خلاف لو زینہ میں سپر تو نہ بھایا مجھ کو

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے افغانِ دلِ زار حُدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو نقشِ قدمِ حضرتِ حسّاں بس ہے

نعتیہ شاعری کے اشکال کی وجہ پروفیسر عنوان چشتی یوں بیان کرتے ہیں'' شاعر کو ایک طرف فنِ شاعری کے تقاضوں کو پورا کرنا پڑتا ہے اور دوسری طرف نعتِ پاک کے داخلی تقاضوں یعنی اس کی مذہبی اور روحانی جہت کا احترام کرنا پڑتا ہے۔ان سارے اقوال سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ میدان اس قدر پرخطر اور سنگین ہے کہ ذرا قدم پھسلتے آدمی کہیں کا نہیں رہ جاتا کیوں کہ بقول ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم''افراط میں شانِ رسالت میں گستاخی اور تفریط میں نشانِ اولوہیت میں تنقیص کا شائبہ رہتا ہے''۔انہیں وجوہات کی بنیاد پر جن شاعروں نے شریعت کے اصول وضوابط کا لحاظ کیے بغیر نعتیں کہیں وہ علماء کے فتاوے کی زد میں آگئے۔تبھی تو اس میدان میں چند ہی ایسے باہوش اور محتاط شعرا نظر آتے ہیں کہ جن کا کلام شرعی نقائص سے مبرا ومنزہ ہے۔ان میں سے انہوں نے خود بطورِ تحدیثِ نعمت یوں ذکر کیا ہے ؂

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار
سقم شرعی سے ہیں منزہ اشعار

حضرت مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی اسلامی دنیا کا ایک انتہائی معتبر نام ہے۔آپ کی پوری حیات علم وعشق کے نور میں ڈوبی ہوئی تھی۔آپ نے شرعی حدود سے باہر کبھی قدم ہی نہیں رکھا۔آپ کی علمی عظمت اور رُعب وجلال کا عالم یہ تھا کہ ہزاروں تقریر پر آپ کی ایک خاموشی بھاری تھی۔اسلامی دنیا میں آپ کی حیثیت فیصل کی تھی۔آپ کے شرعی حکم کے آگے حکومتِ

وقت بھی سپر ڈال دیتی تھی۔ ایک انسان کو جن خوبیوں سے مزین ہونا چاہیے وہ ساری خوبیاں آپ میں بدرجۂ کمال موجود تھیں۔ علوم وفنون کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جس پر آپ کی گہری نظر نہ ہو۔ آپ کے عہد کے علما کے علم وکمال کی جہاں انتہا ہوتی تھی وہاں سے آپ کے کمال کی ابتدا ہوتی تھی۔ کوزے میں سمندر کا مقولہ اکثر سننے میں آتا ہے۔ آپ کی ذات میں اس مقولہ کو پیکر محسوس میں دیکھا جاسکتا تھا۔ آپ کے عہد کے علما ومشائخ اپنی الجھی گتھیاں لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ اشاروں میں ان کی الجھی گتھیاں سلجھا دیتے۔ بڑے بڑے صاحبِ جبّہ ودستار آپ کے سامنے زبان کھولنے سے گھبراتے۔ صوفیا کی ایک جماعت اس بات کی معترف ہے کہ ہماری ان آنکھوں نے ان سے بڑا متبع شریعت نہیں دیکھا۔ حضرت محدثِ اعظم ہند جن کی علمی جلالت کا اپنے بیگانے سب اعتراف کرتے ہیں۔ آپ کے ایک فتویٰ کی تائید وتصدیق میں فرمایا کہ یہ ایک ایسے عالم مطاع کا حکم ہے جس کی اتباع ہم پر لازم ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کے اوراقِ حیات کے کسی ورق پر کوئی داغ دھبّہ نہیں دیکھا گیا۔ آپ زہد وتقویٰ کی اس بلند ترین منزل پر فائز تھے جس کے تصور ہی سے اچھے اچھوں کے ہوش اُڑ جاتے ہیں۔ ان اوصاف وکمالات کو بیان کے لیے دفاتر درکار ہیں۔ ان کی ذات شجرِ سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی۔ غم وآلام کی تیز دھوپ میں جلنے والے اس درخت کے سایہ میں آکر سکون محسوس کرتے تھے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ کنواں نہ تھے کہ پیاس کی شدت کے شکار وہاں آکر اپنی پیاس بجھاتے بلکہ وہ بادل تھے جہاں ضرورت محسوس ہوتی وہاں جاکر برس جاتے۔ ان کی آمد سے ویرانے آباد ہوجاتے تھے۔ تاریکی اُجالوں کا لباس زیب تن کرلیتی تھی اور جبر وظلم کی تیز ہوائیں بہار کا روپ اختیار کرلیتی تھیں۔

حضور مفتی اعظم ہند کی ولادت ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷؍جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق محلہ سوداگراں بریلی شریف میں ہوئی۔ آپ کا اصلی نام محمد ہے۔ غیبی نام ''آلِ رحمٰن'' ہے۔ مرشد گرامی نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز فرمایا۔ عرفی نام مصطفیٰ رضا رکھا گیا۔ شاعری میں اپنا تخلص نوری کا انتخاب فرمایا۔

حضرت نوری بریلوی کا محتاط قلم میدانِ نعت گوئی میں بھی قابلِ صد تحسین ہے، کیوں کہ

آپ موصوف کا دیوان چھان ڈالیے کہیں بھی آپ کو شرعی سقم مل ہی نہیں سکتا۔ پھر یہ کہ آپ نے جو بھی اشعار کہے عشقِ رسول میں ڈوب کر۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اشعار میں جا بجا محبتِ رسول کی جلوہ آفرینی نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ اپنے دور کے زبردست عالمِ دین اور مفتیٔ اعظم ہند سے ملقب تھے۔ آپ کو تفقہ میں انتہائی درک حاصل رہا۔ ظاہر ہے اگر شاعر علومِ دینیہ کے بحرِ ناپید کنار کا شناور ہو تو پھر اس کے اشعار میں شرعی نقص و عیب کیسے آسکتا ہے۔ اسی لیے میرا خیال ہے کہ صحیح معنوں میں نعتیہ اشعار کہنے کا حق متبحر علماء کو ہی حاصل ہے۔ وہ حضرات جن کا سینہ علومِ دینیہ سے خالی ہوتا ہے ان کے نعتیہ اشعار میں یا تو شرعی سقم نظر آئے گا یا پھر ان کے اشعار محلِ نظر ہوں گے۔ الا ماشاءاللہ۔ مگر اس کے پہلے کہ حضرت نوری بریلوی کے اشعار میں عشق کی سرشاری سے ہم لطف اندوز ہوں آیئے آپ کی بلند پایہ شاعری سے متعلق پروفیسر مغنی جوہؔر کے خیالات دیکھیں، کہتے ہیں: ''مفتیٔ اعظم کی شخصیت برصغیر میں آفتابِ علم و کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے عشق کی آنچ نے جہاں جذبات کو مہمیز کیا وہیں علمی تبحر نے احتیاط کو راہ دی اور پھر ان دونوں کی آمیزش نے مفتیٔ اعظم کے کلام کو سادگی اور معنوی حسن عطا کیا۔''

آپ کے کلام میں سادگی اور معنوی حسن کا مشاہدہ کرنا ہے تو پھر ذیل میں کلامِ نوری کی ایک جھلک دیکھیے اور اسی سے آپ اندازہ لگا لیجیے کہ کلامِ نوری اپنے دامن میں کس قدر خوبیاں لیے ہوئے ہے ؎

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے　　　ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

عام طور پر لوگ حسین کو فتنہ کی بنا تصور کرتے ہیں اور روزمرہ کا مشاہدہ بھی ہے کہ لوگ حسینوں کی فتنہ پروری کی دلدل میں پھنستے رہتے ہیں لیکن قربان جایئے حضرت نوری بریلوی کے عشقِ رسول اور بلندیٔ فکر پر کہ آپ نے اپنے اس شعر میں عام نظریہ کا قلمع قمع کر دیا اور ایک اچھوتا خیال پیش کر کے ایسے معنوی حسن سے اپنی فکر کو مزین کیا کہ بس! بلاشبہ یہ شعر جہاں آپ کی عظیم قوتِ تخیلہ کی روشن دلیل ہے وہیں آپ کی قلبی لطافت و پاکیزگی پر بھی واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت نوری بریلوی نے اس شعر میں یہ باور کرانا چاہا ہے کہ یہ الگ بات ہے کہ حسن کو لوگ

فتنہ کی بنیاد گردانتے ہیں لیکن اے سرورِ کائنات! آپ ایسے حسین وجمیل تھے کہ آپ نے اپنے حسن سے بڑے بڑے فتنوں کا سدّ باب کردیا اور آپ جس راہ سے گذرے اپنے عدیم المثال حسن سے ہنگاموں کی ناکہ بندی فرمادی اور دنیا کو امن وامان اور تہذیب وثقافت کی لطیف خوشبوؤں سے معطر کردیا۔ دیکھیے حضرت نوری بریلوی کے والد ماجد سیدنا اعلیٰ حضرت نے بھی حضورِ اکرم ﷺ کی لطافت سے متعلق کس قدر پاکیزہ خیال پیش کیا ہے ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ عشقِ رسالت مآب ﷺ نعت گوئی کے لیے اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ عشق کے تعلق سے اسلم جیراج پوری کا قول بے پناہ اہمیت کا حامل ہے۔ کہتے ہیں ’’اصلی عشق وہ ہے جس میں انسان جمالِ حقیقی کی شمع کا پروانہ ہوکر اپنی ہستی کو جلا کر خاک کردیتا ہے۔‘‘
قولِ بالا کے پیشِ نظر حضرت نوری بریلوی کی مقدس زندگی کا ہر لمحہ ایسے عشق کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص عشق کی بھٹی میں جل کر کندن ہوجاتا ہے تو پھر اس کے نوکِ قلم سے جو بھی اشعار صفحۂ قرطاس پر جلوہ بار ہوں گے اس میں نبیٔ کریم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کی شبنم فشانی نظر آئے گی اور اس کے اشعار میں آمد ہی آمد کی ضیا باری ہوگی۔ عشقِ رسول سے لبریز حضرت نوری بریلوی کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جارہے ہیں ؎

خدا ایک پر ہو تو اِک پر محمد اگر قلب اپنا دو پارا کروں میں
ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر یونہی زندگانی گذارا کروں میں
میرا دین و ایمان فرشتے جو پوچھیں تمہاری ہی جانب اشارا کروں میں

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہم زنگار کا

حضرت نوری بریلوی سرکارِ ابد قرار ﷺ کے معجزات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی بے لوث محبت کا یوں اظہار فرماتے ہیں ؎

اشارہ پائے ڈوبا ہوا سورج برآمد ہو
اُٹھے انگلی تو مہ دو بلکہ دو دو چار ہوجائے

اس شعر میں دو دو چار ہوجائے کا جواب نہیں۔ اس کے استعمال میں فکر کی پرواز اور فن کی چاشنی آفتاب عالم تاب کی طرح درخشاں ہے۔ مذکورہ شعر جہاں سرکار کے تصرفات کا کلمہ پڑھ رہا ہے وہیں گستاخِ رسول کی بدعقیدگی کا شیرازہ بھی بکھیر رہا ہے ساتھ ساتھ آپ کی فنی خوبی اور انتہائی درجہ کے عشقِ رسول کو بھی اُجاگر کررہا ہے۔

آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تصرف کا اس قدر محبت آمیز لہجے میں تقابل پیش کررہے ہیں جو ایک کھلی ہوئی حقیقت کی عکاسی کررہا ہے نیز آپ کی شرعی احتیاط اور حبِّ رسول پر مہر ثبت کررہا ہے، فرماتے ہیں ؎

شہرہ لبِ عیسیٰ کا جس بات پر ہے مولا
تم جانِ مسیحا ہو ٹھوکر میں ادا کرنا

اعلیٰ شاعری کے دو اہم جز ہیں ایک فکر دوسرا فن۔ آپ کی بلندیٔ فکر آپ کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ ذیل کے اشعار آپ کی اعلیٰ فکروفن پر روشن دلیل ہیں۔

حق کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے ہو تمہیں
نورِ چشمِ انبیاء مہرِ عجم ماہِ عرب

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری
ہے زہرِ معاصی کا طیبہ ہی شفا خانہ

بلاشبہ آپ کی شاعری فنی نقطۂ نگاہ سے بے پناہ جامعیت کی حامل ہے۔ آپ کے اشعار میں شوکتِ الفاظ، خوبصورت ترکیبیں، نادر استعارات، انوکھی تشبیہیں، پیکر تراشی، علامت پسندی کے علاوہ

محسنات لفظیہ ومعنویہ کی بھی تابانی نظر آتی ہے۔ بطور مثال ذیل میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

تمھیں باطن تمھیں ظاہر تمھیں اول تمھیں آخر
نہاں بھی ہو عیاں بھی مبتد او منتہا تم ہو

مٹادی کفر کی ظلمت تمھارے روئے روشن نے
سویرا شرک کا تم نے کیا شمس الضحیٰ تم ہو

رفعنا سے تمھاری رفعتِ بالا ہوئی ظاہر
کہ محبوبانِ رب میں سب سے عالی مرتبہ تم ہو

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری
ہے زہر معاصی کا طیبہ ہی شفا خانہ

جو ساقیٔ کوثر کے چہرے سے نقاب اُٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر ہو آنکھ پیمانہ

مذکورہ اشعار میں علم بدیع کے اعتبار سے لف ونشر مرتب، طباق، توجیہہ، تلمیح، استطراد، مراعات النظیر، تبلیغ، توریہ جیسی محسنات معنویہ کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

جدید شاعری میں پیکر تراشی کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور اس کا بھی محاسنِ شاعری میں ایک اہم رول ہے۔ دراصل پیکر تراشی انگریزی شاعری میں جا بجا پائی جاتی ہے لیکن بعد میں ہمارے اردو شعراء نے بھی اپنے اشعار میں پیکر تراشی کا استعمال کرنا شروع کر دیا گویا پیکر تراشی اردو شاعری میں انگریزی شاعری کی مستعار ہے۔ عصرِ حاضر میں پیکر تراشی کا تو بازار بے حد گرم نظر آتا ہے۔

عموماً پیکر کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک نفسیاتی وتجریدی اور لسانی۔ اس سلسلے میں ڈونی اور

لیویز کے اقوال پیش کیے جارہے ہیں تاکہ پیکر کا مفہوم واضح ہوجائے۔

ڈونی کا خیال ہے کہ پیکر کو مخصوص مادی تصویر کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اس میں ایک قسم کی حِسی خصوصیت ہوتی ہے اور لیویز کہتا ہے کہ پیکر لفظوں سے بنائی گئی ایک تصویر ہے اس لیے فوئحل نے پیکر کو شاعری کا حسّی عنصر قرار دیا ہے۔

بہرکیف ! اتنی بات مسلم ہے کہ دورِ جدیدیت میں پیکر تراشی کے استعمال کو شعراء اپنی شاعری کا معیار سمجھتے ہیں اور اپنے لیے باعثِ افتخار بھی۔ اگر ہم حضرت نوری بریلوی کے کلام کا بغور جائزہ لیں تو آپ کے کلام میں بھی پیکر تراشی کی مثالیں ملتی ہیں۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

روکشِ خلدِ بریں ہے دیکھ کوچہ یار کا حیف بلبل اب اگر لے نام تو گلزار کا

جو سوختہ پیزم کو چاہو تو ہرا کردو مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

قفسِ جسم سے چھٹتے ہی یہ حیراں ہوگا مرغِ جاں گنبدِ خضرا پہ غزل خواں ہوگا

مندرجہ بالا اشعار میں حیف، بلبل، سوختہ پیزم، مرغِ جاں، یہ سب استعارے ہیں جو ان اشعار کے پیکر کی تشکیل کرتے ہیں۔

حضرت نوری بریلوی کے کلام کا ایک مختصر جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ موصوف کے کلام میں فکر و فن کی تمام خصوصیات کی تابندگی ملتی ہے اور آپ کا کلام علمِ بدیع، اور دوسرے جدید رجحانات کے زاویوں سے بھی جامع نظر آتا ہے۔ گویا آپ کا کلام جہاں فصاحت و بلاغت اور فنی اصطلاحات کا ایک حسین مرقع و سرچشمہ ہے وہیں آپ کے کلام میں ایسا سوزِ عشق ہے جو ایک عارف باللہ کے دل کی اتھاہ گہرائی سے اٹھتا ہے اور آناً فاناً پورے عالم میں پھیل جاتا ہے۔

a a a a a

از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری

حضور مفتیِ اعظم شعر و سخن کے آئینے میں

عقیدت ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اے نوری
سخن سنج و سخنور ہو سخن کے نکتہ داں تم ہو

میں آج ایسی شخصیت کے فکرِ لطیف پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جن کا دیدار میرے نخلِ زندگی کی لیے فصلِ بہار، جن کی ملاقات میرے دیدہ ودل کی لیے حاصلِ کائنات، جن کی گفتگو میری بزمِ تخیل کی آبرو، جن کا ادنیٰ سا اشارہ میرے چرخِ آرزو کا روشن ستارہ، جن کے خلوص و محبت کا ہر انداز میری قسمت کی لیے باعثِ اعزاز، جن کی غلامی کی سعادت میرے لیے خلاقِ دو عالم کی مخصوص عنایت، جن کے قول و فعل، صورت اور فضل و کمال کی یاد میری کتابِ ہستی کی جاں نواز روداد ہے، آپ ہیں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدارِ اہل سنّت، حضور مفتیٔ اعظم ہند، مولانا الشاہ آل الرحمان مصطفےٰ رضا خان قادری، نوری، بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

خداوندِ قدوس نے اپنے محبوب، تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امّت میں بعض مخصوص بندے کو ایسی رفعت و عظمت عطا فرمائی اور انہیں فکر و نظر کچھ ایسی رنگا رنگی بخشی جو ہر دور میں شمعِ توحید کے پروانے، اور جمالِ مصطفےٰ کے دیوانے رہے۔ جو اپنی جلوت کو گرمیٔ کردار اور خلوت کو شوخیٔ گفتار سے ایسا تابناک رکھتے تھے کہ اس شبستان سے اٹھنے والی خوشبو سے مشامِ کائنات خود بخود معطر ہوتا رہتا تھا۔ شمع بزمِ سنن، ماحیٔ شر وفتن، محورِ فکر و فن، تاجدارِ اقلیمِ سخن، حضور مفتیٔ اعظم رضی اللہ عنہ انہیں نفوسِ قدسیہ میں ایک باوقار، پُر بہار اور نابغۂ روزگار

شخصیت کے حامل تھے۔ شخصیت علم وفن کے باب میں نیّرِ درخشاں اور شعر وسخن کی فصل میں بدرِ کامل بن کر طلوع ہوتی ہے۔ حضور مفتیٔ اعظم جہاں زندگی کے ہر پہلو میں فقید المثال، نادرِ روزگار اور نازشِ باغ و بہار ہیں وہیں شعر وسخن کے آئینے میں بھی دیکھیے تو شعر کی زلفِ برہم سنوارتے اور سخن کے عارض پر غازہ ملتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی قندیلِ شعور وآگہی سے ظلماتِ فکر ونظر کے دبیز پردہ کو چاک کیا، اور گم گشتگانِ راہ کو نشانِ منزل اور شمعِ ہدایت عطا کی۔ اور میں تو اسے اپنے آقا کا فیض اور اپنے مرشدِ برحق کی کرامت ہی کہوں گا کہ ایک ایسا نحیف وضعیف انسان جس کے دوشِ ناتواں پر ہمہ رنگی ذمہ داریوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، افتاء، اصلاحِ امّت، بیعت وارشاد، پند ونصیحت، جلسے جلوس میں شرکت، دعا تعویذ، ملکی وملّی مہمات وامور، احکامِ شرع کا التزام، فرائضِ منصبی کا بھرپور لحاظ، اس کے علاوہ دیگر ناگاہ درپیش آجانے والے معاملات، آخر کب اور کیسے انہیں سکون کا وقت میسر آیا جس سے ان کی نعتیہ شاعری کا کیف بار دیوان ہمارے سامنے ہے۔ شاعری بھی ایسی جو ازابتدا تا انتہا نغمۂ توحیدِ ربانی وزمزمۂ توصیفِ رسول لاثانی میں سرشار ہے اور جس میں آنے والی نسلوں کے لیے مکمل ضابطۂ حیات وشعورِ زندگی پنہاں ہے۔ یہ علائم بولتے ہیں کہ حضور مفتیٔ اعظم کی عبقری شخصیت، متحرک ذہنیت، جدید تخیل کی علم بردار اور قدیم طرزِ فکر کی آئینہ دار ہے۔ آیئے پہلے آپ کے شاعرانہ محاسن پر ایک سرسری نظر ڈال لیں۔ سوز وگداز اشعار کی روحِ رواں ہے جو آپ کے یہاں بدرجۂ کمال ہردم جواں ہے، عارف شاعر کے کلام میں سوز وگداز کی فراوانی ایک فطری عطیہ ہے کیوں کہ عارف جو کچھ کہتا ہے وہ دل کے نہاں خانے سے نکلی ہوئی آواز ہوتی ہے اور جو آواز احساسات اور قلبی جذبات سے ٹکرا کر پیدا ہوتی ہے وہ بلیغ اور موثر ہوتی ہے، ان کے تخیل کی بلند پروازی، فکری بصیرت، فنی تجربے، لطافتِ طبعی، تقدیسِ خیالی اور شاعرانہ عظمت کو دنیا فراموش نہیں کرسکتی۔ شعلوں سے شبنم نچوڑنے کی خواہش، انگاروں کو پھول بنانے کا خواب، مہماتِ فکر ونظر کی تاریخ کا لبِ لباب یہی تو ہے۔ دیکھیے ایک باکردار شخصیت کا جامع شاعر کس طرح اپنے کلام کو اس پیام کے نور سے معمور کرتا ہے، توحیدِ باری عزاسمہ میں ان

کے خلوص اور وارفتگی کا اندازہ لگایئے ؎

طائرانِ جناں میں تیری گفتگو | گیت تیرے ہی گاتے ہیں یہ خوش گلو
کوئی کہتا ہے حق کوئی کہتا ہے ہو | اور سب کہتے ہیں لاشریک لہ
اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

بھر دے الفت کی مئے سے ہمارا سبو | دل میں آنکھوں میں تو اور لب پر ہو تو
کیف میں وجد کرتے پھریں کو بکو | وِرد گایا کریں پے بہ پے سو بہ سو
اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

عشق محبوبِ کائنات وہ لازوال دولت اور ابدی سعادت ہے کہ اپنے وقت کا بڑے سے بڑا فنکار ہو یا کلاکار، مضمون نگار ہو یا قلمکار، یکتائے روزگار ہو یا اپنے عہد کا تاجدار، میدانِ علم وفن کا سپہ سالار ہو یا چمنستانِ ولایت کا گلِ گلزار، مدینے کی لو سے شمعِ محبت کی لو اگر لگی رہی ہے تو اس گرمیٔ محفل سے پگھل پگھل کر گرنے والے قطروں نے بھی مچل مچل کر پائے ناز پر مٹ جانے ہی کو حاصلِ زندگی سمجھا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی، جیسی بھی نعت کے حوالے سے طبع آزمائی کی ہے حسرت یہی رہی ہے کہ ؎

اگر یہ نذرِ عقیدت قبول ہو جائے
تو نازِ عشق کی قیمت وصول ہو جائے

اور کیوں نہ ہو کہ عشق ہی سے حیات کو شعور اور شعور کو حیات ملتی ہے، عشق ہی سے آگہی کو یقین اور یقین کو آگہی کا سراغ ملتا ہے۔ عشق ہی سے سر کٹانے کا جذبہ اور سر کٹانے کے جذبہ کو سرمدی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ دنیا ستاروں سے آگے کیوں نہ پہنچ جائے گلزارِ عشق ہمیشہ ہرا بھرا رہے گا، یہ رشتہ وہ مقدس رشتہ ہے جس سے تمام رشتوں کا بھرم قائم ہے، لہٰذا یہ لوحِ دل وصفحۂ ذہن سے نہ محو ہوا ہے، نہ آئندہ ہوگا۔ دیکھیے حضور مفتیٔ اعظم عشق ومحبت کے نازک مسائل، کنایات وتلمیحات کے ذریعہ، نہایت احسن طریقے پر کس طرح بیان کر جاتے ہیں اور ورطۂ حیرت میں نہ پڑیئے اس لیے کہ پختہ کار شاعر اسی طرح نزاکت ولطافت کے ساتھ ان مراحل سے گزرتا ہے۔ رسولِ معظم، محبوبِ دو

عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں رقم طراز ہیں۔

مریضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے
جتنی کرتا ہے دوا اور سوا ہوتا ہے
آپ محبوب ہیں اللہ کے ایسے محبوب
ہر محب آپ کا محبوبِ خدا ہوتا ہے
داغِ دل میں جو مزہ پایا ہے نوری تم نے
ایسا دنیا کی کسی شئے میں مزہ ہوتا ہے

ہر بڑے مفکر کی طرح آپ نے بھی اپنے اصول اور ایقان کی روشنی میں ایک فصیح و بلیغ وجدید کلام دنیا کو پیش کیا ہے، اور اپنی بانکی طبیعت سے گلشنِ شعر وسخن میں جذبۂ محبت اور ولولۂ عقیدت کا ایسا کشادہ، منفرد اور پُرشکوہ تاج محل تعمیر کیا ہے جس کی خوبصورتی، فنکاری، نئے نئے نقش ونگار اور انوکھے گل بوٹے دیکھ کر لوگ غرقِ حیرت ہیں۔ اس تناظر میں ان کا یہ کلام دیکھیے۔

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کے چلے — کب کسی سے نگاہیں بچا کے چلے
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کے چلے — ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کے چلے
شب کو شبنم کی مانند رویا کیے — صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کے چلے
داغِ دل ہم نے نوری دکھا ہی دیا — دردِ دل کا فسانہ چھڑا کے چلے

آپ کی شاعری میں طلاقت لسانی، سلامتِ زبانی، طرزِ ادا کی دلآویزی، اسلوبِ بیان کی دلکشی اور مضامین کی روانی وشگفتگی بدرجۂ اتم موجود ہے اور جو خوبی جہاں ہے وہیں سے متوجہ کرتی، دامنِ دل کھینچتی اور پکار کر کہتی کہ ”جا اینجاست“

بخت خفتہ نے مجھے روضہ پہ جانے نہ دیا
چشم و دل سینے کلیجے سے لگانے نہ دیا
پاؤں تھک جاتے اگر پاؤں بناتا سر کو
سر کے بل جاتا مگر ضعف نے جانے نہ دیا

ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیوں کر
فرطِ غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا

آپ کے بعض اشعار تو ایسے ہیں کہ عارف رومی کا نشۂ عرفانی، جامی کی سرمستی و بےخودی، امیر خسرو کی عشوہ طرازی، حافظ کی منظر کشی، سعدی کے جدّتِ تخیل کی بوقلمونی اور اس پر امام الکلام، شاہِ ملک سخن امام احمد رضا خاں علیہم الرحمہ والرضوان کے ندرتِ تخیل کی عطر بیزی سونے پر سہاگہ کی بہار دکھارہی ہے۔

تو شمعِ رسالت ہے عالم تیرا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
وہ کہتے نہ کہتے کچھ، وہ کرتے نہ کرتے کچھ
اے کاش وہ سن لیتے مجھ سے میرا افسانہ
سرشار مجھے کردے اک جامِ لبالب سے
تاحشر رہے ساقی آباد یہ میخانہ
کیوں زلفِ معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں
ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا تیری شانہ

یا

بہارِ جانفزا تم ہو، نسیمِ دل ستاں تم ہو بہارِ باغِ رضواں تم سے زیب جناں تم ہو
خدا کی سلطنت کا دو جہاں میں کون دولہا ہے تم ہی تم ہو تم ہی تم ہو یہاں تم ہو وہاں تم ہو
تمہاری تابشِ رخ ہی سے روشن ذرہ ذرہ ہے مہ و خورشید و انجم برق میں جلوہ کناں تم ہو
ثنا منظور ہے ان کی ہمیں یہ مدعا نوری سخن سنج و سخنور ہو سخن کے نکتہ داں تم ہو

زبان اور فن کے معاملے میں ان سے زیادہ محتاط ان کے عہد میں اور کون ہوگا، وہ شعر کے ظاہری خدوخال، وضع قطع کو نکھارنے اور سنوارنے میں اپنی مثال آپ ہیں، محسوس یہ ہوتا ہے کہ الفاظ ان کی دہلیزِ فکر پر آکر صف بستہ تو ہو ہی جاتے تھے، ساتھ ہی ادب کی بادِ بہاری سے گلشنِ شعر کا ہر غنچہ جھومنے لگتا تھا، پھر کیا تھا کیف و سرور کے رنگ و نور سے پوری فضا

زعفران زار ہو جاتی تھی اور زبانِ قلم نقوش کے پردے میں تخیل کے موتی اگلنے لگتے تھے، دیکھیے ان کے یہ اشعار۔

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے ۔۔۔ مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے
ملے ہمارے بھی دل کو جلا مدینے سے ۔۔۔ کہ مہر و ماہ نے پائی ضیا مدینے سے
چمن کے پھول کھلے مردہ دل بھی جی اٹھے ۔۔۔ نسیم خلد سے آئی ہے یا مدینے سے

اور

بلند اتنا تجھے حق نے کیا ہے ۔۔۔ کہ عرش حق بھی تیرے زیر پا ہے
تعالی اللہ تیری شان عالی ۔۔۔ جلالت شان کی کیا انتہا ہے
تیری صورت سے ہے حق آشکارا ۔۔۔ خدا بھاتی تیری ہر ہر ادا ہے
درود اس پر جو ہے مطلوب رب کا ۔۔۔ سلام اس پر جو محبوبِ خدا ہے

معرفت کی جو روح آپ کے اشعار میں پنہاں ہے وہ اردو ادب کے لیے ایک گراں بہا نعمت ہے۔ شوخی، فنکاری، کیفیات کی ترجمانی، احساسات کی فراوانی، معنیٰ آفرینی، سہل پسندی، ظرافتِ طبعی سب کچھ موجود ہے۔

تیری آمد ہے موت آئی ہے ۔۔۔ جانِ عیسیٰ تیری دہائی ہے
مر رہا تھا تم آئے جی اٹھا ۔۔۔ موت کیا آئی، جان آئی ہے
معصیت زہر ہے مگر اندھے ۔۔۔ تو نے سمجھا مٹھائی آئی ہے

جب ہم مفتیٔ اعظم کے نہاں خانۂ دل سے نکلی ہوئی آواز سنتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ بحران وطوفان کا استقبال کرنے والا دل موجِ بلا کی آغوش میں بھی مسکرا رہا ہے۔ دیکھیے یقین کے نور سے آپ کے اشعار کتنے معمور ہیں۔

تلاطم کیسا ہی کچھ ہے مگر اے ناخدائے من
اشارہ آپ فرما دیں تو بیڑا پار ہو جائے
عنایت سے میرے سر پر اگر وہ کفشِ پا رکھ دیں
یہ بندہ تاجداروں کا بھی تو سردار ہو جائے

بھرم رہ جائے محشر میں نہ پلّہ ہلکا ہو اپنا
الٰہی میرے پلّے میں مرا غمخوار ہو جائے

عالمِ مجاز کے رنگ و بو کی پرستش کرنے والی نگاہیں صرف نرگس و نسترن، شمشاد و یاسمن اور زہرہ و مریخ پر مرکوز ہو کے رہ جاتی ہیں، لیکن محبوبِ دو جہاں کے بہارِ حسن و جمالِ جہاں آرا کا نظارہ کرنے والا عاشق اپنے گہر ہائے اشک سے عشق کا ایک تابندہ، بے خزاں، نکہت ریز چمن تعمیر کر لیتا ہے، ایسا چمن جس میں بہار ہی بہار اور نکہت ہی نکہت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہم زنگار کا
تیرے باغِ حسن کی رونق کا عالم کیا کہوں
آفتاب اک زرد پتّہ ہے تیرے گلزار کا
جاگ اٹھی سوئی قسمت اور چمک اٹھا نصیب
جب تصور میں سمایا روئے انور یار کا

بلاشبہہ آپ کے یہاں وہ خلوصِ فکر، حسنِ تراکیب، نفیس پیکر تراشی، لطیف مصوری اور شگفتہ احساس پائے جاتے ہیں جن کی ہر دور میں ادب کو تلاش رہی ہے۔ یقیناً آپ کے پاکیزہ خیالات، درخشندہ تصورات، عکاسی نظریات شعر و ادب کے علمبرداروں کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

نسیمِ فیض سے غنچے کھلانے آئے ہیں — کرم کی اپنے بہاریں دکھانے آئے ہیں
مسیحِ پاک نے اجسامِ مردہ زندہ کیے — یہ جانِ جاں دل و جاں کو جلانے آئے ہیں
نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ لے نوری — عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

حضور قطب الاقطاب، محبوبِ سبحانی، غوثِ اعظم جیلانی کی بارگاہ ایسی عالی جاہ ہے، جہاں شہرہ آفاق خطیب، زہرہ نگار ادیب، ثریا شکوہ مفکر، فلک وقار مقرر اور قادر الکلام، برجستہ گو شاعر ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کو اپنی قسمت کی بلندی اور روح کی ارجمندی تصور کرتے ہیں، وہ کون ایسا صالح قلب ہوگا جس کی دھڑکن میں حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی

یاد نہ ہوگی، تاہم غوثِ اعظم کی بارگاہِ عقیدت کیشِ عالم میں حضور مفتیٔ اعظم کا نذرانۂ خلوص انوکھے انداز، شستہ و چیدہ الفاظ اور البیلے نیاز و ناز کے اسرار سے بھرپور انداز میں ملاحظہ کیجیے۔

کھلا میرے دل کی کلی غوثِ اعظم مٹا قلب کی بے کلی غوثِ اعظم
نہ مانگوں میں تم سے تو پھر کس سے مانگوں کہیں اور بھی ہے چلی غوثِ اعظم

دوسرا بند

ہے قسمت میری ٹیڑھی تم سیدھی کردو نکل جائے سب پیچ و خم غوثِ اعظم
یہ دل، یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے جہاں چاہو رکھو قدم غوثِ اعظم
گمادے کچھ ایسا محبت میں اپنی کہ خود کہہ اٹھوں میں 'منم' غوثِ اعظم

حضور مفتیٔ اعظم کی فکری بصیرت، شاعرانہ بلند مرتبہ صلاحیت اور بے ساختہ گوئی کی بے پناہ لیاقت کا اس واقعے سے اندازہ لگایئے کہ ایک بار آپ کے سامنے دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف کے جلسۂ دستارِ فضیلت میں مولانا سعید اختر مراد آبادی اپنی منقبت پڑھ رہے تھے، جب یہ شعر پڑھا۔

نہ چھیڑ اے گردشِ ایام تو اہلِ بریلی کو
گدایانِ بریلی کی مدینے تک رسائی ہے

تو حضور مفتیٔ اعظم نے ارشاد فرمایا، گدایانِ بریلی کی جگہ فدایانِ بریلی پڑھیے، پھر انہوں نے حسبِ ہدایت واصلاح پڑھی۔

نہ چھیڑو گردشِ ایام تو اہلِ بریلی کو
فدایانِ بریلی کی مدینے تک رسائی ہے

یہ ایسی جاندار اور پُر بہار اصلاح ہے کہ صاحبِ ذوقِ سلیم اور اہلِ شعر و سخن حضرات اس سے خوب لطف اندوز ہوں گے۔ اور بلا تکلف حضور مفتیٔ اعظم نوری بریلوی کی قادر الکلامی کو داد دیں گے۔ ظاہر ہے جس کا باپ تاجدارِ کشورِ سخن ہو، جس کا بھائی حجۃ الاسلام اور ماہرِ علم وفن ہو، جس کا چچا اکابرِ ادب کی نظر میں استادِ زمن ہو، جس کے گھر کا ماحول نعت ومنقبت

کا سدا بہار چمن ہو اور جو خود مفتیٔ اعظم کے ساتھ شعر و ادب کے گلستان میں نازش سرو سمن ہو، اس کی سانس سانس اور نفس نفس اگر نغمہ و ترنم سے سرشار ہو تو اس میں تعجب کیا ہے۔ وہ اگر قلم اٹھالے تو اشعار برسنا ہی چاہیے۔ وہ کاغذ سنبھال لے تو کاغذ کا مقدر چمکنا ہی چاہیے اور وہ اگر آمادۂ شعر گوئی ہو جائے تو اشعار کا آبشار پھوٹنا ہی چاہیے۔ الفاظ کے بطن سے معارف و معانی کا جھرنا چلنا ہی چاہیے۔ آج جب ہم اس شہنشاہِ فکر و فن کی بارگاہِ رشک صد چمن میں عقیدت کا نذرانہ اور محبت کا گلدستہ پیش کرنے کی جسارت کر کے سعادت حاصل کر رہے ہیں تو صد حیف وہ ہماری اور اہلِ گلشن کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ اور ان کے دیوانے ان کا چھتیسواں عظیم الشان عرس منانے کی عہد ساز، انقلابی تیاری میں مصروف ہیں۔ لیکن جب عالمِ علیین کی طرف نگاہ اٹھتی ہے تو ایک بزمِ طرب آراستہ نظر آتی ہے۔ جہاں سرور و شادمانی کے شادیانے بج رہے ہیں اور گلشنِ شعر و فن کا وہ گلِ شاداب شاخ سے ٹوٹ کر بھی نازشِ بہار اور چمن سے روٹھ کر بھی سازِ دل پر نغمہ بار ہے۔ ان کی موت نے انہیں اور توانا اور تابندہ کر دیا ہے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

تیری آمد ہے موت آئی ہے
جانِ عیسیٰ تیری دہائی ہے
مر رہا تھا تم آئے جی اٹھا
موت کیا آئی جان آئی ہے

a a a a a

☆ڈاکٹرامجد رضا امجد

اردو میں حمد نگاری اور ''سامانِ بخشش''

کائنات کی ہر شے خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا کرتی ہے، اس کی عظمت وقدرت کے گن گاتی ہے اس کی تسبیح وتہلیل اور تقدیس وتنزیہ کے نغمے الاپتی ہے۔قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کی صراحت آئی ہے۔ سورۂ صافات میں ہے: **سبح لله مافی السمٰوات ومافی الارض وھو العزیز الحکیم**۔ سورۂ حدید میں ہے: **سبح لله مافی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم**۔ سورۂ رعد میں ہے: **ویسبح الرعد بحمدہ**۔ سورۂ نور میں ہے: **الم تری ان الله یسبح له من فی السمٰوات والارض**۔ سورۂ اسرا میں ہے: **تسبح له السمٰوات السبع والارض وما فیھن**۔ اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے: **وان من شی الا یسبح بحمدہ ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم**

حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا:

بذکرش ہرچہ بینی در خروش است ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبلبر گلش تسبیح خوانیست کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبا نیست

یعنی ہر چیز اللہ کی ذکر میں بیخود ہے مگر اس راز کو وہی سمجھ سکتا ہے جو حق آشنا ہے۔صرف بلبل اپنے پھول کو دیکھ کر تسبیح نہیں پڑھتا بلکہ کانٹے بھی خدا کی تسبیح میں رطب اللسان ہیں۔

انسان خدا کی تخلیق کا حسین شاہکار ہے اسے خدا نے احسن تقویم عطا کیا ہے۔اسی کے سر پر **لقد کرمنا بنی آدم** کا تاج رکھا ہے، **علمه البیان** اس کی شان اور **علم الانسان**

مالم یعلم اس کی صفت ہے—— اسے خداوند قدوس نے عقل کی قوت، فکر کی دولت ،احساس کی حدت، زبان کی وسعت، بیان کی ندرت، جذبات ومحسوسات کے اظہار کی طاقت اور کائنات پہ حاکمیت عطا کی ہے پھر وہ خدا کی تسبیح وتحمید سے کیسے محروم رہ سکتا تھا

اس یقین کے باوجود کہ بندہ خدا کی حمد وثنا کا حق ادا نہیں کرسکتا، اس کے لئے خدا کی کامل معرفت درکار ہے اور بندے کو کما حقہ خدا کی معرفت ہو ہی نہیں سکتی۔ سب سے زیادہ رب کو پہچاننے والی ذات گرامی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ما عرفناک حق معرفتک** یعنی ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے، پھر وہ کون ہے جو خدا کی حقیقی اور کلی معرفت کا دعویٰ کرے مگر اس کے باوجود حمد سرائی اور ثنا گوئی کا عمل صدیوں سے جاری ہے بلکہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور اس وقت بھی جاری رہے گا جب کوئی نہ ہوگا اور خدا خود اپنی کبرائی بیان کرے گا **لمن الملک الیوم**—— انسان اگر اپنے عمل میں مخلص ہے تو اس کا ہر عمل خدا کی حمد وثنا ہے۔ ذکر وفکر حرکت وسکون خوشی اور غم ہر کیفیت حمد ہے، ہر سانس عبادت ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس نے رب کی حمد وثنا میں بھی اشرفیت کا مظاہرہ کیا ہے اور کر رہا ہے۔ خدا کی ذات **کل یوم ھو فی شان** کی حامل ہے۔ تو اس کا بندہ اس کی صفت کے اظہار میں **کل یوم ھو فی شان** کا مظہر ہے۔ وہ ہر انداز اور ہر رنگ میں اس کی خلاقیت ورزاقیت اور قدرت وصنعت کے گن گاتا ہے۔ بندے کی حمد کا انداز عام مخلوقات سے جداگانہ اور متنوعانہ ہے وہ سوکر، روکر، بوکر، دھوکر، ہر طرح اس کی حمد بیان کرتا ہے۔ کبھی اس کا یہ عمل ضطراری اور غیر شعوری طور پر ہوتا ہے اور کبھی کامل یکسوئی اور شعور کی پوری قوت کے ساتھ۔ کبھی زبان کو جنبش دے کر اور کبھی قلم کو حرکت دے کر، جذبات کے اظہار کے جتنے ذرائع ہیں انسان نے ان سبھی ذرائع کو خدا کی حمد سے مشرف کیا ہے، اور اسے قابل احترام بنا دیا ہے، ان ذرائع میں ایک پر اثر ذریعہ شاعری ہے، جس میں نثر سے زیادہ اثر انگیزی اور اثر پذیری کی قوت پنہاں ہے،، صفات ربانی سے معمور دل والوں نے خدا کی حمد وثنا میں اظہار کے اس مؤثر ذریعہ کو بھی

بھر پور انداز میں استعمال کیا ہے، چنانچہ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں خدا کی تسبیح وتہلیل کے اشعار موجود ہیں مگر میرا موضوع چونکہ اردو کی حمدیہ شاعری بالخصوص حضور مفتی اعظم ہند کی حمدیہ شاعری ہے اس لئے میں عربی اور فارسی کی حمدیہ شاعری پر بحث نہیں کروں گا ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ عربی اور فارسی کے بہ نسبت اردو میں حمد گوئی پر قابل ذکر کام ہوا اس کا اندازہ پندرہویں صدی کے اس وقت تک کے مختلف شعرا کے دواوین، مجموعہ کلام اور دیگر کتابوں میں شامل حمدیہ اشعار کو دیکھنے سے ہوتا ہے۔اب تک لاکھوں اشعار کہے جا چکے ہیں اور مختلف شعرا نے خالص حمدیہ مجموعے بھی شائع کئے ہیں۔جیسے مفتی سرور لاہوری نے / دیوان ایزدی، مظفر خیرآبادی نے / نذر خدا، مظفر وارثی نے / الحمد اور لاشریک، حافظ لدھیانوی نے / سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم، گوہر اعظمی نے / اللہ اکبر، اجمل نقشبندی نے / صحیفہ حمد کا، طاہر سلطانی نے / حمد میری بندگی، لطیف اثر نے / طلوع حمد اور صحیفہ ذات، طفیل دارا نے / لاشریک، انوار عزمی نے / نام بنام حمد وثنا، منصور سلطانی نے / مرسل ومرسل، تنویر پھول نے / زبور سخن، مسرور بدایونی نے / حمدیہ قطعات، شیبا حیدری نے / حمد نامہ، علیم النسا ثنا نے / تیری حمد وثنا، اور جمیل عظیم آبادی نے / الرحمان ——— عابد سلطانی نے حمد کے انتخابی مجموعے بھی شائع کئے پہلا مجموعہ ''خزینہ حمد'' ہے جس میں مختلف شعرا کی حمدیں ہیں اور دوسرا مجموعہ ''اذان دیر'' ہے جس میں غیر مسلم شعرا کی حمدیں جمع کی گئی ہیں۔شفقت رضوی نے ان میں سے اکثر کتابوں پر تبصرے کئے ہیں۔جس سے حمد نگاری میں اب تک کی ہوئی پیش رفت اور تجربے کا پتہ چلتا ہے۔

چودہویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان اور آپ کے تمام اہل خاندان نے مذہبی وعلمی خدمات کے علاوہ اردو زبان وادب کی جو خدمتیں انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔اردو نثر میں امام احمد رضا نے جو کتابیں لکھ دی ہیں وہ کمیت وکیفیت ہر دو اعتبار سے اردو کی پوری تاریخ میں بھاری ہے اور آپ کا دیوان حدائق بخشش اردو شاعری میں بہ ہر نوع سب سے زیادہ قابل استناد وافتخار ہے۔اسی

لئے آپ کو امام الکلام اور کلام الامام کہا جاتا ہے۔آپ کے برادر مکرم استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی کی غزلوں کا مجموعہ ''ثمر فصاحت'' اور نعتیہ مجموعہ ''ذوق نعت'' شعریت وشریعت کا حسین سنگم ہے۔دنیا ادب میں بار بار اس کا نام لیا جاتا رہا ہے۔اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان کا دیوان اگرچہ محفوظ نہیں مگر انتخاب کلام حامد کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے۔وہ حمد ونعت کا نہایت ہی قابل قدر نمونہ اور اردو کی نعتیہ شاعری میں گرانقدر اضافہ ہے،اعلی حضرت کے خلف اصغر شبیہ غوث اعظم مولانا شاہ مصطفی رضا مفتی اعظم ہند کا نعتیہ دیوان ''سامان بخشش'' بھی زبان وبیان،علم وعرفان،شستگی وبرجستگی اور سہل الممتنع کی نادر مثال ہے۔

فن حمد نگاری میں خانوادہ رضویہ نے جو قابل قدر نمونے چھوڑے ہیں اس سے حمد نگاری کی نئی جہتیں سامنے آئی ہیں۔اعلیٰ حضرت کے شعری سرمایہ میں حمد کا انداز بہت ہی نرالا اور انوکھا ہے۔انہوں نے اپنے حمد یہ اشعار میں نعت کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔اور حمد ونعت کی یکجائی کی نادر مثال قائم کی ہے ان کے ایک عربی قصیدے کے ابتدائی دو اشعار ملاحظہ ہو جن میں توحید کی عظمت اور رسول مکرم سے محبت کا بڑا کیف پرور بیان ملتا ہے:

الحمد للمتوحد بجلاله متفرد

وصلاته دوماً علیٰ خیر الانام محمد

اور اب اردو میں بھی حمد کا انداز دیکھیں جس میں حمد ونعت کا دونوں کی یکجائی اپنے انفرادیت کی شہادت دے رہی ہے۔حمد کا یہ انداز امام احمد رضا کی ایجاد اور ان کا خاصہ ہے:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

مژدہ باد اے عاصیو! شافع شہ ابرار ہے تہنیت اے مجرمو ذات خدا غفار ہے
محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف وعطا ہے تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دعا

مجھے جلوہ پاک رسول دیکھا تجھے اپنے ہی عز علیٰ کی قسم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا کے ''انتخاب کلام حامد'' میں گیارہ گیارہ بند پر مشتمل دو حمدیں ہیں جو فنی اعتبار سے لازوال شہکار ہیں اور دونوں حمدیں اسلوب اور کیفیت کے اعتبار سے قاری وسامع پر روحانی کیف پیدا کرتی ہے۔ نمونے کے طور پر یہ دو بند دیکھیں اس میں بھی تجنیس تام اور ذولسان (عربی، اردو) ہونے کی سند موجود ہے۔

کون میں کون ہے تو ہی تو تو ہی تو ہے یامن ھو
تو ہی تو ہے تو ہرسو یامن لیس الاھو
لا الہ الا ھو یامن لیس الاھو

روح میں تو ہے دل میں تو میری آب وگل میں تو
اصل میں تو ہے ظل میں تو حق حق حق ھو ھو ھو
لا الہ الا ھو یامن لیس الاھو

اور نغمہ توحید کے عنوان سے دوسری حمد یوں شروع ہوتی ہے:

دل مرا گدگداتی رہی آرزو آنکھ پھر پھر کے کرتی رہی جستجو
عرش تا فرش ڈھونڈ آیا میں تجھ کو تو نکلا اقرب زحبل وریدگلو
اللہ اللہ اللہ اللہ

حضور مفتی اعظم ہند کے نعتیہ دیوان'' سامان بخشش'' میں اسی انداز اور اسی بحر میں دو حمدیں موجود ہیں جو دراصل حجۃ الاسلام ہی کی حمدوں کے پھیلاؤ اور متنوع انداز میں وسعت کے مناظر پیش کرتی ہیں۔ پہلی حمد ضرب ھو کے عنوان سے شروع ہوتی ہے جس میں بیس بند ہیں ہر چار مصرعے کے بعد اللہ ہو اللہ ہو کی ضربیں لگائی گئی ہیں، یہ حمد دینی محافل اور دینی مجالس میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں اور اس کے ضرب ہو سے واقعی دل پر حق کی ضرب پڑتی ہے۔

اللہ رب العزت کی رویت کی آرزو اس کے جلوے کی تلاش اس کے عرفان کی

جستجو اور اقرب زحبل ورید گلو ہونے کے باوجود اسکی دید کی تڑپ ہر دل ہر آنکھ اور ہر متنفس کو ہے اور تمام حمد نگار شعرا نے اس پہلو کو اپنی حمد کا موضوع بنایا ہے۔ مگر جو انداز حجۃ الاسلا اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ والرضوان کا ہے وہ واقعی دیدنی ہے حضور مفتی اعظم ہند کا انداز ملاحظہ فرمائیں جس میں صنعت ردعروض وابتدا علی الصدر اور صنعت تکرار کی جمالی جلوہ ریز ہے۔

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو تو منزہ مکاں سے مبرہ ز سو
علم وقدرت سے ہر جا ہے تو کو بکو تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو
بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحانہ عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

دنیا کی ہر شئی اور ہر مخلوق خدا کی حمد وثنا بیان کرتی ہے خود قرآن پاک کا ارشاد گذرا وان من شئی الا یسبح بحمدہ اس مفہوم کو حضور مفتی اعظم ہند کس عالمانہ انداز میں بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

وہ بھی تسبیح سے رکھتا ہے اشتغال جو نہیں رکھتا منہ اور لسان مقال
پھر بھی گویائے تسبیح ہے اس کا حال اس کی حالی زباں کہتی ہے تو ہی تو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

ان کی دوسری حمد ''اذکار توحید ذات اسماء وصفات وبعض عقائد'' کی سرخی کے تحت کہی گئی ہے۔ جس میں کل ننانوے بند ملتے ہیں مگر یہ نامکمل ہیں اس حمد کے دو رخ ہیں باسٹھ بند تک خالص حمد یہ مضامین ہیں اور اس کے بعد سینتیس بندوں میں نعت وحمد دونوں پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ کی یہ حمد علم وعرفان، زبان وبیان اور سلاست وبرجستگی کے لحاظ سے کسی بھی زبان کی حمد یہ شاعری میں سب سے ممتاز اور منفرد ہے۔ اس میں بعض مکمل بند اور بعض

مصرعے عربی زبان میں ہیں مگر زبان کی سلاست اور ندرت اپنی جگہ مسلم ہے نمونتاً یہ چند بند ملاحظہ کریں:

لاموجود الا اللہ لامشہود الا اللہ
لامقصود الا اللہ لامعبود الا اللہ
لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

لیس الھادی الاھو کہتا ہے یہ ہر بن مو
سنتا ہوں میں از ہرسو لیس سوا ک یا من ھو
لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

نت نئے جلوے ھیں ھر آں کل یوم ھو فی شان
خود ہی درد و خود درماں خود ہی دست و خود داماں
لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

حضور مفتی اعظم کی شاعری میں قرآنی تلمیحات کی کثرت ہے، نعت ہو یا حمد آپ نے برجستہ، برمحل قرآنی آیات کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔ اور اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ بحر کی روانی میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا یہ چند بند دیکھیں جن میں سورہ اخلاص اور سورۂ ناس و فلق کی تفسیر و توضیح صاف نمایاں ہے

لیس کمثلہ شئی لیس لہ کفواً احد
اس سے بن ہے وہ نہیں بن البصر اسمع دیکھ اور سن
اللہ الہ ورب واحد فردو واحد وتروصمد
جس کا والد ہے نہ ولد ذات وصفات میں بے حد وعد
ایک حقیقی ہے وہ احد ایک نہیں وہ جو ہے عدد
پاک ہے وہ از صورت حد کیف یصور کیف یحد
حق ھو حق ھو حق ھو حق رب ناس ورب فلق

غیر نہیں تیرا مطلق بھولوں گا میں نہ یہ سبق

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

حمد میں اسماء باری تعالیٰ کو اس سے پہلے بھی شعرا نے منظوم کیا ہے مگر حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی حمد میں جس خوبصورتی اور روانی کے ساتھ اسے منظوم کیا ہے کہ اس میں موسیقیت وغنائیت پیدا ہوگئی ہے۔ نمونہ کے طور پر یہ بند دیکھیں جس میں صنعت تنسیق صفات یعنی صفاتی الفاظ اور صفاتی مفہوم دینے والی اضافی ترکیب کا اس طرح بیان ہوا ہے کہ وجدان جھوم اٹھتا ہے۔ نیز دامن ودائرے کا تسلسل بھی اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ۔ شاعر کی قادر الکلامی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اس ایک بند میں پانچ دامن (ع ع ع ع ع) اور پانچ دائرے (ق ی ی ی ل) کی یکجائی ملاحظہ کریں:

منعم حق وسمیع وبصیر باقی باری بر وخبیر

جامع مانع ضار وکبیر رافع نافع حی و قدیر

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

اور اب بغیر کسی تبصرے کے چند وہ ملاحظہ کریں جن میں بڑے فن کارانہ اور عارفانہ انداز میں اسماء باری تعالیٰ کو منظوم کیا گیا ہے اور اس کے پڑھنے سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو موحدانہ اوراد وظائف کا خاصہ ہے۔

والی ولی متعالی حکیم وھاب ورزاق علیم

مالک یوم دن وجحیم مالک ملک خلد نعیم

تواب ومغنی ھادی مقسط محیی ممیت غنی

منتقم وقیوم وقوی مقتدر وواسع مھی

مبدی جلیل وحفیظ ومجید معطی وکیل وسلام ومعید

وہ ھے لطیف وودود وحید اور شھید وحمید ورشید

قابض وباعث خالق ہے خافض وارث رازق ہے

جو ہے اس کا عاشق ہے　　غیر ناطق ناطق ہے

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

حضور مفتی اعظم ہند کی شعری زبان نہایت پاکیزہ وشستہ اور کوثر و سلسبیل میں ڈھلی ہوئی ہے۔جس میں سادگی بھی ہے اور رنگینیت بھی۔ پڑھنے اور سننے والا ان کے کلام کے زیر وبم میں ایسا کھو جاتا ہے کہ اسے اس کے عوارف ومعانی اپنے دل کے غار حرا میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں خدا کی ذات وصفات کو کس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں اور یہ بھی دیکھیں صنعت سوال سے وہ کس طرح استفادہ کا پہلو نکالتے ہیں۔اور ان کے اس اسلوب سے کس طرح ذہن کو تحریک ملتی ہے۔

اللہ واحد یکتا ہے　　یک خدا بس تنہا ہے

کوئی نہ اس کا ہمتا ہے　　ایک ہی سب کی سنتا ہے

ایک نہ ہوتا گر اللہ　　کیسے رہتے ارض وسماء

ہوتا نہ اک محتاج اک کا　　کس لئے وہ اس سے ملتا

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

خدائے تعالیٰ منزہ عن العیوب ہے کسی بھی چھوٹے بڑے معائب سے اس کا کوئی علاقہ نہیں مگر اس کے باوجود بعض گمراہ فرقہ والوں نے خدائے تعالی کو کذب سے ملوث اور عدم کذب کو نقص فی القدرت گردانا ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس موضوع پر نہایت ہی مدلل رسالہ ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' لکھ کر اس مسئلہ کی پوری وضاحت کردی ہے۔حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اس مفہوم کو اپنی اس حمد میں بڑے صاف سلیس اور فن کارانہ انداز میں بیان فرمایا ہے نمونے کے لئے یہ چند بند ملاحظہ کریں جن میں اصل موضوع کے علاوہ تنسیق صفات ذم اور تجنیس مطرف کی صنعتیں بھی موجود ہیں اور زبان اتنی صاف وشیریں اور آسان ہے کہ اس کی نثر نہیں بنائی جاسکتی، یہ زبان پہ قدرت کی نمایاں علامت ہے:

جہل وظلم وکذب وزنا خواری میخواری سرقہ
اس سے یہ ممکن ؟ جس نے کہا لاریب اس نے کفر بکا
روشن ہے یہ جیسے دن اس کا تلوث ناممکن
واقع کہتا ہے موہن اور پھر بنتا ہے مومن
صدق رب جب واجب ہے کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے عقل کہاں تیری غائب ہے

لا الٰہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

سہل ممتنع کے اشعار کہنا شاعر کی قادر الکلامی، فن پہ کلی گرفت اور زبان وبیان پر قدرت کی علامت سمجھی جاتی ہے ہر بڑے شاعر کی پہچان اسی امر سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات وجذبات کو کس پیرایہ میں بیان کرتا ہے اور کس تنوع میں بیان کرسکتا ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند نے اس حمد میں خدا کی ذات وصفات کے اظہار اور اپنے جذبات کی تعبیر کس تنوع اور فن کاری سے کام لیا ہے وہ قارئین نے ملاحظہ کیا۔ اب سہل ممتنع کے بھی چند اشعار دیکھیں جو اپنی مثال آپ ہیں اس رنگ کا ایک بند حضور حجۃ الاسلام کے یہاں بھی موجود ہے:

روح میں تو ہے دل میں تو میری آب وگل میں تو
اصل میں تو ھے ظل میں تو حق حق حق ھو ھو ھو

لا الٰہ الا ھو یامن لیس الا ھو

اور اسی بند کی تحریک پر حضور مفتی اعظم ہند نے اس انداز کے نو بند کہے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ حضور حجۃ الاسلام کے یہاں اس رنگ کا صرف ایک بند ہے مگر حضور مفتی اعظم ہند نے اس رنگ میں نو بند کہکر حمد نگاری کی فضا کو باغ وبہار بنا دیا ہے چند بند ملاحظہ کریں جس میں تجنیس مطرف زائد، تجنیس صوت اور صنعت تضاد بھی موجود ہے۔

آنکھوں میں وہ ہے سر میں وہ دل میں وہ ہے جگر میں
سمع میں وہ ہے بصر میں وہ طبع میں وہ ہے فکر میں وہ

نور میں وہ ہے نظر میں وہ شمس میں وہ ہے قمر میں وہ
ابر میں وہ ہے گہر میں وہ کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
پروانہ میں وہ ہے پر میں وہ شمع میں وہ ہے شرر میں وہ
داؤ دوا اثر میں وہ نفع میں وہ ہے ضرر میں وہ
تخم میں وہ ہے شجر میں وہ شاخ میں وہ ہے ثمر میں وہ
ماہ میں وہ ہے مدر میں وہ بحر میں وہ ہے بر میں وہ

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

اب نمونے کے ایسے دو اشعار ملاحظہ کریں جن میں صنعت تحت نقاط بہ سہ اصوات کو استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے شعر کی صنعت تحت نقاط میں موحدہ وثنیٰ نقاط والے حروف یعنی ب/ ج/ ے استعمال ہوئے ہیں اور دوسرے شعر میں صنعت تحت نقاط کے ساتھ صنعت وصل الشفتین بھی استعمال ہوئی ہے۔ جس کے ہر اسم کے اظہار میں دونوں ہونٹ آپس میں ملتے ہیں جیسے ماہ، مدر، بحر، بر۔

ابر میں وہ ہے گہر میں وہ کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
ماہ میں وہ ہے مدر میں وہ بحر میں وہ ہے بر میں وہ

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

اسی رنگ اور اسی روانی میں یہ بند بھی ملاحظہ کرلیں جس میں صنعت تضاد بھی ہے اور صنعت ترجمہ بھی۔ آخری شعر میں این وآن دیگر کا ترجمہ اس میں اس میں ہر میں کر کے صنعت ترجمہ والی شاعری کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے۔ جہاں شاعری اپنے اسلوب میں جمال وحی بن جاتی ہے اور شاعر تلیذ الرحمان کہلانے کا مستحق ہوجاتا ہے۔

سوز میں وہ ہے ساز میں وہ ناز میں وہ انداز میں وہ
حسن بت طناز میں وہ عشق کے راز ونیاز میں وہ
تو میں وہ من میں وہ جان میں وہ ہے تن میں وہ

آبادی میں وہ بن میں وہ سر میں وہ ہے علن میں وہ
قرب وبقا ووصل میں وہ بعد وفراق و فصل میں وہ
فرض میں وہ ہے نفل میں وہ اصل میں وہ ہے نقل میں وہ
فتح وضم جر میں وہ پیش وزیر وزبر میں وہ
این وآن ودیگر میں وہ اس میں اس میں ہر میں وہ

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

حضور مفتی اعظم ہند کی شاعری میں علم وفن کی جلوہ گری کے ساتھ عشق وعرفان کی جو سر مستی ہے وہ اردو شاعری میں خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے ان کی شاعری کا علمی فنی اور لسانی تجزیہ کرنا ہمارے جیسے کم علم کا کام نہیں ہم نے دو چند جملے لکھ کر صرف یہ تاثر دیا ہے کہ ارباب علم وادب اور شعر وسخن کے پارکھ کے لئے ان کی شاعری میں بہت کچھ ہے انہیں اس طرف مائل ہونا چاہیے تاکہ اردو شاعری نئی دریافت سے آشنا ہو اور اس کا وقار اعتبار بلند سے بلند تر ہو۔

a a a a a

☆ڈاکٹر ساحل سہسرامی

حضور مفتیٔ اعظم ہند کے نعتیہ دیوان میں تزکیۂ نفس کا پہلو

مفتیٔ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہٗ کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' کے مطالعہ کے وقت بہت سارے ایسے اشعار بھی دل ونگاہ کی پاکیزگی کا سامان بنے جو اپنے پہلو میں تواضع وانکسار، انابت وسپردگی اور نفس کی تحقیر وتذلل کے مقدس جذبات لیے ہوئے تھے۔ جس سے جذبوں کی سادگی اور فکروں کی پاکیزگی ان اجنبی نگاہوں کے سامنے بھی آجاتی ہے جنھوں نے نہ ان کی پاکیزہ جلوتوں کو دیکھا اور نہ ان کے تذکرۂ زندگی سے واقف ہوئے۔ حضرت مفتیٔ اعظم (۱۳۱۰ھ۔ ۱۴۰۲ھ) کی پاک زندگی خشیت الٰہی اور محبت رسول کے سعادت مند جذبات سے معمور تھی۔ جنھوں نے آپ کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ کیا ہے، وہ اسے بخوبی جانتے ہیں اور رب تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندے کو جیسی ہمہ گیر مقبولیت عطا کی تھی اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ سے انتساب رکھنے والے افراد کی تعداد ایک محدود اندازے کے مطابق ڈیڑھ کروڑ تک جا پہنچی ہے۔ [۱] جسے ایسی خداداد مقبولیت اور ہمہ گیری نصیب ہو کہ افراد اس کے قدموں تلے بچھے جاتے ہوں اسے اپنے تئیں کیا کیا نہ گمان ہونا چاہیے۔ جب کہ انسانوں کا تو یہ حال ہے کہ کسی جہت سے بھی ذرا سا اقتدار اور محدود مقبولیت نصیب ہو جاتی ہے تو اس کے قدم زمین پر نہیں ٹکتے۔

لیکن یہ باتیں عامیانہ ہیں۔ ان خواص کی پاک زندگیاں اس آلائشِ نفس سے دور

بہت دور رہتی ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس کے اندر نفس کے تکدرات موجود ہوں وہ مملکتِ تقدس کی سرحدوں کو بھی نہیں چھو سکتا۔ چہ جائیکہ اسے اس کی سلطانی نصیب ہو جائے۔ لیکن ان حالات میں اپنے اندر تذلل وانکساری کی روش پیدا کر لینا آسان بات نہیں بلکہ بہت بڑی بات ہے۔ آیئے ذرا ان صفات کی عظمتوں کے ساتھ ان کے حصول کے راستوں کی دشواریوں کو بھی دیکھتے چلیں۔

ارشاداتِ نبوت ہمارے لیے بہترین رہنما ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے وہ اپنے نفس میں چھوٹا مگر لوگوں کی نظروں میں بڑا ہے اور جو بڑائی کرتا ہے اللہ اس کو پست کرتا ہے وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہے اور اپنے نفس میں بڑا ہے وہ لوگوں کے نزدیک کتّے یا سوّر سے بھی زیادہ حقیر ہے۔''

دوسرا فرمانِ نبوی پڑھیے اور ساتھ ہی اپنی سیرتوں کا بھی جائزہ لیجیے:

''تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں (۱) پوشیدہ اور ظاہر میں اللہ سے تقویٰ (۲) خوشی و ناخوشی میں حق بولنا (۳) مالداری اور احتیاج کی حالت میں درمیانی چال چلنا۔ ہلاک کرنے والی یہ ہیں (۱) خواہشِ نفسانی کی پیروی کرنا (۲) اور بخل کی اطاعت (۳) اور اپنے نفس کے ساتھ گھمنڈ کرنا۔ یہ سب میں سخت ہے۔'' (بیہقی ۲) حاشیہ بہارِ شریعت ج:۱۶، ص:۱۶۴

زبدۃ الکاملین حضرت سیّدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کے مرشدِ کامل ہیں) نے اس راہ کی اہمیت اور دشواریوں کو بہت مختصر اور جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''بہتر تو یہ ہے کہ اپنے کو ساری مخلوقات سے کمتر جانے یہاں تک کہ کتّے اور سوّر سے بھی زیادہ ذلیل وخوار سمجھے اور یہ کمالِ انسانی کا وہ مرتبہ ہے جو امدادِ الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہو

سکتا۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلطنت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ اور خطاب لولاک لما خلقت الدنیا حاصل ہونے کے باوجود بھی بارگاہِ الٰہی میں مناجات فرماتے کہ:

''یا اللہ! مجھے مسکین رکھ کر زندہ رکھ اور بحالت مسکینی میں موت دے اور گروہِ مساکین کے ساتھ ہی میرا حشر فرما۔''

اسی سے اندازہ لگالو کہ عاجزی کا مرتبہ کس قدر بلند و بالا ہے۔''

اب حضرت مفتیٔ اعظم نوری قدس سرہٗ کا اندازِ تذلل ملاحظہ کیجیے اور اندازہ کیجیے کہ ایک مردِ حق آگاہ نے کس قدر اپنے وجود کی عظمتوں کو رضائے مولیٰ کی طلب میں گم کر رکھا تھا جب آپ کے شعر و سخن کے کمال کی شہرت دور دور تک پہنچی تو آپ نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں
ارے شعرا کا آج سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط
سچ تو ہے یہی کہ سب سے احقر ہوں میں

اور یہ بعینہٖ آپ کے والد ماجد کا انداز ہے جو آپ کو وراثتاً منتقل ہوا۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بھی کبھی کہا تھا۔

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں
شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ کہ نقصان میں کامل ہوں میں اے

آپ نے جاہ و منصب اور شہرت کے ذریعہ پیدا ہونے والے روحانی زنگار کو کس خوبی سے دور رکھا یادش بخیر اس موقع سے امام غزالی کا وہ ارشاد یاد آیا جس میں انھوں نے کبر کے اسباب و علل کا تجزیہ کرتے ہوئے بہت جامع گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''تکبر کے اسباب سات ہیں۔ علم اور عمل یہ دونوں دین سے تعلق رکھتے ہیں اور نسب، جمال، قوت، مال اور مددگاروں کی کثرت یہ دنیاوی اسباب ہیں۔''۲؎

اب ہم مفتیٔ اعظم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو قوت اور مال کے سوا تمام اسباب اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ موجود ملتے ہیں۔ علم و عمل میں ایسے یگانہ دہر تھے کہ زمانہ ''مفتیٔ اعظم'' کے طغرائے امتیاز سے یاد کرتا ہے۔ معاصرین، ''مطاع العالم'' کے بھاری بھرکم لقب نذر کرتے ہیں۔ اور زہد و اتقا کے لیے ایک فاضل جلیل کا یہ بیان کافی ہے:

''میں رمضان ۱۳۹۰ھ میں رانچی پہنچا اس وقت مدرسہ غریب نواز رانچی کے بانی مولانا عبدالحق چشتی امجدی اعظمی وہیں تشریف فرما تھے، دو دن ان کے مدرسہ میں قیام رہا۔ اس دوران ان سے بہت سے موضوعات پر گفتگو رہی، انہوں نے مجھ سے پوچھا ''تم کسی سے مرید ہو یا نہیں'' میں نے کہا، نہیں۔

فرمایا، ''مرید ہونا تو مفتیٔ اعظم سے مرید ہونا۔ سیادت اپنی جگہ ہے مگر تقویٰ میں ان کا کوئی ہم پلّہ نہیں۔''۱؎

نسبی شرافت کا ایک زمانہ شاہد ہے اور شجاعت جنگ بہادر کا خاندانی لقب، نسبی وقار کا بہترین نمائندہ۔ جمال ایسا پایا کہ ایک زمانہ پروانہ نثار۔ کثرت سے روایتیں ملتی ہیں کہ آپ کے جمالیاتی جلوؤں نے نہ جانے کتنے دلوں کو ایمان کا نور عطا کر دیا۔ اور بہتیرے غیر مسلم صرف آپ کے روئے زیبا کی زیارت سے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور جاں نثاروں کی کثرت کا کیا پوچھنا، اپنے ہوں یا بیگانے سب اس شمع نوری پر پروانہ نثار ہوا چاہتے تھے۔ اس کا قدرے اندازہ وصال کے وقت ہوا، جب کہ ایک عالم امنڈ پڑا۔ اور محتاط اندازے کے مطابق ۲۵/ لاکھ افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ ۲؎ جو اس قدر گوناگوں محاسن و کمالات کا جامع ہو اس کا یہ اندازِ خود سپردگی اور انابت، یہ طرزِ انکسار و تواضع، عقل حیران ہے۔ لیکن یہ نفوسِ قدسیہ عقل کی سرحدوں سے ماورا، اور ادراک کی گرفت سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں اس ماورائی صفات سے مزین ہونا ہی چاہیے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ

پیش رَو اسلاف سے یہ سلسلۂ انابت چلا آرہا ہے۔ حضرت سلطان المحققین مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ بایں ہمہ علم و فضل مقرب بارگاہِ رب الصمد ہونے کے اپنے ایک مکتوب میں شیخ مغربی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

''میرا حال تو عجب ہے، کوئی شیخ کہتا ہے، کوئی آکر مرید ہوتا ہے، کوئی ملک المشائخ لکھتا ہے، کوئی قطب الاقطاب کہتا ہے اور اس عالی جناب کا اپنا یہ حال ہے کہ ابھی تک گردن سے نفس کی زنارداری نہیں اتری ہے اپنی کیا فضیحتی ہے۔''۳؎

بات ذرا دور نکل گئی، گفتگو چل رہی تھی آپ کے تواضع و انکسار کی۔ اب آپ ''سامانِ بخشش'' کے حوالے سے وہ اشعار ملاحظہ کریں جس میں سیّدی حضور مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ نے اپنے کو سیاہ کار، خطاکار، گنہگار اور معاصیت شعار ٹھہرایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

دن رات خطاؤں پر ہم کو ہے خطا کرنا   اور تم کو عطاؤں پر ہر دم ہے عطا کرنا
ہم اپنی خطاؤں پر نادم بھی نہیں ہوتے   اور ان کو عطاؤں پر ہر بار عطا کرنا ۱؎
اعدا کو خدا والا جب تم نے بنا ڈالا   دشوار ہے تم پر کیا مجھ بدکار کا بھلا کرنا ۲؎

دوسری جگہ عجیب انداز اختیار کرتے ہیں جس کے دیکھنے کے بعد ہم جیسے بدکاروں کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ فرماتے ہیں:

نفس بدکار نے دل پر یہ قیامت توڑی   عمل نیک کیا بھی تو چھپانے نہ دیا
نفس بدکیش ہے کس بات کا دل پہ شاکی   کیا برا دل نے کیا ظلم کمانے نہ دیا
میرے اعمال کا بدلہ تو جہنم ہی تھا   میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا
میرے اعمال سیہ نے کیا جینا دوبھر   زہر کھاتا ترے ارشاد نے کھانے نہ دیا

کبھی عجب ناز سے تذلل کے ساتھ ساتھ رحمت عالم کی بے پناہ رحمت پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔

کیوں مجھے خوف ہو محشر کا کہ ہاتھوں میں مرے   دامن حامی خود ماحی عصیاں ہوگا
پلہ عصیاں کا گراں بھی ہو تو کیا خوف مجھے   میرے پلّے پہ تو وہ رحمت رحماں ہوگا

مجھ سے عاصی کو جو بے داغ چھڑا لائیں گے | اہل محشر میں جو دیکھے گا وہ حیراں ہوگا
کوئی منہ میرا تکے گا کہ یہ وہ عاصی ہے | جس کو ہم جانتے تھے داخل میزاں ہوگا

فریاد کا یہ انداز بھی ملاحظہ کیجیے ۔

روسیہ ہوں منہ اجالا کر مرا جان قمر | صبح کر یا چاند نا مہر عجم یاہ عرب
ہے روسیہ مجھ کو کیا آقا مرے اعمال نے | کردو اجالا منہ مرا ماہ عجم مہر عرب
اک ظلمت عصیاں شہا اس پر اندھیرا قبر کا | کردے ضیا بدرالدجیٰ ماہ عجم مہر عرب
بے شک ہے عاصی کے لیے ناری صلہ لیکن شہا | نوری کو دو نوری خرا ماہ عجم مہر عرب

سر پر بادل کالے کالے دودِ عصیاں کے ہیں چھالے
دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
حد سے بڑھ گئے عصیاں میرے تو دھودے آب رحمت سے
بحر رحمت جوش پہ آجا، صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن ان تمام بے چارگیوں کے اظہار کے باوجود امید رحمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ فرماتے ہیں۔ ۔

بدکار ہوں، مجرم ہوں، سیہ کار ہوں میں | اقرار ہے اس کا کہ گنہگار ہوں میں
بایں ہمہ ناری نہیں نوری ہوں میں | مومن ہوں تو فردوس کا حقدار ہوں میں

دوسری جگہ رقم طراز ہیں ۔

حد بھر کا زیاں کار سیہ کار ہوں میں | امت میں بڑا سب سے گنہگار ہوں میں
پر دل کو ہے اپنے اس سے ڈھارس | فرماتا ہے اللہ کہ غفّار ہوں میں

مزید لکھتے ہیں ۔

ظالم ہوں، جفا کار و ستم گر ہوں میں | عاصی و خطا کار بھی حد بھر ہوں میں
یہ سب ہے مگر پیارے تیری رحمت سے | سنّی ہوں مسلمان مقرر ہوں میں

کبھی غوثِ اعظم سے نفس ستم کیش کی فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

خطائیں ہماری جو حد سے سوا ہیں عطا تیری ان سے سوا غوث اعظم
خطا کاریاں گرچہ حد سے بھی اپنی سوا ہیں سوا ہیں سوا غوث اعظم
ہماری خطا کو تمہاری عطا سے بھلا کوئی نسبت بھی یا غوث اعظم
تو رحم و کرم کا ہے بے پایاں دریا یہ اک فرد عصیاں ہے کیا غوث اعظم

دوسری جگہ عرض کرتے ہیں۔

مرا نفس سرکش بھی رہزن ہے میرا یہ دیتا ہے دم، دم بدم غوث اعظم
دکھادے تو اپنی عَزومٌ کے جلوے سنادے صدائے منم غوث اعظم
میں ہوں ناتواں سخت کمزور حد کا ہیں زوروں چڑھے اس کے دم غوث اعظم
نہ پلّہ ہو ہلکا ہمارا نہ ہم ہوں نہ بگڑے ہمارا بھرم غوث اعظم
کہاں تک ہماری خطائیں گنیں گے کریں عفو سب یک قلم غوث اعظم
ہماری خطاؤں سے دفتر بھرے ہیں کرم کر کہ ہوں کالعدم غوث اعظم

اور کبھی گناہوں کے اقرار کے ساتھ ایک عجیب پاکیزہ سی تمنّا لے کر رب بے نیاز کی بارگاہ میں عرض پرداز ہوتے ہیں۔

گنہ کتنے ہی اور کیسے ہی ہیں پر رحمت عالم شفاعت آپ فرمائیں تو بیڑا پار ہو جائے
بھرم رہ جائے محشر میں نہ پلّہ ہلکا ہو اپنا الٰہی میرے پلّے پر مرا غم خوار ہو جائے

پھر اخیر میں وہی تواضع کا انداز جو مخدوم جہاں کے یہاں نظر آیا تھا۔

عمر کھیلوں میں ہم نے گنوائی ہے عمر بھر کی یہی تو کمائی ہے

ان منکسرانہ جذبات کے ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کے پیر و مرشد حضور نوری میاں قدس سرہٗ کا وہ ارشاد یاد آتا ہے جو آپ نے راہِ سلوک میں رکاوٹ ڈالنے والے بارہ اسباب کے درمیان میں تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''عقبۂ خود بینی و غرور و تکبر، یہ عبادت سے پیدا ہوتا ہے اس پریشانی کو دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ تصور کرے میں اس سے پہلے مشت خاک اور ناپاک پانی کا قطرہ تھا، یعنی کچھ

نہیں تھا اور اب اطاعت وعبادت سے مجھے یہ بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں اطاعت وعبادت کی کثرت کروں اور خدا کا شکر یہ ادا کروں یہ نہیں کہ غرور اور گھمنڈ میں گرفتار ہو جاؤں جو بربادی کا سبب ہے۔''[۱]

مخدوم جہاں نے بھی یہی ہدایت کی ہے۔

''آدمی فیض رحمت جس قدر اپنے اندر دیکھے زیادہ اسی قدر عاجزی، کمتری، نیازمندی، انکساری پیش کرے۔''[۲]

گویا جس کے اندر جتنی زیادہ عاجزی، نیازمندی، انکساری اور انتہا درجہ کی کمترینی ہوگی وہ سرچشمۂ رحمت سے اتنا ہی زیادہ قریب اور فیض یاب ہوگا۔ ذہن ودماغ میں یہ خیالات بھی نہیں ابھرنا چاہیے، یہ صرف شاعرانہ خیالات تھے بلکہ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اسی سادگیٔ کردار کا پتہ دیتا ہے۔ عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں:

''آپ کے اندر تواضع وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اگر کسی کو اس کی غیر شرعی حرکت پر ڈانٹ دیتے تھے یا کسی موقع پر خفگی یا ناراضگی کا اظہار کرتے تھے تو بعد میں اسے سمجھاتے اور اس کی دلجوئی فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ اکثر لوگ حضرت کی شان میں منقبت پڑھتے تو انہیں اس سے روکتے اور فرماتے کہ میں اس لائق کہاں اللہ تعالےٰ اس لائق بنائے۔''[۳]

اور بھلا نعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدس مآب، پاکیزہ اور سادگی وصداقت کی خوشبوؤں سے رچی بسی وادیوں میں اس بارگاہ کے حاضر باشوں سے محض شاعرانہ تخیلات کی توقع بھی کیسے کی جاسکتی ہے۔ جہاں کے انداز یہ ہوں:

شیر بیشۂ اہل سنّت کے برادرِ خورد مولانا محبوب علی خاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا کوئی کلام ایسا نہیں جو صرف قال ہو حال نہ ہو بلکہ جو کچھ فرمایا ہے سراسر حال ہے۔ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے دوسرے دیکھنے والے بھی بحمدہ تعالیٰ موجود ہیں کہ ایک حافظ صاحب جو حضور پُرنور امام اہل سنّت قدس سرہٗ

کے مخلصین میں سے تھے کچھ کلام بغرض اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی، سنانا شروع کیا۔ درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یا رسول اللہ میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں، کھانا، پینا، سونا سب موقوف ہو گیا ہے۔ کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علیٰحدہ نہیں ہوتی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

حافظ صاحب اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمایئے جھوٹ اور کون سی سرکار میں؟ جنھیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ تعالےٰ نے **ما کان وما یکون** کا کوئی ذرّہ نہ چھپایا۔ اس کے بعد اس قسم کا اشعار کٹوا دیا۔'' [۱]

اور پھر تو آپ اس عبقری امام کے صحیح جانشین اور عکسِ جمیل تھے۔ جس کا وجود عشق رسول کی رعنا صداقتوں کا امین تھا۔ دیکھنے والوں نے آپ کو اپنے والد محترم کے بالکل قدم بہ قدم محسوس کیا۔ یہی نہیں بلکہ خود آپ کے احساسات بھی اس مشاہداتی کیف کے ترجمان ہیں۔ الملفوظ شریف کے آغاز میں آپ خود رقم طراز ہیں:

''سچ تو یہ ہے کہ اس محبت کی برکت نے انسان کر دیا۔ اس زمانے میں کہ آزادی کی تند ہوا چل رہی ہے کیا عجیب تھا کہ میں غریب بھی اس بادِ صرصر کے تیز جھونکوں سے جہاں صدہا بیئس المصیر پہنچے وہیں جا رہتا۔ مگر اپنے مولا کے قربان جس کی نظرِ عنایت نے پکّا مسلمان بنا دیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک... غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان جب سے یہ قدم کھڑے ہوئے، آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع و زیاں سوجھا، منہیات سے تا بہ مقدور احتراز کیا۔ اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا۔'' [۱]

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر آپ کے قربِ الٰہی کی شناخت کے اگر کچھ اور آثار نہ بھی ہوتے تو تواضع اور تزکیۂ نفس کی یہ شان ہی کافی تھی۔

افسوس! کردار کی یہ سادگی، اخلاص کا یہ بانکپن، تواضع کا یہ انداز اور نفس کی تحقیر کے

جلوے اب دیکھنے کو نہیں ملتے، اب تو ہر جگہ کبر و غرور، سطوت و نخوت اور ترفع کا ایک الگ ہی انداز نظر آتا ہے۔ گویا پھر جاہلیت پلٹ آئی اور اسلام کے انوار کہیں اور جا چھپے۔ اے کاش! ہم اسلامی افکار و اصول سے اپنے کردار کا دامن سجاتے اور اخلاص و ایثار، انابت و تذلل، سادگی و توکل کے جلوؤں سے ہماری دنیا آباد ہوتی۔ اس کے لیے بزرگانِ امّت کے روشن نفوس ہمارے لیے بہترین دلیلِ راہ ہیں۔ ہم اپنے بزرگوں کے وارث تو ضرور بنتے ہیں مگر ان کی فکر اور کردار سے دور بہت دور ہوتے جا رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ الملفوظ، ج:۱،ص:۴

۱۔ سراج العوارف فی الوصایا و امعارف،ص:۱۵۴۔ ۲۔ سامانِ بخشش

۱۔ حدائق بخشش،ص:۱۹۰۔ ۲۔ امام غزالی حجۃ الاسلام،ص:۳۳۸،ج:۳۔

۱۔ انوارِ مفتیٔ اعظم،ص:۱۹۹۔ ۲۔ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ،ص:۵۲۵۔ ۳۔ مکتوباتِ دو صدی،ص:۳۸۳

۱۔ سامانِ بخشش،ص:۴۱۔ ۲۔ ایضاً،ص:۴۲۔ ۳۔ ایضاً،ص:۵۰۔ ۴۔ ایضاً،ص:۵۵۔ ۵۔ ایضاً،۵۸۔ ۶۔ ص:۶۰،۶۲

۱۔ سامانِ بخشش،ص:۸۶،۸۷۔ ۲۔ ایضاً،ص:۹۰۔ ۳۔ ایضاً،ص:۱۳۹۔ ۴۔ ایضاً،ص:۱۴۶۔ ۵۔ ایضاً،ص:۹۵

۱۔ سامانِ بخشش،ص:۱۰۱۔ ۲۔ ایضاً،ص:۱۴۵۔ ۳۔ ایضاً،ص:۱۵۹

۱۔ امام احمد رضا اور تصوف،ص:۲۸

a a a a a

☆مولانا طفیل احمد مصباحی
نائب مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

حضور مفتی اعظم ہند کی حمد یہ شاعری فکروفن کے آئینے میں

اربابِ علم وادب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں کے ادب کی ابتدا شاعری سے ہوئی ہے۔تحریر کا فن وجود میں آنے سے قبل اظہارِ خیالات ،ترسیلِ جذبات اور حادثات وواقعات کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ اشعار ہی رہے ہیں اور آج بھی اظہارِ خیالات کے لئے نظم و شعر ہی زیادہ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اردو زبان کی تاریخ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔اردو ادب میں بھی نظم پہلے وجود میں آئی اور نثر بعد میں ۔اردو زبان کو یہ اعزاز وافتخار حاصل ہے کہ یہ اپنی پیدائش کے وقت سے ہی مومنہ اور کلمہ گو رہی ہے۔اسی لیے اسے مسلمانوں سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ برسوں سے جاری ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔اردو مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہندوستان کی قومی زبان ہے۔گنگا جمنی تہذیب، مذہبی روا داری اور اتحاد و یک جہتی کے رنگ میں یہ زبان پوری طرح رنگی ہوئی ہے۔اردو شاعری کا با قاعدہ آغاز پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں ہو چکا تھا۔دیگر اصناف شعری کی طرح حمد ومناجات اور نعت ومنقبت کی روایت بھی شروع سے چلی آرہی ہے۔ مایۂ ناز شاعر و ادیب پروفیسر طلحہ رضوی برق لکھتے ہیں:

''صوفیۂ کرام اور مبلغینِ اسلام کے ہاتھوں دینِ متین کی ترویج واشا عت کیلئے اردو پروان چڑھی اور شروع ہی سے اس کی توتلی زبان پر حمد و ثنا اور نعتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری ہوگئی۔(اردو کی نعتیہ شاعری، صفحہ ۵)

حضورمفتیٔ اعظمِ ہندکی شاعری: شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتیٔ اعظمِ ہند قدس سرہٗ (متوفی ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) برصغیر ہندو پاک کی ایک علمی وروحانی شخصیت کا نام ہے۔علم وحکمت، تقویٰ وطہارت اورادب وشاعری آپ کو وراثت میں ملی تھی۔آپ کی شاعری عشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نتیجہ ہے۔جب حبِ رسول سے دل مچلنے لگتا تو عقیدت ومحبت سے لبریز اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوجاتے اور کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان سے پاکیزہ اشعار وجود میں آتے کہ دیوان گانِ عشق سن کر مسرور ومسحور ہونے پر مجبور ہوجاتے۔آپ کا نعتیہ کلام ''تو شمعِ رسالت ہے عالم تیرا پروانہ'' آج بھی اہلِ عقیدت کی زبان پر جاری ہے اور عشقِ رسالت کی آنچ کو تیز کرنے کیلئے کافی ہے۔اس کے لفظ لفظ سے محبت کی خوشبو پھوٹتی ہے اور اہلِ ایمان کی مشام جاں کو معطر کردیتی ہے۔حضور مفتیٔ اعظم ہند جتنے بڑے عالم ومفتی اور فقیہ تھے، اتنے ہی بڑے دُرویش، ولیٔ کامل اور فنافی اللہ بھی تھے۔عبادت وریاضت اور دورانِ نماز محویت کا یہ عالم ہوتا کہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوجاتے اور یادِ خداوندی میں اس قدر مستغرق ہوجاتے کہ خود اپنے وجود کی فکر نہیں رہتی۔آپ کی زندگی ''اَلْحُبُّ فِی اللہ وَالْبُغْضُ فِی اللہ'' کی عملی تفسیر تھی،بیش تر اوقات ذکرواذکار اوراوراد و وظائف میں گزارتے۔ علم،عمل اور عشق ان کی حیات کے ترجیحی عناوین ہیں۔انھیں اپنے عہد میں علما کے درمیان فیصل کی حیثیت حاصل تھی۔وہ جس طرف دیکھتے زمانہ اُدھر دیکھنے لگتا،ان کا ہر فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جاتا۔ان کے قلم سے جو فتویٰ نکلتا سارے فتوؤں پر نمایاں ہوتا۔ان کے چہرے پر تقدس کی لکیریں صاف اعلان کرتیں کہ یہ کوئی مردِ خدا اور فنافی اللہ انسان ہے۔آپ کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ''سامانِ بخشش'' اسمِ بامسمیٰ ہے۔توحید و رسالت کے متوالوں کیلئے اس میں واقعی مغفرت وبخشش کا سامان موجود ہے،نعت، ومنقبت کے ساتھ حمد کے اشعار بھی کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات اسمائے حسنیٰ اور بعض ضروری عقائدِ دینیہ پر مشتمل ہیں۔کہتے ہیں کہ ''حمدیہ شاعری آسان ہے بہ نسبت نعتیہ شاعری کے''، لیکن حمدیہ اشعار کہنا بھی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔فنی اُصول وضوابط کے

ساتھ شرعی آداب کا پاس و لحاظ بھی بہر گام ضروری ہے۔ یہاں بھی قدم قدم پر ایمان ضیاع کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ تہی دامانِ علم و شریعت کو تو اس میدان میں بھول سے بھی نہیں اترنا چاہئے ورنہ تنقیص اُلوہیت کے باعث انہیں ایمان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ کہنے والے نے تو جذبات میں کہہ دیا کہ ''توحید کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے۔ جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے'' (معاذ اللہ) یہ نعتیہ شعر جہاں افراط پر مشتمل ہے وہیں شانِ الوہیت اور مرتبۂ ربوبیت کے بھی خلاف ہے اسلامی شاعری لیلیٰ مجنوں کی داستان نہیں کے الفاظ و معانی کا بے دریغ استعمال کیا جائے بلکہ اس میں پاکیزہ جذبات کے اظہار کے لئے توحید و رسالت کے بلند اور نازک مراتب کا خیال از حد ضروری ہے۔ نعت میں افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے اعتدال کا راستہ اپنانا چاہیے۔ جب کہ حمد میں شانِ اُلوہیت کے منافی الفاظ و خیالات کا استعمال ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ ہماری شاعری، شاعری کے بجائے آزری ٹھہرے گی اور دین و دنیا کی سعادتوں سے محرومی ہاتھ آئے گی۔ مفتیٔ اعظمِ ہند دینی علوم کے رمز شناس اور زبان و ادب کے ماہر تھے۔ آپ شانِ تقویٰ، شانِ تفقہ و عظمتِ فتویٰ نویسی میں اپنے عہد میں منفرد و ممتاز تھے۔ ایک قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کا مقام کافی بلند ہے۔ ''سامانِ بخشش'' میں اپنے والدِ گرامی امام احمد رضا قدس سرہ کی ''حدائق بخشش'' کا رنگ نمایاں ہے وہی رنگ و آہنگ وہی انداز وہی طرز استدلال اور مضامین کا وہی تنوع دونوں جگہ یکساں نظر آتا ہے۔ آپ صحیح معنوں میں ''وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت'' تھے۔ ''سامانِ بخشش'' اس لائق ہے کہ فنی حیثیت سے اس پر کلام کیا جائے اور اس کے ادبی جمالیات سے دنیا کو روشناس کرایا جائے۔ تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے سر دست آپ کی ''حمدیہ شاعری'' پر قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حمد و مناجات کی روایت: اردو شاعری میں حمد و مناجات کی روایت قدیم ہے۔ صوفی شاعر خوب محمد چشتی، مرزا محمد مقیم بیجاپوری، شیخ محمد ابنِ احمد عاجز شیخ محمد مظہر الدین، ملا نصر الدین، سراج اورنگ آبادی، امیر خسرو، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، وغیرہم کی شاعری میں حمد و مناجات کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ دیوانِ غالب کا پہلا شعر ''نقش فریادی ہے کس کی

شوخیِ تحریر کا'' حمد سے متعلق ہے'' کلیاتِ اقبال''میں بھی حمد کے اشعار پائے جاتے ہیں'' شکوہ اور جواب شکوہ''ڈاکٹر اقبال کا مشہور مگر متنازع فیہ اور شرعی اعتبار سے قابلِ گرفت کلام ہے، تاہم اس میں

حمد و مناجات کے اشعار بھی موجود ہیں۔ مثلاً

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

حمد و مناجات کی تعریف: لغت میں حمد کا معنی تعریف وتوصیف، خوبی اور بزرگی بیان کرنے کے ہیں اور مناجات کا مطلب گریہ وزاری وطلب کے ہیں۔ یعنی ثنائے رب جلیل کا نام حمد ہے، اور اپنے احتیاجات کے لئے عاجزی وانکساری کے ساتھ رونے اور گڑگڑانے کا نام''مناجات ہے''اسرار کرتپوری لکھتے ہیں:''ایسے اشعار جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی تعریف کی جائے، شاعری کی اصطلاح میں حمد کہلاتی ہیں۔ حمد کسی بھی ہیئت میں کہی جاسکتی ہے مناجات کے اشعار میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جاتی ہے۔''(مفتاح سخن صفحہ ۲۶)

دینی اعتبار سے حمدِ الٰہی کی جو فضیلت واہمیت ہے وہ ایک مومن کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ کریم کی ابتداء سورۂ فاتحہ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''سے ہوتی ہے سورۂ فاتحہ میں حمد بھی ہے اور مناجات بھی۔ اللہ تعالیٰ سے استعانت کا ذکر ہے اور دعا کی تعلیم بھی۔ گویا قرآنِ مقدس جیسی الہامی کتاب کے شروعاتی مضامین''حمد و مناجات''پر مشتمل ہیں حمد و مناجات سے عبد ومعبود کے درمیان ایمانی وروحانی رشتہ اُستوار کیا جاتا ہے اسی اہمیت کے پیشِ نظر اردو شاعری میں''حمدیہ شاعری ومناجاتی کلام''کی بنیاد پڑی۔

مایہ ناز محقق سید اعداد امام اثر لکھتے ہیں:''جاننا چاہئے کہ دعا ومناجات، عبادت کے مغز ہیں یہ گمراہوں اور جاہلوں کا شیوہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دعا ومناجات کی کوئی حاجت

نہیں۔ دعا و مناجات سے مسلمانوں کو کوئی چارہ نہیں ہے اس سے انکار اسی کو ہوگا جو خدا کا قائل نہیں اور وہ درحقیقت دہریہ ہے۔(بہارِستانِ سخن صفحہ ۳۲۳،قومی کونسل دہلی)

حضور مفتیٔ اعظمِ ہند کی حمدیہ شاعری کی نمایاں خصوصیات حُبِّ الٰہی، اخلاص، اظہار عبودیت، اعلانِ ربوبیت اور اثباتِ عقائد ہیں ایک بندۂ مومن کو اپنے خالق و مالک اللہ عزوجل کے بارے میں کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے، ذاتِ واجب الوجود کتنی عظیم الشان اور عظیم المرتبت ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ کس طرح اپنے پالنہار کی حمد وثنا میں مصروف اور رطب اللسان ہے۔ان تمام باتوں کا اظہار واعتراف آپ نے بڑے عالمانہ،محققانہ، والہانہ اور پاکیزہ اسلوب میں کیا ہے۔آپ کی حمدیہ شاعری میں شوکتِ الفاظ،ندرتِ خیال، استعارات وتمثیلات،فصاحت وبلاغت اور لسانی بانکپن اپنے نقطۂ عروج پر دکھائی دیتے ہیں۔اشعار کی لفظی خوبیوں کے لئے مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں۔

اشعار کی لفظی خوبیاں: کسی شاعر کی ظاہری اور لفظی خوبی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس میں ’’سادگی‘‘ ہے یا نہیں؟اصطلاح شاعری میں سادگی کا مفہوم یہ ہے کہ ’’مطلب اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کو سمجھنے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہ آئے۔(ہماری شاعری صفحہ ۱۵۵،یجوکیشنل ہاؤس علی گڑھ)

سادگی کا انحصار کئی چیزوں پر ہوتا ہے۔مثلاً مشکل لفظ استعمال نہ کیے جائیں، انہیں لفظوں سے کام لیا جائے جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہیں، شعر کی ظاہری خوبی کو سلاست کہتے ہیں سادگی کی مثال مرزا غالبؔ کا یہ شعر پیش کیا جاسکتا ہے ؎

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

چچا غالب نے یہاں اپنے مقصد کو اتنے آسان اور سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ شعر نظم کے بجائے نثر معلوم ہوتا ہے جب کہ اس کے برعکس ذیل کا شعر سادگی‘‘ کے زمرے سے خارج ہے، کیوں کہ یہاں ادائے مقصد کے لئے سادہ الفاظ اور آسان اسلوب کا استعمال

نہیں ہوا ہے۔

نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

جیسا کہ بیان ہوا کہ کلامِ مفتیٔ اعظمِ ہند کی ایک نمایاں خصوصیت سادگی اور سلاست ہے آپ کی حمدیہ شاعری میں سادگی اور سلاست وروانی کا اندازہ ذیل کے اشعار سے لگائیں۔

تیرا جلوہ ہے ہر سو
تو ہی تو ہے تو ہی تو
ہے موجودِ حقیقی وہ
ہے مشہودِ حقیقی وہ
ہے مقصودِ حقیقی وہ
معبودِ حق و حقیقی وہ
ھو حق ھو حق ھو حق
ربِّ ناس و ربِّ فلق
غیر نہیں تیرا مطلق
بھولوں گا میں یہ نہ سبق

یوں تو تمام اشعار سادگی اور سلاست کے زیور سے مزین ہیں مگر بالخصوص پہلے شعر میں تو سلاست وروانی اور سادگی کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔

ادب انسان کی زندگی سے مادی تفکرات کو مٹا کر اسے تخیل واحساس کی پر سکون اور ارفع منزلوں سے روشناس کراتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادب کا پہلا اور اساسی مقصد انسان کے تحلیل کی ترجمانی اور اس کے لطف جذبات کی عکاسی ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اور ساری مخلوق خواہ انسان ہو یا حیوان یا نبات وجماد سب کے سب حمدِ الٰہی میں مشغول ومصروف ہیں۔ ایک بندۂ مومن کو اپنے مالکِ حقیقی کی قدرت وصنّائی کا جلوہ ہر جگہ نظر آتا ہے۔ حضور مفتیٔ اعظمِ

ہند انسان کے اسی جمالیاتی احساس اور روحانی تخیل کی ترجمانی یوں کرتے ہیں ؎

ہر دل میں ہے اس کی لگن
آنکھوں میں وہ نور افگن
کیا صحرا اور کیا گلشن
مہر و جود کی ایک کرن
سرو و سنبل اور سمن
شمشاد و صنوبر اور سوسن
نرگس، نسرین سارا چمن
اس کی ثنا میں نغمہ زن
طائرانِ جناں میں تیری گفتگو
گیت تیرے ہی گاتے ہیں وہ خوش گلو
کوئی کہتا ہے حق، کوئی کہتا ہے ھو
اور سب کہتے ہیں لاشریک لہٗ
عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا
جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا
ذرّے ذرّے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا
قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو

مندرجہ بالا اشعار سے حضور مفتیِ اعظمِ ہند نے اہلِ اسلام کو یہ پیغام دیا ہے کہ کائنات کی ہر شئے حمدِ الٰہی اور یادِ خداوندی میں مصروف ہے، ہمیں بھی ایک لمحہ کیلئے حمد و یادِ الٰہی سے غافل نہیں رہنا چاہئے، کیوں کہ ذکر سے غفلت مردہ دلی اور وبال و نکال کا سبب ہے چنانچہ اہلِ غفلت کو یہ کہہ کر بیدار کرتے ہیں ؎

جو ہے غافل ترے ذکر سے ذوالجلال
اس کی غفلت ہے اس پر وبال و نکال
قعرِ غفلت سے ہم کو خدا یا نکال
ہم ہوں ذاکر ترے اور مذکور تو

اَللّٰہُ، اَللّٰہُ، اَللّٰہُ، اَللّٰہُ

راجح قول کے مطابق اللہ یعنی اسمِ جلالت اس ذاتِ واجب الوجود کا علم ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات قدیم بتلاتے ہوئے اس کے اسمائے حسنیٰ، کو بڑی فنکاری کے ساتھ شعر کا جامہ پہنایا ہے اور دنیا والوں کو یہ درس دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ ولد و والد سے پاک ذات بے نیاز ہے۔

اللہ، الٰہ وربِ واحد
فردو واحد، و ترو صمد
جس کا والد ہے نہ ولد
ذات و صفات میں بے حد وعد

آپ نے یہاں اپنی اپنی مہارتِ فن کا ثبوت دیتے ہوئے سورۂ اخلاص، ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدْ'' کا ترجمہ کر دیا ہے۔

''اسمائے حسنیٰ'' کو کتنی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

مُنْعِمْ وَ حَقٌّ وَسَمِیْعٌ وَ بَصِیْرٌ
بَاقِی باریؔ برؔو خبیرٌ
جامعؔ مانعؔ منارؔ کبیرٌ
رفعؔ نافعؔ حی و قدیرٌ
حکمؔ و عدلؔ علیؔ و عظیمٌ
دیانؔ و رحمٰنؔ ورحیم

قدوسؔ حنان و حلیم
فتاحؔ و منانؔ و کریمؔ

باقی تمام اسمائے حسنیٰ کو بھی شعری پیکر میں اس طرح ڈھالا ہے کہ شعر کی سلاست و روانی میں نہ کوئی فرق آیا اور نہ کہیں ’’سکتے‘‘ کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ یقیناً یہ آپ کی شاعرانہ کمال کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔

دینی عقائد کا اثبات: ایمان و عقیدہ اصل ہے توحید و رسالت، قیامت، حشر و نشر اور دیگر ضروریاتِ دینی کا انکار کفر ہے۔ عقیدہ کے بغیر عمل بے کار ہے۔ اُلوہیت و رسالت سے متعلق عقائد کا درست ہونا ضروری ہے۔ ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ دینی عقائد سے واقف ہو۔ اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے۔ ان تمام باتوں کا علم بھی ضروری و لازمی ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن شئی پر قادر ہے اور محالات تحتِ قدرت داخل نہیں ظلم، جہل، کذب، زنا، سرقہ، ان تمام چیزوں کا شمار نقائص اور قبائح میں ہوتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے حق میں نقص اور قبح محال ہیں۔ منہاج السنۃ النبویہ میں ہے: ’’**الا دلة العقلية دلت على امتناع اتصافه سبحانه بالنقائص و القبائح**‘‘ (منہاج السنہ ۲۰/ ۶۴ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی اللہ رب العزت کا صفتِ نقص و قبح سے متصف ہونا محال و ممتنع ہے۔ اور محال تحتِ قدرت داخل نہیں ’’**و النقص عليه محال**۔ (شرح مواقف ۳ء۱۴۰)

عقائدِ حافظہ میں ہے کہ ’’ظلم سفہ اور کذب سے قدرتِ الٰہی متعلق نہیں، کیوں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں اور محال تحتِ قدرت داخل نہیں۔‘‘ (تقدیس الوکیل، ص ۱۱۴)

بحر الرائق میں ہے: **او نسبه الى الجهل او العجز او النقص**۔ (بحر الرائق ۵/ ۲۰۲، دارالکتب لعلمیہ، بیروت) یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب جہل، عجز اور نقص کو منسوب کرنا کفر ہے۔ حضور مفتیٔ اعظمِ ہند انہیں عقائدِ دینیہ کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ؎

جہل و ظلم و کذب و زِنا
خواری مے خواری سرقہ
اس سے ممکن؟ جس نے کہا
لاریب اس نے کفر بکا

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ روح اور جسم سے پاک ہے اور اس کی صفات قدیم ہیں۔ اہلِ سنت کا یہ بنیادی عقیدہ ہے امام غزالی اپنی کتاب ''الجام العوام'' میں لکھتے ہیں ''**انہ تعالیٰ منزہ عن الجسمیة وعوارضها**'' (الجام العوام، مکتبہ الحقیقۃ، ترکی)

''تحفۂ اثنائے عشریہ'' میں ہے: **صفاته تعالى الذاتية قديمة** (تحفۂ اثناعشریہ، ص ۸ ترکی) یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ انھیں عقائد کو آپ نے اس طرح نظم کیا ہے۔

روح نہیں ہے وہ نہ جسیم
مقسم ہے وہ نہ قسم و قسیم
اس کے صفات و اسمائے قدیم
ہے یہ اپنا دین قدیم

اللہ تبارک وتعالیٰ جسم وجسمانیات سے پاک ومنزہ ہونے کے ساتھ زمان وجہات اور حرکت ومکان سے بھی مبرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے ''اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور اس سے اس کی مراد مکان ہو تو یہ کفر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو تحت وفوق سے متصف کرنا بھی کفر ہے۔

بحر الرائق میں ہے، ''**فان قال : الله فى السماء... وان اراد المكان كفر**'' **ويكفر بو صفه تعالىٰ بالفوق او التحت**۔ (بحر الررائق، ۵ ی ۲۰۲/۳ بیروت)

آیئے اور دیکھئے کہ حضور مفتیٔ اعظمِ ہند ان عقائد کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؎

ہے وہ زمان و جہات سے پاک
وہ ہے ذمیم صفات سے پاک

وہ سارے محالات سے پاک
وہ ہے سب حالات سے پاک

پاک ہے عیبوں سے مولیٰ۔ عیب کو اس سے علاقہ کیا عیب اس کا صالح نہ ہوا۔ ہو متعلق قدرت کا غرض کہ آپ نے علمِ کلام کے اہم اور ضروری مسائل کو اشعار کے پیکر میں ڈھال کر دین وادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ عقائد کے بغیر ادب کو وجود بخشنا ایسا ہی ہے جیسے الفاظ کے بغیر معانی کو ادا کرنا۔ علمائے اہلِ سنت کو ادبی خدمات کے دائرے سے خارج کر دینا صرف اس بنا پر کہ ان کے ادب میں اسلامی کی آمیزش ہے، سراسر ناانصافی اور ہٹ دھرمی ہے۔

حمدیہ شاعری میں طنز کی آمیزش: طنز ومزاح اور ظرافت یہ ادب اور زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ طنزیہ نگار ادیب یا شاعر کا مقصد ہنسنا یا ہنسانا نہیں ہوتا۔ وہ طنزیہ اسلوب میں نشتر چبھونے کا کام کرتا ہے اور قارئین کو اس کے پسِ پردہ ایک پیغام دیتا ہے۔ طنزیہ ظرافت کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ لیکن فنکارانہ انداز میں اسے برتنا سب کے بس کی بات نہیں۔ طنز برائے تعمیر یا بلفظ دیگر صالح طنز نگاری کیلئے بڑی ریاضت اور مشق کی ضرورت ہے۔ قرآن وحدیث میں بھی طنز وتعریض کے نمونے ملتے ہیں۔ مقصد فکر وعمل کی اصلاح ہو تو ادب میں طنزیہ اسلوب کا استعمال معیوب نہیں بلکہ محبوب اور مستحسن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ''کاذب'' کہنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشا فرماتے ہیں ۔

صدق رب جب وا جب ہے
کذب محال اے خائب ہے
جمعِ دو ضد کب جا ئز ہے
عقل کہاں تیری غائب ہے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور اس کے کمالات کا انکار کرنا سراسر نادانی اور احسان فراموشی ہے۔ ایسے ہی احسان فراموش لوگوں سے آپ مخاطب ہیں اور اِن پر طنز کا

نشتریوں برساتے ہیں۔

اس کا کھائے او منکر
اور غرائے او کافر
کون ہے دیتا او غادر
اس کے سوا مال او فاجر

کلامِ مفتیِ اعظم کی فنی حیثیت: اردو شعر و ادب کے اولین نقاد اور مشہور ادیب خواجہ الطاف حسین حالی کے بقول ''شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو۔'' (مقدمہ شعر و شاعری، ص ۱۱۲، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ)

اس قاعدے کے تناظر میں جب ہم حضور مفتیٔ اعظمِ ہند کی حمدیہ شاعری کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہر شعر مذکورہ تینوں اوصاف کا حامل نظر آتا ہے اور آپ کی شاعری فکر و فن کے اعلیٰ مقام پر فائز دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے کلام میں جو سادگی اور اصلیت ہے وہ درج بالا اشعار سے ظاہر ہے۔ اور جہاں تک ''شعر کا جوش سے بھرا ہونے کی بات ہے تو پہلے جوش سے بھرا ہونے کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے۔ حالی کے الفاظ میں شعر جوش سے بھرا ہوا ہو'' اس سے صرف یہی مراد نہیں کہ شاعر نے جوش کی حالت میں شعر کہا ہو یا شعر کے بیان سے اس کا جوش ظاہر ہوتا ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ مخاطب ہیں ان کے دل میں جوش پیدا کرنے والا ہو۔ (مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ ۱۲۹) مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں کہ مخاطب اور سامع کے دل میں کس قدر جوش پیدا کرنے والے ہیں۔

سارے عالم کو ہے تیری ہی جستجو
جن وانس و ملک کو تری آرزو
یاد میں تیری ہر ایک ہے سو بسو
بن میں وحشی لگاتے ہیں ضرباتِ ھو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

نغمہ سنجانِ گلشن میں چرچا تیرا
چہچہے ذکرِ حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا
سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو
اللہ ' اللہ' اللہ' اللہ'

جو ہے غافل تیرے ذکر سے ذوالجلال
اس کی غفلت ہے اس پر وبال ونکال
قعرِ غفلت سے ہم کو خدایا نکال
ہم ہوں ذاکر تیرے اور مذکور تو
اللہ ' اللہ ' اللہ ' اللہ '

وہ بھی تسبیح سے رکھتا ہے اشتغال
جو نہیں رکھتا منہ اور لسانِ مقال
پھر بھی گویائے تسبیح ہے اس کا حال
اس کی حالِ زباں کہتی ہے تو ہی تو
اللہ ' اللہ ' اللہ' اللہ '

ہے زبانِ جہاں حمدِ باری میں لال
دَم کوئی حمد کا مارے کس کی مجال
تا با مکان ہم رکھتے ہیں قیل وقال
اس کو مقبول فرمالے رحمت سے تو
اللہ ' اللہ' اللہ' اللہ'

ان اشعار سے مخاطب کے دل میں سوز و گداز اور جوش پیدا ہوتا ہے اور کچھ دیر کیلئے ہی سہی وہ حمدِ الٰہی اور ذکرِ خداوندی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور اسے اپنی غفلت کا احساس

ہوتا ہے۔

حمدیہ شاعری کا بدیعی تجزیہ: شعر وشاعری کی خوبی اس کی فصاحت و بلاغت' سادگی اور سلاست پر منحصر ہے۔صنائع و بدائع کی رعایت سے فصیح وبلیغ کلام اور حسین ہوجاتا ہے اور شعر کے حسن میں چار چاند لگ جاتا ہے۔جس طرح جوہری حضرات حسن انسانی میں اضافہ کر نے کے لیے قسم قسم کے زیوارت تیار کرتے ہیں اسی طرح ایک شاعر عروسِ کلام کو آراستہ کرنے کے لئے علم بدیع کا سہارا لیتا ہے تا کہ کلام کی خوب صورتی اور حسن میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکے۔علم بدیع یہ بلاغت کا ایک حصہ ہے۔علم بدیع کو صنائع و بدائع بھی کہتے ہیں صنائع و بدائع' کلام کے لئے بمنزلۂ لباس اور زیور کے ہیں۔عمدہ کلام کو ان کی ضرورت نہیں ہوتی تاہم قدرتی حسن پر ظاہری آرائش کا اضافہ ہوجائے توحسن ودلکشی میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔علمِ بدیع کے دوشعبے (۱) صنائع لفظی (۲) صنائع معنوی۔ایہام' تضاد' مراعاۃ النظیر' لف ونشر' غیر مرتب تنسیق الصفات' تجاہل عارفانہ تاکید الزم بمایشبہ المدح وغیرہ کا شمار صنائع معنوی میں ہوتا ہے جب کہ اشتقاق' تجنیس' توشیح' تلمیح' ردالعجز علی الصدر وغیرہ صنائع لفظی کے قبیل سے ہیں۔تفصیل کے لئے علم بدیع از مولانا رشید احمد' مطبوعہ انجمن ترقی اردو دہلی اور مفتاحِ سخن' از ابرار کرت پوری کا مطالعہ کریں۔

حضور مفتیِ اعظمِ ہند نے اپنی حمدیہ شاعری میں صنائع و بدائع کا استعمال کر کے اپنے کلام کو خوب سے خوب تر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔صنائع و بدائع کی عطر بیزیاں اور جلوہ طرازیاں ذیل کے اشعار میں ملاحظہ فرمائیں۔

صنعتِ تضاد: اس صنعت کو''طباق'' بھی کہتے ہیں۔اصطلاح شعرا میں'' کلام میں دو لفظ (یا ان سے زیادہ الفاظ) ایسے لانا جن کے معنوں میں ضد ہو۔مثلاً ؎

نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا
گھٹانا' وصل کی شب کا 'بڑھانا

روز' ہجراں کا گھٹانا' بڑھانا' روز' شب اور وصل وہجر یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے معانی

میں تضاد ہے اب کلامِ مفتیٔ اعظم ہند میں اس صنعت کا استعمال دیکھیں۔

قرب و فراق و فصل میں وہ
بعد و فراق وفصل میں وہ
فرض میں وہ ہے نفل میں وہ
اصل میں وہ ہے نقل میں وہ
آبادی میں ہے بن میں وہ
سر میں وہ ہے علن میں وہ
سب ہیں حادث وہ ہے قدیم
کوئی نہیں ہے اس کا ندیم
پیدا اس نے کئے ہیں نحیم
اور اس نے بنائے لئیم

مذہب کلامی: کلام واشعار کا دلیل و برہان پر مشتمل ہونا۔ یعنی دلیل اس طریقے سے لانا کہ اس سے نتیجہ بطورِ قیاس نکل سکے۔ (علم بدیع ، صفحہ ۱۸) قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے۔ آیتِ کریمہ ہے "من اصدق منه قیلا" کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا قول سچا۔ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ٹھہرا۔ تو اب لامحالہ کذب اس کے حق میں محال ہوگا، کیونکہ اجتماعِ ضدین محال و ناجائز ہے۔ یہ طریقۂ استدلال متکلمین کے طریقے کے مطابق ہے، اس لئے اسے مذہبِ کلامی" کہتے ہیں۔ مفتیٔ اعظمِ ہند کے اس شعر میں "مذہبِ کلامی" کا نمونہ دیکھئے ۔

صدقِ رب جب واجب ہے
کذب محال اے خائب ہے
جمعِ دو ضد کب جائز ہے
عقل کہاں تری غائب ہے

تنسیق الصفات: ایک موصوف کے کئی اوصاف کو متواتر بیان کرنا۔

وہ ہے جوّاد عفو و عطوف
ازلی ابدی ہے معروف
قابض و باعث خالق ہے
خافض و وارث رازق ہے

صنعتِ تلمیح: کلام میں کسی آیت، حدیث یا کسی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا یہ شعر ''صنعتِ تلمیح'' پر مشتمل ہے۔ ؎

حُسنِ یوسف پہ کٹی مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

کلامِ نوری میں صنعتِ تلمیح کے جلوے ملاحظہ کریں ؎

جب سجدہ کا حکم ہوا
سب نے کیا اس نے نہ کیا
اور متکبر نے یہ بکا
یہ مٹی میں انگارا

ان اشعار میں اس مشہور واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں سب سجدے میں گر پڑے اور ابلیس نے انکار کر دیا اور کٹ حجتی شروع کر دی کہ ''خَلَقْتَنِی مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ۔'' شعر میں اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے ؎

اللہ، الٰہ و رب واحد
فرد و واحد و تر وصمد
جس کا والد ہے نہ ولد
ذات وصفات میں بے حد وعد

اس میں سورۂ اخلاص کی طرف اشارہ ہے ۔

تلمیح: وہ صنعت ہے کہ کوئی شعر دو یا دو سے زیادہ زبانوں میں کہا جائے اسے ''ذو لسانین'' بھی کہتے ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ شعر صنعتِ تلمیح میں ہے۔

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اس صنعت میں سرکار مفتیٔ اعظمِ ہند حمدِ الٰہی میں یوں رطب اللسان ہے ۔

لَیْسَ الْھَادِیْ اِلَّا ھُوْ

کہتا ہے یہ ہر بن مو

سنتا ہوں میں از ہر سو

لیس سواک الا ھو

اَنْتَ الْھَادِیْ اَنْتَ الْحَقْ

رنگِ باطل اس سے فق

صنعتِ اشتقاق: شعر میں چند ایسے الفاظ لانا جو ایک ہی مادہ سے مشتق ہوں (علم بدیع، صفحہ ۲۸) مرزا غالب کا شعر ہے ۔

اصلِ شہود و شاہد مشہود ایک ہے

حیراں ہو پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

کلامِ مفتیٔ اعظمِ ہند میں ''صنعتِ اشتقاق'' کا جلوہ ملاحظہ ہو،

جو ہے غافل تیرے ذکر سے ذوالجلال

اس کی غفلت ہے اس پر وبال و نکال

قعرِ غفلت سے ہم کو خدا یا نکال

ہم ہوں ذاکر اور مذکور تو

یہاں اصل مادہ غفلت سے غافل کا ذکر ہوا ہے اور ذکر سے ذاکر اور مذکور لایا گیا ہے۔

غرض کہ حضور مفتیٔ اعظمِ ہند کی ''حمدیہ شاعری'' فکر وفن کے اعلیٰ معیار پر فائز ہے۔ زبان و بیان کی چاشنی، اسلوب کی طرح داری، سلاست و نفاست اور فکر و خیال کی حسین ترجمانی لائقِ دید اور قابلِ تعریف ہے۔ آپ کی حمد نگاری داخلی کیفیات کے بیان اور اظہار شیفتگی کا ایک حسین اور دلکش مرقع ہے۔ بیان میں روانی اور تسلسل کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے کسی بلند مقام سے آبشار پوری قوت سے بہہ رہا ہو۔ ذیل کے اشعار دیکھیں۔

نور میں وہ ہے نظر میں وہ
شمس میں وہ ہے قمر میں وہ
ابر میں وہ ہے گہر میں وہ
کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
جز میں وہ ہے کل میں وہ
رنگ و بوئے گل میں وہ
افغانِ بلبل میں وہ
نغماتِ قلقل میں وہ
قرب و بقا و وصل میں وہ
بعد وفراق و فصل میں وہ
فتح و ضم و جر میں وہ
پیش و زیر و زبر میں وہ

یعنی حمد الٰہی کی پاکیزہ دُھن اور جمالیاتی احساس سے مغلوب ہو کر آپ نے اشعار کے ایک سے ایک حسین پیکر تراشے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ حضور مفتیٔ اعظمِ ہند کی شاعری اور اس کے فنی محاسن پر توجہ دی جائے اور ایک باکمال شاعر کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر کے آپ کا تعارف کرایا جائے۔

a a a a a

☆محمّد ادریس رضوی (ایم۔اے)
جامع مسجد، پتری پل کلیان

کلامِ نوری اور صنائع و بدائع

تاجدارِ اہل سنّت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مصطفےٰ رضا نوری مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ ۱۳۱۰ھ تا ۱۴۰۲ھ نے حمد ذوالجلال جلّ جلالہٗ نعت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، مناقب غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت علاء الدین چشتی صابر کلیری رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کی شانِ اقدس میں عقیدت ومحبت کے جو منظوم نذرانے پیش کیے ہیں، اس مجموعہ کا تاریخی نام ''سامانِ بخشش'' (۱۳۵۴ھ) ہے۔ سوادِ اعظم کا طبقہ اس ذخیرۂ اشعار کو خلوت وجلوت میں گنگنا کر ان ابیات اور صاحبِ ابیات کے صدقے میں خدائے لم یزل کی بارگاہ میں وہ اپنی بخشش کی دعائیں بھی کرتا ہے۔ ''سامانِ بخشش'' ایک جانب عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مخمور ہو کر تڑپنے، بلکنے اور گنبدِ خضریٰ پر حاضری دینے کے لیے استدعا کرنے کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف اہلِ علم اور استادِ فن آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت، نزاکت ولطافت اور صنائع وبدائع کی خوبیوں کو دیکھ کر عش عش کرتے ہیں۔

صنائع وبدائع:۔ صنائع جمع ہے صنعت کی اور بدائع بدیع کی جمع ہے، اس سے مراد وہ خوبیاں ہیں جو کلام میں اثر پیدا کریں۔ ایک اچھی شکل وصورت کی عورت اچھے لباس، زیور اور آرائش کی چیزوں سے اپنا بناؤ سنگار کرتی ہے، اسی طرح چند مخصوص الفاظ ومعنی کے ذریعہ شعرا اپنے کلام کو سنوارتے ہیں، یہ خوبیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی خوبی کو صنائع لفظی کہتے ہیں اور دوسری کو صنائع معنوی کہتے ہیں۔ا ے

صنائع لفظی کی قسمیں:۔ (۱) صنعت تجنیس۔ صنعتِ تجنیس وہ ہے کہ جس میں دو لفظ تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مغائر اس کی کئی قسمیں ہیں۔

تجنیس تام۔ اس کو تجنیس مماثل، تجنیس مفرد بھی کہتے ہیں۔

اگر دو لفظوں کے حروف، اعداد ترتیب اور حرکات وسکنات میں یکساں ہو لیکن معنی مختلف ہوں، یعنی ایک لفظ اسم، دوسرا فعل یا ایک اسم اور دوسرا حرف، ایک لفظ فعل دوسرا حرف ہو۔ ۲؎

اور محمد حنیف خاں رضوی تجنیس مماثل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو بولنے میں مشابہ ہوں مگر معنی میں مختلف اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دونوں یا تو اسم ہوں یا دونوں فعل یا دونوں حرف۔'' ۳؎

اور ڈاکٹر محمّد ہاشم علی صاحب سابق پروفیسر شعبہ اردو میسور یونیورسٹی رقم کرتے ہیں کہ ''دو لفظ جو ترتیب و تعداد حروف کے اعتبار سے نیز حرکات وسکنات میں یکساں ہوں مگر معنی میں مختلف ہوں کسی شعر میں آئیں تو اسے تجنیس تام کہتے ہیں۔'' ۴؎

صنائع و بدائع کے فائدے؟: صنائع و بدائع کے استعمال سے کلام کا لطف دوبالا اور حسن بڑھ جاتا ہے، اس لیے اچھے کلام کی آرائش علمِ بدیع کی ریزہ کاریوں سے کی جاتی ہے، اور لوازم شاعری سمجھا جاتا ہے۔ کلام میں اعتدال کی حد تک صنائع کا استعمال کلام کے حسن میں اضافہ اور لطف دوبالا کرتا ہے لیکن اس کا حد سے زیادہ استعمال کلام میں حسن کے بجائے بے کیفی و بے رنگی پیدا کر دیتا ہے۔ خصوصاً صنائع کا بالقصد استعمال شعر میں آمد کے بجائے آورد کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور اشعار تکلف و تصنع کا مجموعہ بن کر بے ساختگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ۱؎

حضرت نوریؔ علیہ الرحمہ نے اپنے کلام کو صنائع و بدائع سے خوب خوب آراستہ کیا ہے لیکن اس میں آورد کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ آمد ہی آمد ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، آپ بھی دیکھ لیجیے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ ہم یہاں پر صنائع لفظی کی ایک قسم تجنیس

تام سے متعلق اشعار پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ سلاست و روانی اور بے ساختگی کے ساتھ تجنیس مماثل کے استعمال کے لیے حضرت نوری آں کا یہ شعر دیکھیے۔ ۲؎

(۱) اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا
سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو

اس شعر کے آخری بند میں ''واحد'' لفظ دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ دونوں لفظ، تلفظ، ترتیب تعداد اور حرکات وسکنات میں یکساں ہیں۔ لیکن ان کے معنی الگ الگ ہیں پہلا واحد بمعنی ایک اور دوسرا ''واحد'' بمعنی یکتا، اکیلا۔

(۲) ہر نہالِ چمن ذکر سے ہے نہال
ذکرِ حق ہی اسے کرتا ہے مالا مال

پہلا ''نہال'' بمعنی تازہ لگا ہوا پودا۔ دوسرا ''نہال'' بمعنی مالا مال، خوش حال

(۳) عفو فرما خطائیں میری اے عفو
شوق و توفیق نیکی کا دے مجھ کو تو

پہلا عفو بمعنی بخشش، درگزر۔ دوسرا عفو بمعنی معاف کرنے والا۔

(۴) دو عالم صدقہ پاتے ہیں میرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

اوّل 'سرکار' بمعنی آقا، سردار۔ دوم 'سرکار' بمعنی بارگاہ۔

(۵) دبا جاتا پچا جاتا ہوں میں آقا دہائی ہے
یہ بھاری بوجھ عصیاں کا مرے سر کا ذرا سرکا

پہلا 'سرکا' سر کے اوپر کا۔ اور دوسرا 'سرکا بمعنی کھسکانا، ہٹانا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۶) کیا کرے سونے کا کشتہ، کشتہ تیرے عشق کا
دید کا پیاسا کرے کیا شربت دینار کا

پہلا ''کشتہ'' بمعنی ماری ہوئی دھات۔ دوسرا ''کشتہ'' عاشق، شیدا۔

(۷) پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار
مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوکِ خار کا

پہلا ''پاؤں'' پیر۔ دوسرا ''پاؤں'' بمعنی قبضہ پانا۔

(۸) جلوہ گاہِ خاص کا عالم بتائے کوئی کیا
مہر عالم تاب ہے ذرّہ حریمِ یار کا

دونوں مصرعے میں ایک ایک جگہ ''عالم'' لفظ آیا ہے پہلا بمعنی حالت دوسرا بمعنی دنیا۔

(۹) جو سوختہ ہیزُم کو چاہو تو ہرا کردو
مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

پہلا سوختہ جلا ہوا۔ دوسرا مصیبت زدہ کے معنی میں ہے۔

(۱۰) اُف کیسی قیامت ہے یہ روزِ قیامت بھی
سورج ہے وہیں قائم بھولا ہے ڈھلا کرنا

پہلا لفظ قیامت سے مراد بلا، آفت۔ دوسرے لفظ کی اصلیت روزِ محشر ہے۔

(۱۱) لب تشنہ ہے گو ساقی تشنہ تیری رویت کا
رویت جو نہ ہو تیری تو جام کا کیا کرنا

(۱۲) دنیا بنے یا بگڑے دنیا رہے یا جائے
تو دین بنا پیارے دنیا کا ہے کیا کرنا

پہلے بند میں لفظ مکرّر استعمال ہوا ہے۔ پہلا لفظ موجودہ زندگی اور دوسرا دولت، جائداد کی معانی میں ہیں۔

(۱۳) کیوں نقشِ کفِ پا کو دل سے نہ لگائے وہ
ہے آئینۂ دل کی نوری کو جِلا کرنا

پہلا دل بمعنی کلیجہ، دوسرا دل بمعنی خواہش۔

(۱۴) نفسِ بدکیش ہے کس بات کا دل پہ شاکی
کیا بُرا دل نے کیا ظلم کمانے نہ دیا

(۱۵) جانِ ایماں ہے محبت تیری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

پہلا لفظ جان بمعنی روح، جوہر۔ دوسرا لفظ بمعنی بہت عزیز، معشوق۔

(۱۶) دینِ حق کے ھادی رہبر
تم ہو حق کے نائب اکبر

پہلا لفظ حق سے مراد سچ۔ دوسرا اشارہ ہے خدائے بزرگ و برتر کی طرف۔

(۱۷) اے شاہِدِ حق، شاہِدِ امّت
کافر پر تم رب کی حجت

پہلا شاہد بمعنی محبوب، دوسرا شاہد بمعنی گواہ۔

(۱۸) خواب میں جلوہ اپنا دکھاؤ
نوری کو تم نوری بناؤ!!

پہلا نوری بمعنی نور کا اور دوسرا نوری بمعنی چمکدار۔

(۱۹) مہر محشر سر پر سرور پھونکے دے ہے ہم کو یکسر
مہر سے کر گیسو کا سایا صلے اللہ علیک وسلم

شعر کے دونوں بند میں لفظ مہر کا استعمال ہوا ہے لیکن دونوں کو الگ الگ معنی میں برتا گیا ہے۔ پہلا ''مہر'' سورج دوسرا ''مہر'' شفقت۔

(۲۰) میرے آقا میرے مولا، آپ سے سن کر انّی لھا
دم میں ہے دم میرے آقا صلی اللہ علیک وسلم

شعر کے دوسرے بند میں پہلا لفظ دم بمعنی جان دوسرا لفظ دم بمعنی سانس۔

(۲۱) پریشان کردے پریشانیوں کو
پریشان دل ہے میرا غوثِ اعظم

پہلا لفظ پریشان بمعنی منتشر، تتر بتر۔ دوسرا لفظ پریشان بمعی مضطرب۔

(۲۲) گھٹا حوصلہ غم کی کالی گھٹا کا
بڑھی ہے گھٹا دم بدم غوثِ اعظم

پہلا لفظ ''گھٹا'' کے معنی ''کم کرنا'' دوسرے اور تیسرے لفظ گھٹا بمعنی بادل کے ہیں۔

(۲۳) دمِ نزع سِرہانے آجاؤ پیارے
تمہیں دیکھ کے نکلے دم غوثِ اعظم

پہلا دم بمعنی وقت دوسرا دم بمعنی روح۔

(۲۴) کوئی دم کے مہماں ہیں آجاؤ اس دم
کہ سینے میں اٹکا ہے دم غوثِ اعظم

پہلا اور دوسرا دم کے معنی ''پل'' اور تیسرا دم کے معنی روح کے ہیں۔

(۲۵) دمِ نزع آؤ کہ دم آئے دم میں
کرو ہم پہ یٰسین دم غوثِ اعظم

پہلا دم بمعنی وقت۔ دوسرا دم قوت۔ تیسرا دم جان اور چوتھا لفظ دم کے معنی دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے۔ ۲۳ تا ۲۵ نمبر پر درج اشعار میں لفظ ''دم'' کی تکرار قارئین پر وجدانی کیفیت پیدا کرتی ہے اور حضرت نوریؔ علیہ الرحمہ کو لفظ دم کے مختلف معانی پر عبور اور اس کے استعمال کے قاعدے پر مہارت حاصل ہونے کو ظاہر کرتی ہے کہ تین اشعار میں نو دفعہ لفظ ''دم'' کو متعدد معانی کے لیے استعمال کر کے اہلِ نظر کو دعوتِ نظارہ دیا ہے۔ مفتیِٔ اعظم ہند قدس سرہٗ جیسے زیرک کے لیے ہی شاید ناصرؔ کاظمی کہہ گئے ہیں۔

انہی کے دم سے فروزاں ہیں ملّتوں کے چراغ
زمانہ صحبتِ اربابِ فن کو ترسے گا

(۲۶) آبِ تیغِ عشق پی کر زندۂ جاوید ہو
غم نہ کر جو چشمۂ آبِ بقا ملتا نہیں

پہلا آب بمعنی چمک اور دوسرا لفظ بمعنی پانی

(۲۷) یہ آج کا ہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما
لبِ زمیں کو لبِ آسماں نے کیوں چوما

شعر کے آخری بند میں دو جگہ لفظ ''لب'' دو معانی میں استعمال ہوا ہے۔ پہلا ''لب'' کے معنی ''کنارہ'' اور دوسرا ''لب'' کے معنی ہونٹ ہیں۔

(۲۸) جہاں کی جان ہیں وہ جان سے نہ کچھ منظور
عیاں ہیں کف کی طرح تزدود ور آنکھوں میں

پہلا لفظ جان کے معنی حیات اور دوسرا لفظ جان بمعنی معشوق۔

(۲۹) یہ اشتیاق تیری دید کا ہے جانِ جہاں
دم آگیا ہے دمِ اختصار آنکھوں میں

آخری بند میں پہلا لفظ دم کے معنی روح، جان اور دوسرا لفظ بمعنی سانس، زندگی۔

(۳۰) نظر عارف کو ہر عالم میں آیا آپ کا عالم
نہ ہوتے تم تو کیا ہوتا بہارِ ہر جہاں تم ہو

پہلا عالم بمعنی جہان، دنیا۔ عالم ہزاروں ہیں۔ ہر ہر عالم سے سالک گزرتا ہے اور اس کی سیر کرتا ہے۔ جیسے عالمِ خاک، عالمِ آب، عالمِ باد، عالمِ آتش، عالمِ افلاک، عالمِ ملکوتِ کواکب، عالمِ حیوان اے وغیرہ۔ دوسرا عالم بمعنی حسن، صورت۔

(۳۱) میں بھولا آپ کی رفعت سے نسبت ہی ہمیں کیا ہے
وہ کہنے بھر کی نسبت تھی کہاں ہم ہیں کہاں تم ہو

پہلا لفظ نسبت ''علاقہ، واسطہ'' اور دوسرا لفظ نسبت کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(۳۲) فقط نسبت کا جیسا ہوں حقیقی نوری ہو جاؤں

مجھے جو دیکھے کہہ اٹھے میاں نوری میاں تم ہو

شعر کے دونوں بند میں لفظ نوری اور آخری بند میں دو جگہ لفظ میاں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ پہلا نوری بمعنی نور کا۔ دوسرا لفظ نوری بمعنی نورانی، منور۔ پہلا لفظ میاں کے معنے صاحبزادہ اور دوسرا لفظ میاں کے معنے دوست کے ہیں۔

(۳۳) کیا کہوں کیسے ہیں پیارے تیرے پیارے گیسو

دونوں عارض ہیں ضحیٰ لیل کے پارے گیسو

پہلا لفظ پیارے بمعنی محبوب، دلربا، دوسرا لفظ پیارے بمعنی خوب صورت

(۳۴) جو سر رکھ دے تمہارے قدموں پہ سردار ہو جائے

جو تم سے کوئی سَر پھیرے ذلیل و خوار ہو جائے

شعر کے دونوں بند میں لفظ سر کا استعمال ہوا ہے۔ پہلا سر کے معنی کھوپڑی، سیس اور دوسرا سَر کے معنی خیال، فکر، ارادہ ہیں۔

(۳۵) مرتے دم سر درِ پاک پر رکھ دیا

اس ادا سے قضا ہم ادا کر چکے

پہلا لفظ ادا کے معنی انداز، ناز، قرینہ اور دوسرا لفظ ادا بمعنی پورا کرنا، اتارنا۔

(۳۶) نگاہِ مہر جو اس مہر کی ادھر ہو جائے

گنہ کے داغ مٹیں دل میرا قمر ہو جائے

پہلا لفظ مہر بمعنی محبت، شفقت اور دوسرا لفظ مہر بمعنی آفتاب۔

(۳۷) وہ پیارا جس پر رب ہے ایسا پیارا

کہ اس کے پیارے پر پیارا خدا ہے

پہلا لفظ پیارا بمعنی چہیتا دوسرا لفظ پیارا بمعنی مشفق، محبت کرنے والا۔ تیسرا لفظ پیارا بمعنی مہربان۔

(۳۸) شریک ابلیس کو کرتا ہے حق کا
کہ شیطاں ہی کو یہ حق جانتا ہے

پہلا حق کے معنی منصب، اختیار۔ دوسرا حق کی معنی لائق۔

(۳۹) سلام اوّل کا اوّل پر ہمیشہ!!
سلام باقی ہو جب تک بقا ہے

پہلا لفظ ''اوّل'' بمعنی پہلے اور دوسرا لفظ ''اوّل'' بمعنی افضل

(۴۰) رہے جلوہ تمہارا دل کے اندر
میرے پیارے یہ دل کا مدعا ہے

پہلا لفظ دل کے معنی قلب۔ دوسرا لفظ دل کے معنی عندیہ۔

(۴۱) وہ کیسی ہی جھیلے مشقت ادا میں
ادا کچھ نہیں سب قضا ہی قضا ہے

پہلا لفظ ادا بمعنی اندازِ معشوقانہ دوسرا لفظ ادا بمعنی اُتارنا۔

صنعت اقتباس

قرآنِ پاک کی آیت یا اس کے جز یا حدیث کے ٹکڑے کو کلام میں لانے کو صنعت اقتباس کہتے ہیں یہ مشکل صنعت ہے اس پر وہی شاعر دسترس حاصل کرسکتا ہے جو قرآن و حدیث کے معانی و مفہوم سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو کہ جس زبان میں وہ شعر کہتا ہے اس زبان کے الفاظ و جملہ کی معانی کے مناسبت سے ہی قرآن کی آیت اور حدیث کو ماخذ بناتا ہے۔ حضرت علّامہ مصطفٰے رضا نوریؔ قدس سرہٗ کے صنعت اقتباس کے اشعار کو دیکھنے اور پڑھنے سے آپ کی شانِ علمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے صنعت اقتباس میں حضرت نوریؔ کے اشعار۔

(۱)

بد ہوں مولیٰ مرے مجھ کو کردے نکو رخت اعمال ہے چاک فرما رَفو

تیری رحمت کی امید ہے اے عفو کہ ہے ارشادِ قرآن لَا تَقْنَطُوْا

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

لَا تَقْنَطُوْا قرآنِ پاک کی سورت الزمر آیت نمبر ۵۳ سے اخذ کیا گیا ہے۔آیت کا ترجمہ ہے۔ ''تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (الرضویہ)

حضرت نوریؔ پہلے شعر کو معروضے کے طور پر پیش کر کے تیسرے بند میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پر تیقن کرتے ہوئے اس کے ارشاد کو بطورِ سند کے لاتے ہیں کہ لَا تَقْنَطُوْا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَءَ الْحَقَّ۔ جس نے مجھ کو دیکھا پس اس نے حق کو دیکھا۔ حضرت نوریؔ بڑی خوب صورتی سے اس حدیث کو اپنے شعر میں پروئے ہیں۔

(۲)

نور کی تیرے ہے ایک جھلک خوبرو دیکھے نوری تو کیوں کر نہ یاد آئے تو

ان کا سرور ہے مظہر ترا ہوبہو مَنْ رَاٰنِیْ رَءَ الْحَقَّ ہے حق موبمو

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

مئے توحید کے متوالے کے نعرہ میں سورہ معوذتین کی روشنی دیکھیے۔

(۳)

حق ھو حق ھو حق ھو حق ھو ربّ ناس وَربّ فلق

غیر نہیں تیرا مطلق بھولوں گا میں یہ نہ سبق

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللہ

سورۂ اخلاص میں توحید خالص کا مضمون ہے۔اس سورت کے متعلق حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ترجمہ:۔''علما لکھتے ہیں کہ شرک کبھی عدد میں

ہوتا ہے ''احد'' کہہ کر اس کی نفی فرما دی، کبھی مرتبہ و منصب میں ہوتا ہے ''صمد'' کہہ کر اس کا بطلان کر دیا۔ کبھی نسب میں ہوتا ہے ''لم یلد ولم یولد'' سے اس کا رد کر دیا اور کبھی کوئی کام کرنے اور اثر اندازی میں ہوتا ہے اس کی تردید ''لم یکن لہ کفوا احد'' سے کر دی۔ توحید کے اسی جامع مضمون کے باعث اس سورت کو سورتِ اخلاص کہا جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن، ج:۵، ص:۷۱۸)

حضرت نوریؔ اپنے اذکارِ توحید ذات، اسما و صفات و بعض عقائد کے کلام میں سورۂ اخلاص کی ایک آیت کے جز سے شرک کی نفی فرماتے ہیں۔

(۴)

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡئٌ لَیۡسَ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ
اس سے بُن ہے وہ نہیں بُن اَبۡصِرۡ اِسۡمَعۡ دیکھ اور سن
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اٰمَنَّا بِرَسُوۡلِ اللہ

اللہ تعالیٰ مالکِ کُل، سب سے برتر و حکمت والا اور بندوں کو بہت زیادہ رزق دینے والا اور علیم ہونے کے ساتھ ساتھ روزِ جزا کا مالک بھی ہے اس دن پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ وہ فیصلہ کا دن ہے۔ دنیا میں دیندار اور بے دین یکساں پل رہے ہیں۔ بظاہر حق و باطل کا پتہ نہیں چلتا ہے لیکن اس دن سب کا پتہ چل جائے گا اس لیے اس دن کو دین کہتے ہیں۔ (تفسیرِ نعیمی، ج:۱، ص:۶۸)

حضرت نوریؔ اپنے اشعار میں رب تعالیٰ کی توصیف بیان کرتے ہوئے قرآن مقدس سے اس دن کے لیے اقتباس کرتے ہیں۔

(۵)

وَالِیۡ وَلِیُّ مُتَعَالِیۡ حَکِیۡم وَھَّابُ وَرَزَّاقُ وَعَلِیۡمُ
مَالِکِ یَوۡمِ دِیۡنُ وَجَحِیۡم مَالِکُ مُلۡکُ خُلۡد وَنَعِیۡمُ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اٰمَنَّا بِرَسُوۡلِ اللہ

خالق اپنی مخلوق کی التجاؤں کو سُن رہا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرما رہا ہے۔ کسی کو

تاجِ سلطانی بخشا جا رہا ہے۔ کسی کو نعمت علم عطا ہو رہی ہے، کسی کے سینے میں چراغِ معرفت فروزاں کیا جا رہا ہے اور کسی کو اپنے درد کی نعمت بخش رہا ہے۔ کوئی پیدا ہو رہا ہے کوئی مر رہا ہے۔ کوئی بن رہا ہے کوئی بگڑ رہا ہے۔ کہیں قحط کی چیرہ دستیاں ہیں اور کہیں ابرِ رحمت برس رہا ہے۔ کسی کو نوازا جا رہا ہے اور کسی کو اس کی پیہم ناشکر گزاریوں کے باعث اپنی نعمتوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ تو گویا وہ ہر روز ہر دن ہر آن ایک نئی شان سے تجلّی فرماتا ہے۔ (ضیاء القرآن، ج:۵، ص: ۴۳۷۔ ۴۷)

اس بات کا اعلان اس نے قرآن میں فرمایا ہے۔ حضرت نوریؔ اپنے کلام کو اس کے فرمان سے اس طرح سجاتے ہیں۔

(۶)

نت نئے جلوے ہیں ہر آں كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَان
خود ہی درد و خود درماں خود ہی دست و خود درماں
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفت یہ ہے کہ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے تھے جو کچھ آپ فرماتے تھے وہ وحی الٰہی ہوتی تھی۔ صداقت وامانت کے ساتھ خدا کے احکام کو لوگوں تک پہنچا دیتے تھے، اس بات کی شہادت قرآنِ حکیم نے دی ہے۔ ترجمہ:۔ ’’اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔‘‘ (والنجم)

حضرت نوریؔ قرآن شریف کی اس آیتِ مقدسہ کو بڑے خوب صورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔

(۷)

قولِ حق ہے قول تمہارا اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى
صدق و حق و امانت والے تم پہ لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام

ایک عام آدمی قرآن سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے اس کے لیے علماء نے ترجمہ کا اہتمام کردیا ہے لیکن ترجمہ سے اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی ہے کہ آیت کے نزول کا منشا کیا ہے اس کے لیے تفسیر کا مطالعہ ضروری ہے مذکورہ شعر کو دیکھیے تو پہلا بند دوسرے کا برجستہ ترجمہ اور تیسرا بند اس ترجمے کی تفسیر نظر آرہا ہے۔ حضور کے صفات پر قرآن شاہد ہوگیا ہے یہ تحسین و آفریں کا مقام ہے جس کو سن کر حضرت نوریؔ دربارِ رسالت میں مسرّت کے ترانے گاتے ہیں یا نبی اللہ آپ پر لاکھوں سلام ہو۔

معراج کی رات حضور نے رب تعالیٰ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا اور دل نے اس دیکھنے کی تصدیق کی۔ دیکھا آنکھ نے تصدیق کی دل نے، دل کی مدد سے آنکھ نے دیکھا اگر دل آنکھ کو جھٹلا دے تو دل سچّا ہوتا ہے۔ آنکھ جھوٹی۔ چلتی ریل میں آنکھ دیکھتی ہے کہ سامنے کے درخت بھاگ رہے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ریل بھاگ رہی ہے آنکھ جھوٹی ہوتی ہے دل سچّا۔ (مراۃ المناجیح، ج:۷، ص:۵۲۲)

قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ ترجمہ:۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔ (النجم، آیت:۱۱) حضرت نوریؔ کے کلام کے ذریعہ آیت کا لطف اٹھائیے۔

(۸)

مَازَاغَ بَصَرُكَ یَامَولی مَا کَذَبَ قَلْبُكَ حِیْنَ رَاٰی

ایسی چشمِ بصیرت والے تم پر لاکھوں سلام!

تم پر لاکھوں سلام

۶ھ میں حضور مقامِ حدیبیہ میں قیام فرما ہیں۔ مکۃ المکرمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک درخت کے نیچے جمع فرما کر ان سے بیعت لیتے ہیں کہ تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصاص لینے کے لیے تیار رہو۔ اس واقعہ کا تذکرہ قرآنِ مجید میں درج ہے۔ ترجمہ:۔ وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔(الفتح، آیت:۱۰)

حضرت نوری اس آیت کے جز کو اقتباس کرتے ہیں۔

(۹)

آپ کا یَدْ یَدِ رَبِّ وَاحِد فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ہے شاہد

اے ربّانی بیعت والے تم پر لاکھوں سلام

تم پر لاکھوں سلام

معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو وحی فرمائی۔حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی یہ وحی بے واسطہ محض کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان واسطہ نہ تھا اور یہ خدا اور اس کے رسول کے درمیان کے اسرار ہیں جن پر ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔بقلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خلق سے مخفی رکھا اور نہ بیان فرمایا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کیا وحی فرمائی اور محب و محبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(برحاشیہ کنزالایمان،ص:۷۶۱۔۷۶۲)

محب و محبوب کے درمیان راز کو قرآن نے بیان فرمایا ہے کہ "فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِهٖ مَا اَوْحیٰ۔"(والنجم،آیت:۱۰) حضرت نوری اس راز کو بیان کرتے ہیں۔

(۱۰)

اَوْحیٰ اِلَیْكَ اللّٰهُ مَا اَوْحیٰ مَنْ یَّعْلَمُهَا اِلَّا اَنْتَ

مولیٰ سرِّ قدرت والے صلے اللہ علیک وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔

اس حدیث کی عبارت پیش کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے حضرت نوری بھی اپنا حصہ مانگتے ہیں۔

(۱۱)

اَنْتَ الْقَاسِمُ رَبُّكَ مُعْطِیْ تم نے سب کو نعمت دی

دے دو مجھ کو میرا حصّہ صلی اللہ علیک وسلم

ربّ العالمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو سارے عالم کے لیے **رحمۃ للعالمین** بنا کر بھیجا۔
حضرت ابو عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور کا رحمت ہونا عام ہے۔ ایمان والوں کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا۔ مومن کے لیے تو آپ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف و مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیئے گئے۔ تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ کاملہ عامہ شاملہ جامعہ محیط بر جمیع مقیدات رحمت غیبیہ وشہادت علمیہ و عینیہ و وجودیہ وشہودیہ و سابقہ و لاحقہ وغیرہ ذلک تمام جہانوں کے لیے عالمِ ارواح ہوں یا عالمِ اجسام ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہاں سے افضل ہو۔ (خزائن العرفان بر حاشیہ کنز الایمان، ص:۴۷۹)
حضرت نوری لفظ رحمۃ للعالمین سے اپنے کلام کو آراستہ کرنے کے لیے یوں لب کشا ہوتے ہیں۔

(۱۲)

یَاحَبِیْبَ اللہ اَنْتَ مَھْبِطُ الْوحی المبین
اِنِّی مُذنب سَیِّدِی اَنْتَ شَفِیْع المذنبین
یَارَسُوْلَ اللہ اَنْتَ صَادِق الْوَعْدِ الْاَمین
یَانَبِی اللہ اَنْتَ رَحْمَۃُ اللّعالِمین

اور یہ شعر بھی دیکھیے

(۱۳)

مُصْطَفٰے مَاجَاءَ اِلَّا رَحْمَۃَ اللعالمین
چارہ سازِ دوسرا تیرے سوا ملتا نہیں

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن لوگ شفاعت کے متلاشی ہوں گے اور اپنی عرض لے کر حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہم السلام تمام انبیا کی خدمت میں حاضر ہوں گے کہ ہماری بخشش کرادیں لیکن سارے انبیائے کرام جواب دیں گے۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِہٖ۔ آخر میں لوگ حضور شافعِ یوم النشور کی خدمت میں پہنچیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے اِنِّیْ لَھَا میں تمہارے لیے ہوں میں تمہاری شفاعت کراؤں گا۔ حضرت نوریؔ قیامت کے اس واقعہ کو صنعت اقتباس کی روشنی میں نظم کرتے ہیں۔

(۱۴)

سبھی رُسُل نے کہا اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِی
اَنَا لَھَا کا یہ مژدہ سنانے آئے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگِ بدر میں صادر ہونے والے معجزوں میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ حضور نے کنکریوں کی ایک بھری مٹھی اٹھا کر کفار کے لشکر کی طرف پھینک دی وہ لشکر جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا کوئی کھڑا تھا تو کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ کسی کا منہ اِدھر تھا تو کسی کی پشت اِدھر تھی لیکن ایک کافر بھی تو ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں کو ریت کے ذرّات نے بھر نہ دیا ہو۔ سب کی آنکھیں دیکھنے سے معذور ہو گئیں اور وہ کچھ ایسے دہشت زدہ اور حواس باختہ ہوئے کہ اپنے مقتولوں کے لاشے بھی پیچھے چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتا ہے ''اے محبوب! جب تم کنکریاں پھینک رہے تھے تو پھینکنے والا ہاتھ گو تمہارا تھا لیکن قوت وقدرت ہماری تھی جو اس میں کارفرما تھی۔ (ضیاء القرآن، ج:۲،ص:۱۳۷)

حضرت نوریؔ اس پھینکنے کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

(۱۵)

رمی جس کی رمی ٹھہری خدا کی
کتاب اللہ میں اللہ رمی ہے

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ یہ آیت جب نازل ہوئی تو حضور نے صفا کی

پہاڑی پر چڑھ کر اس کے قریب لوگوں کو جمع کر کے ان کو ایمان کی دعوت دی تو حضور کی بات سن کر ابولہب بولا تَبًّا لَّكَ اَمَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا ۔ گستاخی کے اس جملے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی غضب کے ساتھ فرمایا کہ تَبَّتْ يَدَا (الخ) تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا۔(الرضویہ)

اس تعلق سے حضرت نوریؔ کا نغمہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱۶)

بیانِ عیبِ دشمن نعت ہی ہے
کہ قرآن میں بھی تَبَّتْ يَدَا ہے

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ (الشراح) اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند کیا۔

حضرت نوریؔ بلندی کے اس ذکر کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

(۱۷)

تو وہ تاجور ہے کہ تاج رَفَعْنَا
تیرے فرق اقدس پہ حق نے دھرا ہے

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۔ ترجمہ:۔ چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے۔(الرضویہ)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چاشت سے مراد وہ چاشت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کلام فرمایا۔ بعض مفسّرین نے فرمایا چاشت اشارہ ہے نورِ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اور شبِ کنایہ ہے آپ کے گیسوئے عنبریں سے۔(بر حاشیہ کنزالایمان، ص:۸۶۹)

اب حضرت نوریؔ کی عقیدت کے بیت میں مذکورہ سورۃ سے اقتباس دیکھیے۔

(۱۸)

سنگھا دیجیے ہمیں وہ زلف مشکیں
صفت میں جس کی وَاللَّيْلِ سَجٰى ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز زیادہ حسین حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ دیکھی۔ چمک آپ کی پیشانی انور میں ایسی تھی کہ گویا سورج اس میں پھرتا ہے۔(برحاشیہ دلائل الخیرات شریف، ص: ۱۸۳)

حضرت نوری کہتے ہیں۔

(۱۹)

دکھا دیجیے شہا پُرنور چہرہ
صفت میں جس کی وَالشمس الضحیٰ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک کو قرآن نے وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی کہا ہے۔حضور کی زبانِ مبارک کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت نوری کہتے ہیں۔

(۲۰)

وَمَا یَنۡطِقُ عَنۡ ھَوٰی سے ہے روشن
زبانِ مقدس پہ حق بولتا ہے

حوالہ جات

۱۔ اردو گرامر اینڈ کمپوزیشن، ص: ۲۵۴، ناشر سیفی بک ایجنسی، ابراہیم رحمت اللہ روڈ ممبئی: ۳

۲۔ ایضاً، ص: ۲۵۵

۳۔ حدائق بخشش۔تعارف امام احمد رضا، ص: ۱۰

۴۔ صنائع لفظی وصنائع معنوی داخل نصاب میسور یونیورسٹی

۱۔ جہان شمس، ص: ۷۷۔۷۸۔مؤلف سیّد اسمٰعیل رضا ذبیح ترمذی ایڈیشن: ۲۸۔۲۔

۱۔ مکتوباتِ صدی، سولہواں مکتوب سے ماخوذ حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

a a a a a

مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی
الجامعۃ الرضویہ، مغلپورہ پٹنہ سیٹی (بہار)

حضور مفتی اعظم ہند کا نثری اسلوب

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سادگی وسلاست کے ساتھ علمی وتوضیحی نثر لکھنے والے عالم دین ہیں، ان کے یہاں بحیثیت مجموعی نثر عاری اور نثر مسجع کا بہت ہی فقید المثال امتزاج ملتا ہے۔ہم ان کی نثر کو طرز یابس یا سپاٹ نثر کا نمونہ ہرگز نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ ان کے یہاں صرف مطلب کو سمجھا دینے سے غرض نہیں رکھی گئی ہے بل کہ حسب موقع اور حسب ضرورت تخیل یا سماعت کو لذت بخشنے والے عناصر سے بھی کام لیا گیا ہے وہ بالعموم سادہ وشستہ اور عام فہم الفاظ کا استعمال کرتے ہیں اور حسن سجاعت کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں میں اپنی بات کہہ دیتے ہیں۔ظاہر ہے ایک مختصر مضمون میں، مثالوں کے ساتھ تمام تفصیلیں پیش کرنا سخت دشوار ہے لیکن اس اعتراف کے باوجود کہ ہمارے حصول سعادت کا جذبہ بہر صورت اس امر کا مقتضی ہے کہ چند اقتباسات کی مدد سے حضور مفتی اعظم ہند کے نثری اسلوب کے بعض دلچسپ پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے۔اس مقصد سے یہاں ایک عبارت نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔حضور مفتی اعظم نے اپنے ایک تاثراتی مضمون میں لکھا ہے:

''وہ میرا چاند تھا جو بڑھتا ہی رہا، کبھی نہ گھٹا، جو اپنی رفتار، اپنے کردار سے فتنوں، فسادوں، کفر وگمراہی کی ہر گھٹا کو دفع کرتا رہا۔کبھی گھٹاؤں میں نہ چھپا، کتنی ہی دھولیں اڑیں، کتنا ہی گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا، وہ چمکتا، جگمگاتا ہی رہا، وہ میرے دین کا چاند تھا، دین کا

چاند بڑھتا ہی رہتا ہے، آسمان دنیا کے چاند کی طرح بار بار گھٹتا اور اترتا اور اتر کر غائب نہیں ہوتا۔ وہ میرا چاند تھا جس نے ملک میں بہت سے چاند روشن کیئے''۔ (ماہنامہ اشرفیہ جنوری 2006ء ص 31)

''اس اقتباس پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ اقتباس مرقع نگاری کا عمدہ نمونہ ہے جس میں محدث اعظم پاکستان کی تاباں شخصیت کو خوبصورتی کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک لفظ ''چاند'' سے تحریر کی کیسی حسین چاندنی بکھیری ہے، اس تحریر میں جمالیاتی اظہار نمایاں ہے۔ ''گفتار، رفتار، کردار کے ہم قافیہ لفظوں نے صوتی حسن برپا کیا ہے۔ حضرت نے لفظ چاند کو معنویت کی کئی جہتیں عطا کی ہیں ۔ میرا چاند، یعنی میرا پیارا۔ ''دین کا چاند'' یعنی دین کا عالم اور مبلغ۔ ''جس نے ملک میں بہت سے چاند پیدا کئے'' یعنی علما کی ایک جماعت تیار کی''۔

یہاں جناب عبدالنعیم عزیزی نے جن نکات کی نشان دہی کی ہے، ان پر مستزاد اگر حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے قلم سے نکلی ہوئی ان سطروں پر ایک بار پھر نظر ڈالی جائے تو اس حقیقت تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ یہاں ہم قافیہ لفظوں کے استعمال سے نہایت فنکاری کے ساتھ زور بیان کا فائدہ حاصل کیا گیا ہے۔ بلاغت ومعانی کی اصطلاحوں کے ساتھ کہنا چاہیں تو یوں بھی کہنے میں کوئی دشواری نہیں کہ حضرت والا قدر نے یہاں لفظوں سے چاند کے گھٹتے بڑھتے رہنے اور غائب ہونے کی نہایت متحرک تصویر بنادی ہے۔ اس عبارت میں تکرار اور ترکیب کا حسن بھی ہے اور اس کی ندرت بھی۔ حسن تضاد اور حسن مناسبات کے ساتھ نہ صرف یہ کہ اس عبارت سے ہم، محاوروں کی ایک کہکشاں سمیٹ سکتے ہیں بل کہ جس خوبصورتی کے ساتھ یہاں تجنیس تام کا استعمال ہوا ہے اس کا بھی اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ لغوی اعتبار سے تو تجنیس تام کی مثالیں یکجا ہو ہی جاتی ہیں، لیکن لغوی معنی اور محاورے کے معنی دونوں ہی لحاظ سے ایسی مثال کی یکجائی بسا کمیاب ہے کہ ''گھٹنا'' ہر رنگ میں دکھائی دے۔ بیشک یہ حضرت والا کی شان نثر نویسی کا اعجاز ہے کہ چند سطروں کی عبارت میں ایک

شخص ڈھونڈنا چاہے تو تجنیس واشتقاق، تضاد وتقابل، تراکیب ومحاورات اور اشارات ومناسبات کی برجستہ مثالیں نہایت آسانی سے ڈھونڈ سکتا ہے۔ مزید لطف یہ کہ ساری باتیں سرتاسر آمد کی کیفیت کے ساتھ ہیں اور ان کے لئے نثر نگار کو عربی وفارسی کے الفاظ وتراکیب کا خاص طور پر کہیں بھی مرہون منت نہیں ہونا پڑا ہے۔ پھر یہ کہ یہاں باتیں، لکھنے والے کی اپنی شخصیت سے نسبت کے ساتھ ہیں اور اس واضح فرق کی حامل جو ''انانیت'' اور ''اپنائیت'' کے اظہار میں ہوتا اور ہوسکتا ہے۔ ابوالکلام آزاد کی نثر اگر ''انانیت پسندی'' کے لئے مشہور رہی ہے، غالبؔ اور میر امنؔ کی نثر سادگی کے لئے معروف رہی ہے، سرسیدؔ اور حالیؔ کی نثر یک گونہ سپاٹ پن اور خالصتاً اظہار مطلب کے لئے قابل ذکر ہے تو پھر یہ کیوں نہ کہا جائے کہ تاجدار اہل سنت کی نثر نویسی، سادگی وسلاست اور ترصیع وسجاعت کے حسین امتزاج کے لئے اپنی شہرت کا پورا حق رکھتی ہے۔ وہ انانیتی نثر نگاری میں شہرت رکھنے والے فنکار کے ہم عصر ہیں لیکن امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شخصیت کو انانیت کے لئے نہیں بل کہ اپنائیت کے لئے استعمال کیا ہے۔ حضور مفتی اعظم، اپنی شخصیت کو دوسری ملکی شخصیات سے آگے نہیں رکھتے بل کہ اپنے حسن فکر وانشا کی قوت سے دوسروں کی شخصیت کو اپنے قریب لے آتے ہیں۔ بیشک وہ عالم دین بل کہ علما کے سرپرست ومربی ہیں اور عالم دین میں کیسی انکساری ہوتی ہے وہ ان کے طرز انشا سے پوری طرح روشن ہے۔ ''الملفوظ'' کے مقدمہ سے ماخوذ یہ سطریں حاضر ہیں، ملفوظات رضا کی جمع آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ کام مجھ سے بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا، اس لئے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا، میری حالت اس وقت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر تذبذب میں ہو، ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتا مگر دل جو بے چین تھا، کسی طرح قرار نہ لیتا تھا۔ آخر السعی منی والاتمام من اللہ کہتا، کمر ہمت چست کرتا اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتا اٹھا اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوش نما ہار تیار کرنا شروع کیا اور میں اپنے رب عزوجل کے کرم سے امید

رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار ہی کو میری جیت کا باعث بنا دے۔''

بیشک یہ کہنا درست ہے کہ نثر، فکر سے بنتی ہے اور ذہن کو اپیل کرتی ہے اور یہ کہ اسلوب شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے تو پھر یہ بات بھی بلا ریب درست ہے کہ حضور تاجدار اہل سنت کی نثر نگاری ان کی عالمانہ شان وشخصیت کا عکاس ہے۔ انہیں لفظوں سے جذبات و کیفیات کی برجستہ تصویریں بنانے کا ہنر خوب آتا ہے۔ عام طور سے ہمارے ادیبوں اور علمی نثر نگاروں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھاری بھرکم الفاظ وتراکیب کے استعمال سے قاری پر رعب ڈالنا چاہتے ہیں اور ذخیرہء الفاظ سے اس طرح کام لیتے ہیں کہ ایک لفظ کے دوبارہ استعمال سے جہاں تک ہو سکے دامن بچاتے ہیں۔ بلا شبہہ یہ بھی ایک بڑی فنکاری ہے لیکن حضور مفتی اعظم ہند کی نثر نویسی میں ایک عجیب ہی شان نظر آتی ہے کہ وہ چند عام فہم الفاظ سے ہی کثرت معانی کے کام لے لیا کرتے ہیں، یہ استعمال لغات ومعانی پر فن کارانہ قدرت کا عجیب جلوہ ہے کہ وہ چند لفظوں کو ذخیرہء الفاظ کی ضرورتوں کا کفیل بنا دیتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند صرف ایسے نثر نویس نہیں، جن کے سامنے الفاظ دست بستہ کھڑے ہوں بل کہ ایسے نثر نویس ہیں، جن کے سامنے الفاظ ومحاورات کے معانی، اپنے حسن استعمال کی خاطر ہاتھ باندھے کھڑے نظر آتے ہیں، ابھی ''الملفوظ'' سے جو عبارت لی گئی ہے، اگر غور کیا جائے تو وہ ہمارے اس دعوے کی توثیق سے قاصر نہیں، یہاں بھی ان میں سے بیشتر فنی صناعات کے دل پذیر نمونے موجود ہیں۔ جن کا ذکر ''چاند'' والی عبارت کے ضمن میں آ چکا ہے۔ یہاں بھی محاوروں کی قندیلیں جگمگا رہی ہیں، تضاد وتکرار کا استعمال اپنی بہاریں دکھا رہا ہے اور ''ہار'' کی معنویت تجنیس تام کے ساتھ جلوہ گر ہے، اتنا ہی نہیں بل کہ عربی عبارتوں کو جس خوبصورتی اور حسن نزاکت کے ساتھ لایا گیا ہے، وہ بھی دیدنی ہے ۔تاجدار اہل سنت کی نثر نویسی میں روانی وتسلسل کی کتنی پیاری کیفیت ملتی ہے اور روزمرہ کے محاورات اور سجاعت کاری کی کیسی پاکیزہ وحسین دنیا آباد ہے، اسے ''الملفوظ'' ہی کے مقدمہ کی ان سطروں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

''اللہ اللہ اہل اللہ کی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ ان کی ذات پاک سے ہر مصیبت ٹلتی ہے اور ہر بڑی مشکل بہ آسانی بدلتی ہے، سبحان اللہ! ان ہی نفوس قدسیہ طاہرہ کے قدوم کی برکت سے وہ عقدہء لاینحل چٹکی بجاتے حل ہوتے ہیں، جنہیں قیامت تک کبھی بھی ناخن تدبیر نہ کھول سکے۔ جس سے جیسا ہی کوئی عقیل ومدبر ہو، حیران رہ جائے، کچھ بول نہ سکے۔ جسے میزان عقل میں کوئی تول نہ سکے۔ اللہ اکبر! ان کی سیرت، ان کی رفتار، ان کی گفتار، ان کی ہر روش، ان کی ہر ادا، ان کا ہر ہر کردار پروردگار کا ایک بہترین مرقع اور بولتی تصویر ہے۔''

یہاں جس طرح حسن تکرار کے ساتھ غیر منقوط ٹکڑے استعمال ہوئے ہیں اور جس طرح، مناقب اولیا کے لئے اسلوب خاص سے حمد الٰہی اور شکرانہء خداوندی کی فضا قائم کی گئی ہے اور لفظوں کے دروبست میں صوتی حسن وتوازن کا خیال رکھا گیا ہے وہ اہل علم وادب سے منفی نہیں رہ سکتا۔ بیشک حضور مفتی اعظم اپنے مناسب اسلوب سے، کسی بات کو موثر انداز میں کہنے کے لئے فضا بندی کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس مقصد کے لئے وہ شستہ ومہذب طنز کے استعمال اور انگریزی الفاظ کو کام میں لانے سے بھی گریز نہیں فرماتے ہیں۔ مثلاً ''القسورہ علیٰ ادوار الحمرۃ الکفرۃ'' کی یہ عبارت دیکھئے! فرمایا:

''یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہونا اور گائے کا گوشت کھالینا اور کلمہ اسلام پڑھ لینا بس اسلام کے لئے پختہ رجسٹری ہے کہ پھر کچھ بھی کریں، کچھ بھی کہیں ہر طرح کھرے مسلمان ہی بنے رہیں''۔

اگر چہ بات شاعری کی نہیں لیکن پھر بھی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ اس عبارت! ''پھر کچھ بھی کریں، کچھ بھی کہیں ہر طرح کھرے مسلمان ہی بنے رہیں'' میں ہشت دوائر مع دامن کی صنعت موجود ہے، اسی طرح ''الصوارم'' کی ان سطروں میں بھی حسن سطائر کی شان دیکھی جاسکتی ہے۔

''اس کے کفریات اس قدر ہیں، جن کا شمار دشوار ہے اور گنتی کیا درکار کہ جو ایک ہی

وجہ سے کافر ہو، انہیں کفار کی طرح مبتلائے قہر قہار، مستوجب سخت عذاب نار، لائق غضب کردگار رہے‘‘۔

مزید برآں یہاں ترادف اور مقفیٰ تراکیب کے ایسے جلوے بھی ہیں جو یوں کم ہی مشہور ہوتے ہیں۔ ’’طرق الھدیٰ‘‘ اور حضرت والا مرتبت کے فتاویٰ کی عبارتوں پر نظر ڈالی جائے تو ان کی شان نثر نویسی یوں بھی عیاں ہوتی ہے کہ وہ خطابیہ اور فجائیہ انداز کا نہایت بر محل استعمال فرماتے ہیں اور حسب ضرورت شعری فضا کا اہتمام بنانے اور نثر کو ’’نثر آمیختہ بہ نظم‘‘ کے مرتبے تک پہونچانے میں بھی حد درجہ کمال دستی سے کام لیتے ہیں۔ اگر چہ ہمیں احساس ہے کہ بات طویل ہوتی جارہی ہے پھر بھی ان کی نثری اسلوب کے محاسن اور خوبیوں کا احصا اس مختصر مضمون میں دشواری کا سامان بنتا جارہا ہے۔ ان کے نثری اسلوب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے سامع اور مخاطب کے شعور وآگہی کے پیش نظر قلم کو مہمیز کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد دھونس جمانا نہیں بل کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ سامع بات کو اچھی طرح سمجھ جائے اور معنی تک پہنچنے میں کٹھنائی محسوس نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں علمی اور اصطلاحی الفاظ واقتباسات کے ساتھ بالکل سادہ وسلیس انداز میں ایسا جملہ بھی دستیاب ہو جاتا ہے جس کا مطلب معمولی درجے کا آدمی بھی سمجھ لیتا ہے گویا تفہیمی اسلوب حد درجہ نمایاں ہے، یعنی صرف استدلال اور علمی منہاج اختیار نہیں کیا گیا ہے بل کہ بات کو واضح کرتے ہوئے بالکل عام فہم اسلوب سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے باوصف ان کی نگارشات میں ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اکثر مقامات پر تکرار الفاظ سے مضمون کی شدت ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ عام قاعدہ ہے مگر جملوں میں سجاعت اور تکرار کے توازن کے اہتمام میں کمی کا احساس نہیں ہوتا اور اس طرح جملہ لاتے ہیں کہ اس میں تنسیق صفات کی نمایاں جھلک بھی آجاتی ہے۔ ان باتوں کا اندازہ لگانا ہو تو ذیل کے اقتباس کو دیکھیں:

’’زید بے قید اپنے اس اعلان ہادم ایمان کے سبب شدید گنہگار، مستحق نار، مستوجب غضب جبار، اسے توبہ وتجدید نکاح چاہئے، اگر بیوی رکھتا ہے۔ نصرانی یا کسی کافر کو مرحوم لکھنا

حرام حرام سخت اخبث واشنع، بدکام ہے اور اس کے لئے اس کے مرنے کے بعد دعائے رحمت کرنا کرانا تکذیب قرآن ہے۔''

مفتی اعظم کے اسلوب میں حسب موقع عالمانہ، لطیف اور طنز و مزاح کی عمدہ مثالیں بھی ملتی ہیں لیکن وہ مزاح نہیں جو عریانیت و فحش کو تحریک کرے بل کہ وہ مزاح جو قوت حس کو خوش گواری کے اثرات سے شرابور کردے، ان کے یہاں جہاں سادہ نثر کے بہترین نمونے ملتے ہیں وہیں مقفیٰ نثر کی عمدہ جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے بل کہ بسا اوقات تو قافیہ بند جملوں کے ایسے سلسلے ملتے ہیں جن کو دیکھتے یا سنتے ہی بے ساختہ ذہن و دل کی فضاؤں میں سبحان اللہ کی پاکیزہ آواز گونجنے لگتی ہے، مثلاً

''ٹائی لگانا اشد حرام ہے وہ شعار کفار بدانجام ہے، نہایت ہی بدکام ہے۔ وہ کھلا ردِ فرمان خداوند ذوالجلال والاکرام ہے''۔

حضور مفتی اعظم جس منصب پر فائز تھے وہاں اسلوبیاتی کمالات دکھانے کے مواقع نہ تھے اور نہ خشک زمیں میں کشت خامہ کی گل کاریوں کی زیادہ گنجائش تھی اس کے باوجود ان کے اسلوب میں ان کی شخصیت کے تمام تر اوصاف سمٹ آئے ہیں ان کی تحریر خود بتا دیتی ہے کہ یہ مال کس ٹکسال کا ڈھلا ہوا ہے، بات اگرچہ طوالت کے دائرے کو بڑھاتی جارہی ہے پھر بھی یہاں ''مقدمہ بردوام العیش فی الائمۃ من قریش'' کی ایک عبارت سے ذوق ادب رکھنے والوں کی ضیافت کا موقع کھو دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ حصول مدعا کے لئے اس کتاب کا مختصر پس منظر جان لینا از حد ضروری ہے۔

خلافت عثمانیہ کے زوال اور اس کے خلاف برطانیہ اور اس کے حواریوں کی یلغار نے ہندوستانی مسلمانوں کو عجیب ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا، جس کی تائید و حمایت میں ہندوستانی مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کے عام طبقے میں انگریز دشمنی کے شدید اشتعال سے گاندھی جی نے خفیہ کارروائی سے کام لیا اور مسلمانوں کے مذہبی جذبوں سے زبردست سیاسی فائدہ اٹھایا۔ خلافت خالص مذہبی مسئلہ تھی لیکن اس تحریک کا یہ بڑا دلچسپ پہلو ہے کہ اس کی

قیادت میں بڑا حصہ گاندھی جی کا تھا۔ان کی شمولیت کے باعث پیدا ہونے والے جذبات کے سیلاب میں بڑے بڑے مسلم قائدین بہہ گئے۔حالاں کہ نہ سلطنت عثمانیہ حقیقت میں خلافت شرعیہ تھی اور نہ ہی سلطان عبدالحمید خلیفہ اسلامی تھے۔جس پر مسلم قائدین اصرار و غلو سے کام لے رہے تھے، سچی بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس دینی سیاست پر مشتمل کوئی مثبت پہلو نہ تھا۔اس حقیقت کو بعد میں واقع ہونے والے حالات نے بے نقاب کر دیا۔کاش !ان لوگوں کی نظر حال سے زیادہ مستقبل پر ہوتی تو یہ تحریک وقتی سیاسی اشتعال کے بجائے مسلم معاشرے میں سیاسی سطح پر دوررس اثرات کا نقطہ آغاز ثابت ہوسکتی تھی لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بل کہ دین و دانش پر ہوا و ہوس کو ترجیح دی گئی اور ان لوگوں نے دین کے سچے مخلصین کے خلاف گول بند طریقے سے محاذ آرائی شروع کر دی، یہاں تک کہ انہوں نے خلافت شرعیہ کے لئے ’’شرط قریشیت‘‘ کو بھی مسترد کر دیا۔جس سے دینی عقیدے پر شدید ضرب آ رہا تھا ۔مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے گاندھی جی اور ان کے پیروکاروں کے سیاسی چالوں کو سمجھ لیا اور خلافت شرعیہ کے لئے قریشیت کی شرط کو لازم قرار دیتے ہوئے دینی عقائد کا شاندار تحفظ کیا۔اسی پس منظر میں انہوں نے اپنی مشہور کتاب ’’دوام العیش فی الائمۃ من قریش‘‘ تصنیف کی تھی۔حضور مفتی اعظم نے ہند نے اس کتاب پر مقدمہ لکھا ہے جو منفرد اسلوب نویسی کا بہترین نمونہ ہے فرمایا!

’’اگرچہ چہرہ پرنورِ ماہتابِ صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرگیاں چھائیں اور روئے آفتاب حق پر باطل کی سخت بھیانک اور خوفناک تاریکیاں اور کالی کالی ڈراؤنی بدلیاں آئیں مگر ہمارے قلوب بفضلہٖ تعالےٰ مطمئن تھے، ہم سمجھے ہوئے تھے کہ یہ بھی کچھ روز کی ہوا ہے جو دم میں ہوا ہے۔آخر کار وہی ہوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔وہ دن آ ہی گیا اور تیرگی دور اور تاریکی کافور ہوئی۔نور حق کا جگمگاتا، چمکتا دمکتا پرنور چہرہ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتا نکلا اور ایک عالم نے دیکھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ تھا جو اس کے حضور جم نہ سکا، پتا توڑ بھاگا۔کب تک باطل حجاب حق کو چھپاتے تا بکے

جھوٹے نقاب صدق کی آڑ کر سکتے۔ آخر حق کی شعاعوں نے ان باطل پردوں کو خاکستر کر ہی دیا، جھوٹے نقابوں کو جلا ہی ڈالا اور دنیا کو اپنا جلوہء جہاں تاب دکھا ہی دیا''۔

مذکورہ بالا عبارت میں جو استعاراتی زبان کا خوش ذائقہ انداز اور طرز بیان کا خوبصورت سلیقہ ملتا ہے، وہ مفتی اعظم کی نثر نویسی کی شان و مرتبہ کو دوبالا کر رہا ہے۔ بات بالکل واضح ہے کہ یہاں ''ماہتاب صدق'' اور ''آفتاب حق'' سے دین و شرع مصطفوی مراد ہیں لیکن ان تحریروں میں رعایت لفظی، صنعت تجنیس اور صنعت تضاد کے گل بوٹے نظروں کو خیرگی سے دوچار کرتے ہیں وہیں محاوروں کی برجستگی بھی ذوق سلیم کو کیفیت سے ہمکنار کر رہی ہے۔ خاص کر'' کچھ روز کی ہوا ہے جو دم میں ہوا ہے'' اور ''پتا توڑ بھاگا'' ان محاوروں میں بے تکلفی، روانی، رکھ رکھاؤ اور تہذیب و شائستگی سب کچھ سمٹ آئی ہے۔

کاش ہمیں فراغ وقت میسر ہوتا اور ہم تصانیف تاجدار اہل سنت سے ایسی خوشنما عبارتیں یکجا کر پاتے جو مختلف جہتوں سے ان کی شان نثر نویسی کی گواہی دے رہی ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ متحدہ اور آزاد ہندوستان میں ایسے ارباب نثر خال خال ہی ملتے ہیں، جن کے یہاں لطیف و سادہ کلاسیکل نثر کے دوش بہ دوش جدید ترقی یافتہ و توانا نثر کی ایسی وافر مثالیں دستیاب ہوں، جو مفتی اعظم ہند کی تحریروں میں ملتی ہیں، ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اردو کے صنادید نثر میں، ان کا مقام سب سے اونچا تھا لیکن یہ سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت یقیناً ہے کہ ان کی نثر نویسی میں مختلف جہتوں سے جو اختصاصی شان ملتی ہے اسے متعارف کرانے اور ان کا تجزیاتی مطالعہ جاری رکھنے کی طرف ہم کہاں تک متوجہ ہو سکے ہیں؟ بزرگوں کی خدمات کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنا ہماری عصری و تاریخی ذمہ داری ہے اور یہاں ہماری مصروفیات کا ہدف بس اسی ذمہ داری کو یاد دلانا ہے۔

a a a a a

محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری
پرنسپل الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی

مفتی اعظم اور ان کے نثری شہ پارے

فقہ کے بنیادی ماخذ قرآن وسنت ہیں۔فقہ کی بنیاد خود قانون ساز پیغمبر رحمت عالم ﷺ نے رکھی اور جب آقائے کائنات ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو دور صحابہ سے اجتہاد کا آغاز ہوا۔جب نزول قرآن کا سلسلہ منقطعہ ہوگیا اور حدیث وسنت سے انجام پانے والے امور بھی رک گئے تو اب درپیش ہونے والے مسائل کے حل کے لئے صحابہ نے اجتہاد وقیاس کا سہارا لیا تو اب مسائل شرعیہ کے استنباط واستخراج میں یہ چار چیزیں ماخذ کی حیثیت اختیار کر گئیں۔قرآن،سنت، قیاس اور اجماعِ اُمت۔

انسان کو زندہ رہنے کے لئے جس قدر سانس کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ مسائل شرعیہ کی ضرورت ہے کیونکہ سانس زندگی کی ضمانت دیتی ہے مگر شریعت کی ضرورت موت کے بعد بھی ہے۔اس کے بغیر زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتے اور نہ ہی اس سے ہٹ کر کسی صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل کا کوئی تصور ذہن میں ابھر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ علم فقہ کو سب سے بہتر علم قرار دیا گیا اور خود بانی اسلام وشریعت، نبی ناز رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پروردگار عالم جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے اور اس حدیث رسول کی تصدیق کلام الٰہی سے بھی ہوتی ہے۔خدائے علیم وخبیر کا فرمان ہے کہ جس کو حکمت ملی اسے بہت بھلائی دی گئی اور یہ بھلائی بھی ہر ایک کی تقدیر کی زینت نہیں بنتی جس پہ رب کا خاص کرم اور اس کی نوازشیں ہوتی ہیں وہی اس منصب جلیلہ کا

حامل ہوتا ہے۔دور صحابہ سے تابعین تک فقہ کی تدوین کا کام ہوتا رہا مگر باضابطہ اسے فن کی حیثیت حاصل نہیں تھی کہ اس کے قوانین کے اجالے میں جزئیات کا استخراج ہو سکے۔ یہ سعادت حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے حصے میں آئی۔آپ نے اپنے عہد گرامی میں اسے مستقل فن کی حیثیت بخشی اور چالس فقہا ومحدثین،علماء ومفسرین اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہرین کا ایک دستہ تیار کیا اور وہیں سے ایک فقہی اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔تدوین فقہ کے ضمن میں آپ کا سب سے کلیدی کردار یہ رہا کہ آپ نے مسائل کے استخراج کے لئے نہ صرف پیمانے متعین کئے بل کہ حیات انسانی سے جڑے جملہ فروعی مسائل کے جزئیات اور سنہرے اصول وضوابط بھی مرتب کئے اور آج فقہ کا مسکراتا ہوا چہرہ جو ہمارے سامنے نظر آرہا ہے اس میں امام اعظم قدس سرہ کی علمی کوششیں زیادہ شامل ہیں حضرت امام اعظم نے علم فقہ کو جو روشن سمت اور نیا رخ دیا اس کی تائید کے لئے مشہور محدث حضرت نضر بن شمیل کی یہ تحریر کافی ہوگی: لکھتے ہیں:

> ’’لوگ فقہ سے غافل تھے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ نے پردۂ خفا سے نکال کر اس کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کیا اور انہیں بیدار کیا۔‘‘

اسی جماعت فقہا میں ایک روشن اور مبارک نام شہزادہ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند حضرت مفتی شاہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا ہے جن کی دقت نظر، قوتِ فیصلہ، استخراج ذہن، قلمی طنطنہ، علم ومعرفت اور فقہی بصیرت کا ایک جہان معترف ہے۔آپ نے اٹھارہ سال کی عمر شریف میں جملہ علوم متداولہ سے فارغ ہوکر سند فضیلت حاصل کی اور اسی سال سے فتویٰ نویسی کا مبارک آغاز ہوا سب سے پہلا فتویٰ مسئلہ رضاعت پر لکھا اور جب والد گرامی کی خدمت بابرکت میں بغرض اصلاح پیش کیا تو جواب دیکھ کر والد محترم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں، چہرہ سے مسرت وبشاشت کی ضیائیں برسنے لگیں اور فرمایا، دستخط کرو پھر اپنی مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے لکھا ’’صح الجواب بعون الملک الوہاب‘‘ اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس قدر خوشی ہوئی کہ پانچ روپے انعام سے بھی

نوازا۔ حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے انعام سے نواز کر جہاں حوصلوں میں توانائی عطا کی، وہیں پہلے فتویٰ میں ہی ان صلاحیتوں کا بھی مشاہدہ کر لیا جو ایک فقیہ کے اندر ہونی چاہیے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ ''تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں اب فتویٰ لکھا کرو، اپنا رجسٹر بنالو اور اس میں نقل بھی کیا کرو''۔ حضرت شارح بخاری لکھتے ہیں کہ ''پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا اور نہ ایک لفظ بڑھایا یعنی ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ اس میں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کے وصال کے بعد حضور حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم ہند نے اس مسند کے وقار واعتبار کو بحال رکھا مگر جب حضور حجۃ الاسلام مدرسہ کے اہتمام وانصرام اور دیگر ضروریات میں مصروف ہو گئے تو اس مسند جلیلہ کو تنہا سرکار مفتی اعظم نے سنبھالا اور اعلیٰ حضرت کے ساتوی عرس کے موقع سے اس زمانہ کے عظیم وجلیل فقہا ومحدثین نے باتفاق رائے ''مفتی اعظم'' کا خطاب دیا کہ اب یہ خطاب علم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی لکھتے ہیں:

''ان کے اپنے عہد میں افتائے عظیم کی حسین قبا صرف ان کے ہی جسم انور پر پھبتی تھی اس لئے اس عہد میں اس منصب کا مستحق ان کے سوا کوئی اور نہ تھا امام احمد رضا کے بعد دنیائے اسلام کے اصحاب فتاویٰ کی فہرست کا مختصر جائزہ بھی لیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ کیسے کیسے صاحبان فضل وکمال اور علم وافتا موجود تھے مگر سب نے بالاتفاق کسی کی قوت اجتہاد اور فقاہت نفس کا اعتراف کیا ہے اور کسی کو مفتی اعظم کا کہا، لکھا اور چھاپا ہے تو وہ صرف ہمارے ممدوح مولانا مصطفیٰ رضا کی ذات ہے۔ (پیغامِ رضا ممبئی، مفتی اعظم ہند نمبر)

آپ کے استحضار ذہن اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ فقہی جزئیات کے علاوہ فقہی کتابوں کی پوری پوری عبارتیں ذہن میں محفوظ ہوتیں اور باریک سے باریک مسائل پر اس قدر عالمانہ، محققانہ اور علم وبصیرت سے لبریز گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ علم کا سمندر موجیں مار رہا ہو اور اسے صرف فضلِ الٰہی سے تعبیر کرنا چاہیے۔ پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ''ان کے معاصر علما نے فقہ کو پڑھا، اسے حاصل کیا، کلیات

وجزئیات کو یاد کیا، قیاس کے طریقے سیکھے، جرح وتعدیل، راجح ومرجوح اور سالم واسلم کے احکامات دریافت کیے تب کہیں انہیں مفتی وفقیہ کہا گیا لیکن سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا تفقہ فی الدین صرف حاصل کردہ نہیں ہے بل کہ ان کا ضمیر، ان کا خمیر، ان کی سرشت وفطرت اسی سانچے میں ڈھلی ڈھلائی ہے اور وہ اسی فطرت پر پیدا کیے گئے‘‘۔

اتنے شواہد کے بعد قارئین نے بآسانی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنی اصابت فکری، وجاہت علمی، بالغ نظری، زور بیانی اور طرز استدلال کی رعنائی میں اپنے معاصرین میں کس قدر ممتاز ومنفرد ہیں۔ اب آیئے امام غزالی علیہ الرحمۃ الباری کے ارشادات کی روشنی میں حضور مفتی اعظم کی شخصیت کا مطالعہ کیجئے تو امام غزالی کی تحریر کی سطر سطر سے آپ کی سیرت کی صداقت کے اجالے جھلکتے ہوئے نظر آئیں گے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

’’فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی سمت ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعت پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور خلوت وجلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو‘‘۔ (فقیہ ابن فقیہ، ڈاکٹر امجد رضا امجد، ص 169)

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ ایک فقیہ کے لئے جتنی چیزیں ضروری تحریر کی ہیں حضور مفتی اعظم کی شخصیت پر نظر ڈالیں تو آپ کا یقین آپ کو عین الیقین کی منزل میں پہنچا دے گا کہ امام غزالی نے جو لکھا ہے اس کا ہر نکتہ آپ کی ذات پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ خشیت الٰہی، عشق رسالت پناہی، تقویٰ وپرہیز گاری، اطاعت شعاری، دیانت ودین داری، خلق خدا کی دلجوئی، حب دنیا سے دوری، حرص وطمع سے بیزاری، اور جلوت وخلوت میں خوف خدا

میں اشک باری آپ کی ردائے حیات کے وہ نقش ونگار ہیں جن سے آج بھی ایک عالم کی نگاہیں خیرہ ہیں۔

یوں تو نوے سال سے دنیا میں وہ رہتا رہا ۔۔۔ رہ کے دنیا نہ دنیا کا ہوا ملتا نہیں

کچھ ہیں جن کے ظاہر و باطن میں ہے بین تضاد ۔۔۔ خلوت وجلوت میں جو تھا ایک سا ملتا نہیں

چاہنے والے ترے، تیرے چلے جانے کے بعد ۔۔۔ جستجو میں ہیں تری، تیرا پتہ ملتا نہیں

آپ کی فقہی خدمات کا دائرہ نصف صدی سے زیادہ کو محیط ہے۔فقہ وافتا اور درس وتدریس کی ذمیداریوں نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ باضابطہ زبان وادب کے کاکل ورخسار کو سنوارتے اور اس کی مشاطگی کے لئے کوئی وقت نکالتے لیکن جب ان کے فتاویٰ اور مرتب شدہ ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ یقین مسکرانے لگتا ہے کہ اضطراری طور پر ہی سہی آپ کے خامہ عنبر شمامہ سے جو ادب کے لولو ومرجان قرطاس کے صفحات پر بکھر گئے ہیں، اگر انہیں ہی یکجا کر دیا جائے تو نثری شہہ پاروں میں ایک خوشگوار اضافے کا باعث ہوسکتا ہے۔فقہ کی اپنی ایک ٹکسالی زبان ہوتی ہے۔ایک فقیہ کا قلم،اس کی فکر،اس کی نگاہوں کا تجسس اور اس کے خیالات کی دنیا قرآن وحدیث،تفسیر وفقہ،اصولِ فقہ اور اس کی جزئیات کا طواف کرتی ہے،ساتھ میں یہ بھی پیش نظر ہوتا ہے کہ بات کس قدر آسان اور سہل کہی جائے کہ سائل کا دل اور دماغ بآسانی اسے قبول کرلے گویا ایک مفتی ہر لمحہ مستفتی کے حصار میں ہوتا ہے وہاں نہ قلم کی لطافت دکھانی ہوتی ہے اور نہ ہی زبان وبیان کی لذت وحلاوت اور نہ ہی شعوری طور پر تحریر کو سجانا مقصود ہوتا ہے ورنہ مقصدیت فوت ہوجائے گی بل کہ مفتی کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ پوچھے گئے سوال کے جواب کو قرآن وحدیث کے حوالوں سے مزین کرنا،فقہا کی جزئیات سے آراستہ کرنا اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے سنوارنا ہے۔کیونکہ ایک مفتی جب دارالافتا میں بیٹھ کر کسی استفتا کا جواب لکھ رہا ہوتا ہے تو اس کے سامنے معاشرتی،سماجی اور غلط روی کی کثافتوں کو دور کرنے کے ساتھ سائل کو ایمان وعقیدہ کی ظلمتوں سے بچانا بھی مقصود ہوتا ہے اس لئے وہ عبارت آرائی،زبان وبیان کی نمائش اور مقفیٰ

تحریروں سے ہر ممکن طور پر پہلو تہی کرتا ہے۔ چوں کہ اس کا نہ وہ منصب ہوتا ہے اور نہ اس کی غرض وغایت، اس کے باوجود جب مفتی اعظم کے فتاوے پر نگاہ ڈالیں تو کہیں کہیں مسجع عبارت، تراکیب کی ندرت وجدت، جملوں کی شگفتگی ولطافت، لہجے کی کھنک اور اسلوب بیان کی رعنائی وزیبائی ہاتھ باندھے کھڑی نظر آتی ہے اور عربی وفارسی زبان کی آمیزش سے آراستہ جملے ذوق مطالعہ پر بار نہیں گزرتے بلکہ کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ کسی نے سوال کیا کہ مسجد میں چھوٹے بچے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں، نماز کے وقت شور وغل مچاتے ہیں اور والدین سے کچھ کہا جائے تو تنبیہ کرنے کے بجائے خود لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں ان کی تحریر کی دلکشی آپ بھی محسوس کیجیے، لکھتے ہیں:

"جو لوگ مساجد میں اپنے بچوں کو لاتے ہیں یا ان کے بچے جاتے ہیں وہ انھیں نہیں روکتے، روکنے والوں سے لڑتے ہیں، گنہ گار ہیں اس ارشاد حدیث سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے، تم اپنی مسجدوں میں بچوں اور پاگلوں کو نہ داخل ہونے دو۔ اس میں خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا نہ کرو، اس میں آواز بلند نہ کرو، اس میں حدیں قائم کرو اور اس میں اپنی تلواریں نیام سے باہر نہ کرو۔ ذرا چشم دل سے ملاحظہ کریں کہ یہ کیسی ضیائیں ہیں جن سے نہاں خانہء دل جگمگاتے جا رہے ہیں، افکار کے زاویئے روشن ہوتے جا رہے ہیں، آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں، کیا یہ نور اس قابل نہیں کہ اسے دامن میں جگہ دی جائے، **الکلمة الحکمة ضالة المومن حیث وجدوا فهو احق بها**۔

ایمان کا تاج ہمارے سروں کی زینت ہے، سنت کی قبا ہمارے ہی شانوں پر سجتی ہے، اس خلعت بے بہا کے حقدار ہم ہی تو ہیں، ہمارا ہی کاروانِ فکر شہنشاہ کونین کے گداؤں کی صف اول کا امین ہے، ہمارے

ہی اذہان اس دامن نوری کے فیض کرم کے خوشہ چیں ہیں، ہماری وابستگی کس درجہ ہے کبھی غور کیا؟ آہ! جس کی زلف گرہ گیر کی اسیری کا دعویٰ، اسی سے یہ برگشتہ روی، اسی سے دامن چھڑانے کی سعی، یہی سبب ہے کہ نگاہیں ہماری جانب اٹھتی ہیں، طنز، طعن وتشنیع بھری نگاہیں، ہم کیا تھے کیا ہوگئے، ہم خود ہی اس کے سزاوار ہوئے لیکن اس سیہ بخت گھٹاؤں میں بھی کامرانی وسرفرازی کی قندیلیں ہمیں کوفروزاں کرنی ہے، کاروانِ شوق وعشق منزل کودوام ہمیں ہی کوبخشنا ہے۔ (فتاویٰ مفتی اعظم)

مذکورہ اقتباسات سے آپ بھی محسوس کررہے ہوں گے کہ جس میں اختیارکو قطعی دخل نہیں بلکہ اضطراری لطافت اور حسن بیان کی دلکشی نمایاں ہے جسے پڑھنے کے بعد قارئین کا ذوق مطالعہ مست وبےخود ہوا جاتا ہے۔

اسی طرح کی ایک اور عبارت ملاحظہ کریں جو قرآن پاک کی بے مثل فصاحت وبلاغت اور کلام اللہ ہونے پر تحریر کی ہے:

''آفتاب آمد دلیل آفتاب، قرآن خود اپنی دلیل آپ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے، اس زمانے میں جب فصاحت وبلاغت کا بازار گرم تھا، زبان عربی کی ترقی کا عہد شباب تھا، فصحا وبلغاء کا دوردورہ تھا، بچہ فصیح وبلیغ ماں باپ کی گود میں پلتا، زبان کھولتے ہی فصیح وبلیغ ہوتا، لڑکیاں قصائد برجستہ کہا کرتی تھیں، شعراء اپنے قصیدے لکھ کعبہ معظّمہ پر لٹکایا کرتے اور پھران کے جواب ہوا کرتے، قرآن عظیم سیدتنا حضرت آمنہ صلی اللہ علیٰ ابنہا ثم علیہا وسلم کے یتیم فرزندارجمند پر (جن کے سرمبارک پر برائے تعلیم وتربیت باپ دادا نہ تھے، جن کی عمر شریف اوائل ایام حلیمہ سعدیہ بدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے یہاں بادیہ میں بسر ہوئی، جنہوں نے کسی انسان کی کسی کتاب کا کوئی حرف نہ پڑھا) نازل ہوا۔

اے مئے فصاحت کے متوالو! اے شراب بلاغت سے سرشارو! اے زبان کے ایسے مدعیو کہ دوسروں کو گونگا بتانے والو! اگر تم دربارہء قرآن کسی ادنیٰ شک میں پڑے ہو تو اس کی سی ایک چھوٹی سی سورت کہہ لاؤ،۔۔۔ پھر آگے تحریر کرتے ہیں۔

قرآن تو کلام اللہ صفۃ من صفات اللہ ہے کوئی اس کا مثل کیوں کر لا سکے، جو شئے بھی اللہ کے یہاں سے ہو محال ہے کہ تمام عوامل مل کر بھی اس کا مثل نہ بنا سکیں، پای کا قطرہ قطرہ، مٹی کا ذرہ ذرہ، ہوا کا ہر ہر حصہ، آگ کی ہر ہر چنگاری، نور کا ہر ہر لمعہ غرض کہ عوالم کی ہر ہر شئے کا ہر ہر ریزہ اس پر گواہ ہے نہ اس کے اصل کی مثل کوئی لا سکتا ہے، نہ فرع کی مثل کوئی بنا سکتا ہے، اصل وفرع، روح وجسم کا مثل کیا معنیٰ، کوئی محض صورت کا مثل بھی نہیں بنا سکتا، وہ رنگ وروپ نہیں لا سکتا۔'' (فتاویٰ مفتی اعظم، جلد ۲)

مندرجہ بالا اقتباسات کو پڑھنے کے بعد بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شکوہ الفاظ، لسانی ندرت، قلم کا طنطنہ اور زبان و بیان کی سحر انگیزی کس طرح دلوں کو لبھا رہی ہے وہیں زور تحریر باطل فکروں کا پر جوش تعاقب بھی کر رہا ہے ان تحریروں کے مطالعہ کے بعد مکمل یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو نثر نگاری اور انشا پردازی پر بھی ملکہ وقدرت حاصل تھی مگر اشاعت دین، خدمت شرع مبین اور رد مبتدعین ومفسدین نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ آپ زبان وادب کی زلف پُرخم کو سنوارتے، میری ان باتوں کو صرف عقیدت محضہ پر محمول نہ کریں۔ فتاویٰ مفتی اعظم کی سات ضخیم جلدیں کھلی ہیں، پڑھیے اور زبان و بیان کی لذتوں میں کھو جائیے۔ ایک دو حوالہ اور پیش کر دوں تا کہ آپ کا ذوقِ مطالعہ اس بارشِ نور میں مزید نہاتا رہے۔ لکھتے ہیں:

''بیشک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں مگر لا کالبشر ہیں، اللہ وحدہٗ

لاشریک لہ بے نظیر و بے ہمتا نے اپنے حبیب و محبوب، طالب و مطلوب ،رسول اکرم، سید بنی آدم سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے نظیر اور بے مثیل و بے عدیل و یکتا و بے ہمتا مبعوث فرمایا، اس جان ایمان، ایمان جان کو وہ صفات کمالیہ عطا فرمائے جن میں اس کا شریک کسی کو نہ فرمایا، اپنی ہر صفت کا مظہر اتم، اپنی ذات مجتمع الصفات کا آئینہ اجلیٰ بنا کر بھیجا۔ خود وحدہ لاشریک لہ ہے تو اپنے اس حبیب پاک صاحب لولاک کو بھی اس کی صفات میں وحدہ لاشریک ہی بنایا۔ پاکی ہے اس سبوح وقدوس وواحد و یکتا بے نظیر و بے ہمتا، وحدہ لاشریک لہ جل جلالہ وعز شانہ تبارک وتعالیٰ کو جس نے اپنے سب سے اعلیٰ محبوب کو ایسا واحد و یکتا، بے نظیر و بے ہمتا، عدیم المثل فی الصفات العلیا بنایا کہ اس کو بھی شریک سے منزہ و پاک فرمایا''۔ (فتاویٰ مفتی اعظم)

عربی اور اردو زبان کی آمیزش اور خالص صفاتِ الٰہیہ کے اصطلاحات نے پوری عبارت کو لالہ زار بنا دیا ہے۔ پڑھتے جائیے اور زبان وادب کی چاشنی سے حظ اٹھاتے جائیے، اب ذرا حکم خدا کی نافرمانی پر ان کے قلم کا تیور دیکھئے اور مقفیٰ و مسجع عبارت کی رعنائی بھی:

''حرام کار ہے، مفتری ہے، کیاد ہے، مکار ہے، شدید گنہ گار ہے، حق اللہ وحق العباد دونوں میں گرفتار ہے، سخت شدید مجرم خاطی، غلط کار، ظالم ستم گر، جفا شعار، کھلے فساق وفجار میں اس کا شمار ہے بل کہ اپنے بعض کفریات کی بنا پر وہ داخل زمرہ کفار ہے۔''

''ایسے میلوں میں بحیثیت تماشائی جانا حرام حرام حرام، اشد حرام، بہت اخبث، نہایت اشنع کام، بحکم فقہائے کرام معاذ اللہ کفر انجام ہے۔''

(فتاویٰ مفتی اعظم)

گاندھیائی فکر ومزاج سے ہم آہنگی رکھنے والے افراد پر ان کے قلم کا عذاب اور تیور کا

عتاب بھی ملاحظہ کرتے چلیں، لکھتے ہیں:

’’اللہ اکبر! خودسر کافروں سے مواخات وموالات واتحاد، ان کی اطاعت وغلامی و انقیاد، ان سے مشورہ تک ناجائز وحرام ہے کہ جو مشیر کار ہو وہ راز دار ودخیل ہوگا، اور کفار کو دخیل بنالینا، دخیل کار کرلینا، شرعاً بھی حرام اور عقلاً بھی، غیر نہ صرف غیر، دشمن کو بھی اپنے راز سے خبردار کرنا، اسے اپنا بھید دینا، اس کو سربراہ کار کرنا، سخت جہالت، اشد حماقت، کھلی سفاہت اور صریح بطالت ہے مگر یہ تو اس کے لئے ہے جو شریعت سے علاقہ اور عقل سے واسطہ رکھتا ہو اور جو دونوں سے بے بہرا ہے وہ خلاف شرع، خلاف عقل ہونے کی کب پرواہ کرتا ہے۔

وہ امر جو تمہیں مشقت میں ڈالے ان کی دلی تمنا، قلبی آرزو اندر کے دل کی خواہش ہے۔ تم پر مصائب کی گھٹائیں چھانا، آلام کا مینھ اور موسلا دھار مینھ برسانا، رنج وغم کی بجلیاں گرنا، تکلیفوں، اذیتوں کے پہاڑ گرنا، سخت بلاؤں میں تمہارا گھرنا، شدید سے شدید آفتوں میں تمہارا گرفتار ہونا، ہلاکت میں گرنا، دریائے فلاکت میں تمہارا سراپا ڈوبنا، غرض و مال وجان وآبروئے ایمان پر ہر ہر طرح بن جانا، ایک آن کو تمہیں آرام نہ ہونا، ذراسی راحت نہ پانا وہ دل سے چاہتے ہیں۔‘‘ (فتاویٰ مفتی اعظم)

علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انکار پر ان کے قلم کی روشنائی کا ہر قطرہ جہاں منکرین کے چہرے پہ سیاہی کا کام کر رہا ہے وہیں سطر سطر سے فاروقی جلال بھی ٹپک رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

’’زید بے قید پر از مکر وکید بدترین وہابی لعین ہے۔ اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور، ایمان جان، جان ایمان، عالم ما کان وما یکون سرور عالم وعالیاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔ قرآن عظیم کی آیت باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔‘‘ (فتاویٰ مفتی اعظم)

ان جملوں کے بعد آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور ارشادات ائمہ سے علم غیب کا اتنا مستحکم اور مضبوط ثبوت فراہم کیا ہے کہ منکرین کے لئے نہ جائے انکار ہے اور نہ جائے فرار۔ جب ایمان وعقیدہ کے تحفظ، مذہبی تصلب اور اپنے نبی سے عشق ومحبت کی بات آتی ہے تو حضور مفتی اعظم کے قلم میں وہی جولانیت، وہی وفور علم، وہی طنطنہ اور محبت رسالت کی لالہ زاری نظر آتی ہے جو امام احمد رضا قادری کے فتاویٰ میں دیکھنے کو ملتی ہے، گویا ان کے قلم کا وار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار بن جاتا ہے۔ حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے فتاوے کے سرسری مطامعہ سے اتنے شواہد اکٹھا کیے گئے ہیں اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو باضابطہ اس عنوان پر ایک اہم دستاویز تیار ہوسکتا ہے۔

ورق تمام ہوا مدح ابھی باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

a a a a a

بابِ نہم

شخصیات

☆سیدہ عابدہ رحمت

حضور مفتیٔ اعظم ہند مشائخ سادات کی نظر میں

حضور سیّد عالم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے نسبت وتعلق کی بنیاد پر سادات کرام ہر زمانے میں اہل اسلام وایمان کی بے پناہ عقیدت ومحبت کا مرکز رہے اور ہمیشہ اقلیم قلوب پر سکۂ رائج الوقت کی طرح ان کی حکمرانی چلتی رہی۔علم وفضل کے ساتھ ساتھ شرافت ونجابت، جودوسخا، صبر وتحمل اور حلم وبرد باری جیسی بے شمار خوبیاں ان کے دامن کرم میں پروان چڑھتی رہیں۔دنیا ان سے اجالوں کی خیرات لیتی رہی۔صراطِ مستقیم کا پتہ اور اسلام کی آغوشِ راحت ورافت میں زندگی گزارنے کا سلیقہ وہ زمانے کو بتاتے رہے اور زمین پر نزول رحمت الٰہی کا باعث بنے رہے۔ساداتِ کرام کی تعظیم وتکریم علامت ایمان ویقین ہے۔علما ومشائخ محبت سادات کا اپنے متبعین کو درس دیتے رہے۔مجدد دین وملّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؔ قادری برکاتی قدس سرہٗ ہندوستان میں عظمت سادات کی تبلیغ واشاعت کے میرِ کارواں سمجھے جاتے ہیں۔خود فرماتے ہیں ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

اہلسنّت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور　　نجم ہے اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی علمی جلالت، فقہی بصیرت اور شریعت وطریقت میں ہمہ گیریت کا ہر طبقے نے اعتراف کیا ہے۔ان میں خانقاہ کے شیخ طریقت بھی ہیں اور درسگاہ کے صاحبانِ علم ومعرفت بھی، کالجوں کے اساتذہ بھی ہیں اور یونیورسٹیوں کے دانشور ومحققین بھی، بڑے بڑے صاحبانِ فضل وکمال کو آپ کے درِ دولت پر حاضری دیتے ہوئے دیکھا گیا۔

جس بزم میں آپ جلوہ فرما ہوتے اہل زبان، زبان کھولنے میں خوف محسوس کرتے، اتباعِ شریعت میں دور دور تک آپ کا کوئی مثیل نظر نہیں آتا، زندگی کا لمحہ لمحہ حمایت حق وصداقت کے لیے آپ نے وقف کردیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طبقہ میں آپ کی عبقریت، محبوبیت اور ہر دل عزیزی مسلم ہے۔ خود عشق کی بھٹی میں تپتے رہے اور زمانے کو روشنی عطا فرماتے رہے، دورِ حاضر میں ایسے لوگ دیکھنے کو نہیں ملتے۔

ساداتِ کرام اپنی تمام تر عظمت ورفعت کے باوجود حضور مفتیٔ اعظم ہند کی رفعت شانِ علمی شکوہ اور بلند کردار وعمل کے گیت گاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہم ذیل میں آپ کے متعلق مشائخ سادات کے قلبی تاثرات وخیالات پیش کرتے ہیں:

حضرت قائم چشتی قتیل داناپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جذبات وخیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ’’مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ صرف مولوی ومفتی ہی نہ تھے بلکہ ایک خدمت اور بھی آپ کے سپرد تھی۔ یعنی دلوں کو دھوکر پاک وصاف کرنا، جس کا ظہور حضرت کی آخری عمر میں کثرت سے ہوا۔
>
> آپ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی بڑا حصّہ دیا تھا اور اسی کا غلبہ رہا بلکہ آپ اسی کے لیے متخلق تھے اب تو پورے ہندوستان میں بڑی بڑی خانقاہیں، مدرسے، انجمنیں، ادارے سر بہ فلک عمارتوں کے ساتھ ملیں گے مگر مفتیٔ اعظم کہیں نہ ملیں گے۔‘‘

(استقامت کا مفتیٔ اعظم نمبر)

سیّد حیدر حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ[1]

> ’’میں نے حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کو کھانے کے

[1] آپ عبقری شخصیت کے مالک تھے، کئی زبان پر آپ کی گرفت سخت تھی، دیگر خصوصیات کے علاوہ فن خطابت میں بے مثال تھے، فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے، نظم ونثر دونوں میں یکساں ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی کئی تصنیفات یادگار ہیں جو بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ داناپور پٹنہ بہار میں آپ کا مزار عوامی عقیدت ومحبت کا مرکز ہے۔

دسترخوان سے لے کر مسند افتاء وسجادۂ عبادت تک دیکھا اور برتا ہے میرے نزدیک وہ ہر جگہ اپنی بھرپور جلالت علمی، تقویٰ و پرہیزگاری، اتباعِ سنّت کے ساتھ رونق افروز ہوا کرتے تھے۔''

(دامانِ مصطفیٰ کا مفتیٔ اعظم نمبر)[۲]

حضرت سیّد شاہ مختار اشرف رحمۃ اللہ علیہ:

''حضرت مفتیٔ اعظم ہند بلاشبہ ان اکابرین میں سے تھے جو دین وسنّت کو فروغ دینے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت کی پوری زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالیے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ خلوص وللّٰہیت ان کی شخصیت کا ٹریڈ مارک تھا۔ ان کا کوئی قول یا عمل میری نگاہ میں ایسا نہیں جو خلوص وللّٰہیت سے عاری ہو۔ وہ اگر ایک طرف متبحر عالم، مستند و معتبر فقیہ، مختلف علوم وفنون کے ماہر اور شعر وادب کے مزاج آشنا تھے تو دوسری طرف ریاضت وعبادت، مکاشفہ ومجاہدہ اور اسرارِ باطنی کے بھی محرم تھے اور ہر میدان میں ان کے خلوص وللّٰہیت کی جلوہ گری نمایاں طور پر دکھائی دیتی تھی، وہ ایک ایسی شمع تھے جس کے گرد لاکھوں پروانے اکتسابِ نور کی خاطر زندگیوں کو داؤ پر چڑھائے رہتے تھے۔''

(استقامت کا مفتیٔ اعظم نمبر)

---

[۲] مارہرہ شریف کی خانقاہ کو وہ مقام حاصل ہے جس نے برصغیر ہند و پاک میں عقیدت ومحبت وتزکیۂ نفس کی جاگیریں تقسیم کی ہیں۔ تقدیس الوہیت ورسالت، شریعت وطریقت کی پاسداری اور تطہیر قلوب کی روحانی خدمات کا شرف بھی آپ کی خانقاہ کو حاصل ہے۔ احسن العلما سیّد حیدر حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ حضور مفتیٔ اعظم کے پیرزادے تھے۔ تاحیات آپ خدمت خلق کرتے رہے، علم وفضل میں یکتائے روزگار، صاحب دل وکشف و کرامات تھے۔ آپ کے مریدین ومتوسلین کا وسیع حلقہ ہے۔ امام احمد رضا کے افکار ونظریات کی اشاعت میں آپ نے اہم کردار ادا کیا ہے، جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

شیخ الاسلام حضرت علّامہ سیّد شاہ مدنی میاں صاحب[1]:

’’حضور مفتیٔ اعظم ہند کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدومِ مِلّت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے هٰذا حکم العالم المتاع وما علینا الّا الاتباع۔ یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے، اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سیّد المتکلمین، سند المحققین، سرآمد علما وصوفیا سراج خانوادۂ اشرفیہ تھا بلکہ خود حضور مفتیٔ اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت ومحبت اور لازوال نیازمندیوں کا قبلہ وکعبہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتیٔ اعظم ہند کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔‘‘

---

[1] آپ کی ذاتِ پاک سلف کا نمونہ تھی جو دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اہلِ علم ومعرفت سرکارِ کلاں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی نمازِ جنازہ آپ ہی نے پڑھائی تھی۔ بڑے فضل وکمال کے مالک تھے، آپ کا محبوب مشغلہ طریق رشد وہدایت تھا۔ وسعت علم اور ندرتِ فکر ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کے مریدین میں بڑے بڑے علما ومشائخ بھی ملتے ہیں۔ ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں بھی آپ کے ماننے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

حضرت علامہ سیّد مدنی میاں صاحب حضور محدث اعظم ہند کے صاحب زادے اور جانشیں ہیں۔ علمی حلقوں میں آپ کی ذات قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اعلیٰ ذوق کے شاعر اور تصنیفاتِ کثیرہ کے مالک ہیں۔ آپ کی کئی تصنیفات بڑی تحقیقی اور معلوماتی ہیں، جو لائق مطالعہ اور ملّت کے لیے عظیم سرمائے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کے مریدین ومعتقدین کا ایک حلقہ ہے، فنِ خطابت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

حضرت علّامہ سیّد اجمل میاں اشرفی:

"حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ جہاں علم و عمل میں یکتائے روزگار تھے وہیں ان کی ذات زہد و تقویٰ، فقر و استغناء، جود و سخا، حلم و بردباری، احسان و ایثار، طہارت و پاکیزگی، صبر و رضا، ایمان و ایقان، درویشی اور حسنِ اخلاق کا اتنا حسین مرقع تھی کہ بے اختیار مجمع الصفات کے الفاظ ان کے لیے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ ان کے اوصافِ حمیدہ نے اپنے تو اپنے غیروں کو بھی گرویدہ بنالیا اور انصاف پسندوں نے تو بیک زبان انہیں اپنا قائد اور ولی کامل تسلیم کرلیا ہے۔"

حضرت سیّد محمد امین میاں قادری[۲]:

"حضرت مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک خصوصیت جو انہیں ہم عصر علما و مشائخ سے ممتاز کرتی ہے، ان کے مریدین کی تعداد ہے۔ (ان کے دور میں) اتنے کثیر مرید کسی شیخ کو نصیب نہیں ہوئے۔ یوں تو

---

[۲] آپ پُروقار شخصیت کے مالک ہیں، چہرے سے علم و معرفت کے آثار نمایاں ہیں۔ غربا پروری اور علما نوازی آپ کی فطرتِ ثانیہ ہے اور بڑی نفیس طبیعت پائی ہے۔ شیخِ طریقت بھی ہیں اور صاحب رشد و ہدایت بھی۔

آپ حضور مفتیٔ اعظم ہند کے پیرزادے ہیں اور خانقاہِ مارہرہ شریف کے موجودہ سجادہ نشیں ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ ہیں، بڑے ذہین اور اعلیٰ ذوق کے شاعر و ادیب ہیں۔ زبان بڑی پاکیزہ اور سلیس ہے، گفتگو فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان سے موتی کے دانے نکل نکل کر لب و دہن کو بوسہ دے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ کے سارے قلمی نوادرات و تبرکات کے آپ امین ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی کتاب یا فتویٰ تحریر فرماتے تو اس کی ایک کاپی اپنے مرشد گرامی کی بارگاہ میں ضرور بھیجتے۔ وہ سارے نسخے خانقاہِ مارہرہ کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

خانقاہِ مارہرہ شریف مسلک اعلیٰ حضرت کی امین و مبلغ ہے۔ خانقاہ میں بہت سارے ایسے تبرکات ہیں جسے دنیا دیکھنے کی تمنّا کرتی ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ نعلین پاک شریف ہے جو آپ نے جنگِ اُحد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے وقت اتار دیا تھا۔ حضور مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جبۂ اقدس بھی وہاں موجود ہے، جن کی عرس کے ایّام میں زیارت کرائی جاتی ہے۔

مجھے حضرتِ والا کی بہت سی باتیں متاثر کرتی تھیں مگر جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ استقامت فی الدین اور شرعی احکامات کا کھلّم کھلا اعلان ہے۔ فیملی پلاننگ کے مسئلہ پر سارے علما و مشائخ نے حکمِ رخصت پر عمل کیا، اکثر علما نے سکوت اختیار کیا اور بہت سے نام نہاد دیوبندی مفتیوں نے سرکاری روش کے حق میں فیصلے دیئے۔ مگر چونکہ مفتیٔ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، لہٰذا انہوں نے ''حق'' کا بآوازِ بلند اعلان فرمایا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا ہوگا اور تاریخ شاہد ہے کہ فیملی پلاننگ کے خلاف فتویٰ دینے کے باوجود ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ حضرت کی ذات شریف جہاد بالسیف کے دور سے گزر چکی تھی مگر ان کے قلمی جہاد نے ثابت کر دیا کہ؎

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت سیّد شاہ نعیم اشرف صاحب[1]:

''حضور مفتیٔ اعظم ہند نے طویل عرصے تک وقارِ رضویت کی کامیاب آبیاری کی ہے۔ کیا بے لوث زندگی تھی اہلِ دُول و صاحبِ اقتدار سے بے نیاز۔ تدریس وافتاء اور عقیدت مندوں کی شفقت سے پذیرائی آپ کے محبوب مشاغل تھے اور اس پر ستّر سال کا تسلسل تھا۔ سنّت کی پابندیوں

---

[1] آپ خانقاہِ جائس رائے بریلی کے سجادہ نشین ہیں، جائس کی زمین سادات علما وصوفیا کا مرکز و مسکن رہی ہے۔ رائے بریلی و بانس بریلی دونوں کی سرحدیں متصل ہیں۔ حضرت سیّد نعیم اشرف صاحب کی ذات و شخصیت بے شمار خوبیوں کی حامل ہے۔ آپ بزرگوں کی زندہ وتابندہ یادگار، زہد وعبادت میں یکتائے دہر، نسبی شرافت ونجابت میں بے مثال، صاحب حال وقال ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے جنون کی حد تک محبت رکھتے ہیں اس دور میں آپ جیسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں حضور مفتیٔ اعظم پر تاثرات سے خانقاہِ رضویہ سے ان کی دل بستگی وعقیدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اور تقویٰ شعاری میں آپ کا کوئی مثیل نہیں تھا اور ان سب اعلیٰ صفات کے ساتھ آپ کا متواضعانہ مزاج، آپ کی نرم گفتاری، علما اور سادات کے ساتھ حقیقی احترام، کون سی دینی خوبی ہے جو اس جامع صفات میں نہ تھی۔ حیاتِ مفتیٔ اعظم کا ہر دن، ماہ و سال ہمارے لیے قیمتی تھا، وہ ہماری جماعت کے لیے نشانِ تقدس تھے۔ وہ ہم سب کے مرجع تھے، مرکز تھے، بالاتفاق مستند قائد تھے، ان کی زندگی کے ہر لمحے سے قوم مستفید ہوئی اور ان کا وصال جو ایک سانحۂ جاں گسل تو تھا ہی کہ وہ امیرِ کارواں تھے، وہ عاشق صادق رسولِ رحمت تھے۔ وہ زندگی بھر اپنی جماعت کی آبرومندی کے لیے مرتے رہے اور وداعِ آخرت ہو کر بھی انہوں نے یہ دکھا دیا کہ مردم شماری کے مسلمانوں میں بریلی کو مرکز ماننے والوں کا کیا تناسب ہے۔ پانچ ہفتے کے اندر تین بار چھ چھ سات سات لاکھ کا مجمع، ان مجمعوں میں ساری دنیا کی نمائندگی ہو رہی تھی۔ وہ کون سا خطۂ زمین ہے جہاں سے لوگ وصال، سوم و چہلم میں شرکت کے لیے نہ آئے ہوں۔"

حضرت سیّد مظہر ربانی صاحب:

"اپنے ہم عصر اور ہم مرتبہ بزرگوں کے درمیان حضور مفتیٔ اعظم ہند کی منکسر المزاجی، تواضع اور اعلیٰ ترین اخلاقی رعایت کے ساتھ ساتھ فقیہانہ بالغ نظری اور شریعت مطہرہ کے انتہائی باریک مسائل پر بے لاگ گرفت دیکھنے کے قابل تھی۔ جن لوگوں نے بزرگوں کے اجتماع کا وہ نورانی و روحانی ماحول اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور چند لمحات بھی اس مقدس ترین علم و نور سے جگمگاتی ہوئی فضا میں گزارے ہیں وہ حضور مفتیٔ اعظم کی جلالت علمی، دیانت فقہی، خوفِ الٰہی، عشق رسول، تقویٰ و پرہیزگاری کے اعلیٰ ترین مقام کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔"

حضرت سیّد شاہ احمد اجملی صاحب[۱]:

''حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ خصوصیات کا مجسمہ تھے۔ ان خصوصیات کا اظہار ان سے ملاقات پر ہوا، آپ ایک صاحبِ نظر عالم، ایک محتاط مفتی اور ایک مرشد کی حیثیت سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی موت موت العالم کی مصداق ہے۔ ایسے دور میں جب ایسے بے باک ترجمان کی ضرورت تھی، ان حالات میں جب ایسے باعمل عالم کی ضرورت تھی وہ ہم سے بچھڑ گئے لیکن ان کی موت سے جو نقصان پہنچا ہے ان کی تلافی ناممکنات میں سے ہے۔ اس خاندان نے جو خدمات کی ہیں اور خاص طور سے ناموسِ رسول اور عشق رسول کی مئے تقسیم کرنے میں اس خاندان نے جو کردار ادا کیا وہ لائق ستائش ہے۔ مرحوم اپنے خاندان کی تمام روایات کے امین تھے۔ اولادِ رسول سے انہیں اپنے والد کے مانند محبت تھی۔ ساداتِ کرام کا وہ جس جذبہ سے استقبال کرتے تھے، جس محبت سے ملتے تھے اب شاید اس کی نظیر نہ مل سکے۔

حضرت سیّد شاہ اظہار اشرف صاحب[۲]:

حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان بریلی شریف کے نگار خانہ عشق

---

[۱] پیرِ طریقت حضرت سیّد شاہ اجملی صاحب خانقاہ دائرہ شاہ اجمل کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے۔ علم وفضل، زہد وورع میں ہم عصر علما ومشائخ میں ممتاز ہیں اور قدیم بزرگوں کے آثار و تبرکات کے امین بھی ہیں۔ دائرہ شاہ اجمل کا قدیم خانقاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ ایک سے ایک نادرۂ روزگار شخصیتوں نے وہاں جنم لیا ہے جو مخلوق خدا کو سچائیوں کی طرف بلاتی رہی ہیں۔

[۲] آپ حضور صدر الشریعہ کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ تعلیمی وتعمیری اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ علوم وفنون میں اپنے معاصرین میں تفوق رکھتے ہیں۔ باندہ کی سرزمین پر اہل سنّت کی مرکزی درسگاہ ربانیہ آپ کی مساعی جمیلہ اور جہد مسلسل کی تابندہ یادگار ہے، جس میں تشنگانِ علم کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے۔ کثیر صاحب علم اساتذہ کی نگرانی میں مسلک امام احمد رضا خاں بریلوی کا کام روز وشب زوروں پر ہے۔ آپ نے بیشتر ممالک کا دورہ کیا ہے اور مسلک اہل سنّت کی خوب سے خوب اشاعت کی ہے۔ آپ کی شخصیت اور کارنامے گم گشتگانِ راہ کے لیے نشانِ راہ ہیں۔ آپ نے حضور مفتیٔ اعظم کی ذات کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور بہت سارے اہم واقعات جو حضور مفتیٔ اعظم سے تعلق رکھتے ہیں آپ کے سینے میں محفوظ ہیں۔ اگر ان واقعات کو تحریری شکل دے دی جاتی تو ملّت پر آپ کا مزید احسان ہوتا۔

مصطفیٰ کی ایک نورانی تصویر تھے۔ اس پیکرِ نوری کو دیکھنے والوں کو ان کی خوش بختی مبارک ہو جنھوں نے عشق مصطفےٰ کو مصطفےٰ رضا کے جسدِ اطہر کی صورت میں چلتے پھرتے دیکھ لیا۔ عشق مصطفےٰ مجسم ہو کر مصطفےٰ رضا ہو جائے اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ یہ اس درسگاہ عشق و محبت کے تربیت یافتہ تھے جہاں کا ذرہ ذرہ نشۂ عشق میں سرشار و مخمور رہا۔ جب ذروں کا یہ حال ہے تو اس ساقئ میکدہ حب رسول کے نور العین کا کیا عالم ہو گا جس ساقی کو آج پورا عالمِ اسلام امام احمد رضا کے نام سے جانتا پہچانتا ہے۔

حضرت سیّد اولادِ رسول قدسیؔ[۳]:

''حضور مفتئ اعظم ہند تا حیات معارف قلب و روح کے ساتھ مذہب اسلام کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت فرماتے رہے۔ آپ نے سخت سے سخت ماحول میں بھی اظہارِ حق و اعلانِ حق کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ہمیں وہ وقت اچھی طرح سے یاد ہے جب نجدی حکومت نے حجاجِ کرام پر غلط ٹیکس مسلط کیا تھا۔ بڑے بڑے نجدی علما اس ٹیکس کے خلاف آواز بلند کرنے میں خوف محسوس کر رہے تھے اور جس نے آواز اٹھائی اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا۔ لیکن حضور مفتئ اعظم کی وہ واحد ذات ہے جس

---

[۳] آپ مفتئ اعظم اڑیسہ سیّد عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشیں ہیں۔ آپ کی شاعری سے متعلق حضرت علامہ سیّد آلِ رسول نظمیؔ صاحب قبلہ رقم طراز ہیں، مجاہد ملّت علیہ الرحمہ کے وطن مالوف سے تعلق رکھنے والے نوجوان شاعر علامہ اولادِ رسول قدسیؔ نے جب نعت کے میدان میں قدم رکھا تو ان کے قلم میں ولیم ورڈز ورتھ کی رومانیت بھی تھی۔ شبلیؔ اور کیٹس کا تغزل بھی تھا۔ بائرن کی بے باکی بھی تھی اور ٹینی سن کی شستگی بھی تھی۔ انگریزی ادب میں ایم اے کرنے کے بعد درسِ نظامی کی بھٹی میں تپ کر کندن بننے والے اس سیّد زادے نے اپنے اس علمِ دو آتشہ کو جب نعت گوئی کی طرف موڑ دیا تو غزل پکار اٹھی! کاش میں نعت کے کنبے میں پیدا ہوتی۔ علم کی وسعت اور فکر کی بلندی کے باعث اہل فضل و کمال قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، شعر و ادب کی دنیا میں اچھا خاصا مقام بنا لیا ہے۔ آپ نے نعت و منقبت کے دامن میں نئی جہتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

نے نجدیت کے نرغے میں، نجدیت کے شکنجے میں، دشمنوں کے ہجوم میں حرم شریف کی زمین پر بیٹھ کر حکومت کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا۔ زمانہ شاہد ہے کہ ظالم حکومت آپ کا بال بھی بیکا نہ کرسکی۔ اس طرح کے ہزاروں واقعات ہیں جو آپ کی ذاتِ اعلیٰ صفات سے وابستہ ہیں، کس کس کا ذکر کیا جائے۔ آپ کی کتابِ زندگی کا ہر ورق ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے جس پر ایثار وقربانی کی ایک تاریخ مرقوم ہے۔ خدمت خلق میں جینا اور عشق رسالت میں سرشار ہوکر مرنا کوئی حضور مفتیٔ اعظم سے سیکھے۔''

حضور مفتیٔ اعظم ہند شریعت وطریقت کے مہکتے ہوئے گلاب تھے۔ آپ کی خوشبوئے دلنواز اور نورانی کارناموں سے برصغیر ہند و پاک کے تاریک دل جگمگا اٹھے اور تعفن زدہ ماحول کی روح عود وعنبر کی طرح مہکنے لگی، آپ نے لاکھوں مردہ دلوں کو زندگی عطا فرمائی۔ تاحیات احقاقِ حق وابطالِ باطل کا شدّت کے ساتھ فریضہ انجام دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ درسگاہوں کے علما وفضلا اور خانقاہوں کے صاحبانِ رشد و ہدایت سب نے آپ کی قیادت حقہ کو تسلیم کیا اور بالاتفاق سب نے آپ کو مفتیٔ اعظم لکھا، کہا اور مانا۔ تاریخ میں بہت کم ایسی شخصیات گزری ہیں جن کی عبقریت اور کارناموں کو اس انداز میں سراہا گیا ہو۔ مشائخ سادات کے مذکورہ تاثرات وخیالات سے حضور مفتیٔ اعظم کی عظمتوں کو سمجھنے میں یقیناً قارئین کو آسانی ہوگی۔ حضور مفتیٔ اعظم کے سلسلے میں علما ومشائخ کے تاثرات کثرت سے ہیں اگر سب کو ترتیب دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ انشاء اللہ ہم اس تعلق سے کام شروع کرنے والے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم پر مثبت کام کا آغاز کیا جائے۔ آپ کی ذات پر اب تک جو کام ہوا ہے علمی حلقوں میں بہت کم پسند کیا گیا ہے۔

a a a a a

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی پاکستان

مفتیٔ اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت

ولادت: مفتیٔ اعظم، مولانا محمد مصطفی رضا خاں نوریؔ علیہ الرحمۃ برِّ اعظیم جنوبی ایشیاءؔ کی نامور عبقری شخصیت، امام احمد رضا خاں حنفی قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آپ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۷/جولائی ۱۸۹۳ء کو بریلی (یوپی، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت: آپ نے اپنے والد ماجد کے دارالعلوم منظر اسلام (قائم کردہ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء بریلی) میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں والدِ ماجد امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی، برادرِ بزرگ مولانا حامد رضا خاں، مولانا رحم الٰہی منگلور، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور علامہ ظہور الحسین فاروقی نقشبندی رحمہم اللہ معروف ہیں۔ آپ نے تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ سے ۱۸/سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ علومِ نقلیہ و عقلیہ میں مہارت رکھنے کے اعتبار سے آپ اپنے والدِ ماجد شیخ الاسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے مظہر تھے۔ آپ کے سوانح نگاروں نے ۲۵ سے زیادہ علوم پر آپ کی دسترس ثابت کی ہے۔

فتویٰ نویسی میں مہارت: یوں تو آپ کا خانوادہ گذشتہ ایک صدی سے ہر طرح کے علوم و فنون کا گہوارہ رہا ہے۔ لیکن تفقہ فی الدین اس خانوادہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اس کا کمال امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ کی جدید ۳۰/ضخیم جلدوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جس کو بجاطور پر فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا قرار دیا گیا ہے۔ آج اس خانوادہ

کی چھٹی پشت میں مولانا مفتی اختر رضا خاں الازہری مسندِ افتائے بریلی پر رونق افروز ہیں۔اور عوام وخواص کے مرجع ہیں۔ اس طرح یہ علمی خانوادہ اس حدیث کا آئینہ دار ہے۔من یر داللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔(بخاری شریف ج۔ا ص۱۶)

مولانا مصطفی رضا خاں نوری علیہ الرحمہ ذہانت وفطانت اور استحضار علمی کا یہ حال تھا کہ اصل کتب مطالعہ کئے بغیر بھی فتویٰ تحریر فرماتے تھے اور اس میں تحریر کردہ تمام جوابات اور حوالے مرجع کے عین مطابق ہوتے۔فتویٰ وتقویٰ کا ایسا امتزاج آپ کے دور میں کسی اور شخصیت میں کم دیکھا گیا۔۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء تا ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء تقریباً ستّر سال کی طویل مدت تک آپ نے مسندِ افتا کو رونق بخشی۔آپ کی ذات مرجعِ عوام وخواص رہی۔آپ کی اصابتِ رائے اور فکری گہرائی کی مثال آپ کے دور میں ملنی مشکل ہے۔مختلف مسائل پر آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ابھی تک صرف ۳/ جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوسکی ہیں۔ان کے مطالعہ سے آپ کی عبقریت، تبحر علمی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔آج کل اکنافِ عالم میں دہشت گردی اور شدت پسندی کا دور دورہ ہے، بعض دہشت گرد اور شدت پسند دیوبندیوں اور نجدیوں کی حرکات کی وجہ سے اسلام دشمن قوتیں عالمِ اسلام کو بدنام کرنے اور اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دینے کی کوشش میں قرآنِ مجید فرقانِ حمید پر اعتراضات کر رہی ہیں اور اس کے وحیٔ الٰہی ہونے سے منکر ہیں، بلکہ صیہونی اور عیسائی سازش کے تحت ایک جھوٹا قرآن ''فرقان الحق'' کے نام سے گڑھا گیا ہے۔حضور مفتیٔ اعظم سے آج سے کئی سال قبل قرآن شریف کی حقانیت اور اس کی آسمانی ہونے پر دلائل کیلئے ایک سوال ہوا تھا، آپ نے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا تھا، اس مختصر مگر جامع جواب سے آپ کی شانِ فقاہت آشکارا ہوتی ہے۔آپ نے ثابت کیا کہ قرآن خدائے تعالیٰ کا کلام ہونے میں کسی کے کہنے کا محتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ کلامِ خدا ہے تو اس کا کلامِ خدا ہونا ثابت ہو، وہ آپ اپنی دلیل ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفویہ۔

آپ کے تفقہ فی الدین اور علم وفضل میں بلند مقام کا ایک دوسرا ثبوت بہت سے

علمائے حرمین شریفین مثلاً علامہ علوی مالکی، علامہ سید محمد امین مکی رحمہا اللہ کا آپ سے سند و اجازتِ حدیث وفقہ حاصل کرنا ہے۔

درس وتدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک دارالعلوم منظرِ اسلام بریلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر دارالافتا کی ذمہ داریوں کے باعث مخصوص طلبہ تک سلسلۂ درس وتدریس محدود ہوگیا۔ بعدہٗ آپ نے ''مظہرِ اسلام'' کے نام سے بریلی شریف میں ایک اور دارالعلوم کی بنیاد رکھی، کارِافتا اور دیگر دینی، تصنیفی اور ملی خدمات ومصروفیات کی بنا پر آپ نے درس وتدریس کی خدمات اپنے نائبین کے سپرد کیں۔آپ علما واساتذہ کی بہت عزت و توقیر کرتے اور طلبہ سے بہت شفقت ومحبت فرماتے اور نادار طلبہ کو خفیہ طور پر خرچ کی رقم دیتے۔سادات کرام سے خصوصی اعزاز واکرام سے پیش آتے۔آپ کے پاس ہند کے علاوہ افریقہ، ماریشش، سری لنکا، ملیشیا، بنگلہ دیش اور پاکستان سے سینکڑوں کی تعداد میں استفتا آتے تھے اور آپ ان کے جواب لکھتے لکھاتے تھے۔

تصنیفات وحواشی: مفتیٔ اعظم نے اپنی گونا گوں دینی، علمی اور ملّی مصروفیات کے باوجود تصنیفات وتالیفات کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے جو آپ کے محققانہ مزاج، علمی گہرائی و گیرائی، استحضارِ علمی، وسعتِ مطالعہ اور فقہی بصیرت وژرف نگاہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کے اسلوبِ تحقیق وتحریر میں آپ کے والدِ ماجد امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی جھلک نمایاں ہے۔آپ کے سوانح نگاروں نے ۳۵ سے زائد تصانیف، تالیفات حواشی کی فہرست مرتب کی ہے۔

بیعت وارشادات: حضرت مفتیٔ اعظم نے درس وتدریس، تالیف وتصنیف کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اصلاح وفلاح اور ردِّ بدعات ومنکرات کے لئے وعظ ونصیحت اور بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ہزاروں طالبانِ علم معرفت کی سیرابی اور لاکھوں گم گشتگانِ راہ کی ہدایت کا موجب بنے۔آپ کو سید المشائخ حضرت شاہ ابوالحسین نوری مارہروی علیہ الرحمۃ نے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں داخلِ سلسلہ کیا اور تمام سلاسلِ اربعہ کی اجازت وخلافت عطا

فرمائی۔اس کے علاوہ آپ کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی ان ۲۵ سلاسلِ اولیاء و اسنادِ قرآن وحدیث کی اجازت فرمائیں جو ''النور والبہاء'' میں درج ہیں، نیز ان تمام سلاسل و اسنادِ رضویہ کی اجازت عطا فرمائیں۔جو ''الاجازت المتینہ'' اور فتاویٰ رضویہ میں درج ہیں۔

آپ کے مریدوں میں عرب و عجم کے بڑے بڑے علما و صلحا و مشائخ، شعرا و ادبا، مفکرین، قائدین، اسکالرز و دانشور حضرات شامل ہیں۔آپ کی ذات سے برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش میں سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

ذوقِ شعر و ادب: مفتیٔ اعظم مولانا مصطفی رضا خاں نوریؔ علیہ الرحمۃ بلند ذوق شعر و ادب کے حامل تھے اور یہ ملکہ آپ کو اپنے والدِ ماجد سے وراثت میں ملا تھا۔آپ کا شمار اپنے وقت کے استاذ شعرا میں ہوتا ہے۔آپ نوریؔ تخلص فرماتے تھے۔آپ نے شاعری کو عشق مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی کا ذریعۂ اظہار بنایا اور اس کے تمام موضوعات و اصناف مثلاً حمد، نعت، منقبت، غزل، قطعات، رباعیات پر قلم اٹھایا۔اس اعتبار سے آپ کی شاعری آفاقی، اصلاحی اور پیغاماتی ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کے بے پناہ عشق کا مظہر ہے۔آپ کے اشعار میں آپ کے والد ماجد رضاؔ بریلوی کی طرح دل نشینی، دلآویزی نغمگی، برجستگی اور تغزل کا رنگ ہے۔آپ نے اپنی نعتوں میں مضامین و الفاظ، استعارات و تلمیحات کے استعمال میں خاص احتیاط برتی ہے اور متقدمین علما و صوفیہ شعرا کی روایت پر نظر رکھی ہے۔آج کل نعت کی محفلوں میں اکثر نعت خواں آپ کا کلام خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔برصغیر ہند و پاک کے نعتیہ مشاعروں میں آپ کے بعض نعتیہ مصرعوں کو بطورِ مصرعہ طرح بھی استعمال کیا گیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

شب کو شبنم کے مانند رویا کئے صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

جو ساقیٔ کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے ہر دل بنے مے خانہ، ہر آنکھ ہو پیمانہ

مستِ مئے الفت ہے، مدہوشِ محبت ہے فرزانہ ہے دیوانہ، دیوانہ ہے فرزانہ
مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے جتنی کرتا ہے دوا اور سوا ہوتا ہے
داغِ دل میں جو مزا پایا ہے نوریؔ تم نے ایسا دنیا کی کسی شی میں مزا ہوتا ہے
پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے
سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے قریں ہے رحمت و فضلِ خدا مدینے سے
ترے نصیب کا نوریؔ ملے گا تجھ کو بھی لے آئے حصہ یہ شاہ و گدا مدینے سے

آپ نے اپنے مرشدِ طریقت حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہ العزیز کے نامِ نامی کی نسبت سے اپنا تخلص نوریؔ رکھا۔ آپ کی شاعری کے زیر و بم میں جہاں رضاؔ بریلوی کی طرح قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوف کی چاشنی پنہاں ہے وہیں حسنؔ بریلوی کی طرح آپ کے کلام میں معنیٰ آفرینی کے ساتھ شکوہِ الفاظ، بیساختگی، برجستگی، بندشوں کی چستی اور زبان کی سادگی بھی نظر آتی ہے۔ آپ کی شاعری کی چند خوبیاں درج ذیل ہیں:

۱) سادہ پن اور بے ساختگی: دہلی کا ایک مصرعہ ہے: کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے

آپ نے اس مصرع پر جو نعت کہی ہے وہ زبان و بیان، سادگی، بندشوں کی چستی اور محاکات (پیکر تراشی) کا بہترین نمونہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
بد سے بد کو لیا جس نے آغوش میں کب کسی سے وہ دامن بچا کر چلے
مرتے دم سر درِ پاک پر رکھ دیا اس ادا سے قضا ہم ادا کر چلے

۴۳؍اشعار پر مشتمل اس نعت کے ہر شعر کی خوبیوں کو اگر بیان کیا جائے تو ایک دفتر چاہیے۔

۲) زبانوں پر عبور: آپ کو عربی، فارسی اور ہندی بھاشا پر بھی عبور حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کے کلام میں ہندی الفاظ اور محاروں کا جا بجا استعمال ملتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

آہ دہائی رحمت والے تم پر لاکھوں سلام، تم پر لاکھوں سلام

کھیون ہارے کھیون والے بیّاں پکڑے مورے پیارے

قوت والے ہمت والے تم پر لاکھوں سلام، تم پر لاکھوں سلام

موت کا اب نہیں کھٹکا زندگی شبھ گھڑی سے پائی ہے

۳) ایک ہی لفظ کو مختلف معنوں میں استعمال کرنا آپ کی شاعری کی ایک اور اہم خصوصیت ہے ملاحظہ ہو:

کوئی دم کہ مہماں ہیں آجاؤ اس دم کہ سینے میں اٹکا ہے دم غوثِ اعظم

دمِ نزع آؤ کہ دم آئے دم میں کرو ہم پہ یٰسین دم غوثِ اعظم

۴) آپ کی نعتیہ شاعری میں بے حد آسان اور شکوہ الفاظ کے ساتھ نادر لہجہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد میں یہ نادر لب ولہجہ ملاحظہ ہو:

اللہ واحد و یکتا ہے ایک خدا بس تنہا ہے

کوئی نہ اس کا ہمتا ہے ایک ہی سب کی سنتا ہے

لا الہ الا اللہ اٰمنّا برسول اللہ

ایک نہ ہوتا گر اللہ کیسے ہوتے ارض وسما

ہوتا نہ اک محتاج اِک کا کس لئے یہ اس سے ملتا

سوتا پیتا کھاتا نہیں اس کا رشتہ ناتا نہیں

اس کے پتا ماتا نہیں اس کے جورو جاتا نہیں

۵) آپ کی نعتیہ کلام میں رنگِ تغزل بھی جگہ جگہ نمایاں ہے چند اشعار ملاحظہ ہو:

وہ گلستاں ہے جہاں آپ ہوں اے جانِ جہاں

آپ صحرا میں اگر آئیں تو گلستاں ہوگا

دل گیا اچھا ہوا، اس کا نہیں غم، غم یہ ہے

لے گیا پہلو سے جو، وہ دلربا ملتا نہیں

۶) نوریؔ بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر پیکر تراشی (محاکات) کا جائزہ لیا جائے تو اس کے حسین امتزاج منہ بولتی تصاویر جگہ جگہ نظر آئیں گی:

بصری پیکر: ان کو دیکھا تو گیا بھول غم کی صورت یاد بھی اب نہیں رنج والم کی صورت

لمسی پیکر: فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تیری پیزار کا

مزوقی پیکر: آبلوں کے سب کٹورے آہ خالہ ہوئے
منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پائے تھا ہر خار کا

مشامی پیکر: عنبرستان ہے محشر کا وہ میداں سارا
کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو

سماعی پیکر: پڑھو وہ مطلع نوریؔ ثنائے مہر انور کا
ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہر محشر کا

بے مثل پیکر: محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے میرے سرور
توہّم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا

نوری پیکر: مٹے ظلمت جہاں کے نور کا تڑکا ہو عالم میں
نقاب روئے انور اے میرے خورشید اب سرکا

جمالیاتی پیکر: بسا ہوا کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں

آتشیں پیکر: مرقدِ نوریؔ پہ روشن یہ لعلِ شب چراغ
آیا چمکتا ہے ستارا آپ کی پیزار کا

لَونی پیکر: تیرے باغِ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتا ہے تیرے گلزار کا

اس تمام گفتگو میں حضرت مفتیٔ اعظم نوریؔ بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کا صرف ایک سر

سری جائزہ لیا گیا ہے۔آپ کے مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' (۱۳۵۴ھ) کا اگر تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہیں۔ جو ایک قادرالکلام استاذالشعرا کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ بلاشبہ آپ نے اپنی شاعری میں صرف عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرزِ جاں رکھا اور تمام زندگی مدحِ مصطفوی کے نغمے سناتے رہے۔ان کی نعتیہ شاعری محرکات، داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیات آپ کی شاعری میں اس قدر غالب ہے کہ آئینہ رُوح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ایک محقق، ادیب اور ناقد شاعر وادب میں آپ کی شاعری پر بڑا جامع تبصرہ کیا ہے: ''واضح ہو کہ حضرتِ نوری بریلوی نے صنفِ سخن کا یہ دلکش تحفہ ہمیں ان لمحات میں عطا فرمایا ہے جو ان کی دینی، علمی، تبلیغی، اصلاحی و روحانی وتجدیدی مشاغل سے بچ جایا کرتے تھے۔اگر وہ اپنی زندگی کے جملہ اوقات اس فن کے غوّاصی میں بسر کرتے تو خدائے تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ سخن سنجی وسخن دانی کے کس ذِروۂ کمال پر ہوتے۔

سیاسی وملّی خدمات: حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصیرت وتدبر اپنے والد ماجد کی تعلیم کا نتیجہ تھی۔وہ ایک صاحبِ فکر، صائب الرائے اور صاحبِ بصیرت مدبر تھے۔ان کی سیاسی بصیرت کی گہرائی وگیرائی کا اندازہ لگانے کیلئے ان کی دو کتابوں کا مطالعہ کافی ہوگا۔ (۱) طرق الہدی والارشاد (۲) مقدمہ دوام العیش۔آپ سنت کی نصرت واشاعت، بدعت کی بیخ کنی اور احقاقِ حق وابطالِ باطل میں حکومتِ وقت کے جبر واستبداد اور اعلانِ سزا وعقوبت سے بے نیاز، بلا طمع اور بلا خوفِ لومۃ لائم، محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واطاعت کی خاطر ہمیشہ سینہ سپر رہے۔آپ نے ملت اسلامیہ کے اتحاد وبقا وتحفظ کی خاطر دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر لحاظ سے خدمات انجام دیں۔

تحریکِ ہجرت، تحریک خلافت، تحریک شدھی (فتنۂ اُرتداد ۱۹۲۳ء)، فتنۂ مذہنیت، روسی تحریک اشتراکیت، حرم شریف پر اس وقت کے قابض حکمرانوں کی حج ٹیکس کی جبری وصولی کا معاملہ، وجوبِ حج اور التوائے حج کا مسئلہ، فتنۂ شہادتِ مسجدِ شہید گنج، لاہور، فتنۂ

نسبندی وغیرہ کے خلاف عملی طور سے آپ نے جدوجہد کی اور مسلمانانِ ہند کو ان کے برے اثرات سے بچانے کی بھرپور کوشش فرمائی۔فتنۂ ارتداد (۱۹۲۳ء) کے زمانے آپ نے ۵ رلاکھ غیر مسلموں مرتد مسلمانوں کو اپنی انتھک تبلیغ،حکمتِ عملی،محنت اور محبت وشفقت سے حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔آپ کے اس عظیم کارنامے کی بناء پر فتنۂ ارتداد کا انسداد کرنے والے علما میں آپ کا اسمِ گرامی سرِ فہرست ہے۔آپ کا شمار تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے میں ہوتا ہے۔آپ نے تحریکِ آزادئ ہند اور فلاح و صلاح مسلمین کے سلسلے میں قائم انجمن، جماعتیں، مثلاً: انجمنِ اظہارالاسلام، جماعتِ انصارالاسلام، جماعتِ رضائے مصطفی،آل انڈیا سنی کانفرنس وغیرہ میں فعال،تعمیری اور تحریکی کردار ادا کیا اور تحریکِ پاکستان کو مؤثر و کامیاب اور متحرک وفعال بنانے میں نہ صرف سرگرداں رہے بلکہ اس کیلئے عظیم قربانیاں پیش کیں۔قیامِ پاکستان سے قبل آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ بنارس (۲۷ تا ۳۰ راپریل ۱۹۴۶ء) میں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو متعدد کمیٹیاں بنی تھیں،ان میں سے درج ذیل کمیٹیوں کے سربراہی آپ کے سپرد کی گئی۔

تعلیم۔ دارالقضاۃ عائلی قوانین جمعیتِ آئین ساز

اسفار: حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ، رسولِ اکرم ومکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر سفر فرماتے ،اس لئے آپ کا ہر سفر،سفر دعوۃ وارشاد ہوتا۔آپ نے برصغیر پاک وہند کے اکثر صوبوں کا تبلیغی دورہ کیا۔قیامِ پاکستان کے بعد آپ نے تصویر کی پابندی کی وجہ سے یہاں کا سفر نہیں کیا۔ ہندوستان میں آپ نے مدھیہ پردیش، بہار، بنگال،آسام، پنجاب،آندھرا پردیش،مہاراشٹرا، گجرات،کرناٹک، یوپی، ہماچل پردیش، مدراس وغیرہ کے اکثر شہروں اور قصبوں کا تبلیغی دورہ کیا۔آپ کے دستِ حق پرست پر لاکھوں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہزاروں بد عقیدہ دولتِ اسلام سے مالامال ہوئے ، نیز ایک کروڑ سے زیادہ مسلمان آپ کے دستِ کرامت پر بیعت اور سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ برکاتیہ میں داخل ہوکر پیرِ پیراں، میر میراں، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔

سفرحرمین شریفین: آپ نے تین بار حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول ﷺ کیلئے حرمین شریفین کی حاضری دی، بارِ اول ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء، بار دوم ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء اور بارِ سوم ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں۔ آپ تصویر کشی سے سخت پرہیز فرماتے تھے۔ لہٰذا حج کے پاسپورٹ کے لیے بھی آپ نے تصویر نہ کھنچوائی۔ حرمین شریفین کے سفر میں وہاں کے معروف علماء ومشائخ نے آپ سے استفادہ کیا اور مختلف علوم میں سندیں حاصل کیں۔

کرامات: آپ کی کرامات بے شمار ہیں، لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کا تقویٰ اور سفر وحضر ہر حال میں باندازِ عزیمت سنتِ رسول ﷺ پر پابندی سے عمل پیرا ہونا تھا۔ آپ اُسوۂ حسنہ کا پیکر اور قرآنی فرمان ''**وَالَّذِیۡنَ آمَنُوۡا مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ** (سورۂ ۱) کا مظہر تھے۔

بقول علامہ اقبال آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
انسانوں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

وصال: آپ ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲\۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر چالیس منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡن۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۱ سال تھی۔ آپ کے وصال کی خبر دنیا کے تمام مشہور ریڈیو اسٹیشنز سے نشر کی گئی۔ آپ کی جنازہ اسلامیہ کالج بریلی کے میدان میں پڑھایا گیا۔ نمازِ جنازہ حضرت مولانا سید مختار اشرف علیہ الرحمۃ سجادہ نشین کچھوچھہ شریف نے پڑھائی۔ آپ کے جنازے میں ہندوستان کے مرکزی وصوبائی حکومتوں کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ سول افسران اور تمام اسلامی ملکوں کے سفیروں اور میڈیا و اخبارات کے نمائندوں نے شرکت کی۔ لاکھوں افراد نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ اخباری رپورٹ کی مطابق

دنیا کے کسی مذہبی رہنما کے جلوسِ جنازہ میں اتنی بڑی تعداد میں کسی مذہب وملت کے افراد نے آج تک شرکت نہیں کی۔ آپ کو اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ کے بائیں پہلو میں ابدی آرام کے لئے لٹایا گیا جہاں ہر سال لاکھوں عقیدت مند، مشائخ کرام، علمائے عظام اور دانشورانِ ملت زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے ہیں۔

آپ کے قائم مقام اور جانشین حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں الازہری حفظہ اللہ الباری نے ایک طویل عربی منقبت لکھی جس کے آخری شعر میں تاریخِ وصال درج ہے۔

سئلون اختر رحلة سیدی
فقلت عظیم الشان لیتنا الدار
۱۴۰۲ھ

علامہ مولانا سید محمد قائم رضویق قتیلؔ داناپوری علیہ الرحمۃ نے فارسی میں ایک منقبتی نظم لکھی جس کے آخری شعر سے تاریخ ہجری وعیسوی استنباط ہوتی ہے۔

من ہم قتیلؔ آہ! ازیں حادثہ کشم
ہاتف بگفت سال چو پر سید مش کہ چیست
ہجریست سال ''سوئے بہشتِ بزرگ قصر'' (۱۴۰۲ھ)
''پرواز کرد مفتیِ اعظم'' بہ عیسوی ست (۱۹۸۱ء)

کتابیات

۱) مفتیِ اعظم اوران کے خلفاء (جلد اول) مصنف: محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی

۲) تذکرہ مشائخ قادریہ، مؤلف: مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی، ناشر: اکیڈمی مشائخ قادریہ رضویہ، بخشی مسجد، آندھراپل، بنارس۔

۳) یادگارِ رضا، سالنامہ، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۴)مفتی اعظم، مصنف: سید محمد ریاست علی قادری، ناشر: ادارہ اہل سنت، اخوند مسجد، کھارادر، کراچی۔

۵)حیاتِ مفتی اعظم کی ایک جھلک۔ مرتب: الحاج صوفی اقبال احمد نوری، ناشر: ادارہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، رضانگر، بریلی۔

٦)راہبرِ اعظم، مرتب: ڈاکٹر شرافت اللہ، ناشر: مشتاق حسین فرینڈس بک کارنر، اسلامیہ مارکیٹ، بریلی

۷)تجلیاتِ مفتی اعظم۔ مصنف: محمد قمر الحسن قمر بستوی، رضا اکیڈمی، ممبئی

۸)سہ ماہی، دامنِ مصطفی، مئی ۱۹۹۰ء تا اکتوبر ۱۹۹۰ء بریلی

۹)ماہنامہ یٰسین مفتی اعظم نمبر، جنوری، فروری ۱۹۹۲ء، کنگھی مُحال، کانپور، انڈیا۔

a a a a a

☆مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی
(مدیر اعلیٰ، سواد اعظم دہلی)

مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل: ایک داستانِ خلوص و وفا

[فقیر نعیمی نے اپنی تحریری زندگی کا آغاز حضور مفتی اعظم ہند پر ایک مضمون بعنوان ''حضور مفتی اعظم ہند اور آپ کا تقویٰ'' سے کیا تھا اس وقت میں جماعت اولیٰ کا طالب علم تھا ۔الجامعۃ القادریہ واقع قصبہ رچھا ضلع بریلی میں منعقدہ ایک سیمنار کے لیے یہ مضمون لکھا تھا۔ جس میں بطور انعام امام عشق و محبت کی ایک اہم کتاب ''احکام شریعت'' سے نوازا گیا۔آج ایک بار پھر بارگاہ اعظم ہند میں چند بے ربط سطریں لے کر حاضر ہوا ہوں کوشش کی ہے کہ سرکار مفتی اعظم کی زندگی کے کچھ ان چھوئے پہلو پیش کروں ۔ارباب ذوق ہی فیصلہ فرمائیں گے کہ فقیر اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ہم نے تو ذہن و زبان پر ان کے نام آنے ہی کو کامیابی سمجھ رکھا ہے۔]

شہزادۂ اعلیٰ حضرت پیکر تقویٰ وطہارت ہم شبیہ غوث اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفی رضا خاں المعروف حضور مفتی اعظم ہند کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں ہے۔ان کے بارے میں پاک و ہند کا ہر منصف مزاج شخص اچھی ہی رائے رکھتا ہے۔جو اپنوں اور بے گانوں میں یکساں مقبول رہے۔جن کی زندگی زہد و قناعت اور صبر و شکر کا عظیم نمونہ تھی۔ جو اپنی علمی ہیبت و شوکت اور وفور علمی کے باوجود ہمیشہ منکسر المزاج رہے۔علما کی قدر دانی ان کے مزاج کا لازمہ تھی۔خلوص و ایثار گویا ان کے وجود مسعود کا ایک حصہ تھا۔اگر ان کی زندگی

کے کسی بھی حصے پر خامہ فرسائی کرنے بیٹھ جائیں تو دفتروں کے دفتر کھل جائیں لیکن ہم یہاں پر حضرت مفتی اعظم ہند کی زندگی کا ایک ایسا پہلو پیش کریں گے جو اس سے پہلے شاید ہی عوام وخواص کی نگاہوں سے گزرا ہو۔

یہ پہلو سرکار مفتی اعظم ہند کے امام الہند حضرت صدرالا فاضل، آپ کے شہر اور آپ کے قائم کردہ ادارے جامعہ نعیمیہ سے والہانہ تعلق ہے۔جو ہماری تاریخ کا ایک روشن و تابناک پہلو جس پر شاید اب تک نہیں لکھا گیا۔جو ہمارے اکابرین کی وسیع القلبی، کشادہ ظرفی، آپسی احترام واکرام اور ایثار وخلوص کی ایک ایسی داستان ہے جہاں قدم قدم پر بوئے وفا آتی ہے، الفت ومحبت کے پیمانے چھلکتے دکھائی پڑتے ہیں، رحماء بینھم کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں، بلندی کردار کی نئی تاریخ رقم کی جاتی ہے، جن کا کراد وعمل آج بھی ہمارے لیے ایک روشن مینارہ ہے جس کی روشنی میں تقسیم در تقسیم کا شکار ہماری ملت کو سکون وچین مل سکتا ہے، علما ومشائخ کے درمیان خلیج کو پاٹا جاسکتا ہے اور ہم اپنے اختلافات کو بآسانی دور کرسکتے ہیں۔

مفتی اعظم ہند اور صدرالافاضل سے قربت

جس وقت بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حضرت صدرالا فاضل کی پہلی حاضری ہوئی اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی یہ وہ وقت ہے جبکہ حضرت مفتی اعظم ہند عمر کی محض گیارہ سال کی تھی ۔یعنی دونوں کی عمر میں قریب دس سال کا فرق تھا۔لیکن حضور مفتی اعظم ہند تو مادرزاد ولی تھے۔وقت کے ایک عظیم بزرگ وشیخ نے ان کی ولایت کی پہلے ہی بشارت دے دی تھی ۔اسی وجہ سے مفتی اعظم دیگر بچوں سے کافی ممتاز تھے، جیسا کہ کہاوت ہے۔

ع ہونہار بِروا کے ہوتے چکنے چکنے پات

اس وقت سے حضرت صدرالا فاضل اور مفتی اعظم ہند کے مابین جو تعلق قائم ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا، کیونکہ اس تعلق میں عمر نہیں خیالات کی یکسانیت تھی، خدمت دین کے مساوی جذبات تھے، دونوں ہی ایک دوسرے کی صلاحیتوں

سے واقف وراز دار تھے۔اور اس تعلق کی بنیاد خلوص ایثار اور والہانہ محبت پر مبنی تھی۔محبت والفت احترام واکرام اور قدردانی میں دونوں بزرگ ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔

جب جب اہل سنت کو مشکلات درپیش ہوئیں تو اس کے دفاع کے لیے ان دو بزرگوں کا آپسی تال میل دیکھنے والا ہوتا تھا۔تاریخ کے سینے پر ایسے کتنے واقعات درج ہیں جو میرے اس دعوے کی تائید کریں گے۔

مفتی اعظم کا صدر الافاضل سے لگائو:

جب ۱۹۲۳ء میں شدت پسند ہندوؤں کی تنظیم شدھی اور سنگٹھن نے مسلم راجپوتوں کے خلاف ارتداد کی مہم چلائی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا ڈالا تب سرزمین بریلی سے اس فتنہ کے خلاف حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آواز اٹھائی اور مرادآباد سے امام الہند حضرت صدر الافاضل کو یاد فرمایا آپ حاضر ہوئے تو حجۃ الاسلام نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جن دو شخصیتوں کا انتخاب فرمایا وہ حضور مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل کی تھی۔ان کی سرپرستی میں علما کا دس رکنی قافلہ روانہ ہوا۔

اس دس رکنی وفد نے راجپوتوں کو واپس اسلام میں لانے کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور محنتیں کیں۔جب یہ وفد آگرہ پہنچا جہاں اس ارتدادی مہم نے کافی مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کردیا تھا تو وہاں کی جامع مسجد میں حضرت صدر الافاضل کا خطاب نایاب ہوا جس کی مکمل روداد تحریری روپ میں حضرت مفتی اعظم ہند نے اس طرح درج کی ہے:

”ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان وشوکت اور موجودہ حالت زار پر دلگداز تقریر فرمائی۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے۔“ (دبدبہ سکندری، مجریہ ۱۹؍فروری ۱۹۲۳ء)

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ کس قدر اپنائیت اور محبت سے بھرا ہے اس پر مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں لیکن ہاں یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند اگر چاہتے تو خود

بھی خطاب فرما سکتے تھے مگر آپ نے خود خطاب نہ فرما کر صدر الا فاضل کو آگے بڑھایا اور ساتھ ہی ان کو وفد کا بہترین رکن بھی قرار دیا، حالانکہ اس وفد میں خود سرکار مفتی اعظم بھی شریک تھے مگر آپسی احترام کا یہ عالم کہ حضرت صدر الا فاضل کو اپنے اوپر فوقیت دے رہے ہیں۔ یہ تواضع وخاکساری کی عمدہ مثال ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَن توَاضَع لِللہ رَفعہ اللہ۔ جو اللہ کے لیے تو ضع اختیار کرے گا اللہ رب العزت اس کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔

صدر الا فاضل کے تعلق سے مفتی اعظم ہند کا یہ طرز عمل یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ کس قدر وسیع القلب اور خوبیوں کا برملا اعتراف کرنے میں کس قدر فراخ دل تھے۔ یہ تعلقات ایک طرفہ نہیں تھے بلکہ باہمی جذبہ تھا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً دونوں جانب سے ہوتا تھا۔

مفتی اعظم سے ایک مرادآبادی کی ملاقات:

امروہہ جو پہلے ضلع مرادآباد ہی کا حصہ تھا یہاں ایک شخص ملّا توفیق نامی رہتا تھا۔ علمائے اہل سنت کے تعلق سے کہا کرتا تھا کہ سنی علما اپنے اکابرین کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں حقیقت سے اس کا بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ ایک بار کسی کام کے سلسلے میں اس کا بریلی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا کام نپٹایا اور پھر سوچا کہ ابھی وقت کافی بچا ہے لاؤ مفتی اعظم ہند سے ہی ملاقات کر لیتا ہوں دیکھتا ہوں کہ سنی علما جس شخصیت کی بڑی تعریف کرتے ہیں وہ حقیقت ہے یا پھر محض مبالغہ آرائی ہے۔

یہ شخص اپنے کام سے فارغ ہوکر مفتی اعظم کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، نماز ظہر ہو چکی تھی اور اس شخص نے جا کر حضرت کے دروازے پر دستک دی۔ اس شخص کا کہنا ہے کہ جب میں نے کئی بار دستک دی تو ایک معمر شخص نے دراوازہ کھولا جن کے آنے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اندر سے بڑی جلدی آئے ہیں کیوں کہ سانس کی آمدورفت معمول سے تھوڑا تیز تھی، شاید وہ آرام کر رہے تھے اور دستک سن کر دوڑے چلے آئے تھے، مجھے تھوڑی شرمندگی بھی ہوئی کہ میں اس وقت جب کہ لوگ آرام کرتے ہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ خیر! میں

نے ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دے کر مجھے محبت کے ساتھ بٹھایا پھر جلدی سے گھر میں داخل ہوئے اور واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں پانی کا برتن تھا۔اس بار ان کے بدن پر کرتہ نظر آرہا تھا۔اس کے بعد وہ بزرگ پھر گھر میں گئے اور دستر خوان لاکر میرے سامنے لگا دیا میں نے کہا کہ جناب میں کھانے سے فارغ ہو چکا ہوں مگر انہوں نے کہا نہیں آپ ہمارے گھر تشریف لائے اس لیے ہماری خوشی کی خاطر کچھ تو تناول فرما ہی لیں ہمیں اچھا لگے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجھے کھانا کھلایا جب تک میں کھانے سے فارغ ہوا وہ اس وقت تک چائے بھی لا چکے تھے۔ چائے نوشی کے بعد انہوں نے سارا سامان گھر میں پہنچایا اور پھر مجھ سے کہا کہ اے عزیز مہمان آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ میں عرض کیا کہ میں امروہہ سے حاضر ہوا ہوں اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات سن کر اس بزرگ نے جسے میں اب تک اس گھر کا کوئی خادم سمجھ رہا تھا بڑی انکساری سے کہا کہ کہیے اسی خادم کو مصطفی رضا کہتے ہیں، ملاّ توفیق صاحب کا بیان ہے کہ میرے اوپر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور میں شرم سے پانی پانی ہو گیا کہ اتنی عظیم شخصیت سے میں نے اتنے کام لئے، میں نے بڑی لجاجت سے معافی طلب کی اس پر مفتی اعظم نے فرمایا کہ ارے اس میں معافی کی کیا بات ہے آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان کی خدمت کرنا تو ہمارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، ہمیں تو آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ آپ کی وجہ سے ہمیں سنت مصطفی پر عمل کا موقع فراہم ہوا۔ پھر مفتی اعظم نے ان کے اہل خانہ کی خیریت معلوم کی اور کاروبار وغیرہ کے بارے میں معلوم کیا اور کاروباری نقطہ نظر سے کچھ شرعی احکام بھی بتائے۔اس کے بعد ملاّ توفیق صاحب نے چلنے کی اجازت چاہی تو مفتی اعظم نے فرمایا ذرا ٹھہریں! پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو آپ کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی جس میں کچھ لڈو اور چائے کے ساتھ استعمال کئے جانے والے پاپے تھے۔آپ نے وہ تھیلی مجھے تھمائی اور کہا کہ اس وقت گھر میں کچھ اور موجود نہیں اس لیے اس چھوٹے سے تحفے کو قبول کر کے ہمیں سرخرو ہونے کا موقع دیں۔ یہ بات سن ملا توفیق بڑی شرمندگی سے

بولے حضرت آپ یہ کہہ مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔تب مفتی اعظم نے فرمایا کہ مہمان کو وداع کرتے وقت تحفہ دینا آقائے کریم علیہ السلام کی سنت ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ یہ سنت ہم سے چھوٹ جائے حالانکہ تحفہ بہت معمولی ہے مگر آپ قبول کرلیں گے تو سنت کی ادائیگی کا ثواب مل جائے گا۔ملا توفیق کا کہنا ہے کہ میں بڑی عقیدت کے ساتھ اس سارے سامان کو اپنے گھر لایا اور آج مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے کوئی خزانہ مل گیا ہو اتنی حفاظت سے تو میں اپنا روپیہ پیسا بھی کبھی نہیں لایا جتنی حفاظت کے ساتھ اس سامان کو گھر لایا۔میرے دل میں ارمانوں کی امنگیں موجیں مار رہی تھیں اور میں اپنے نصیب پر فخر کر رہا تھا جو مجھے اتنی عظیم بارگاہ سے تحفہ ملا تھا۔ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے محلے میں لوگوں کو وہ تبرک تقسیم کیا اور لوگوں سے اے لوگو یہ تبرک اس ذات کا ہے جو اس دور میں سنت نبوی کا چلتا پھرتا آئینہ ہے۔ملّا توفیق صاحب کا کہنا ہے کہ ایک ایک لڈو میں نے کئی کئی لوگوں میں تقسیم کیا اس کے بعد وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ بزرگوں کے بارے میں سنا تھا کہ وہ سنتوں کے عاشق ہوا کرتے تھے مگر کسی کو دیکھا نہیں تھا مگر جب مفتی اعظم کو دیکھا تو پتا لگا کہ عشق مصطفی کیا ہوتا ہے

مفتی اعظم ہند کا شہر صدر الافاضل سے لگائو:

ہمارے ایک عزیز اور کرم فرما حضرت مولانا نعیم الدین رضوی علیگ جو ایک مشہور عالم اور خطیب ہیں موضع تمڑ یا کلاں ضلع مراد آباد کے رہنے والے ہیں انہوں نے اپنے والد ماسٹر محمد اشفاق قریشی صاحب (جو سرکارِ مفتی اعظم کے مرید ہیں) کے حوالے سے بتایا کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنے کے بعد دل کا مدعا عرض کیا کہ حضرت غلام زادہ پیدا ہوا ہے، آپ اس کے بلندی نصیبہ کے لیے دعا فرما دیں اور اس کا نام بھی تجویز فرما دیں۔ یہ بات سن کر حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ماسٹر صاحب آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں، انہوں نے عرض کی حضور میں مراد آباد سے حاضر ہوا ہوں ۔ یہ سن کر مفتی اعظم مسکرائے اور کہا کہ ”شہر صدر الافاضل“ سے آئے ہو، انہوں نے عرض کی جی حضور! یہ سن کر مفتی اعظم نے بڑی معنیٰ

خیزی کے ساتھ فرمایا کہ جب صدرالا فاضل کے شہر سے آئے ہیں تو نام بھی ان کے نام پر ہی رکھیے جایئے آپ کے اس بیٹے کا نام حضرت صدرالا فاضل کے نام پر ''نعیم الدین'' رکھا جاتا ہے۔

اس واقعے سے آپ اندازہ لگائیں کہ مفتی اعظم صدرلا فاضل اوران کے شہر سے کتنی محبت فرماتے تھے اور یہ سرکارِ مفتی اعظم کی کشادہ قلبی کا ایک روشن باب بھی ہے کہ اپنے مرید کے بیٹے کا نام خود پر یا اپنے شیخ پر نہ رکھ کر صدرالا فاضل کے نام پر رکھا جو ان کی صدرالا فاضل سے بے انتہا محبت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ سچ ہی کہا ہے کسی نے کہ جب کسی سے سچی محبت ہو جایےتو اس سے منسوب چیزیں بھی پیاری ہو جاتی ہیں۔ بقولے ع

ہم کو عزیز ہے بس تیری نسبت کا خیال

صدرالافاضل کا مفتی اعظم سے لگائو:

یہ محبت خلوص محض ایک طرفہ نہیں تھا بلکہ دونوں طرف الفت و وفا کی دلنواز خوشبو تھی۔ حضرت صدرالا فاضل نے مفتی اعظم ہند کو اپنے ادارے جامعہ نعیمیہ کا سر پرست اعلیٰ بنایا تھا اور مفتی اعظم ہند تا حین حیات اس منصب پر فائز رہے اور بحسن وخوبی اس کی ذمہ داریوں کو انجام دیا۔

جامعہ نعیمیہ کے بزرگ اساتذہ کرام حضرت مفتی محمد ایوب صاحب نعیمی، شیخ الحدیث جامعہ اور حضرت علامہ پروفیسر محمد ہاشم صاحب نعیمی دام ظلہما بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا معمول تھا کہ آپ جب بھی جامعہ میں تشریف لاتے تھے کبھی بھی جامعہ کا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ جب زیادہ اصرار کیا جاتا تو فرماتے کہ حضرت صدرالا فاضل نے مجھے اس ادارے کا ذمہ دار بنایا ہے اور ذمہ دار خود خرچ کرتا ہے اپنے اوپر خرچ نہیں کراتا۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس نذرانے میں ملا کر وہ سارے پیسے جامعہ کو واپس لوٹا دیتے۔

ایثار وخلوص کی ایسی روشن مثال کیا آسانی سے مل سکتی ہے۔ آج تو حالت یہ ہے کہ اگر ادارے کا سر پرست آرہا ہو تو اس کے استقبال کے لیے ادارے کو دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا

پڑتا ہے اعلیٰ قسم کی گاڑی میں آمد و رفت کا انتظام کرانا پڑتا ہے، عمدہ اور پر تکلف دعوتیں اس پر مستزاد! تب کہیں جا کر سرپرست صاحب کو احساس ہوتا ہے کہ ہاں ہم اس ادارے کے سرپرست ہیں۔ مگر مفتی اعظم اس قسم کے تکلفات سے کوسوں نہیں ہزاروں لاکھوں میل دور تھے۔

فارغین جامعہ نعیمیہ کے لیے تحائف لانا:

سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ جب جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر مرادآباد تشریف لاتے تھے تو آپ کا معمول تھا کہ جتنے بھی فارغین طلبہ ہوتے تھے سب کے لیے آپ کچھ نہ کچھ تحائف ضرور لاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے سپاہی ہیں انہیں ملت کی حفاظت کرنا ہے جہاں بڑی مشکلات اٹھانا پڑیں گی اس لیے ان لوگوں کو تحائف دے کر ان کے دلوں کو شادوخرم رکھو تا کہ یہ خوش دلی سے فروغ دین کا کام انجام دے سکیں۔

پورے سال جامعہ نعیمیہ کے طلبہ اتنی شدت سے کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے تھے جتنی شدت سے انہیں حضور مفتی اعظم سے ملنے والے تحفے کا انتظار رہتا تھا اور جو طالب علم بھی تحفہ حاصل کرتا تھا وہ پھولا نہیں سماتا تھا۔ آپ کی آمد پر پورا جامعہ گلزار ہو جاتا تھا ایسا لگتا تھا مانو ہزاروں گلاب مہک اٹھے ہوں۔ کیا علما کیا عوام کیا طلبہ سبھی مفتی اعظم سے نیاز مندی کو لیکر بڑے بے قرار رہتے تھے۔

جامعہ سے محبت کا ایک ناقابل فراموش واقعہ:

ہمارے اساتذہ کرام بیان فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ مفتی اعظم ہند جامعہ نعیمیہ میں تشریف لاتے تو آپ جامعہ کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور یہ کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ میرے کھانے سے بہتر ہے کہ وہ کھانا کسی طالب علم کو کھلا دیا جایے۔ میں یہاں کا خادم ہوں اگر نہیں کھاؤں گا تو حرج کی بات نہیں مگر یہ عزیز طلبہ جو اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر یہاں ہمارے مہمان بنے ہیں ان کا خیال رکھنا ہم پر لازم وضروری ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر استاذ الاساتذہ فقیہ النفس حضرت مفتی حبیب اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق پرنسپل وشیخ

الحدیث جامعہ) آپ کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت پیش کرتے جسے حضور مفتی اعظم ہند اس شرط پر قبول فرماتے کہ مفتی صاحب دعوت منظور مگر آپ کچھ تکلف نہیں فرمائیں گے جو کچھ گھر میں بنا ہوگا بس وہی پیش کریں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہوکر چلتے تو مفتی صاحب کے بچوں کو عطیہ دیے وغیر کبھی واپس نہ ہوتے۔ ہمارے استاذ محترم فقیہ العصر حضرت مفتی محمد ایوب صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ دستار بندی کے موقع پر کئی مرتبہ مفتی اعظم ہند نے میری دعوت قبول فرما کر اس فقیر پر بھی کرم فرمایا اور میرے گھر کو اپنے قدوم میومنت سے سرفراز فرمایا۔

دونوں بزرگوں کی خدمات کا اعتراف:

جماعت اہل سنت کے ارباب حل وعقد کی نگاہ میں ان دو عظیم شخصیتوں کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ جماعت رضائے مصطفی کے ارکان کی جانب سے لکھے گئے اس مکتوب سے لگائیں جو انہوں نے شدھی تحریک میں امام الہند صدر الافاضل اور حضرت مفتی اعظم ہند کی بے مثال کارگزاری و جانفشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت اور ہدیہ تشکر پیش کیا ''تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیل اور مخلص کارکنوں کی شاقہ محنتوں کا مکمل تذکرہ دفتروں میں بھی نہیں آسکتا۔۔۔۔۔صاحبزادہ عالیشان فاضل جلیل المکانۃ والمکان حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد مصطفی رضا خاں صاحب دامت برکاتھم صدر شعبہ تبلیغ وحضرت فاضل اجل عالم بے بدل امام المناظرین استاد العلماء جناب مولانا مولوی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتھم کی جانفشانیاں اور محنتیں اور ان حضرات کے فیوض وبرکات اور سرگرم مساعی کا تذکرہ کے لیے جماعت کے پاس زبان نہیں ہے کہ ادا کرسکے انہیں کی ہمت وبرکت تھی کہ جماعت کو ہر معرکہ اور ہر موقع میں امید سے زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں ہم نہ ان کے اس احسان کو فراموش کرسکتے ہیں اور نہ ان کے شکریہ سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں اور جو محنتیں برداشت کی ہیں ان کے نقوش ہمارے سینوں سے کبھی محو نہیں ہوسکتے ہیں۔'' (اخبار دبدبہ سکندری، مجریہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء)

مرادآباد میں مفتی اعظم کا بے مثال استقبال:

حضرت صدرالافاضل کی نگاہ میں مفتی اعظم ہند کی وقعت ورفعت کس قدر تھی یہ تو سرکارِ صدرالافاضل ہی جانیں مگر زمانے کی نگاہوں نے جو دیکھا تو یہی پایا کہ مفتی اعظم ہند آپ کے نزدیک انتہائی محترم ومکرم تھے جس ایک نظارہ اس وقت بھی ظاہر ہوا جب لاہور کے ایک مناظرہ سے لوٹتے ہوئے مفتی اعظم مرادآباد سے گزرے تو حضرت صدرالافاضل نے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔ خیر مقدم کا انداز کیا تھا اس کے بارے میں السوادالاعظم کی یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

سرکار مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہما الرحمہ پنجاب کے مناظرے سے واپس لوٹ رہے تھے۔ پنجاب سے آنے والی فیروزپور ایکس پریس گاڑی مرادآباد ہوکر بریلی جاتی ہے۔ اس لیے صدرالافاضل نے درخواست کی شہزادگان اعلیٰ حضرت مرادآباد میں ہوکر جائیں۔ صدرالافاضل کی یہ دعوت قبول کی گئی، اب آگے کا حال خودرپورٹ کنندہ کی زبانی سنیے۔

”۹، فروری کو شب کے دس بجے تار سے اطلاع دی گئی کہ حضرت ممدوح صبح سات بجے پنجاب میل سے رونق افروز ہوں گے۔ موسم سرما میں ۱۰، بجے شب لوگ سوجاتے ہیں کسی کو اطلاع دینے اور کبر کرنے کا موقع بھی نہ تھا لیکن باوجود اس کے صبح کو میل کے پہنچنے کے وقت مسلمانوں کی کثیر تعداد جس میں عمائد وعلما اور ہر طبقہ کے مسلمان تھے، اسٹیشن پر موجود تھی۔ والنٹیر وں کی ایک جماعت جھنڈیاں لیے ہوئے منشی شوکت حسین صاحب کی سرکردگی میں صف بستہ تھی۔ مجمع دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑے اہتمام بلیغ سے حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا ہے۔ گاڑی آئی اور حضرت حجۃ الاسلام اور آپ کے برادر حقیقی مفتی ہند مولانا شاہ مصطفی رضا خاں صاحب دام مجدہ اور جناب مولانا مولوی عبدالحق ساحب رئیس پیلی بھیت رونق افروز ہوئے۔ مرحبا کی صداؤں اور تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی پھول نثار کیے گیے اور موٹروں میں آپ کا جلوس اسٹیشن سے روانہ ہوکر بازار شاہی مسجد اور منڈی

چوک سے گزرتا ہوا مدرسہ عالیہ اہل سنت و جماعت مراد آباد (جامعہ نعیمیہ) میں پہنچا۔ موٹر آراستہ کیے گئے تھے راستے میں جا بجا مدحیہ نظمیں خوش آوازی سے پڑھی جا رہی تھیں، لوگ پھول برساتے تھے، عطر اور پان پیش کرتے تھے۔ ہجوم کثیر تھا بڑے شان وشکوہ کے ساتھ حضرت کی سواری مدرسے میں پہنچی تمام مجمع بیٹھ گیا۔ اور حضرت صدرالا فاضل مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم نے مسلمانانِ مراد آباد کی جانب سے حضرت حجۃ الاسلام اور ان کے برادر حضرت مفتی ہند کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور آپ کی دینی خدمات اور حمایت ملت کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے طول حیات و کثرت فیوض و برکات کی دعا کی''۔ (ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد، مجریہ ربیع الاول و جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

استقبال کے جشن کو اپنی چشم تصور میں لائیں اور پھر سوچیں کہ دو طرفہ دیوانوں کی قطاریں، پھولوں کی بارش، مدحیہ نظمیں، استقبالی جھنڈے، نعروں کی گونج، نذریں پیش کرنا اور شہر کے سب سے اہم علاقوں میں اس جلوس کو نکالنے جیسا بڑا اہتمام ہر کس و ناکس کے لیے نہیں کیا جاتا یقینا حضرت مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام سے صدرالا فاضل کو ایک خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا۔ اسی لیے آپ نے اس شان وشوکت کے ساتھ جلوس نکال کر اپنی بے پایاں محبتوں کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ یہاں صدرالا فاضل کے عقیدت مندوں کی دانش مندی کا بھی پتا چلتا ہے کہ فروری کی سردرات میں مفتی اعظم کی تشریف آوری کا پتا چلتا ہے اور صبح کو اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ صدرالا فاضل کو اعلان کا موقع نہیں ملا مگر! آپ کی بارگاہ کے حاضر باش یقینا آپ کے مزاج شناس تھے اس لیے انہیں اعلان کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی اور انہوں نے اپنے آقائے نعمت صدرالا فاضل کے مزاج کو پہچان کر از خود ہی لوگوں کو اطلاع کر دی اور نماز فجر پڑھتے ہی دیوانوں کا ہجوم مراد آباد کے اسٹیشن پر جمع ہو گیا۔ اور اہل مراد آباد کے اس مزاج کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علما و مشائخ کی بارگاہوں میں شروع ہی سے مؤدب، نذریں پیش کرنے اور محبت کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔ اسٹیشن سے جامعہ نعیمیہ کا فاصلہ قریب دو کلو میٹر ہے، مگر یہ اہل مراد آباد کا

مذہبی جوش ہی تھا کہ کڑاکے کی سردی میں اپنے معزز مہمانوں کو اہلاً وسہلاً مرحبا کی صداؤں میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ لاتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند اور امام الہند فخر الاماثل حضرت صدر الافاضل علیہما الرحمہ کی حیات مبارکہ کی یہ چند کڑیاں تھیں جو آپ کی نگاہوں سے گزری۔جن پر محبت وخلوص اور ایثار ووفا کا رنگِ حسین چڑھا ہے۔وقت نے مہلت دی تو اس موضوع پر ان شاء اللہ مزید تاریخی شہادتیں پیش کروں گا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اکابر کے ان معمولات کو دیکھ کر سبق حاصل کریں اور آپسی تعلقات کی نوعیت ایسے ہی رکھیں جیسے ہمارے بزرگوں کے مابین تھی۔اگر ہم اس پر عمل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو یقین جانیں ایک شاندار مستقبل ہمارا منتظر ہے۔

a a a a a

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کی دو معرکۃ الآرا کتابیں

مسلکِ اعلیٰ حضرت: تعارف، حقیقت اور چیلنج

اور

مسئلہ تکفیر اور عدم تکفیر کا تنقیدی جائزہ

شائع ہو چکی ہیں۔

a a a a a a a a a a a a a a a a a a a a

مفتیِ اعظم اُڑیسہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت

مصنف

سید اولادِ رسول قدسیؔ مصباحی

ترتیب و تقدیم

محمد رحمت اللہ صدیقی

ملنے کا پتہ:

محمد معین رضا عاکف، نیو مہاڈا بلڈنگ، 108، روم نمبر 404، پی ایم جی کالونی،

مانخورد، ممبئی 43

موبائل: 09930585533

بابِ دہم

منظومات

حضرت علامہ ریحان رضا خان، بریلی شریف

فخرِ سنّیت جو تھا وہ رہنما ملتا نہیں جس پہ نازاں زُہد تھا وہ پارسا ملتا نہیں
خادمِ دینِ متینِ مصطفیٰ جاتا رہا درد ہر دم دین کا جس کو رہا ملتا نہیں
جس کے ہونٹوں کا تبسم دافعِ کرب و بلا جس کے میٹھے بول تھے مشکل کشا ملتا نہیں
ہائے اب پائیں کہاں سے ہم دوائے دردِ دل دلنوازی کرنے والا دِلرُبا ملتا نہیں
جام بھی ہے، میکدہ بھی، رند بھی موجود ہیں میرِ میخانہ نہیں، یہ کیا ہوا ملتا نہیں
چاہنے والے ترے تیرے چلے جانے کے بعد جستجو میں ہیں تری، تیرا پتہ ملتا نہیں
یوں تو دنیا میں بہت ہیں، مولوی بھی پیر بھی میرے مرشد تیرے جیسا پیشوا ملتا نہیں
کچھ ہیں جن کے ظاہر و باطن میں ہے بین تضاد خلوت و جلوت میں جو تھا ایک سا ملتا نہیں
سنّت سرکار کے جلوؤں میں جو تھا گم سدا وہ رضائے مصطفیٰ، ابن رضا ملتا نہیں
یوں تو نوے سال سے دنیا میں وہ رہتا رہا رہ کے دنیا میں نہ دنیا کا ہوا ملتا نہیں

میرے حضرت مفتی اعظم کا یہ فیضان ہے
کہ چمن میں کوئی گل ریحانؔ سا ملتا نہیں

رازؔ الہ آبادی

پینے والے پی رہے ہیں بے خودی پوشیدہ ہے
کیا مِرے ساقی تری دریا دلی پوشیدہ ہے

نورِ حق چہرے پہ ہے نورِ نبی پوشیدہ ہے
چاند تو نکلا ہے لیکن چاندنی پوشیدہ ہے

اُن کی ہر ہر بات میں عشقِ نبی پوشیدہ ہے
ان کے ہی دامن میں فیضِ قادری پوشیدہ ہے

کس لیے مانگوں مَیں جا کر غیر سے آبِ حیات
میرے مرشد کی نظر میں زندگی پوشیدہ ہے

اعلیٰ حضرت کی گلی میں مفتیِ اعظم کو دیکھ
اِک ولی ہے سامنے اور اِک ولی پوشیدہ ہے

ان کے دامن سے جو لپٹا منزلوں کو پا گیا
اولیا کے راستوں میں راستی پوشیدہ ہے

اب چراغِ عشق لے کر ڈھونڈیئے تو ڈھونڈیئے
شمع تو روشن ہے لیکن رووشنی پوشیدہ ہے

رازؔ حضرت مفتیِ اعظم کی چشم پاک میں
غور سے تو دیکھ کیفِ سرمدی پوشیدہ ہے

رازؔ الہ آبادی

حرم کی شمع کا دل میں اُجالا لے کے آئے ہیں
نظر میں گنبدِ خضرا کا نقشہ لے کے آئے ہیں

غریبو بڑھ کے چومو مفتیِ اعظم کے ہاتھوں کو
رسولِ پاک کی عظمت کا سکّہ لے کے آئے ہیں

وہ آنکھیں جو غلافِ کعبہ سے مَل مَل کے روئی تھیں
انھیں آنکھوں میں دیکھو نورِ کعبہ لے کے آئے ہیں

غموں کی دھوپ میں اے جلنے والو چھاؤں میں آؤ
مدینے کے درختوں کا یہ سایہ لے کے آئے ہیں

فرشتوں کی طرف سے گنبدِ خضرا کی جھرمٹ میں
جو صبح و شام بٹتا تھا وہ صدقہ لے کے آئے ہیں

وہ اِک ٹکڑا کہ جس کو تاج والے بھی ترستے ہیں
مِرے مرشد مدینے سے وہ ٹکڑا لے کے آئے ہیں

جنھیں کہتے ہیں دنیا میں سبھی احمد رضا والے
رسولِ پاک کی عظمت کا سکّہ لے کے آئے ہیں

بریلی میں چراغِ عشق کی لَو تیز کرنے کو
عرب کی چاندنی راتوں کا جلوہ لے کے آئے ہیں

ہمیں بھی اے ولی ابنِ ولی طیبہ میں پہنچا دو
مدینہ جانے کی ہم بھی تمنّا لے کے آئے ہیں

مرید و پیر میں کیا فرق ہے یہ رازؔ تو سمجھو
مَیں پیاسا بن کے آیا ہوں وہ دریا لے کے آئے ہیں

قیصؔر وارثی

بمیں تنہا نہیں ہیں بیقرار مفتی اعظم
زمیں تا آسماں ہیں سوگوار مفتی اعظم

سمجھ لیجئے وہ ہے برباد دنیا اور عقبیٰ میں
نہیں ہے جس کی نظروں میں وقار مفتی اعظم

یہ اک وقفہ ہے جس کو موت سے تعبیر کرتے ہیں
نہیں رکنے کا اب یہ کاروبار مفتی اعظم

ولی اللہ کیسے ہوتے ہیں گر یہ سمجھنا ہے
تو دیکھو دوستو لیل و نہار مفتی اعظم

یہاں کا کام پورا ہو گیا اور ہو گئے رخصت
فرشتوں کو تھا کب سے انتظار مفتی اعظم

اگر ان سے محبت تھی تو ان سے بھی کرو الفت
کہ ہیں ریحان و اختر یادگار مفتی اعظم

خزاں کا دور آئے اس چمن میں غیر ممکن ہے
گئی ہے اور نہ جائے گی بہار مفتی اعظم

ہماری رہبری کو آج بھی کافی ہے اے قیصؔر
منور ضوفشاں نوری مزار مفتی اعظم !

پروفیسر فیاض کاوشؔ وراثی، پاکستان

علم کی جان مفتیِ اعظم شرع کی شان مفتیِ اعظم

روحِ اسلام ٗ جوہر ایماں تیرا فرمان مفتیِ اعظم

قوتِ دین ٗ قدرتِ یزداں فقہؔ کی جان مفتیِ اعظم

تیرے فتوؤں سے ہوگئے تازہ سب کے ایمان مفتیِ اعظم

یاد آتی ہے رہبری تیری آج ہر آن ٗ مفتیِ اعظم

تیری ہر بات گوہر یکتا علم کی کان مفتیِ اعظم

اب بھی جاری ہے سارے عالم میں تیرا فیضان مفتیِ اعظم

مطلعِ نورِ حق نما ٹھہری آپ کی شان مفتیِ اعظم

اپنے کاوشؔ پہ سائیہ رحمت
ظلِّ رحمان مفتئی اعظم

محمد محب الرحمٰن رضوی

مشعلِ راہِ طریقت باغِ نوری کی کلی
رہبر راہِ شریعت لختِ دل مولیٰ علی
ہو بہو تصویر ہیں احمد رضا کی اے محبؔ
حضرت مفتیِ اعظم پرتوے سے نجلی

ورودِ رحمتِ ربّی کا چشمہ مفتی اعظم — فرازِ فیض کوثر تھے سراپا مفتیِ اعظم
کشوفِ خاورِ حق گر زمانہ ہوتا جاتا ہے — زحل کی تیرگی میں تھے اُجالا مفتیِ اعظم
ہر اک گلزار کو بخشی ہے بوئے سنّت کا — امام اہلسنّت کا وہ پیارا مفتیِ اعظم
شہادت دے رہا ہے غنچہ غنچہ باغِ سنّت کا — ہمارے حُسن کو تم نے نکھارا مفتیِ اعظم
ترازوحق وباطل کی اٹھالی ہاتھ میں جس نے — کیا ہے سُنّتِ فاروق زندہ مفتیِ اعظم
ہوئی انوار کی بارش طفیل حضرتِ نوری — بفیض غوث یہ پایا ہے رتبہ مفتیِ اعظم
نہ ہوتا سایۂ احمد رضا گر اہلسنّت پر — کہاں ڈھونڈنے جاتے سہارا مفتیِ اعظم
مشامِ جاں معطر ہوتا ہے خاکِ بریلی سے — جہاں جھنڈا ہوا اونچا تمہارا مفتئ اعظم

گدا ہے تیرے گھر کا یہ محبؔ خالی نہ جائے گا
پئے احمد رضا کر دو اشارہ مفتئ اعظم

ایم نسیم بریلوی

میرے سرکار کا جو چاہنے والا ہوگا اس کے چہرے سے اندھیرے میں اجالا ہوگا

کس کو معلوم تھا اک ایسا سویرا ہوگا اک بریلی نہیں دنیا میں اندھیرا ہوگا

قافلہ پیشِ خدا جب کہ روانہ ہوگا اہلسنّت کا تیرے ہاتھ میں جھنڈا ہوگا

حشر میں سایہ فگن ہم سے گنہگاروں پر قادری رضوی و نوری کا پھریرا ہوگا

مفتی ہند کا ثانی نہیں ڈھونڈا تو بہت ہے نہ اس دور میں ایسا نہ اب ایسا ہوگا

نجدی بے دین تو اس وقت لرزتے ہوں گے مسکن خلد بریں جب کہ ہمارا ہوگا

کیوں نہ ہو اس کو شفا کھائے عقیدت اگر ان کی تربت کا ہر اک پھول مسیحا ہوگا

ان کے رندوں کی سرِ حشر یہ ہوگی پہچان ہاتھ میں شربت نوری کا پیالا ہو گا

روشنی دین کی دنیا کو عطا کی جس نے اس کے مرقد پہ بھی دن رات اجالا ہوگا

رحمتِ شاہِ دوعالم سے رہے گا روشن ان کی تحریر کا جس گھر میں طغریٰ ہوگا

ہے یقیں خلد میں اس شان سے جاونگا نسیمؔ
فردِ عصیاں کی جگہ دامنِ آقا ہوگا

شمسؔ الٰہ آبادی

نور نظر ہیں حضرتِ احمد رضاؔ کے آپ
اک محسن و رفیق ہیں خلق خدا کے آپ

لیکر ہمارا ہاتھ دیا اُن کے ہاتھ میں
کتنے قریں ہیں غوث الوریٰ کے آپ

سیرت بتا رہی ہے ببانگِ دہل ہمیں
آئینۂ حیات ہیں خیر الوریٰ کے آپ

باطل اُٹھائے سر بھلا اُس کی کیا مجال
شمشیر بے نیام ہیں شیر خدا کے آپ

لوٹا نہ بے مُراد کوئی در سے آپ کے
واللہ بادشاہ ہیں جود و سخا کے آپ

کیونکر نہ ناز آپ پہ سب رضویوں کو ہو
منارۂ عظیم ہیں قصرِ رضا کے آپ

بیشک ہیں آپ عارف باللہ اے حضور
رب العلا ہے آپ کا رب العلا کے آپ

آقا کرم سے آپ کے ذرہ بنا ہے شمسؔ
اک حاکمِ کبیر ہیں فیض و عطا کے آپ

قطعۂ تاریخ ارتحال

حضور مفتی اعظم ہند نور اللّٰہ مرقدہ

ڈاکٹر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برقؔ داناپوری

جو آفتاب درخشانِ علم گشت غروب ۔۔۔ شداست تیرہ و تاریک بے گماں عالم
چہ آفتاب کہ بر آسمانِ دینِ متیں ۔۔۔ ہمیشہ تازہ بہ نصف النّہار بُد ہر دم
فقیہہ و عارف و مفتی وارث دارِ نبی ۔۔۔ زجدوجہد او شرع محمدی محکم
چراغ اہل رضا، نورِ حق بظلمتِ کفر ۔۔۔ جہاد باقلم آمد ازا و بہ اہل ہمم
عقیدہ دار قضا و قدر و تبسم کرد ۔۔۔ خوش آمدِ ملک الموت رابگفت نعم
نماند ندشہ مصطفٰی رضا خاں حیف ۔۔۔ وجود پاکِ شاں زیں دنیا آہ گشتہ عدم
برفتگاں بجز ایصالِ ہر ثواب اے برقؔ ۔۔۔ نباشد اہلِ تسنّن راشیوہء ماتم
شنیدم ایں خبرِ بد اثر و بنوشتم ۔۔۔ بصد غم و بصد اندوہ و صدا ہزار الم

کمان مات رہا کر دچوں خدنگِ الف
سروش داد ندا ''مات مفتیءاعظم''

حضرت حق کانپوری

سنّیت کی روشنی تھے مفتیِ اعظم مرے — اک شرارِ معنوی تھے مفتیِ اعظم مرے
کیا شریعت کیا طریقت کیا حقیقت کیا مجاز — شہرِ علم و آگہی تھے مفتیِ اعظم مرے
ہر نظر احیائے سنّت ہر نفس وردِ درود — عاشق دین نبی تھے مفتیِ اعظم مرے
اک محدث اک معلّم اک مبصّر اک فقیہ — بحرِ علم باطنی تھے مفتیِ اعظم مرے
پاک باطن پاک سیرت پاک طینت پاک دل — ہمہ تن پاکیزگی تھے مفتیِ اعظم مرے
موج عرفان وبصیرت متّقی پرہیز گار — فیض ولطفِ دائمی تھے مفتیِ اعظم مرے
روح میں دینی حرارت ذہن میں تابندگی — روشنی ہی روشنی تھے مفتیِ اعظم مرے
مرشد کامل وحید العصر یکتائے زماں — علمِ دیں کے مہنتی تھے مفتیِ اعظم مرے
اہلِ سنت والجماعت کی نقابت کے سوا — اس زمانے کے ولی تھے مفتیِ اعظم مرے

اسمیں ذرّہ بھر بھی اے حقؔ شک کی گنجائش نہیں
در حقیقت جنّتی تھے مفتیِ اعظم مرے

مولانا قمرؔ شاہجہانپوری

نظر مفتیِ اعظم کی اگر ایک بار ہو جائے
قسم اللہ کی سائل کا بیڑا پار ہوجائے

یہی تعلیم ہے ریحا ںؔ رضا اخترؔ رضا خا ں کی
جسے جینے کی حسرت ہو فدائے یار ہو جائے

سنور جائے نصیب اس طرح مرشد کے وسیلے سے
یہاں بھی خوش ہو اور جنت کا بھی حقدار ہو جائے

یقیں کے ساتھ جو راہِ طریقت میں قدم رکھے
تو اس بندہ کے اوپر آگ بھی گلزار ہو جائے

بغیر ذ کر تیری زندگی افسردہ شعلہ ہے
سکو ں مل جائے دل کو دل اگر بیدار ہے

حکومت کی تمنا ہو یو وہ تیرے غلاموں کی
غلامی کے لئے جی جان سے تیار ہوجائے

تغافل کی ادا تو مصلحت ہے حسن والو ں کی
نگاہِ یار کا منشاء ہے دل ہو شیار ہو جائے

نثارِ جلوۂ دیدار ہو جا وقت سے پہلے!!
کہیں ایسا نہ ہو دنیا تری دیوار ہوجائے

رُخِ مرشد کی تصویر اس لئے دل میں بناتا ہوں
قمرؔ نکلے تو دنیا مطلع انوار ہوجائے